www.Paksociety.com
جنوری 2012
بہنوں کا اپنا ماہنامہ
شعاع
سالِ نو مبارک
پاک سوسائٹی ڈاٹ کام کی پیشکش
www.Paksociety.com

www.Paksociety.com

پہلی شعاع	رضیہ جمیل	10
حمد	مولانا حسن رضا خان	11
نعت	غفار بابر	11
نبی کی باتیں	ادارہ	12

انٹرویو

بندھن	آغا شیراز	17
دستک	شاہین رشید	22
شاعری	بانو ماہی قادری	267
کیا ہوا ہے سال بھر	ادارہ	27

ناول

دیوارِ شب	عالیہ بخاری	36
ستارۂ شام	آمنہ ریاض	242

مکمل ناول

جس راہ چلے	نزہت شبانہ حیدر	102
ضبطِ عشق	مہوش افتخار	144

ناولٹ

صبح کا ستارہ	سائرہ عارف	192
پرچھائیں	نعیمہ ناز	212
زرد رُتیں	سمیرا گل	78

افسانے

کوئی بتلائے کہ	صبا نور	60
دو چہرے	راشدہ رفعت	256
دیوار	عتیقہ محمد بیگ	137
شکایت گماں	ملیحہ صدیقی	67
رب کی مرضی	حیا بخاری	72

نظمیں غزلیں

غزل	انشا نجی	261
غزل	علی زریون	262
غزل	حسن عباسی	262

زرِ سالانہ بذریعہ رجسٹری

پاکستان (سالانہ)	800 روپے
ایشیا، افریقہ، یورپ	5000 روپے
امریکہ، کینیڈا، آسٹریلیا	6000 روپے

انتباہ: ماہنامہ شعاع ڈائجسٹ کے جملہ حقوق محفوظ ہیں، پبلشر کی تحریری اجازت کے بغیر اس رسالے کی کسی بھی کہانی، ناول، یا سلسلہ کو کسی بھی انداز سے نہ تو شائع کیا جاسکتا ہے، نہ کسی بھی ٹی وی چینل پر ڈرامہ، ڈرامائی تشکیل اور سلسلہ وار قسط کے طور پر یا کسی بھی شکل میں پیش کیا جاسکتا ہے۔ خلاف ورزی کرنے کی صورت میں قانونی کارروائی عمل میں لائی جاسکتی ہے۔

مستقل سلسلے

خط آپ کے	رضیہ جمیل	274
مسکراہٹیں	سائرہ غلام نبی	271
آئینہ خانے میں	تبصیر نشاط	284
باتوں سے خوشبو آئے	شگفتہ جاہ	263
یادوں کے جھروکے	امت الصبور	287
موسم کے پکوان	خالدہ جیلانی	281
خوبصورت بنیے	ادارہ	289

جنوری 2012

جلد 26 شمارہ 5

قیمت 50 روپے

خط و کتابت کا پتہ: ماہنامہ شعاع، 37 - اردو بازار، کراچی۔

رضیہ جمیل نے ابن حسن پرنٹنگ پریس سے چھپوا کر شائع کیا - مقام: 91، بی 1، ای ٹی سی ایچ ایس سوسائٹی، کراچی

Phone: 32721777, 32726617, 021-32022494 Fax: 0092-21-32766872

Email: shuaamonthly@yahoo.com, info@khawateendigest.com

www.Paksociety.com

www.Paksociety.com

پہلی شمع

رضیہ جمیل

شعاع کا جنوری کا شمارہ لیے حاضر ہیں۔
نئے سال کا پہلا شمارہ۔

دن ہفتوں میں، ہفتے مہینوں میں بدلے اور پھر سالوں کی مسافت طے کرکے تاریخ کا حصہ بنتے جارہے ہیں۔ تاریخ جس میں قوموں کے عروج و زوال کی بے شمار داستانیں رقم ہیں۔

ان قوموں کے قصے جنہوں نے خدائی احکام سے روگردانی کی اور عبرت کا نشان بن گئیں۔

وہ حکمران جنہوں نے اپنے عیش و نشاط کے لیے چند سکوں کے عوض اپنی ہی قوم کی آزادی کا سودا کیا اور اپنی نسلوں کو صدیوں تک کے لیے غلامی کا طوق پہنادیا۔

وہ قومیں جو آپس کے جھگڑوں میں اُلجھی دشمن کے قدموں کی چاپ نہ سُن سکیں اور زمانے میں عبرت کا نشان بن گئیں۔

تاریخ کے یہ اسباق ہمارے حال کی کہانی سُنا رہے ہیں اور شاید —؟

گزرے سال پر نظر ڈالیں تو دکھ، الم اور آنسو ہی نظر آتے ہیں۔ ایک طرف قدرتی آفات ہیں۔ سندھ میں بارش کے ہاتھوں ہونے والی تباہی سے آج بھی لاکھوں افراد بے گھر و بے سروسامان ہیں۔

دوسری طرف قومی اداروں کی زبوں حالی ہے جس سے لاکھوں افراد کا روزگار وابستہ ہے۔

بہت کچھ ہاتھ سے نکل چکا ہے لیکن ابھی بہت کچھ باقی ہے جسے بچایا جاسکتا ہے۔ وقت کسی کے لیے رُکتا نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ پر کامل یقین، نیک نیتی اور دیانت داری سے کوشش کی جائے تو ہم حالات کے اس گرداب سے نکل سکتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ سے دُعا ہے کہ نیا سال آپ کے لیے، ہمارے لیے، ہمارے ملک کے لیے اور تمام اُمتِ مسلمہ کے لیے امن، سلامتی اور خوشیاں لے کر آئے۔ آمین۔

اس شمارے میں،

- نزہت شبانہ حیدر کا مکمل ناول۔ جس راہ پہ چلے،
- مہوش افتخار کا مکمل ناول۔ ضبطِ عشق،
- نعیمہ ناز اور سمیرا گل کے ناولٹ،
- سائرہ عارف کے ناولٹ "میری صبح کا ستارہ" کی آخری قسط،
- عالیہ بخاری اور آمنہ ریاض کے ناول،
- راشدہ رفعت، صبا نور، عفیفہ محمد بیگ، ملیحہ صدیقی اور حیا بخاری کے افسانے،
- آغا شیراز اور خضب آغا کا "بندھن"،
- معروف شخصیات سے گفتگو کا سلسلہ دستک،
- شاعری سچ بولتی ہے، پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی پیاری باتیں اور دیگر مستقل سلسلے شامل ہیں۔

شعاع کو خوب سے خوب تر بنانے کے لیے ہم ہر گھڑی کوشاں رہتے ہیں۔ اس کوشش میں آپ کی تنقید و تعریف ہماری رہنمائی کرتی ہے۔ شعاع کا یہ شمارہ آپ کو کیسا لگا؟ اپنی رائے سے نوازیے گا۔ آپ کے خطوط کے منتظر ہیں۔

حمد باری تعالیٰ

ہے پاک رتبہ فکر سے اُس بے نیاز کا
کچھ دخل عقل کا ہے نہ کام امتیاز کا
شہ رگ سے کیوں وصال ہے آنکھوں سے کیوں حجاب
کیا کام اس جگہ خردِ ہرزہ تاز کا
لب بند اور دل میں وہ جلوے بھرے ہوئے
اللہ رے جگر ترے آگاہِ راز کا !!
عشق آپ کلیم ہے مشتاقِ دید کو
جلوہ بھی بے نیاز ہے اُس بے نیاز کا
افلاک وارض سب ترے فرماں پذیر ہیں
حاکم ہے تُو جہاں کے نشیب و فراز کا
اس بے کسی میں دل کو مرے ٹیک لگ گئی
شہرہ سُنا جو رحمتِ بے کس نواز کا
مانندِ شمع تیری طرف لَو لگی رہے
دے لطف میری جاں کو سوز و گداز کا
تُو بے حساب بخش کہ ہیں بے شمار جُرم
دیتا ہوں واسطہ تجھے شاہِ حجاز کا
بندے پہ تیرے نفسِ لعیں ہوگیا محیط
اللہ کر علاج مری حرص و آز کا
کیوں کر نہ میرے کام بنیں غیب سے حسنؔ
بندہ بھی ہوں تو کیسے بڑے کارساز کا

مولانا حسن رضا خان

نعت رسولِ مقبولؐ

میں نے اس ذاتؐ پہ لکھنے کی جسارت کی ہے
جسؐ کے دامن پہ فرشتوں نے عبادت کی ہے
جسؐ نے ہم خاک نشینوں کو فلک بوس کیا
جسؐ نے بونوں کو عطا خلعتِ قامت کی ہے
کس کی جرأت میرے آقاؐ کے برابر آئے ؟
میرے آقاؐ نے تو نبیوں کی امامت کی ہے
زخم کھا کر بھی جو پھولوں کی ردائیں بخشے
میرے آقاؐ نے تو کانٹوں سے محبت کی ہے
اللہ اللہ وہ کیا لوگ تھے جن لوگوں نے
چلتے پھرتے میرے آقاؐ کی زیارت کی ہے
اُنؐ پہ سوچوں تو مدینہ نظر آتا ہے مجھے
طے جو لمحات میں برسوں کی مسافت کی ہے
میں کہ اک ذرۂ ناچیز ہوں خورشید بکف
مجھ پہ اسؐ ذاتِ گرامی نے عنایت کی ہے
میرے مولا کی رضا ہے میرے آقاؐ کی رضا
میرے آقاؐ نے تو بابر وہ ریاضت کی ہے
آسمانوں پہ زمینوں پہ حکومت کی ہے
جس نے بابر میرے آقاؐ کی اطاعت کی ہے

غفار بابر

www.Paksociety.com

ادارہ

پیارے نبیؐ کی پیاری باتیں

باب : ۲ ۔ وصیت کی ترغیب

۲۶۹۹۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے۔ رسول اللہؐ نے فرمایا۔

"مسلمانوں کا یہ حق نہیں کہ اگر اس کے پاس کوئی ایسی چیز موجود ہو جس کے بارے میں وہ وصیت کرنا چاہتا ہو تو وہ دو راتیں بھی اس حال میں گزارے کہ اس کی وصیت اس کے بارے میں لکھی ہوئی اس کے پاس موجود نہ ہو۔"

فوائد و مسائل : وصیت ایسی چیز ہے کہ اس کا فائدہ اور ثواب مرنے کے بعد حاصل ہوتا ہے' جب وصیت پر عمل کیا جاتا ہے۔ انسان کو اپنی موت کے وقت کا علم نہیں' ممکن ہے بندے کو اس حال میں موت آجائے کہ اسے وصیت کرنے کا موقع نہ ملے' اس لیے بہتر ہے کہ وصیت ہر وقت تیار رکھی جائے۔ پہلے سے وصیت لکھ رکھنے کا یہ بھی فائدہ ہے کہ انسان اس میں حسب خواہش تبدیلی کر سکتا ہے۔ قرض اور امانت وغیرہ کی تفصیل ہمیشہ لکھ کر رکھنی چاہیے۔

۲۷۰۰۔ حضرت انس بن مالکؓ سے روایت ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

"محروم وہ ہے جو اپنی وصیت کرنے سے محروم رہا۔"

فائدہ : مذکورہ روایت اکثر محققین کے نزدیک ضعیف ہے۔ حدیث کا مفہوم یہ ہے کہ جو شخص وصیت کیے بغیر فوت ہو گیا' وہ ان فوائد سے محروم ہو گیا' جو اسے وصیت سے حاصل ہو سکتے تھے۔ مثلاً صدقہ کرنے کی وصیت کرتا تو اسے بعد میں اس کا ثواب ملتا' قرض کی ادائیگی کی وصیت کرتا تو وارث اس کا قرض ادا کر دیتے اور وہ بری الذمہ ہو جاتا۔ فوت ہونے کے بعد اس کوتاہی کی تلافی ناممکن ہے' اس لیے ایسا شخص بہت سی خیر سے محروم رہ گیا۔

۲۷۰۱۔ حضرت جابر بن عبداللہؓ سے روایت ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ "جو شخص وصیت کر کے فوت ہوا' وہ سیدھی راہ پر اور سنت طریقے پر (عمل کرتا ہوا) فوت ہوا۔ وہ تقویٰ اور شہادت کی موت مرا اور اس حال میں مرا کہ اس کی بخشش ہو چکی تھی۔"

جائز وارث کو حصہ نہ دینا

۲۷۰۲۔ حضرت انس بن مالکؓ سے روایت ہے' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

"جو شخص اپنے وارث کو ترکہ دینے سے بھاگے گا (ایسی وصیت کرے گا جس سے جائز وارث کو حصہ نہ ملے یا اس کے اصل حصے سے کم ملے) تو اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اسے اس کی جنت کی میراث سے محروم فرما دے گا۔"

وصیت میں ناانصافی

۲۷۰۳۔ حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

"آدمی ستر سال تک نیک لوگوں والے کام کرتا رہتا ہے پھر جب (مرتے وقت) وصیت کرتا ہے تو وصیت میں ناانصافی کرتا ہے' اس طرح اس کا انجام برے کام پر ہوتا ہے' چنانچہ وہ جہنم میں چلا جاتا ہے اور ایک آدمی ستر سال تک برے لوگوں والے کام کرتا رہتا ہے' پھر (مرتے وقت) وصیت میں انصاف سے کام لیتا ہے تو اس طرح اس کا انجام نیک کام پر ہوتا ہے' چنانچہ وہ جنت میں چلا جاتا ہے۔"

صحیح وصیت کا اجر

۲۷۰۵۔ حضرت معاویہ بن قرہ اپنے والد (حضرت قرہ بن ایاس بن بلال مزنیؓ) سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

"جس کی وفات کا وقت آیا تو اس نے وصیت کی اور اس کی وصیت اللہ کی کتاب کے مطابق تھی' اس کا یہ عمل اس کی زندگی میں ترک شدہ زکاۃ کا کفارہ بن جائے گا۔"

باب : ۴ ۔ زندگی میں بخل اور مرتے وقت فضول خرچی کی ممانعت

۲۷۰۶۔ حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے' انہوں نے فرمایا۔

"ایک آدمی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی۔

"اللہ کے رسولؐ! مجھے بتائیے کہ میرے حسنِ سلوک کا مستحق کون ہے؟"

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ "ہاں' قسم ہے تیرے باپ (کے ربّ) کی! تجھے ضرور بتاؤں گا۔ تیری ماں (تیرے حسن سلوک کی سب سے زیادہ مستحق ہے۔")

اس نے کہا۔ "پھر کون؟"

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ "پھر تیری ماں۔"

اس نے کہا۔ "پھر کون؟"

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ "پھر تیری ماں۔"

اس نے کہا۔ "پھر کون؟"

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ "تیرا باپ۔"

اس نے کہا۔ "اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم مجھے میرے مال کے بارے میں بتائیے کہ میں اس میں سے کس طرح صدقہ کروں؟"

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ "ہاں' قسم ہے اللہ کی تجھے ضرور بتاؤں گا۔ (وہ اس طرح ہے کہ) تو اس وقت صدقہ کرے جب تو تندرست ہو اور مال سے محبت رکھتا ہو' تجھے زندہ رہنے کی امید ہو اور فقر کا اندیشہ ہو۔ (یہ صدقہ کا صحیح وقت ہے) اور مؤخر نہ کرنا حتیٰ کہ جب تیری جان یہاں (حلق تک) پہنچ جائے پھر تو کہے۔ میرا مال فلاں کو دے دینا' میرا مال فلاں کو بھی دے دینا۔ وہ تو ان ہی کا ہو چکا' اگرچہ تجھے یہ (حقیقت) ناگوار محسوس ہو۔"

فوائد و مسائل : اپنی بات میں زور پیدا کرنے کے لیے قسم کھانا جائز ہے۔ جواب دینے سے پہلے تمہید کے طور پر کوئی بات کہنے سے سائل جواب کی طرف پوری طرح متوجہ ہو جاتا ہے' جیسے آپ کا یہ فرمانا۔ "میں تجھے ضرور بتاؤں گا۔"

قسم صرف اللہ کی ذات کی کھانا جائز ہے جیسا کہ صحیح احادیث میں وارد ہے۔ ارشاد نبویؐ ہے۔

"اللہ تعالیٰ تمہیں باپوں کی قسم کھانے سے منع فرماتا ہے' پس جو شخص قسم کھائے' وہ اللہ کی قسم کھائے یا خاموش رہے۔" (صحیح بخاری) اس لیے اس حدیث میں "باپ کی قسم" سے مراد "باپ کے ربّ کی قسم ہے۔ عربی زبان میں قرینے کی موجودگی میں الفاظ حذف کر دینا عام ہے۔"

حسن سلوک میں ماں کا حق زیادہ ہے کیونکہ وہ باپ کی نسبت زیادہ نرم دل اور زیادہ حساس ہوتی ہے' تاہم اگر ماں کسی ایسے کام کا حکم دے جو شرعاً ممنوع یا مکروہ ہو اور باپ اس غلط کام سے منع کرے تو باپ کا حکم ماننا ضروری ہے اور یہ ماں سے حسنِ سلوک کے منافی نہیں۔

صحت کی حالت میں صدقہ زیادہ افضل ہے کیونکہ اس وقت دل میں مال کی محبت زیادہ شدید ہوتی ہے اور اسے خرچ کرنا اس لیے بھی مشکل محسوس ہوتا ہے کہ

www.Paksociety.com

مستقبل میں حالات خراب ہونے کا خطرہ محسوس ہوتا ہے جبکہ موت کے وقت یہ خیال ہوتا ہے کہ اب میں اسے استعمال تو نہیں کر سکوں گا' لہٰذا صدقہ کر کے فائدہ حاصل کر لوں۔ اس وقت دل میں مال کی محبت نہیں رہتی۔

زندگی کے آخری ایام میں صدقہ کرنا' وصیت کرنا شرعاً" درست ہے۔ حدیث کا مطلب یہ ہے کہ عام حالات میں بھی صدقے کا اہتمام کرنا چاہیے۔

باب : ۵ ۔ تہائی ترکے کی وصیت

۲۷۰۸۔ حضرت عامر بن سعدؒ نے اپنے والد (حضرت سعد بن ابی وقاصؓ) سے روایت کیا' انہوں نے فرمایا۔

"فتح مکہ کے سال میں بیمار ہو گیا' حتیٰ کہ موت کے کنارے پہنچ گیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میری عیادت کے لیے تشریف لائے۔ میں نے عرض کیا۔

"اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! میرا مال بہت زیادہ ہے اور میری وارث' میری صرف ایک بیٹی ہے تو کیا میں اپنا دو تہائی مال صدقہ کر دوں؟"

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

"نہیں۔"

میں نے کہا۔ "آدھا؟"

فرمایا۔ "نہیں۔"

میں نے کہا۔ "تہائی؟"

فرمایا۔ "تہائی (جائز ہے) اور تہائی بھی زیادہ ہے۔ تیرا اپنے وارثوں کو خوشحال چھوڑنا انہیں مفلس چھوڑ جانے سے بہتر ہے کہ وہ لوگوں کے آگے ہاتھ پھیلاتے پھریں۔"

فوائد و مسائل : بیمار کی عیادت کرنا مسلمان کے حقوق میں شامل ہے اور یہ بہت بڑا نیک عمل ہے۔ جب انسان محسوس کرے کہ اس کا آخری وقت قریب ہے تو اس وقت اسے ترکے کے ایک تہائی حصے سے زیادہ صدقے کی وصیت نہیں کرنی چاہیے۔

اگر کوئی شخص تہائی حصے سے زیادہ کی وصیت کر کے فوت ہو جائے تو اس کی وصیت پر صرف تہائی ترکے تک عمل کیا جائے گا۔ (دیکھیے حدیث ، ۲۳۴۵)

بہتر یہ ہے کہ تہائی مال سے کم وصیت کی جائے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تہائی کی اجازت دینے کے باوجود اسے "زیادہ" فرمایا ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے اس حدیث سے یہی سمجھا ہے۔ (دیکھیے حدیث : ۲۷۱۱)

۲۷۰۹۔ حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

"اللہ تعالیٰ نے تم پر یہ صدقہ کیا ہے کہ وفات کے وقت تمہیں تہائی مال (میں وصیت کا حق) دے دیا ہے تاکہ تمہارے نیک اعمال میں اضافہ ہو جائے۔"

فوائد و مسائل : مذکورہ روایت کو ہمارے فاضل محقق نے سنداً" ضعیف قرار دیا ہے لیکن بعض محققین نے دیگر شواہد کی بنا پر حسن قرار دیا ہے۔ تفصیل کے لیے دیکھیے : (الموسوعۃ الحدیثیۃ مسند الامام احمد : ۴۵/ ۴۷۵، ۴۷۶ والارواء' رقم : ۱۶۴۱) بنابریں اسلامی شریعت کے احکام دنیا اور آخرت میں فائدے کا باعث ہیں۔

اچھے کام کی وصیت کرنے سے مرنے والے کو یہ فائدہ ہوتا ہے کہ جب اس کی وفات کے بعد اس کی وصیت پر عمل کیا جاتا ہے تو مرنے والے کو اس کا ثواب پہنچتا ہے۔

اگر پسماندگان اچھے کام کی وصیت پر عمل نہ کریں' تب بھی فوت ہونے والے کو اچھی وصیت کا ثواب ضرور ملے گا۔

۲۷۱۰۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

"(اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:) اے آدم کے بیٹے! دو چیزیں (میں نے تجھے دی ہیں) ان میں سے ایک بھی تیرے ہاتھ میں نہیں تھی۔ میں نے تیرے مال میں اس وقت تیرا حصہ مقرر کر دیا جب میں تیری سانس بند

کرتا ہوں (یہ اس لیے) تاکہ تجھے پاک صاف کر دوں اور (دوسری چیز) تیری زندگی کے ختم ہو جانے کے بعد میرے بندوں کا تجھ پر نماز جنازہ ادا کرنا۔"

باب : ۶ ۔ وارث کے حق میں وصیت جائز نہیں

۲۷۱۱۔ حضرت عمرو بن خارجہؓ سے روایت ہے' انہوں نے کہا۔

"نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں سے خطاب فرمایا' جب کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی سواری (اونٹنی) پر سوار تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سواری خوب جگالی کر رہی تھی اور اس کا لعاب میرے کندھوں کے درمیان (پشت پر) گر رہا تھا۔ (اس موقع پر) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

"اللہ تعالیٰ نے ہر وارث کو ترکے کا حصہ تقسیم کر کے دے دیا ہے' لہٰذا وارث کے لیے وصیت جائز نہیں۔ بچہ بستر والے کا ہے اور بدکار کے لیے پتھر ہیں۔ جو شخص اپنے باپ کے سوا کسی اور کا بیٹا ہونے کا دعوا کرے یا اپنے آزاد کرنے والوں کے سوا کسی اور کی طرف آزادی کی نسبت کرے تو اس پر اللہ کی' فرشتوں کی اور سب لوگوں کی لعنت ہے۔ اس کا نہ فرض قبول ہو گا اور نہ نفل۔"

یا فرمایا۔ "نہ نفل قبول ہو گا نہ فرض۔"

فوائد و مسائل : ترکے میں جن رشتہ داروں کا حصہ اللہ تعالیٰ نے مقرر فرما دیا ہے' انہیں ان کا مقررہ حصہ ضرور ملنا چاہیے۔

جن رشتہ داروں کا وراثت میں حصہ نہیں' ان کے حق میں مناسب وصیت کرنا بہتر ہے۔

بعض لوگ یتیم پوتے کی وارثت کا مسئلہ لے کر شریعت کے نظام میراث پر اعتراض کرتے ہیں۔ مثلاً" ایک شخص فوت ہوتا ہے' اس کا ایک بیٹا زندہ ہے' دوسرا بیٹا فوت ہو چکا ہے لیکن اس فوت شدہ بیٹے کا ایک بیٹا جو اب فوت ہونے والے کا پوتا ہے' وہ موجود ہے' اصول میراث کے مطابق یہ پوتا محروم ہے کیونکہ قریبی عصبہ کی موجودگی میں دور کا عصبہ رشتے دار محروم ہوتا ہے۔ اس قسم کی استثنائی اور نادر صورتوں کے لیے اللہ تعالیٰ کے نازل کردہ قانون میں تبدیلی کرنا بہت بڑی جسارت ہے۔

شرعی طور پر اس کا حل موجود ہے اور وہ یہ کہ فوت ہونے والا اپنے غیر وارث پوتے کے حق میں کچھ وصیت کر جائے۔ اگر وصیت نہ ہو تو وارثوں کے لیے مستحب اور بعض علماء کے نزدیک واجب ہے کہ وارث محروم الارث پوتوں وغیرہ کو وراثت میں سے کچھ نہ کچھ حصہ دیں۔ قرآن کریم کی آیت :

ترجمہ : "وراثت کی تقسیم کے وقت رشتے دار' یتیم اور مساکین آ حاضر ہوں تو تم مال وراثت میں سے انہیں کچھ دے دو۔" سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے۔

اکثر لوگ اس حکم قرآنی کو محض اخلاقی ہدایت سمجھ کر اپنے نہایت قریبی رشتے داروں (بھتیجوں وغیرہ) کو بالکل نظر انداز کر دیتے ہیں' جس کی وجہ سے اسلام کا قانون وراثت تنقید و اعتراض کا نشانہ بنتا ہے' حالانکہ اس میں تو ایسی کوئی چیز نہیں جس پر انگشت نمائی کی جا سکے۔ چچا تایا اپنے بھتیجوں وغیرہ کے ساتھ شفقت' ہمدردی اور صلہ رحمی کا معاملہ کریں جیسا کہ اسلامی تعلیمات کا تقاضا ہے تو ایک اسلامی معاشرے میں پوتوں وغیرہ کی وراثت یا عدم وراثت کا مسئلہ زیر بحث ہی نہ آئے کیونکہ صلہ رحمی کے اعتبار سے ان کی محرومی وراثت کا ازالہ خوش اسلوبی کے ساتھ کیا جا سکتا ہے۔

علاوہ ازیں تعجب کی بات ہے کہ اس قسم کے اعتراضات ان غیر مسلموں کی طرف سے بھی پیش کیے جاتے ہیں' جن کے ہاں وراثت کا کوئی اصول و ضابطہ سرے سے موجود ہی نہیں' سوائے اس کے کہ مرنے والے کا بڑا بیٹا یا بیٹی تمام ترکے کی مالک بن جاتی ہے' خواہ یہ کروڑوں کی جائیداد ہو۔ میت کی باقی اولاد بالکل محروم ہوتی ہے' حالانکہ اولاد ہونے کے لحاظ سے وہ اس کے برابر حق دار ہیں۔

www.Paksociety.com

انصاف سے اس قدر بعید رواج پر عمل کرنے والوں کی طرف سے اسلام کے انتہائی عادلانہ نظام وراثت کی ایک شق تلاش کر کے اس پر غلط سلط اعتراض کرنا اور اس طرح پوری شریعت کو ناقابل عمل قرار دینے کی کوشش کرنا معقول طرز عمل نہیں۔ افسوس ہے کہ بعض نام نہاد مسلمان بھی غیر مسلموں سے متاثر ہو کر ان ہی کی زبان بولنا شروع کر دیتے ہیں اور اپنا ایمان خطرے میں ڈال لیتے ہیں۔

وارث کے حق میں وصیت سے منع کرنے میں یہ حکمت ہے کہ اگر وہ وصیت قرآن و سنت کے مطابق ہو تو وصیت کرنے کی ضرورت نہیں، کیونکہ ان وارثوں کو شرعاً" وہی حصہ ملے گا، خواہ وصیت کی جائے یا نہ کی جائے اور اگر اس کی وصیت قرآن و سنت کے خلاف ہو تو اس وصیت پر عمل کرنا جائز نہیں۔ اس طرح وہ کالعدم ہے۔

نسبی تعلق ایک ناقابل تبدیل تعلق ہے، اسی وجہ سے اسلام کی نظر میں متبنیٰ (منہ بولے بیٹے) کو اصل باپ کی بجائے اپنی طرف منسوب کرنا اور اظہار (بیوی کو ماں بہن قرار دینا) غیر قانونی بلکہ گناہ ہے۔ ولاء (آزادی) کا تعلق بھی ناقابل تبدیل ہے، جس نے کسی کو آزاد کیا ہے، اسی کا آزاد کردہ (مولیٰ) کہنا چاہیے۔ آزاد کرنے والے کے احسان کو فراموش کر کے کسی اور کو مولیٰ قرار دینا بہت بڑا گناہ ہے۔

وارث کے لیے وصیت

۲۷۱۳- حضرت ابو امامہ (صدی بن عجلان) باہلیؓ سے روایت ہے، انہوں نے فرمایا۔ ”میں نے حجۃ الوداع کے موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے خطبۂ مبارک میں یہ فرماتے سنا۔ ”اللہ تعالیٰ نے ہر حق والے کو اس کا حق دے دیا ہے، لہٰذا وارث کے لیے کوئی وصیت نہیں۔“

باب : ۷۔ وصیت پوری کرنے سے پہلے قرض ادا کیا جائے

۲۷۱۵- حضرت علیؓ سے روایت ہے، انہوں نے فرمایا۔ ”رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وصیت پوری کرنے سے پہلے قرض ادا کرنے کا حکم دیا اور تم یہ آیت پڑھتے ہو :

ترجمہ : ”اس وصیت کے بعد جو وہ وصیت کرے یا قرض کے بعد۔“ (النساء ۱۲:۴) اور سگے بھائی، ایک ماں کے بیٹے وارث ہوں گے، سوتیلے بھائی نہیں۔“

فوائد و مسائل : قرض کی اہمیت وصیت کے مقابلے میں اس لحاظ سے زیادہ ہے کہ قرض زندگی میں بھی واجب الادا ہوتا ہے اور موت کے بعد بھی جبکہ وصیت موت کے بعد ہی قابل عمل ہوتی ہے۔ قرض جتنا بھی ہو ادا کرنا ضروری ہوتا ہے، جبکہ وصیت اگر تہائی ترکے سے زیادہ ہو تو تہائی تک قابل عمل ہوتی ہے، زائد نہیں۔

میت کے مال میں سب سے پہلے کفن دفن پر خرچ کیا جاتا ہے پھر قرض ادا کیا جاتا ہے پھر جو کچھ بچے اس کے تہائی مال یا اس سے کم کی جو وصیت ہو، وہ پوری کی جاتی ہے۔ اس کے بعد باقی ترکہ وارثوں میں تقسیم کیا جاتا ہے۔

آیت میں وصیت کا ذکر قرض سے پہلے ہونے کا یہ مطلب نہیں کہ پہلے وصیت پوری کی جائے، پھر قرض ادا کیا جائے بلکہ مطلب یہ ہے کہ دونوں چیزیں واجب ہیں، ان میں سے جو چیز پائی جائے وہ ادا کی جائے۔ اگر دونوں (وصیت اور قرض) موجود ہوں تو ترکے میں سے دونوں کی ادائیگی کرنے کے بعد باقی ترکہ تقسیم کیا جائے۔ علاوہ ازیں وصیت کا ذکر پہلے کرنے میں یہ نکتہ بھی ہو سکتا ہے کہ وصیت پر عمل کرنے کو زیادہ اہمیت نہیں دی جاتی جبکہ قرض تو لوگ زبردستی بھی وصول کر لیتے ہیں۔ وصیت کو پہلے بیان کر کے واضح کر دیا کہ اس پر عمل کرنے میں بھی کوتاہی نہیں ہونی چاہیے تاہم اس پر عمل قرض کی ادائیگی کے بعد ہی کیا جائے گا۔

میت کے سگے بہن بھائی اس کے سوتیلے بہن بھائیوں پر مقدم ہیں۔

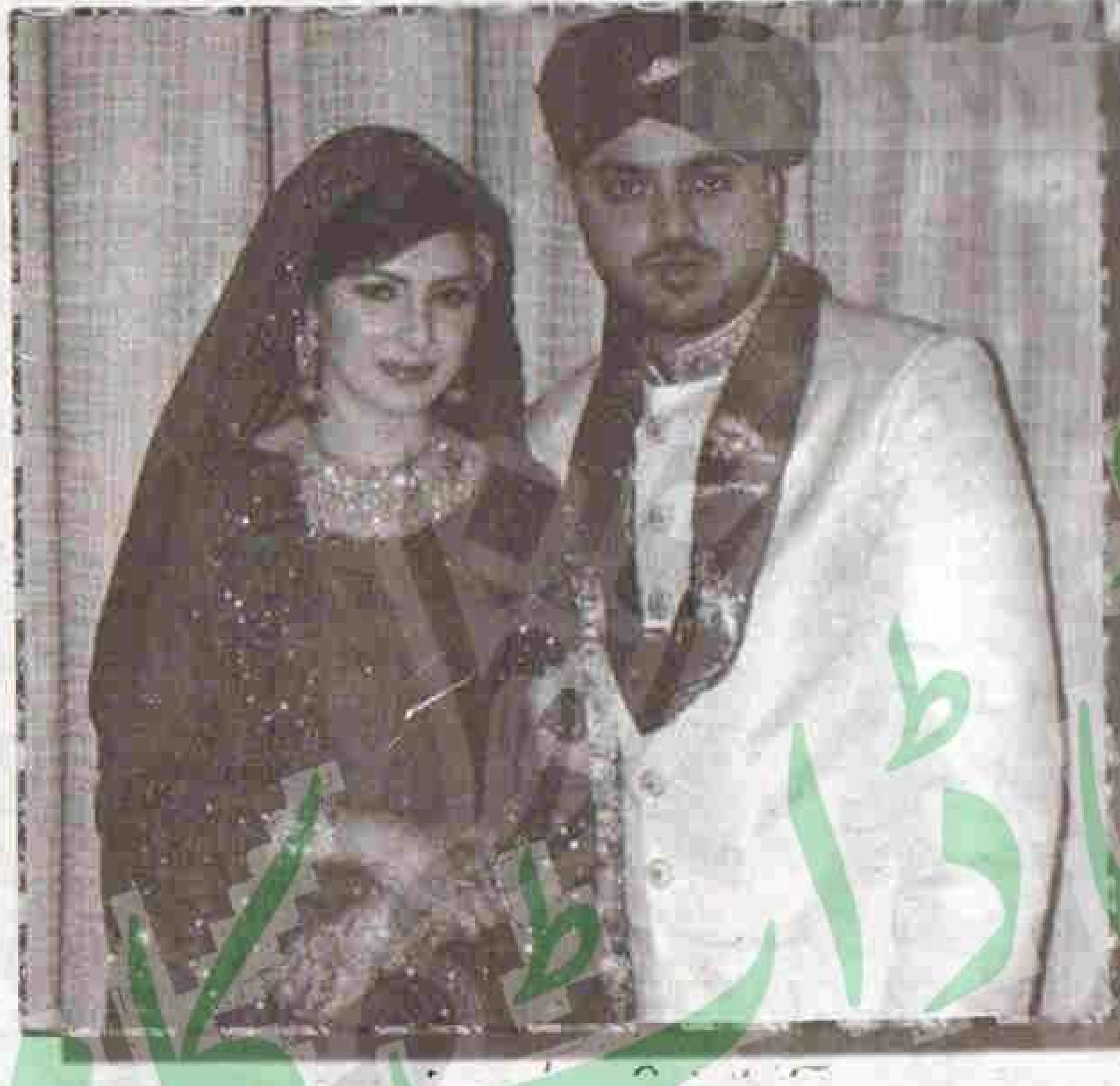

بندھن

آغا شیراز ہمراہ شگفتہ آغا

شاہین رشید

آغا شیراز کسی تعارف کے محتاج نہیں ہیں۔ معروف فنکار ہیں۔ انتہائی با اخلاق اور تعاون کرنے والے۔ انٹرویو کے لیے کبھی پریشان نہیں کرتے ”بندھن“ کے سلسلے میں ان سے بات چیت حاضر ہے۔

”کیسے ہیں آغا شیراز! بیگم کیسی ہیں اور بیٹا بھی۔“

”الحمد للہ میں بھی ٹھیک ہوں، بیگم بھی اور بیٹا بھی۔“

”کیا نام ہے بیٹے کا اور کتنے سال کا ہو گیا ہے؟“

”بیٹے کا نام آمش ہے اور ماشاء اللہ وہ ڈھائی سال کا ہو گیا ہے اور جیسے جیسے بڑا ہو رہا ہے اس کی شرارتیں بڑھتی جا رہی ہیں۔“

”بچوں کی شرارتیں بھی تو بہت مزا دیتی ہیں۔“

”بالکل گھر کی رونق ہوتے ہیں اور شرارتیں اس وقت مزے دار ہوتی ہیں جب کوئی نقصان نہ ہو..... اور آمش کی شرارتیں تو ابھی بہت معصوم اور بے ضرر ہیں۔“

”آپ کی شادی کو کتنا عرصہ ہو گیا ہے؟“

”ہماری شادی 8 جون 2007ء کو ہوئی تھی، اس سے آپ حساب لگا لیں کہ کتنے سال ہو گئے ہیں۔“

www.Paksociety.com

"پانچ سال ..... ان پانچ سالوں میں کوئی نمایاں تبدیلی آئی؟"

"نہیں کوئی خاص نہیں بس یہ کہ پہلے کام کم کرتا تھا۔ اب ماشاء اللہ بہت کام ہے اور شادی کے بعد ہی کام میں اضافہ ہوا ہے۔ اب فارغ وقت ملتا ہی نہیں ہے۔"

"گویا آپ کی بیگم آپ کے لیے بہت لکی ثابت ہوئی ہیں۔"

"بالکل..... بالکل آپ ٹھیک کہہ رہی ہیں۔ واقعی بیگم اور بیٹے کے آجانے سے کام میں اضافہ ہوا ہے۔ اللہ کا بڑا ہی کرم ہے۔"

"لڑکے عموماً" دیر سے شادی کرنے کو ترجیح دیتے ہیں کہ بیوی کے آجانے سے آزادی ختم ہو جائے گی اور دوستوں میں اٹھنے بیٹھنے کا موقع نہیں ملے گا تو آپ کی آزادی ختم ہوئی؟"

"میں بھی یہی سمجھتا تھا کہ آزادی ختم ہو جاتی ہے، لیکن شادی کے بعد اندازہ ہوا کہ ایسا نہیں ہے بلکہ شادی کے بعد تو مرد خاص طور پر زیادہ آرگنائزڈ ہو جاتے ہیں۔ ان کے ہر کام میں ڈسپلن آجاتا ہے اور وہ پہلے سے زیادہ اچھی زندگی گزارنے لگتے ہیں۔"

"لیکن ایسا سب کے ساتھ تو نہیں ہوتا؟ کس لحاظ سے آپ کہہ رہے ہیں کہ زندگی زیادہ اچھی گزرنے لگتی ہے؟"

"بھئی اس لحاظ سے کہ گھر پہ کوئی انتظار کرنے والا ہوتا ہے۔ وقت پہ سارے کام ہو جاتے ہیں۔ بغیر کہے ہوئے بیگم خاطر مدارات کے ساتھ ساتھ خدمت بھی کرتی ہیں۔ سب سے بڑی بات یہ کہ انسان بھٹکتا نہیں۔ اس کی اپنی ایک فیملی بن جاتی ہے اور پھر اللہ اولاد کی نعمت سے نواز دے تو زندگی جیسے مکمل ہو جاتی ہے۔"

"کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ شادی کم عمری میں ہونی چاہیے۔ کچھ تعلیم کو ترجیح دیتے ہیں۔ آپ کا کیا خیال ہے؟"

"خیال تو میرا بھی یہی ہے کہ لڑکے اور لڑکی کا تعلیم یافتہ ہونا بہت ضروری ہے۔ کیونکہ وقت کا پتا نہیں ہوتا کہ کس وقت کیا ہو جائے اس لیے انسان کے پاس اتنی تعلیم ضرور ہو کہ وہ اپنے برے وقت کے ساتھ مقابلہ کر سکے اور تعلیم تو بائیس تئیس سال کی عمر میں مکمل ہو جاتی ہے، تو لڑکیوں کی اس عمر میں شادی ہو جانی چاہیے اور لڑکے کے اوپر چونکہ گھر کی، ماں باپ کی اور بیوی بچوں کی ذمہ داری ہوتی ہے تو اس کے لیے ضروری ہے کہ وہ برسرروزگار ہو جائے اور تمام تر ذمہ داریاں اٹھانے کے قابل ہو جائے تو پھر شادی کرے۔"

"آپ کی بیگم "شب" کتنا پڑھی ہوئی ہیں؟"

"شب نے اے سی سی اے کیا ہوا ہے اور ماشاء اللہ سب ہی تعلیم یافتہ ہیں۔ شب کی والدہ ٹیچر ہیں۔"

"شب سے پہلی ملاقات کب اور کہاں ہوئی اور کوئی رشتے داری آپ دونوں کی؟"

"نہیں ہم دونوں کی کوئی رشتے داری نہیں ہے اور شب کو میں نے اس کے گھر میں ہی دیکھا تھا۔"

"کیا مطلب پہلے سے آنا جانا تھا؟"

"نہیں ایسا نہیں ہے۔ ہماری ایک رشتے دار ہیں۔ انہوں نے شب اور اس کی فیملی کے بارے میں بتایا تھا، تو ہم لوگ ان کے گھر گئے تھے۔ تب پہلی بار میں نے شب کو دیکھا اور بس۔"

"اور اگر شب پسند نہ آتی تو؟"

"دراصل میں نے پہلے شب کی تصویر منگوائی تھی اور تصویر دیکھ کر ہی ہم سب نے فیصلہ کیا تھا کہ شب کے گھر جائیں گے۔ تصویر میں شب اچھی لگی۔ اس لیے شادی کا فیصلہ کیا اور یہ سو فیصد ارینج میرج ہے۔"

"آپ کے خیال میں کیا بہتر ہوتا ہے "ارینج یا لو؟"

"ارینج ..... اگر میری کوئی پسند ہوتی تو گھر والوں کو بتا دیتا۔ مگر ایسی کوئی بات نہیں تھی اور میں چاہتا بھی یہی تھا کہ گھر والوں کی پسند سے ہی میری شادی ہو۔"

"پھر کوئی پچھتاوا تو نہیں ہوا؟"

"نہیں ہر گز نہیں ..... کیونکہ شب میری توقعات

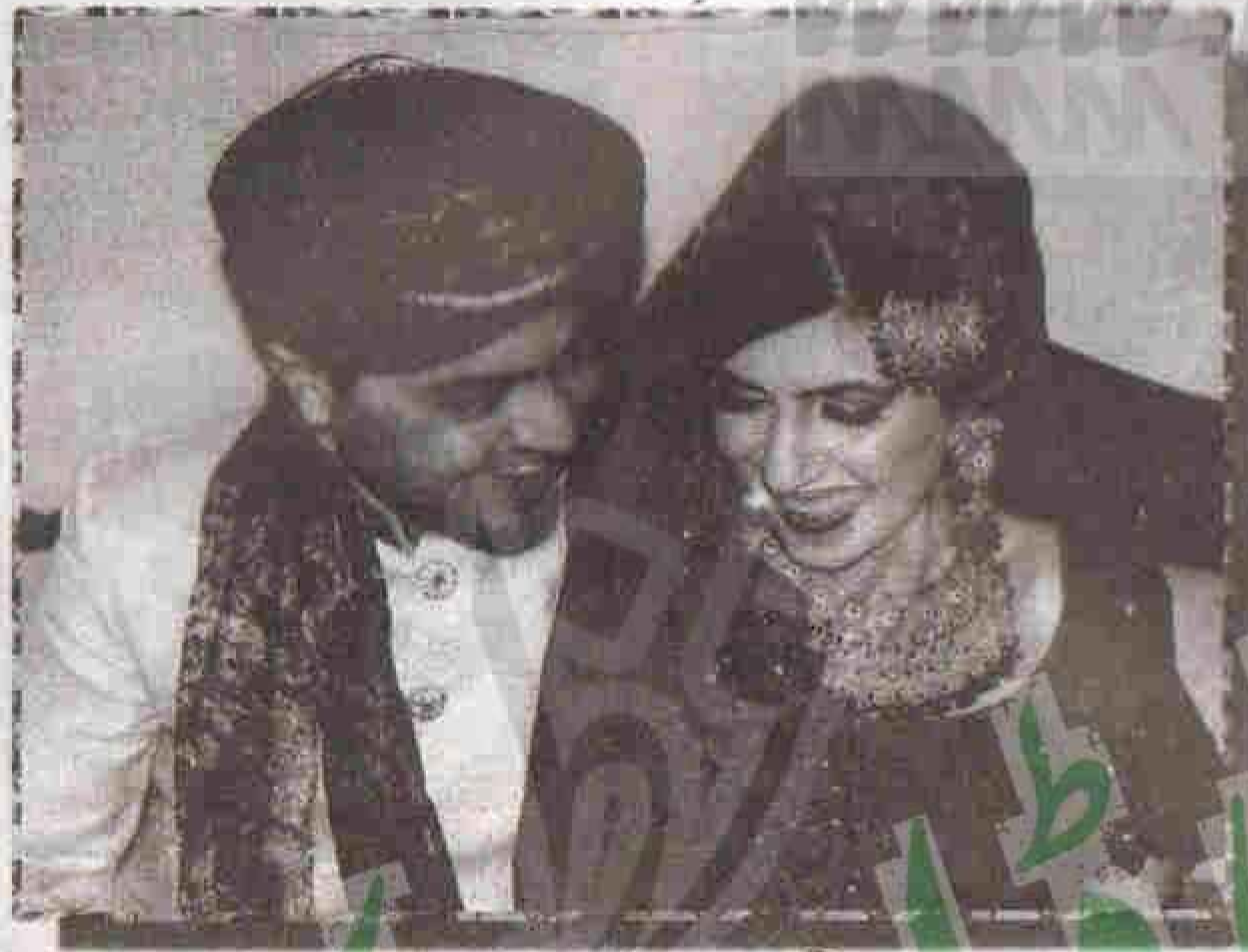

سے بڑھ کر اچھی ہے۔ بہت فرمانبردار بہت سلجھی ہوئی اور سگھڑ ہے۔"

"تعلیم یافتہ، سگھڑ تمیزدار، سلجھی ہوئی ..... اتنی خوبیاں ہیں تو پھر مغرور تو نہیں ہے؟"

"ارے نہیں، بالکل بھی نہیں۔ لڑکیوں کو ایسا ہی ہونا چاہیے کہ اتنی خوبیوں کے باوجود ان میں اکڑ نہ ہو، غرور نہ ہو اور آپ کو بتاؤں کہ شب مزاج کی بھی بہت اچھی ہے۔ ابھی آپ بات کریں گی تو آپ کو اندازہ ہو جائے گا۔"

"کچن سنبھال لیتی ہیں؟"

"سنبھال لیتی ہیں؟ پورا کچن ہی اس کے ہاتھ میں ہے۔ بہت اچھا پکاتی ہے۔ اب تو سب اس کے ہاتھ کا پکا ہوا کھانے کے عادی ہو گئے ہیں اور کچن میں کیا، پورے گھر میں اب اس کی حکمرانی ہے۔"

"والدہ کو تمام ذمہ داریوں سے آزاد کر دیا ہے؟"

"بالکل جی "امی کا بھی آرام کا دل چاہتا ہے۔ انہوں نے بہت خدمت کر لی ہے ہم سب کی اور میری امی اپنی بہو سے بہت خوش ہیں۔ اب تو ان کا زیادہ وقت انعش کے ساتھ گزرتا ہے۔"

"فضول خرچ کون ہے آپ یا شب؟"

"ہم دونوں ہی فضول خرچ ہیں۔ ہم دونوں ہی خوب خرچ کرتے ہیں۔ کوئی بھی اچھی چیز دیکھ لیں ہاتھ رکتا ہی نہیں ہے۔"

☼ ☼ ☼

شب آغا شیراز

"کیسی ہیں؟ شب آپ کا نام بہت خوب صورت ہے۔"

"جی میں ٹھیک ہوں اور میرا نام سب کو ہی بہت پسند آتا ہے۔ میرے ماں باپ نے یہ خوب صورت نام رکھا ہے۔"

"پہلے کچھ اپنے بارے میں بتاؤ" پھر آگے چلتے ہیں۔"

"جی! میرا نام شب آغا شیراز ہے۔ میرے والد کا تعلق راجہ فیملی پاکستان سے ہے جبکہ والدہ کا تعلق اسکاٹ لینڈ سے ہے۔ میری والدہ ٹیچنگ کے شعبے سے وابستہ ہیں اور والد صاحب ریٹائرڈ زندگی گزار رہے ہیں۔ میں اپنے والدین کی اکلوتی اولاد ہوں اور میں نے اے سی سی اے کیا ہوا ہے۔"

"والدین کی اکلوتی اولاد لاڈلی بھی بہت ہوتی ہے اور تھوڑی سی بگڑی ہوئی یعنی تھوڑی تھوڑی، خود سر بھی تو کیا؟"

www.Paksociety.com

"میں لاڈلی تو ضرور ہوں' مگر نہ ضدی ہوں اور نہ ہی خود سر۔ بے شک آپ ان سے میرے بارے میں پوچھ سکتی ہیں۔ میرے والدین نے ایسی اچھی تربیت کی ہے کہ مجھے نہیں لگتا کہ کسی کو مجھ سے کوئی شکایت ہوگی یا ہوئی ہوگی۔"

"شادی کے بعد ذمہ داریوں میں اضافہ ہو جاتا ہے۔ جبکہ والدین کے گھر میں تھوڑی آزاد زندگی ہوتی ہے تو کوئی مشکل ہوئی آپ کو؟"

"یہ بات تو آپ ٹھیک کہہ رہی ہیں کہ والدین کے گھر میں تھوڑی آزادی ہوتی ہے' اس لحاظ سے کہ اگر صبح دیر سے اٹھ جائیں یا کسی کام کو کرنے میں سستی آ رہی ہو تو کوئی مسئلہ نہیں ہوتا...... اور مسئلہ تو سسرال میں بھی نہیں ہوتا بس خود سے اچھا نہیں لگتا کہ ہم دیر سے اٹھیں یا کسی کام میں سستی دکھائیں...... ذمہ داری کا احساس خود بخود آجاتا ہے۔ یہ شاید اللہ نے لڑکیوں کی فطرت میں رکھا ہے کہ وہ اپنے آپ کو دوسرے ماحول میں جلدی ایڈجسٹ کر لیتی ہیں۔"

"آغا شیراز ایک معروف جانے پہچانے فنکار ہیں۔ جب ان کا رشتہ آیا تو آپ کو اچھا لگا کہ شوبز والوں سے رشتہ جڑنے جا رہا ہے؟"

"سچ بتاؤں' میں نے ان کا نام ضرور سنا ہوا تھا مگر ان کا کوئی ڈرامہ غور سے نہیں دیکھا تھا' کیونکہ میں اپنی پڑھائی میں مصروف رہتی تھی۔ مجھے تو شادی کے بعد اندازہ ہوا ہے کہ میری شادی ایک معروف شخصیت سے ہوئی ہے۔ جس کے چاہنے والے بہت ہیں۔"

"فیلڈ خطرناک ہے' ڈر لگتا ہے؟"

"نہیں۔ اگر بیوی اچھی ہے' شوہر کی ضروریات کا خیال رکھتی ہے۔ اپنے آپ کو بھی فٹ رکھتی ہے' تو پھر مرد کبھی بھی کسی کی طرف نظر اٹھا کر نہیں دیکھے گا اور فیلڈ تو خوامخواہ بدنام ہے۔ اگر مرد کو گھر پر توجہ نہ ملے تو پھر وہ باہر ہی دیکھے گا۔"

"آغا شیراز کا تعلق ایران سے ہے آپ راجہ فیملی سے۔ دو الگ الگ خاندان۔ ماحول میں بہت فرق تھا یا کوئی خاص نہیں؟"

"جس لڑکی کی شادی ہو رہی ہوتی ہے تو اسے اندازہ تو ہوتا ہے کہ اس کے گھر کے ماحول میں اور سسرال کے ماحول میں تھوڑا بہت فرق ضرور ہوگا۔ قریبی رشتے داروں میں...... بھی گھر کے ماحول میں فرق ہوتا ہے اور میں تو ایک صوبے سے دوسرے صوبے میں جا رہی تھی' دو مختلف زبانوں کے لوگ تو مجھے یقین تھا کہ ماحول مختلف ہوگا۔ مگر سچ پوچھیں تو ان کی فیملی اتنی اچھی ہے کہ مجھے ان کے ماحول میں ایڈجسٹ کرنے میں کوئی مشکل پیش نہیں آئی۔"

"شادی کی ایکسائٹمنٹ تھی یا اداسی تھی؟"

"ایکسائٹمنٹ سے زیادہ اداسی تھی کیونکہ جیسا کہ میں نے آپ کو بتایا کہ میں اپنے والدین کی اکلوتی اولاد ہوں تو مجھے یہ سوچ سوچ کر پریشانی ہو رہی تھی کہ وہ اکیلے کیسے رہیں گے۔ میرے والدین جب میری شادی کی بات کرتے تھے تو میں یہی کہتی تھی کہ میں نے شادی نہیں کرنی...... مگر والدین اس معاملے میں کب کسی کی مانتے ہیں۔"

"منہ دکھائی میں کیا ملا تھا؟ اور شادی کے لیے خوب صورتی کتنی اہمیت رکھتی ہے؟"

"منہ دکھائی میں انہوں نے مجھے انگوٹھی دی تھی یوں تو ساری زندگی سیرت ہی کام آتی ہے' مگر ہمارے یہاں مسئلہ یہ ہے کہ پہلے صورت اور پھر سیرت دیکھی جاتی ہے۔ اس لیے اچھی صورت کا ہونا بہت ضروری ہے۔ خوب صورتی سب کو بھلی لگتی ہے۔"

"ہنی مون منایا تھا؟"

"جی بالکل منایا تھا اور میری نظر میں ہنی مون منانا بہت ضروری ہے۔ خاص طور پر ان لوگوں کے لیے جن کی ارینج میرج ہوتی ہے کیونکہ جب میاں بیوی کچھ وقت اکیلے گزارتے ہیں تو پھر انہیں ایک دوسرے کے مزاجوں کا اور ایک دوسرے کی اچھی بری عادتوں کا پتا چلتا ہے۔"

www.Paksociety.com

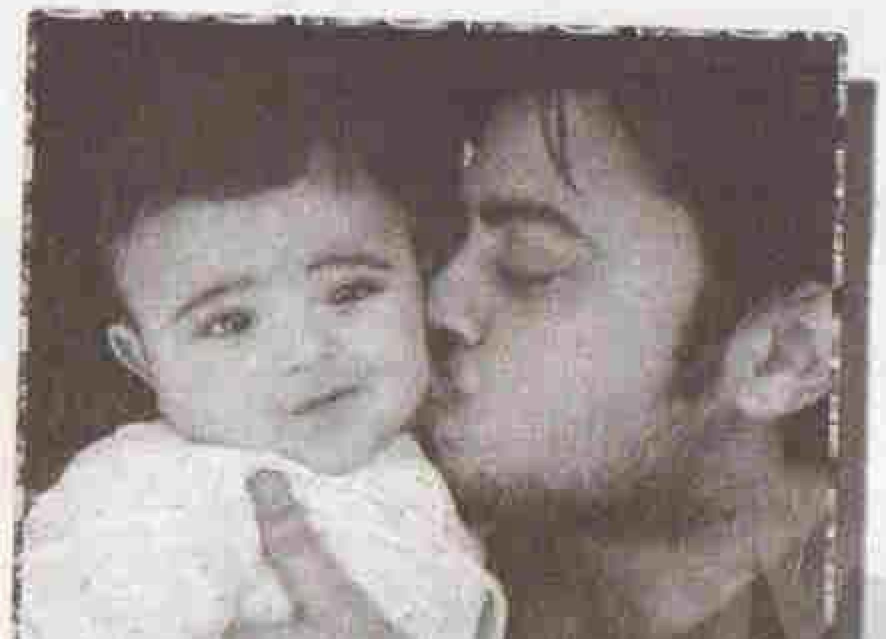

"اچھا...... تو پھر آپ نے ان سب باتوں میں آغا شیراز کو کیسا پایا؟"

"بہت اچھا پایا...... شانی میں بہت سی خوبیاں ہیں۔ خامیاں نہ ہونے کے برابر ہیں۔ اگر کچھ برائی ہے تو یہ کہ ان کا غصہ تیز ہے۔ چھوٹی چھوٹی بات پر اکثر انہیں بہت غصہ آجاتا ہے۔ کوئی کام ان کی مرضی کے بغیر ہو جائے تو بس ان کا موڈ انتہائی خراب ہو جاتا ہے۔"

"پھر تو دوستوں کا حلقہ بھی کم ہوگا۔ کیونکہ غصے والے انسان کو لوگ ذرا کم ہی پسند کرتے ہیں۔"

"ایسی بات نہیں ہے۔ ان کا حلقہ احباب اور حلقہ یاراں بہت وسیع ہے اور کوئی بھی ان کے غصے کی شکایت نہیں کرتا بلکہ سب یہی کہتے ہیں کہ بھئی آپ کے میاں تو بہت ہی ملنسار اور خوش اخلاق ہیں اور ہے بھی ایسا ہی' بس غصہ تو صرف گھر والوں کے لیے ہے۔"

"جوڑے آسمانوں پر بنتے ہیں یا زمین پر؟"

"جوڑے آسمانوں پہ بنتے ہیں اور زمین پر مکمل ہوتے ہیں۔ اب دیکھیں ناکہ یہ ایران کے اور میں پنجابی تو جوڑ تو پھر اللہ نے ہی بنایا ہے نا۔"

"تب تو ارینج اور لو میرج سے بھی کوئی فرق نہیں پڑتا۔"

"جی بالکل' لیکن لو میرج میں بھی والدین کی مرضی ضرور شامل ہونی چاہیے۔ باقی کامیابی اور ناکامی کے لیے کچھ نہیں کہا جا سکتا' جو اللہ کو منظور ہوتا ہے' وہی ہوتا ہے۔"

"شیراز بتا رہے تھے کہ آپ نے پورا گھر سنبھالا ہوا ہے اور کھانا تو آپ بہت اچھا پکاتی ہیں۔ آغا شیراز آپ کا ہاتھ بٹاتے ہیں گھر کے کاموں میں؟"

"میں جب بیاہ کر آئی تو میں نے دیکھا کہ ان کے گھر کے کھانوں اور ہمارے گھر کے کھانوں کے ذائقے میں بہت فرق ہے' تو پھر میں نے ان کے کھانے پکانے بھی سیکھے اور اپنے بھی بنائے...... اب میں دونوں طرح کے کھانے پکا لیتی ہوں۔ جہاں تک شانی کے ہاتھ بٹانے کا تعلق ہے تو مجھے یہ بالکل بھی پسند نہیں ہے کہ گھر کے مرد کچن میں بیوی کا ہاتھ بٹائیں۔ یہ گھر سے باہر اتنی محنت کر کے آتے ہیں۔ کیا ہم گھر بھی نہیں سنبھال سکتے۔"

"کھانے میں آپ کو کیا پسند ہے اور آپ کے میاں صاحب کو کیا پسند ہے؟"

"مجھے تو کھانے میں سب کچھ پسند ہے۔ کوئی نخرا نہیں ہے مجھ میں۔ البتہ یہ ذرا نخریلے ہیں۔ انہیں بینگن اور کریلے پسند نہیں۔ کریلے تو پھر بھی زہر مار کر لیتے ہیں مگر بینگن تو بالکل بھی نہیں کھاتے۔"

"عموماً" لڑائی کس بات پر ہوتی ہے اور صلح میں پہل کون کرتا ہے؟"

"چھوٹی موٹی باتوں پر ہی لڑائی ہوتی ہے۔ عموماً" سگریٹ پینے پر ہی تکرار ہوتی ہے اور صلح میں پہل وہی کرتا ہے جس کی غلطی ہوتی ہے۔ ویسے زیادہ تر شانی ہی مناتے ہیں۔"

"خوش ہیں آپ اپنی لائف سے۔"

"جی الحمد للہ۔"

اور اس کے ساتھ ہی ہم نے انٹرویو کا اختتام کیا۔

www.Paksociety.com

دستک
دستک
دستک

شاہین رشید

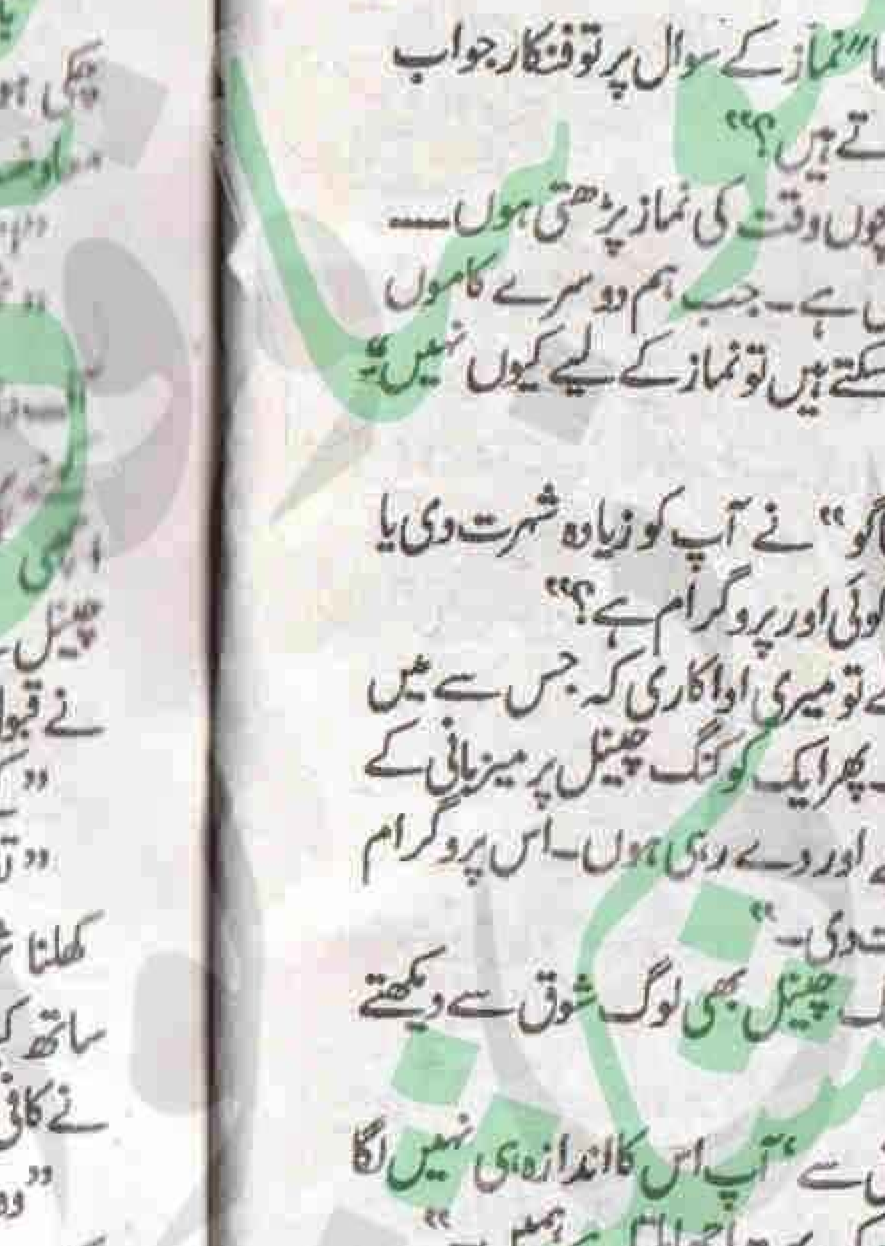

کرن خان

"کرن خان! کیسی ہو؟"

"الحمد للہ..... آپ سنائیں۔"

"بہت زمانہ ہوا تمہارا انٹرویو کیا تھا۔ کچھ یاد ہے؟"

"جی بالکل یاد ہے۔"

"تمہارا پروگرام "جاگو پاکستان جاگو" بہت اچھا ہوتا ہے اور خاص طور پر تمہاری ہنسی اور تمہاری ڈریسنگ بہت عمدہ ہوتی ہے۔"

"جی بہت شکریہ....."

"صبح صبح اٹھنے میں مشکل تو نہیں ہوتی؟"

"نہیں، اللہ کا شکر ہے، جلدی اٹھ جاتی ہوں اور فجر کی نماز کے لیے تو اٹھنا ہی پڑتا ہے۔"

"اچھا گڈ..... عموماً نماز کے سوال پر تو فنکار جواب کو گول مول ہی کر جاتے ہیں؟"

"الحمد للہ میں پانچوں وقت کی نماز پڑھتی ہوں..... کیونکہ یہ ہم پر فرض ہے۔ جب ہم دوسرے کاموں کے لیے وقت نکال سکتے ہیں تو نماز کے لیے کیوں نہیں؟"

"جاگو پاکستان جاگو" نے آپ کو زیادہ شہرت دی یا آپ کے خیال میں کوئی اور پروگرام ہے؟"

"سب سے پہلے تو میری اداکاری کہ جس سے میں نے شوبز کا آغاز کیا۔ پھر ایک کوکنگ چینل پر میزبانی کے فرائض انجام دیے اور دے رہی ہوں۔ اس پروگرام نے مجھے بہت شہرت دی۔"

"اچھا..... کوکنگ چینل بھی لوگ شوق سے دیکھتے ہیں؟"

"جی بہت شوق سے "آپ اس کا اندازہ ہی نہیں لگا سکتیں۔ اس کا فیڈ بیک بہت اچھا ملتا ہے ہمیں۔"

"کرن! آپ خود بھی اچھا پکا لیتی ہیں؟"

"ہاں کیوں نہیں..... آپ کے علم میں یہ بات لانا چاہوں گی کہ میں نے کوکنگ مینجمنٹ کا کورس کیا ہوا ہے اور میں سمجھتی ہوں کہ جو لوگ بھی کوکنگ شو کی میزبانی کریں انہیں کھانے پکانے کی شُدبُد ضرور ہونی چاہیے۔"

"اداکاری کیوں چھوڑ دی؟"

"اب ٹائم نہیں ملتا۔ پہلے خاصا ٹائم تھا تو میں کر بھی لیتی تھی، مگر جب سے کوکنگ شو اور مارننگ شو کرنے لگی ہوں، اداکاری کے لیے وقت نہیں ملتا۔"

"کیا مشکل ہے، شوز کرنا یا اداکاری کرنا؟"

"لائیو شو کرنا مشکل ہے کیونکہ بہت ایکٹو ہو کے رہنا پڑتا ہے۔ غلطی کا کوئی ازالہ نہیں ہوتا سوائے معذرت کے..... اداکاری زیادہ مشکل نہیں ہے، مگر ٹائم بہت لگتا ہے۔ فی الحال تو اداکاری سے بالکل کنارہ کشی کی ہوئی ہے۔"

"ماڈلنگ بھی تو کی ہے آپ نے؟"

"بالکل کی ہے۔ تقریباً "50 سے زیادہ کمرشلز کر چکی ہوں۔ ماڈلنگ میں وقت بھی کم لگتا ہے اور معاوضہ بھی ٹھیک ٹھاک ملتا ہے۔"

"یہ بتائیں کہ اس فیلڈ میں کیسے آئیں؟"

"بس اتفاق ہوا یہ کہ انڈس ویژن نے "فیس آف دی ایئر" مقابلے کا اہتمام کیا۔ سب دوستوں کے کہنے پر میں نے بھی اس میں حصہ لے لیا۔ قسمت اچھی تھی کہ میں مقابلہ جیت گئی۔ بس پھر کیا تھا۔ اسی چینل نے میزبانی کی اور اداکاری کی آفرز دیں جو کہ میں نے قبول کی اور یوں میں اس فیلڈ کا حصہ بن گئی۔"

"کتنے سال ہو گئے؟"

"تقریباً" آٹھ نو سال۔ اس وقت نئے نئے چینلز کھلنا شروع ہوئے تھے۔ لیکن زیادہ کام انڈس کے ساتھ کیا اور ماشاء اللہ سے ان آٹھ نو سالوں میں میں نے کافی کام کیا ہے۔"

"وہ تو ہم دیکھ ہی رہے ہیں۔ لیکن مارننگ شو نے تو ایک دم بلندی پہ پہنچا دیا ہے۔"

"جی بالکل اس میں کوئی شک نہیں۔"

"کچھ اپنی ذاتی زندگی کے بارے میں بتائیں!"

"میں 25 فروری 1975ء کو دبئی میں پیدا ہوئی۔ ابتدائی تعلیم دبئی سے ہی حاصل کی اور جب فیملی کے ساتھ کراچی شفٹ ہوئی تو پھر سٹی اسکول میں داخلہ لیا۔ وہاں سے میٹرک کیا اور گورنمنٹ کامرس کالج سے گریجویشن کیا پھر فوٹو گرافی اور مونٹسوری ڈائریکٹری کے کورسز کیے اور تقریباً" سات آٹھ سال ٹیچنگ بھی کی اور اب آپ کے سامنے ہوں۔"

"شادی؟"

"جی شادی ہوئی' زیادہ نہ ہو سکا۔ اللہ نے ایک بیٹا دیا ہے' جو اب میری تمام تر امیدوں کا مرکز ہے۔ اللہ اسے لمبی عمر دے۔"

"اسمارٹ رہنے کا راز؟"

"قدرت کی مہربانی ہے۔ کچھ خاص خیال نہیں رکھتی۔ البتہ کھانے میں بہت مرغن غذا استعمال نہیں کرتی۔ دال چاول' قیمہ اور سبزی میرے پسندیدہ کھانے ہیں۔"

کرن خان' بہت سلجھے ہوئے اور ٹھہرے انداز میں گفتگو کرتی ہیں' تب ہی ان کا شو بہت دیکھا جاتا ہے۔

✡ ✡ ✡

عائشہ عمر

"کیسی ہیں عائشہ عمر صاحبہ!"

"جی اللہ کا شکر ہے۔"

"آپ ماشاء اللہ کافی عرصے سے اس فیلڈ میں ہیں۔ آپ کا ایک نام ہے' لیکن جو شہرت آپ کو "بلبلے" نے دی وہ کسی پروگرام نے نہیں دی۔ آپ تسلیم کرتی ہیں اس بات کو؟"

"کیوں نہیں..... اس سیریز نے مجھے واقعی بہت شہرت دی ہے۔ بہت پسند کیا جاتا ہے اس سلسلے کو۔"

www.Paksociety.com

"لوگ آپ کا اصلی نام تو بھول ہی چکے ہوں گے۔"

(ہنستے ہوئے) "بالکل جی' جہاں جاؤ' خوبصورت! آپ کیسی ہیں۔ آپ کی پرفارمنس بہت اچھی ہوتی ہے کیا آپ کا اصلی نام بھی یہی ہے۔"

"کیسا لگتا ہے۔ سب کچھ' کسی نے تنقید کی؟"

"بہت اچھا لگتا ہے' بہت عزت ملتی ہے۔ بہت تعریف ملتی ہے اور تنقید کا سامنا کم ہی کرنا پڑتا ہے کیونکہ منہ پر تو سب تعریف ہی کرتے ہیں۔ میں تو چاہتی ہوں کہ لوگ تنقید کریں تاکہ ہمیں اپنی خامیاں بھی پتا چلے..... ہاں وہ تنقید مجھے بہت بری لگتی ہے جو ہماری عدم موجودگی میں ہوتی ہے اور وہ بھی ہماری پرفارمنس پہ نہیں بلکہ ہماری ذاتی زندگی پر' ذاتی زندگی پر تنقید کرنے کا کسی کو حق نہیں ہے۔"

"لوگ خوب صورت کہہ کر بلاتے ہیں' اس نام نے تمہاری شخصیت پر اثر ڈالا؟"

"یہی اثر ڈالا ہے کہ اگر اللہ نے خوب صورت بنایا ہے' تو اس کی حفاظت بھی کرنی چاہیے اور میں اس کی حفاظت کرتی ہوں..... ویسے میرا اپنا نام بہت خوب صورت اور پاکیزہ ہے' جو کہ مجھے بہت پسند ہے۔"

"کب سے ہیں اس فیلڈ میں؟"

"بچپن سے..... اور اس بات پر کسی کو یقین نہیں آتا' حالانکہ یہ حقیقت ہے۔ آپ کو بتاؤں کہ جب میں آٹھ سال کی تھی تو میں نے منزہ ہاشمی کے ساتھ ایک پروگرام "میرے بچپن کے دن" کی میزبانی کی تھی۔ اس میں ہمیں مشہور شخصیات سے ان کے بچپن کے حوالے سے انٹرویو کیا کرتی تھی اور بچپن سے ہی تھیٹر میں کام کرتی چلی آرہی ہوں۔"

"اب بھی تھیٹر کرتی ہیں؟"

"نہیں اب نہیں' لیکن کبھی موقع ملا تو ضرور کروں گی۔ ان لوگوں کے ساتھ جو صحیح معنوں میں تھیٹر کرتے ہیں۔"

"اب تک کے نمایاں کام کون کون سے ہیں؟"

"میں نے اس فیلڈ میں بہت کام کیا ہے۔ سوشل ورک بھی کیا ہے۔ اسپیشل بچوں کے لیے بہت کام کیا ہے اور یہ سب کام میں اسکول کی چھٹیوں میں کرتی تھی اور ڈرامے' لونگ پلے' سوپ' بہت کچھ کیا ہے۔ لسٹ بہت لمبی ہے۔"

"چلو رہنے دو..... آج کل گلوکاری کی طرف بھی تو تمہارا رجحان ہے۔"

"جی ہاں..... میں نے سوچا کہ اداکاری' ماڈلنگ' میزبانی' فلاحی کام سب کچھ تو کرلیا ہے' اب آواز کا جادو بھی جگایا جائے' اس لیے اب اس طرف توجہ دے رہی ہوں اور دو گانے آج کل مختلف چینلز (میوزک) سے آن ایر بھی ہیں اور آج کل البم کی تیاریاں بھی جاری ہیں۔"

"تمہارے بارے میں سنا ہے کہ تم ضدی اور مغرور بہت ہو؟"

"آپ بتائیں' کیا میں آپ کو ایسی لگ رہی ہوں؟ بس مجھے جھوٹ اور بناوٹ پسند نہیں۔ ہر بات منہ پر کہہ دیتی ہوں۔ دل میں کوئی بات نہیں رکھتی اور ہر ایک سے جلدی فری بھی نہیں ہوتی اور ضد کس بات کی..... جائز بات منوانا اگر ضد ہے تو ٹھیک ہے' میں ضدی ہوں۔"

"ویسے کس قسم کے لوگ پسند ہیں؟"

"دھیمے لہجے میں بات کرنے والے' مہذب اور تعلیم یافتہ لوگ مجھے اچھے لگتے ہیں۔"

"کچھ اپنے بارے میں بتائیں۔"

"میرے بارے میں سب کو پتا ہے کہ میں 12 اکتوبر 1980 کو لاہور میں پیدا ہوئی اور میں نے لاہور کالج آف آرٹ سے ماسٹر ڈگری حاصل کی ہے اور میری خوش قسمتی ہے کہ میں ان لوگوں میں سے ہوں جن کو اللہ نے عزت کے ساتھ شہرت کے لیے منتخب کیا اور بس..... کافی ہے اتنا۔"

علیشبا یوسف

"کیا حال ہیں..... آج کل تو آپ کے دو تین سیریل آن ایر ہیں' سب کچھ کیسا لگ رہا ہے؟"

"جی اللہ کا شکر ہے اور سب کچھ بہت اچھا لگ رہا ہے۔"

"یہ بتاؤ کہ "اک نظر میری طرف" میں تم نے اتنا بھیانک رول کیوں لیا؟"

(ہنستے ہوئے) "بھیانک..... ہاں کچھ زیادہ ہی تکلیف دہ رول ہے۔ میں کیسا پرفارم کر رہی ہوں؟"

"بہت اچھا پرفارم کر رہی ہیں۔ ابھی آپ کی شادی کو عرصہ ہی کتنا ہوا ہے کہ اس قسم کے رول کر رہی ہیں؟"

"ارے بس مل گیا تو کرلیا۔ آپ یقین کریں کہ میرے میاں صاحب تو اس سیریل کو دیکھتے ہی نہیں ہیں۔ نہ ہی میرے سسرال والے اور بہت ڈانٹ پڑتی ہے کہ تمہیں کیا ضرورت تھی یہ سیریل کرنے کی' اس قسم کا رول کرنے کی' لیکن چونکہ لے لیا تو بس کرلیا۔"

"تکلیف نہیں ہوتی یہ رول کرتے وقت؟"

"بہت زیادہ..... مگر یہ کوئی حقیقت تو نہیں ہے اور اللہ نہ کرے کہ کسی عورت کی زندگی میں یہ وقت آئے۔ ان شاء اللہ آئندہ اس طرح کا کوئی رول نہیں کروں گی۔"

"تاکے کی آئے گی بارات' میں عبدالقادر ہوں اور میرے چارہ گر" بھی مقبول سیریل ہیں اور اس میں بھی آپ کی پرفارمنس بہترین ہے۔ آپ کو کتنا عرصہ ہوگیا ہے اس فیلڈ میں؟"

"سولہ سال کی عمر سے اس فیلڈ میں کام کر رہی ہوں میں۔"

"اچھا..... مگر شہرت آپ کو اب ملی ہے۔"

"جی' اس لیے کہ میں نے ابتدا کمرشل سے کی تھی۔ کمرشل کے حوالے سے مجھے بہت لوگ جانتے ہیں اور اب چونکہ ڈراموں میں کام کر رہی ہوں تو ڈراموں کے حوالے سے جانی پہچانی جاتی ہوں کیونکہ میرا خیال ہے کہ لوگ ڈرامہ زیادہ شوق سے دیکھتے ہیں۔"

"اتنی کم عمری میں اس فیلڈ میں آئیں' گھر والوں نے اعتراض نہیں کیا کیا؟"

"مجھے طالب علمی کے دور میں ہی کمرشل کی پیشکش ہوئی تھی۔ مجھے پوری امید تھی کہ مجھے اس کام کی اجازت نہیں ملے گی' مگر پھر بھی میں نے اپنے والد سے اس بات کا ذکر کیا۔ میں ان کے خیالات جاننا چاہتی تھی۔ لیکن جناب میری توقع سے بڑھ کر مجھے جواب ملا کہ اگر تمہیں شوق ہے تو ضرور کرو' مگر اس کو مستقل بنیادوں پر مت اپنانا اور میں نے وعدہ کرلیا۔"

"مگر اب تو آپ نے اسے مستقل بنیادوں پر اپنایا ہوا ہے۔"

"دیکھیں! میری تاریخ پیدائش 16 ستمبر 1985ء کی ہے اور سولہ سال کی عمر میں میں نے پہلا کمرشل کیا۔ اس سے آپ خود اندازہ لگائیں کہ تیرہ چودہ سال پہلے نہ تو اتنے چینلز تھے اور نہ ہی لڑکیوں کو اس فیلڈ میں آنے کی اجازت آرام سے ملتی تھی مگر اب ماحول کافی بدل چکا ہے۔ اب شوبز باقاعدہ پروفیشن بن چکا ہے

www.Paksociety.com

www.Paksociety.com

اس لیے اب اس فیلڈ میں آنے والوں کو بیکار یا برا نہیں سمجھا جاتا۔"

"دل چاہتا ہے کہ جس طرح آج کل ہر وقت اسکرین پہ نظر آتی ہوں' ہمیشہ ایسی ہی نظر آتی رہوں۔"

"نہیں بالکل نہیں۔ مجھے معلوم ہے کہ ہر وقت اسکرین پہ رہنے والوں کو لوگ پسند نہیں کرتے۔ میرا نظریہ تو یہ ہے کہ کبھی کبھار آؤ مگر اچھے کردار میں۔ اچھا اور پاور فل کردار میری پہلی ترجیح ہے۔"

"اپنے آپ کو صرف چھوٹی اسکرین تک محدود رکھنے کا ارادہ ہے؟"

"فی الحال تو ایسا ہی ہے۔ لیکن اگر "خدا کے لیے" بول اور رام چند پاکستانی" جیسی اعلا معیار کی فلموں میں کام کرنے کا موقع ملا تو انکار نہیں کروں گی۔"

"پیسا کمانے کا شوق ہے؟"

"پیسا کمانے کا شوق ہے مگر ہوس نہیں ہے۔ کمرشل میں کافی پیسا ہے مگر میں کمرشل میں بھی کم کام کرتی ہوں' کیونکہ میں معیار کو برقرار رکھنا چاہتی ہوں۔"

"بچپن میں انسان بہت خواب دیکھتا ہے۔ بڑے ہو کر یہ کریں گے' وہ کریں گے۔ یہ بنیں گے وغیرہ وغیرہ۔ آپ نے کیا خواب دیکھے تھے؟"

"آپ ٹھیک کہہ رہی ہیں۔ عمر کے ساتھ ساتھ خواہشات تبدیل ہوتی رہتی ہیں۔ میرے والد قومی ایرلائن میں رہے۔ ان کے ساتھ گھومنا پھرنا رہتا تھا تو دل چاہتا تھا کہ میں بھی پائلٹ بن جاؤں اور جہاز اڑا کر ادھر ادھر لے جاؤں۔ پھر بڑی ہوئی تو ارادہ بدل دیا اور جب چھوٹی عمر میں ٹی وی اسکرین پہ نظر آنے لگی تو اپنا آپ اچھا لگا۔ پھر یہی سوچا کہ کبھی کھل کر اجازت ملی تو اسی میں نام کماؤں گی اور اللہ کا شکر ہے کافی حد تک اللہ نے یہ خواہش پوری کردی ہے۔"

"کچھ اپنے بارے میں بتائیں۔"

"میں 16 ستمبر 1985ء کو کراچی میں پیدا ہوئی۔ والدہ کا تعلق افغانستان سے ہے جبکہ والد کا تعلق کوئٹہ سے ہے۔ والد کافی عرصہ قومی ایرلائن سے وابستہ رہے۔ ہم تین بہنیں ہیں۔ بھائی کوئی نہیں ہے اور ہم تینوں ہی اس فیلڈ سے وابستہ ہیں۔ میں نے گریجویشن کیا ہوا ہے۔"

"شادی کو کتنا عرصہ ہوگیا ہے؟"

"شادی کو ایک سال ہوگیا ہے اور میری پسند کی شادی ہے۔ بہت خوش ہوں اپنی گھریلو لائف سے۔ میں نے جیسا چاہا ویسا ہی ہوا ہے۔"

"شادی کے بعد زندگی تبدیل ہو جاتی ہے' کچھ فرق آیا آپ کی لائف میں؟"

"کوئی خاص فرق نہیں آیا۔ میں جیسی پہلے تھی ویسی ہی اب بھی ہوں۔ مجھے صبح دیر تک سونے کی عادت نہیں ہے' اس لیے شادی کے بعد بھی ایسی کوئی پریشانی نہیں ہوئی۔"

"فارغ اوقات میں کیا کرتی ہیں۔"

"اپنے ادھورے کام مکمل کرتی ہوں اور میوزک سے دل بہلاتی ہوں۔"

✡

خواتین ڈائجسٹ

کی طرف سے بہنوں کے لیے ایک اور ناول

کوئی ایسا اہلِ دل ہو

نبیلہ عزیز

قیمت ---- /250 روپے

منگوانے کا پتہ

مکتبہ عمران ڈائجسٹ 37- اردو بازار، کراچی۔

کیوں روانہ ہے ہر گھڑی دنیا
زندگی مستقل سفر کیوں ہے

زندگی کو کون جان پایا ہے۔ لاتعداد سوالات ہیں اور جواب نامعلوم..... 2011ء کا سورج بھی کچھ سوال چھوڑ کر رخصت ہوگیا۔ حالات و واقعات کے دھارے میں بہتی زندگی' اختیار و بے اختیاری کی کشمکش' وقت ماضی کی صورت ذہن و دل میں جا بسا۔

لمحات گزشتہ کا احوال' خوش گوار اور ناگوار یادیں' زندگی کی رنگارنگی کا حصہ ہیں۔ ان ہی گزرے واقعات کی روشنی میں ہمیں آگے بڑھنا ہے اور نئی راہیں تلاش کرنا ہے۔

سال گزشتہ کے حوالے سے ہم نے اپنی قارئین سے کچھ جاننا چاہا اور یہ سوالات کیے۔

(1) اس سال نیوز چینل' سیاست' کھیل' شوبز اور تحریر و تخلیق کے میدان میں مختلف شخصیات نمایاں رہیں' آپ کو کس شخصیت نے متاثر کیا اور کیوں؟

(2) گزرے سال کا کوئی اہم واقعہ یا خوشی قومی سطح پر یا ذاتی سطح پر؟

آئیے دیکھتے ہیں ہماری قارئین نے کیا جوابات دیے ہیں۔

کیا ہوا ہے سال بھر میں

ادارہ

حرمت ردا اکرم..... ڈلوال

نیا سال جہاں نئی خوشیوں نئی آرزوؤں' امنگوں اور جذبوں کی نوید ہوتی ہے وہیں جاتا سال کچھ کچھ دل کو اداس کر جاتا ہے۔ دسمبر کی ٹھنڈی ٹھار سہ پہر اور خنک آلود صبحیں' جہاں جدائی کی پیامبر ہوتی ہیں وہیں جنوری کی نیم گرم دوپہریں ٹھنڈے میٹھے جذبوں کی امین ہوتی ہیں۔

دسمبر تو دسمبر ہے
سب ہی کو رلاتا ہے
ہمیشہ دیر کرتا ہے
صنم کے طور رکھتا ہے
سدا آخر میں آتا ہے

مگر جنوری بھی جنوری ہے ناں!

وہی گلیاں وہی کوچے وہی سردی کا موسم ہے
اسی انداز سے اپنا نظام زیست برہم ہے
میری آنکھوں میں وہ اک لمحہ' موجود اب بھی ہے
وہ زندہ رات کی تنہائی میں سرگوشیاں کی تھیں
کسی کی نرم گفتاری نے دل کو لوریاں دی تھیں
وہ جس کے ہونے سے زندگی نغمہ سرائی ہے
اسے کہنا! کہ بھیگی جنوری پھر لوٹ آئی ہے

اب ذرا رخ کرتے ہیں جناب سوالنامہ کی طرف!

1- جی ہاں! بالکل بجا فرمایا آپ نے اس سال نیوز چینل سے لے کر کھیل کے میدان تک سب نے بے پناہ ترقی کی ماشاء اللہ۔

نیوز مجھے حالات حاضرہ سے باخبر رہنے تک ہی پسند ہیں۔ سیاست سے کچھ خاص دلچسپی نہیں ہے۔ شوبز بھی بس ٹھیک ہے مگر تحریر و تخلیق تو ہماری رگ و جان میں بستی ہے۔ تحریریں تو اس سال بہت سی پڑھیں مگر ایک آدھ ہی ایسی ہوتی ہے جو آنکھوں کے رستے دل اور دل کے راستے خون کے ذریعے پورے وجود میں سرایت کر جاتی ہے۔

www.Paksociety.com

www.Paksociety.com

اس سال بہت سی رائٹرز کو پڑھا اور سب نے ہی ماشاء اللہ سے لکھنے کا حق ادا کر دیا۔ مگر جو بہت اچھی تخلیقات تھیں وہ نبیلہ آپی (نبیلہ عزیز) کا "کردار" اور فائزہ افتخار کا "مان جاؤ" تھیں۔

فائزہ جی کا ناول تو بہت ہی اچھا تھا۔ پہلی قسط کچھ خاص نہیں لگی مگر دوسری قسط میں تو ہنس ہنس کر برا حال تھا میرا۔

2۔ سب سے پہلے میں نے اپنا نام دسمبر کے "کرن" میں پڑھا۔ اس سال 14 دسمبر کی اک پیاری سی صبح میں مجھے اللہ پاک نے وہ عطا کیا جو میری خواہش تھی۔ نبیلہ آپی نے رابطہ کیا تھا مجھ سے! اور قومی ٹیم نے کرکٹ کے میدان میں پاکستان کی شان دار کارکردگی نے دل باغ باغ کر دیا اور کوئی ایسی بات یا واقعہ قابل ذکر نہیں ہے۔ بس دعا ہے کہ اللہ پاک آپ کی زندگیوں کو آنے والے سال میں لاتعداد خوشیوں سے بھر دے۔

شمائلہ تاج...... خان پور

1۔ آپ کے سوال کا جواب یہ ہے کہ مجھے کوئی ایسا نہیں ملا جس کی شخصیت نے مجھے بہت متاثر کیا ہو۔

2۔ 2011ء کے شروع کے بس تین چار ماہ ہی میں نے بہت فراغت میں گزارے ہیں اور بہت انجوائے بھی کیا کیونکہ بعد میں میں نے ٹیچنگ شروع کر دی تو مصروف ہو گئی۔ بہرحال جو بھی فارغ وقت ہوتا ہے یا تھا اس میں میں نے ڈرامے بھی دیکھے اور بہت سے میگزین بھی پڑھے۔ دوستوں سے SMS میں گپ شپ بھی رہی اور گھومی پھری بھی خوب۔ ارے آپ کہیں گی کہ آپ نے جو جو پوچھا میں نے وہ سب کیا یعنی میگزین بھی خوب پڑھے دوستوں سے گپ شپ بھی رہی ٹی وی ڈرامے بھی دیکھے اور گھومی پھری بھی جی ہاں میں نے یہ سب کیا 2011ء مری کی سیر کی میں اور ابوبیہ بھی ایک ساتھ ہی گئے۔ ابوبیہ بہت خوب صورت جگہ ہے مگر وہاں کا راستہ خوب صورت ہونے کے ساتھ ساتھ بہت زیادہ خطرناک بھی ہے۔ راستے میں ہم سب لوگ دو جگہوں پر رکے۔ ایک جگہ پر دو ہوٹل تھے ہم لوگوں نے وہاں چائے پی اتنی زیادہ اونچائی پر، ایک طرف اونچے اونچے پہاڑ اور دوسری طرف گہری کھائیاں اور بادل ہر طرف اڑتے پھر رہے تھے، وہاں بیٹھ کر چائے پینے کا تو مزا ہی آگیا۔ ابوبیہ میں ابھی ہم لوگ چیئر لفٹ پر انجوائے کر کے اتر کے شاپنگ کر ہی رہے تھے کہ بوندا باندی شروع ہو گئی اور ڈرائیور نے واپسی کی جلدی مچا دی اور ساتھ دھمکی بھی دی کہ اگر نہ آئے تو میں واپس چلا جاؤں گا۔ مجبوراً ہم وین کی طرف بھاگے۔ خیر جیسے تیسے وہاں سے نکلے بارش زوروں پر تھی اور راستہ انتہائی خطرناک،

ڈرائیور کھائی کے بالکل ساتھ ساتھ وین چلا رہا تھا اور ہمارے دل ہول رہے تھے۔ پھر ہم نتھیا گلی گئے۔ وہاں کی خوب صورتی اپنی مثال آپ ہے۔ مری سے واپسی پر ہم راولپنڈی اور اسلام آباد بھی گئے۔ مری میں جتنی ٹھنڈ تھی وہاں اتنی ہی گرمی۔ بہرحال ایک بہت اچھا ٹرپ انجوائے کر کے ہم لوگ اپنے گھر "خان پور" واپس آ گئے۔

فارغ وقت میں میری بہترین تفریح رسالے پڑھنا ہے۔ گرمیوں کی لمبی دوپہروں میں اور سردیوں کی لمبی اور ٹھنڈی راتوں میں مجھے رسالے پڑھنا بہت پسند ہے۔

مجھے چھوٹی چھوٹی باتیں اکثر بہت خوشی دیتی ہیں۔ کسی دوست سے کافی عرصے بعد بات ہو تب میں بہت خوش ہوتی ہوں جیسے کچھ دن پہلے میں ایک شادی میں گئی۔ وہاں اچانک کسی نے پیچھے سے آ کر میرے کندھے پر ہاتھ رکھا، میں مڑی تو وہ میری بہت اچھی دوست کلثوم تھی، میری خوشی کے مارے چیخ نکل گئی کیونکہ میں اس سے بہت دنوں بعد مل رہی تھی، بس پھر کیا تھا۔ ہم دونوں نے وہاں کھڑے کھڑے اتنی باتیں کیں کہ ہمیں بیٹھنے کا خیال ہی نہیں آیا۔ ایک گھنٹے سے بھی زیادہ ہم وہاں کھڑے باتیں کرتے رہے اور خوش ہوتے رہے کہ ہم کیسے آج مل گئے۔ کوئی بہت اچھا ڈرامہ دیکھ لوں، کوئی بہت اچھی کہانی پڑھ لوں، جب میری تینوں شادی شدہ بہنیں اور بچے ایک ساتھ آجائیں، بس ان ہی چھوٹی چھوٹی باتوں پر ہی میں خوش رہتی ہوں۔

ڈاکٹر کومل ستار آرائیں...... لیاقت میڈیکل کالج جامشورو

لو اک سال اور گیا عمر رواں کا پھر کبھی نہ آنے کے لیے......

دسمبر کی خنک راتیں اور اداس شامیں ہیں۔ ہلکی پھلکی پیلی پیلی دھوپ میں شعاع ملا اور حسب روایت سروے شامل تھا۔ بہت عرصے کے بعد کسی سروے کے لیے قلم اٹھایا ہے۔ جب تک یہ جوابات شائع ہوں گے۔ (اگر ہو گئے تو......) جنوری گنگنا رہی ہو گی تو سب کو سال نو کی ڈھیر ساری مبارک باد اس دعا کے ساتھ...... اللہ تعالیٰ سب کی جائز خواہشات کو پایہ تکمیل تک پہنچائے آمین۔

1۔ بہت سارے لوگ اس سال اس جیون کے سفر میں بچھڑ گئے مگر معین اختر کی کمی شاید ہی کوئی پوری کر سکے گا...... ذوالفقار علی مرزا کے بیانات بھی کافی مزا دیتے رہے...... شاہد آفریدی کا جانا اور شان دار طریقے

www.Paksociety.com

www.Paksociety.com

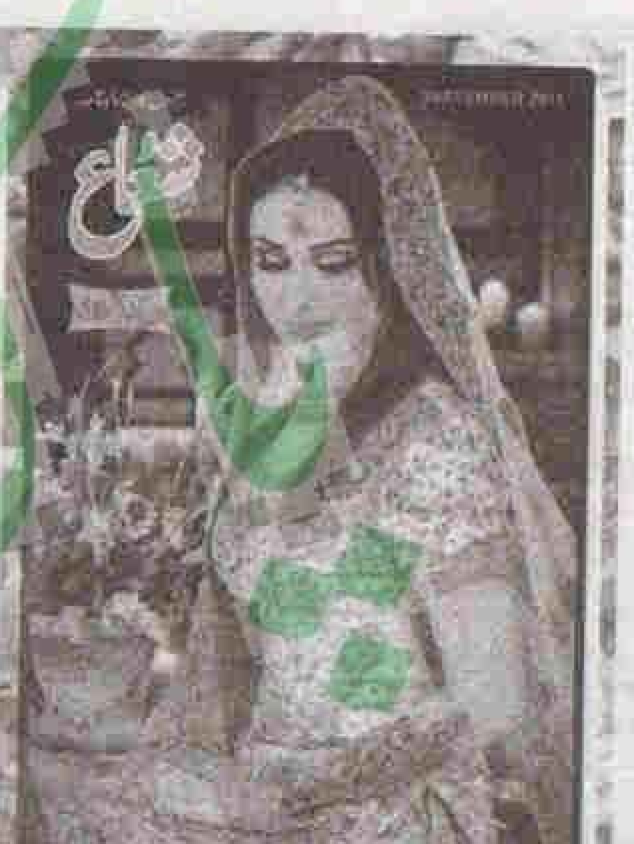

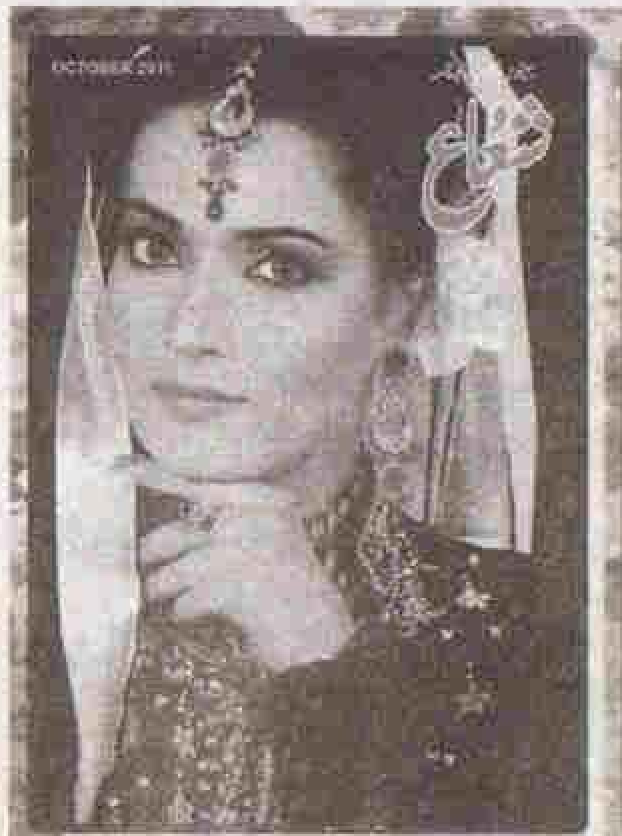

سے آنا۔۔۔ جاوید چودھری، کامران شاہد اور حامد میر کے ٹاک شوز۔۔۔ عمیرہ احمد کے ڈرامے اور اب فرحت اشتیاق اور افسانہ نگار عدنان کو دیکھ کر اچھا لگا۔۔۔ اعتصام الحق جہاں جہاں، ہمیں پاکستانی ہونے پر فخر میں مبتلا کرتے رہے۔۔۔ وہاں عامر اور آصف نے جیل جاکر کسر پوری کی۔۔۔ لیکن ان سب میں عمران خان کی تو بات ہی کچھ اور تھی۔ خان صاحب سے متاثر تو نہیں کہہ سکتے مگر وہ مجھے اچھے لگتے ہیں

2۔ قومی سطح پر پاکستان کا سیمی فائنل میں ہارنا وہ بھی انڈیا سے ہارنا اگلے تین سال تک نہیں بھولے گا۔۔۔ گلی محلوں میں جو میگا اسکرین لگی تھیں۔۔۔ اور جو جوش و خروش تھا اور ہارنے کے باوجود قوم نے وسیع دلی کا مظاہرہ کیا تھا۔ واقعی متاثر کیا۔ ڈھیر ساری بارشیں اور ہم اندرون سندھ کی شامت۔۔۔ گھروں تک پانی تھا اور ہم سب نے تیرنا سیکھا اک بہت ہی مشکل وقت تھا۔ مگر گزر گیا۔ شکر الحمدللہ۔۔۔ ذاتی سطح اہم اہم۔۔۔ آج کل ہم جگنوؤں کے دیس جاتے ہیں اور تتلیوں کے رنگوں کو انگلیوں پر محسوس کرتے ہیں ۔۔۔ کچھ دھوپ چھاؤں کا سفر ہے۔ خزاں کے سوکھے پتوں پر چلنے میں بھی مزا ہے اور بارش میں بھیگنے میں بھی۔ یہ سب کچھ سیکھ رہے ہیں۔ خواب، سپنے جاگتی آنکھوں کے خواب اور سپنے۔

بس اللہ سائیں ان خوابوں کی اچھی سی تعبیر دے کر محبتوں کی زندگی میں امر کردے آمین۔۔۔!

فرخ فاطمہ۔۔۔ حویلی لکھا

1۔ بلاشبہ اس سال زندگی کے بہت سے شعبوں میں بہت سی شخصیات نمایاں رہیں۔ لیکن مجھے تو پیارے رسالوں خواتین ڈائجسٹ اور شعاع کی رائٹرز نے متاثر کیا۔ یہ ڈائجسٹ چلچلاتی دھوپ میں گھنیری چھاؤں اور کہر زدہ ٹھنڈ میں نرم گرم دھوپ کا احساس دلاتے ہیں تو ان ہی عظیم رائٹرز کی وجہ سے۔

نمرہ احمد جنہوں نے "مصحف" لکھا اور دلوں کو جیت لیا۔ اس مکمل ناول کو پڑھ کر بہت سی قارئین کو قرآن مجید فرقان حمید کو ترجمے سے پڑھنے کا جو شغف ہوا۔

سیاسی سطح پر تو کوئی پسند کرنے کے لائق ہی نہیں ہے لیکن میں عمران خان سے کچھ کچھ متاثر ہوں۔ اب دلوں کا حال تو خدا ہی جانتا ہے۔

2۔ گزرے سال کا ایک بے حد اہم واقعہ میرے لیے یہ ہے کہ 9th کلاس کے بورڈ کے اگزام میں اللہ کے فضل و کرم سے میں نے 480 میں سے 448 نمبر لے کر شہر بھر میں دوسری پوزیشن حاصل کی۔

فرسٹ پوزیشن والے اسٹوڈنٹ کے مارکس 449 تھے۔ اس اسٹوڈنٹ نے بھی اور میں نے بھی کچھ سبجیکٹس میں ری مارکنگ کے لیے اپلائی کیا۔ تو اس اسٹوڈنٹ کے 5 نمبر بڑھ گئے اور میرے 6 نمبر۔ یوں ہم دونوں کے مارکس 454 ہو گئے۔

خاندان بھر۔۔۔ سے میں نے خوب شاباشیں سمیٹیں۔ (اللہ کا لاکھ لاکھ شکر ہے، وہ خوب نوازنے والا ہے)

علاقائی سطح پر اہم ترین واقعہ یوں ہے کہ ہمارے شہر حویلی لکھا کے ہمسائے میں ایک گاؤں وساویوالہ (wasavay wala) ہے۔ کچھ سال قبل سے یہاں بچوں کے اغوا ہونے کا سلسلہ شروع ہوا تھا۔ جو بڑھتے بڑھتے ہمارے شہر تک آگیا۔ چند سال کے عرصے میں بیس سے زائد کم عمر بچے اغوا ہو گئے۔

ابھی تین چار ماہ قبل ایک کوچوان کا بچہ اغوا ہو گیا۔ دو ماہ کے بعد اس بچے کی گلی سڑی لاش ملی لیکن اس کی جیب میں اغوا کاروں میں سے ایک کا شناختی کارڈ نکلا بعد ازاں تحقیق سے ثابت ہو گیا کہ وہ اغوا کار کا ہی شناختی کارڈ ہے۔ اغوا کاروں کو گرفتار کرلیا گیا۔ انتہائی دکھ ہوا یہ جان کر کہ وہ اغوا کاروں کا گروہ گاؤں کی ایک جانی پہچانی فیملی تھی جو عرصہ دراز سے یہاں کے مکین تھے۔ اس گھناؤنے کام میں ان کے گھر کی عورتیں تک ملوث تھیں۔ لیکن اب اللہ نے ظالم کی رسی کھینچ لی تو ۔۔۔ نتیجہ ظاہر ہے۔

عروسہ شہوار۔۔۔ جہلم

1۔ ہمیں الیکٹرانک اور پریس میڈیا جو کہ تیز ترین اور مستند ذرائع ہے، اس کی افادیت، اہمیت سے انکار نہیں۔ مگر ہمیں تو باخبر رکھتے ہیں ہمارے بھائی جو آتے جاتے نیوز چینل آن کرتے ہیں۔ نیوز سنتے ہیں اور ہمارے کان کھاتے ہیں۔ آج یہ خبر آئی۔ آج یہ ہوا آج فلاں واقعہ پیش آیا۔ گزشتہ سال کئی کتابیں پڑھنے کو ملیں مگر ہمیشہ متاثر کیا بشریٰ سعید کے ناولٹ لفظ لفظ خوشبو دیتا سفال گر نے۔ سچ ہم تو گرویدہ ہو گئے بشریٰ سعید کے۔ اتنا اچھا اتنا خوب صورت دل موہ لینے والا انداز مائنڈ بلوئنگ الفاظ کے فسوں سے نکلنا مشکل ہو رہا ہے۔ ایسی سحر زدہ کردینے والی تحریر پر ان کو تہہ دل سے مبارک، مبارک۔ قلم پر گرفت مضبوط۔ کہیں بھی کسی جھول کا احساس نہیں ہونے دیا یہ بشریٰ سعید کے قلم کا ہی اعجاز و کمال ہے۔ میرے نزدیک گزشتہ سال کی بہترین تخلیق کار یقیناً" بشریٰ سعید ہیں۔

2۔ گزشتہ سال بھی خوشی کے حوالے سے ماٹھا رہا۔ جب ملکی حالات دگرگوں ہوں۔ قوم مصائب اور

www.Paksociety.com

مشکلات کا شکار ہو تو کوئی با شعور ذی ہوش خوش نہیں ہو سکتا تب تو ذاتی خوشی بھی اہمیت و معنی کھو دیتی ہے۔ کچھ اس لیے بھی کہ گزشتہ سال ہماری پیاری خالہ جانی اس دنیا سے رخصت ہو گئیں۔ ہر کسی کے لیے ہمدرد، ہر کسی کی غمگسار، ہر ایک کے لیے فکر مند، سب کی خوشی میں خوش، ہر ایک کے غم و دکھ میں افسردہ، ہر ایک کے لیے دعاگو، بچوں کے لیے بے پناہ پیار و شفقت، میرے اندر نئی سوچ، نئی امنگ، حوصلے اور لگن کی آبیاری کرنے والی ہستی کو میں کیا جزا دوں علاوہ دعاؤں کے اللہ ان کے درجات بلند کرے ان کی کمی ایک عظیم دکھ ہے۔

ٹینس کے معروف کھلاڑی اعصام الحق جنہوں نے ٹینس کی دنیا میں اپنی کامیابیوں کے جھنڈے گاڑ دیے، ان کی شخصیت، ان کا نام ان کا کھیل ملک و قوم کے لیے باعث فخر ہے۔

شوبز سے متعلق اس بات نے ہمیں بے پناہ خوشی و تقویت دی کہ مشہور فنکار معین اختر کی فنی عظمتوں کا اعتراف کرتے ہوئے مشہور زمانہ مادام تساؤ میوزیم میں ان کا مجسمہ بھی سجایا جائے گا۔

ثمینہ اکرم...... بہار کالونی ملیاری

آپ سب اور تمام قارئین کو نیا سال بہت بہت مبارک ہو۔

(1) اس سال نیوز چینل، سیاست، کھیل، شوبز اور تحریر و تخلیق کے میدان میں بہت سی شخصیات نمایاں رہیں انہوں نے کافی اچھا کام پیش کیا۔ میں ٹاک شوز اور نیوز چینلز بہت شوق سے دیکھتی ہوں جبکہ ہمارے گھر میں خبرنامہ ہی زیادہ تر دیکھا جاتا ہے۔ ہمارے ہاں (پاکستان میں) ایک سے زیادہ نیوز چینل ہونے کا ایک فائدہ تو ضرور ہوا ہے آپس میں مقابلہ بازی کا رجحان پیدا ہوا ہے جو ایک مثبت ایکٹوٹی ہے۔ اس طرح پروگرامز کا معیار بہت بہتر ہوا ہے۔ جب سے ہماری ڈائجسٹ رائٹرز نے ٹی وی پر لکھنا شروع کیا ہے۔ ٹی وی ڈرامہ کی گرتی ہوئی ساکھ کو سنبھالا ملا ہے اور ڈرامہ کا معیار بہت بلند اور بہتر ہو گیا ہے اور اب تو ایسا لگتا ہے کہ ہم ٹی وی نہیں دیکھ رہے بلکہ ڈائجسٹ پڑھ رہے ہیں۔ اسی وجہ سے مجھ جیسے ڈائجسٹ کے عاشق قارئین اب ٹی وی ڈرامہ ناظرین کی صف میں شامل ہو گئے ہیں اس کے لیے میں اپنی ہر دلعزیز رائٹرز کی تہہ دل سے مشکور و ممنون ہوں۔

اس گزرے سال جیو نیوز چینل پر جو شخصیات بہت نمایاں رہیں اور جن سے میں بہت متاثر ہوئی وہ "کامران خان صاحب" ہیں۔ دوسرے اینکر "کامران شاہد" ہیں ان کے ٹاک شوز بھی بہت معلوماتی ہوتے ہیں۔ مجھے مارننگ شو کی "مایا" کے پروگرام جو وہ عوامی بھلائی کے لیے کرتی ہیں۔ اسی لیے مایا بہت پسند ہے۔ جیسمین منظور کے ٹاک شو بھی بہت اچھے ہوتے ہیں۔ سیاست کے لحاظ سے جو پروگرام پیش ہوئے ان میں شاہ زیب خانزادہ، حامد میر اور ثنا بچہ کے نام قابل ذکر ہیں۔ تحریر و تخلیق کے میدان میں ایک تو ہماری اپنی رائٹرز سرفہرست ہیں۔ پھر میں "ہم سب امید سے ہیں" کے خالق ڈاکٹر یونس بٹ کی مداح اور شائق ہوں۔ ان کا پروگرام مزاحیہ رنگ لیے ہوتا ہے مگر حکومت پر مزاح کے رنگ میں بڑی گہری چوٹ کرتے ہیں۔ کوئی تو ہے جسے ہم عوام کا بھی درد ہے اور وہ صاحب اقتدار کی پول پٹیاں کھولتے ہیں۔ دوسرے ایک اور پروگرام ڈارلنگ کے میزبان اور رائٹر صاحب ہیں جناب خالد عباس ڈار۔۔۔ ان کی کوشش اور کاوش بھی قابل تعریف ہے۔ کھیل سے مجھے کوئی دلچسپی نہیں اور نہ ہی شوبز میں اتنا کسی سے متاثر ہوئی۔ جبکہ سیاست میں جناب ذوالفقار مرزا ہی پچھلے دنوں میڈیا پر چھائے رہے۔

(2) گزرے سال کا کوئی اہم واقعہ یا خوشی؟ قومی سطح پر؟ ذاتی سطح پر؟ آپ کے دوسرے سوال کے جواب میں کچھ یوں کہوں گی کہ خوشی اور غم کے سنگم سے مل کر ہی زندگی بنتی ہے۔ یہ سال خوشی اور دکھ کا ملا جلا احساس دے کر رخصت ہوا۔ 2011ء کی ایک بڑی خوشی تو یہ ملی کہ اس سال ہم نے اپنے گھر کی از سر نو تعمیر شروع کی۔ دوسرے اس سال میری بیٹی فوزیہ نے میٹرک کا امتحان شاندار اور امتیازی نمبروں سے پاس کیا۔ قومی سطح پر اس سال یکے بعد دیگرے ایسے واقعات رونما ہوئے۔ جنہوں نے ہر محب وطن پاکستانی کو اندر سے ہلا دیا......

رمضان المبارک میں ہونے والے دہشت گردی اور لسانی فسادات کے واقعات۔ جب شہر کراچی میں ہر طرف سے بوری میں بند اعضاء کٹی لاشیں ملنے کا ایک سلسلہ شروع ہو گیا تھا ان واقعات سے سب شہری خوف و ہراس میں مبتلا ہو گئے یوں سینکڑوں خاندان اجڑ گئے اور ہزاروں لوگوں کی عید سوگوار گزری۔ پھر رمضان کے مہینے میں ہی موسیٰ لین میں ایک پانچ منزلہ عمارت اچانک زمین بوس ہو گئی اور اس کے رہائشی سینکڑوں لوگ منوں مٹی تلے زندہ دب گئے اور ان کا نام و نشان تک باقی نہ رہا۔

ان واقعات پر دل خون کے آنسو روتا رہا اور زندگی کی بے ثباتی پر ایمان پختہ ہو گیا۔ ذاتی سطح پر 2011ء کا ایسا آنکھوں دیکھا واقعہ جسے تاحیات میں بھول نہ پاؤں گی۔

یہ واقعہ عیدالاضحیٰ سے صرف ایک روز قبل 6 نومبر کو رونما ہوا اتوار کی صبح جب گلی کے ہر گھر میں عید کی پرمسرت اور خوشگوار مصروفیات جاری تھیں کہ ہماری گلی کے نوجوان علی بخش کو کسی نامعلوم شخص نے گولی ماردی اور وہ عین موقع پر ہی جاں بحق ہو گیا۔ جبکہ ان کی فیملی برسوں سے اس گلی میں مقیم ہے اور علی بخش کی شرافت اور اعلا کردار کی گواہی محلے کا ہر شخص دیتا ہے۔ ان کے گھر رات کو ہی قربانی کا جانور آیا تھا اور وہ اپنے چھوٹے دو بچوں کے ہمراہ گائے کا چارہ لینے گیا تھا کہ اپنے گھر سے صرف چند قدم کے فاصلے پر کسی نے اس کی زندگی کا چراغ گل کر دیا۔ اور یوں ہماری گلی میں صف ماتم بچھ گئی۔ اس موقع پر ان کے والد کا صبر قابل دید تھا۔ میں صدمہ سے کافی دن تک سنبھل نہ پائی۔ اس کی جوان خون میں لت پت لاش نگاہوں کے سامنے سے ہٹتی نہ تھی۔ اس کے تین چھوٹے بچوں، بہنوں بھائیوں اور والدہ کے آنسوؤں نے ہر چہرے کو اشکبار کر دیا۔

دوسرا اہم واقعہ 3 نومبر 2011ء کا ہے۔ میری عزیز دوست فریدہ جبار کا جواں سالہ بھتیجا جو عالم بن رہا تھا۔ روڈ ایکسیڈنٹ میں ہلاک ہو گیا۔

شائستہ اکبر...... ڈگری کالج گدو

پورے پاکستان کو ہماری طرف سے نیا سال بہت مبارک ہو!

1۔ واقعی اس سال نیوز چینل بہت نمایاں رہے۔ سیاست، شوبز میں تو کوئی خاص دلچسپی نہیں ہے میں بات کروں گی کھیل کی۔ کرکٹ ہمارا قومی کھیل تو نہیں

www.Paksociety.com

If you want to download Monthly Digests like Khwateen Digest,Kiran,Shuaa,Suspense, Pakeeza,Rida,Imran series by ibn-e-safi or mazhar kaleem,funny books poetry please visit www.paksociety.com for direct download link and with 21 supporting mirros in case of any help send mail at admin@paksociey.com

www.Paksociety.com

مگر اب ایسے لگتا ہے کہ یہ ہمارے رگ رگ میں سرائیت کر چکا ہے۔ سیمی فائنل کا ہارنا' شاہد آفریدی کا ٹیم سے جدا ہونا بہت دکھ دے گر گیا پھر ہم سب نے بہت دعائیں کیں کہ شاہد آفریدی دوبارہ ٹیم میں واپس آئے اور ٹیم کو بلندیوں پر لے جائے اور اب گزرے سال پاکستان مسلسل چھ ون ڈے سیریز جیت کر اپنا لوہا منوا چکا ہے۔ سعید اجمل ون ڈے سیریز کے فرسٹ نمبر باؤلر بن گئے۔ اللہ تعالیٰ ہمیشہ ایسے ہی انہیں سرخرو کرے آمین!

2۔ گزرے سال کا اہم واقعہ اور خوشی میری اپنی ہے اور وہ ہے پاکستان کے خاموش شہر اسلام آباد جانا جو کہ اللہ تعالیٰ نے میری خواہش پوری کی' یہ میری زندگی کی بہت بڑی خوشی ہے۔ مجھ جیسی تنہائی پسند لڑکی کو اسلام آباد ہی سوٹ کرتا ہے۔ میری زندگی کی وہ خوب صورت شام جو کہ اسلام آباد میں اپنی چھوٹی خالہ صنم اور خالہ نجمہ کے ساتھ گزاری' میرے لیے بہت خوشی کی بات ہے۔(ہوں نا ایک سادہ سی لڑکی)

اُمِ کلثوم رائے.... اختر آباد(اوکاڑہ)

1۔ پہلے سوال کو پڑھتے ہوئے اس کے حصے بنا کر جواب دینا چاہوں گی' نیوز چینل کی تو کیا بات کرنی حامد میر مجھے پسند ہیں ہر لحاظ سے' سیاست میں پہلے کچھ نہ تھا لیکن لگتا ہے عمران خان بہت سوں کی طرح ہمارے دل میں بھی گھر کرلیں گے' (لیکن ان کی باتیں کہاں تک سچائی کی حامل ہیں یہ تو وقت ہی بتائے گا) شوبز میں جہاں تک میرا خیال ہے کہ کچھ پرانے لوگ ہی ہیں' جن میں کچھ اپنے فن کی وجہ سے مشہور ہوئے اور کچھ اپنے کرتوتوں کی وجہ سے مجھے عاطف اسلم پسند ہے ظاہر ہے اور علی ظفر ہر لحاظ سے پسند ہے' اس کی ایکٹنگ بہت زبردست ہوتی ہے۔ کھیل میں نیو میں کرکٹ اعزاز چیمہ نے اور عصام الحق نے (ویسے عصام کی شکل میرے بھیا سے بہت ملتی ہے) متاثر کیا

ہے۔ بھئی یہ کیا کوئی کیوں اچھا لگا؟ بعض لوگ بغیر کسی ریزن کے اچھے لگتے ہیں' ویسے ہی جیسے کچھ لوگ بغیر کسی ریزن کے برے لگتے ہیں' (انتہائی برے....)

2۔ گزرے سال کا پسندیدہ واقعہ! آہم.... تو جناب پسندیدہ بھی کوئی نہیں۔ اہم بھی کوئی نہیں' لیکن چلو ایک چھوٹا سا واقعہ بتاتی ہوں' واقعہ کچھ یوں ہے کہ ایک دفعہ میری فرینڈز سے میری لڑائی ہو گئی تھی' اور میں تنہا بیٹھ کر رسالہ پڑھ رہی تھی تب ہی رسالہ پڑھتے ہیروئن کے ساتھ ناروا سلوک کو دیکھ کر میں رو دی تھی اور میری فرینڈز نے نہ صرف مجھے چپ کروایا بلکہ سوری بھی کی (وہ سمجھیں میں ان کی وجہ سے) جہاں تک ذاتی خوشی کی بات ہے میری زندگی میں خوشیاں بہت کم ہیں یا پھر مجھے سیلیبریٹ ہی نہیں کرنی آتیں ویسے میں جب جب سمیعہ کے ساتھ ہوتی ہوں خوشی محسوس کرتی ہوں (سمیعہ اقبال) قومی سطح پر غم کے ساتھ ساتھ خوشیاں بھی بہت ہیں۔

مجھے تب خوشی ہوئی جب آفریدی کو ٹیم میں شامل کیا گیا اور تب خوشی ہوئی جب عصام جیت کے لوٹا اور تب خوشی ہوئی جب زرداری کو ہسپتال.... ہا' ہا۔ خیر چھوڑیں ہم کیا اور ہماری خوشیاں کیا' جاتے ہوئے ایک بات کہوں گی۔

وقت کا کام تو گزرنا ہے سو گزر جاتا ہے' سو پلیز ہو سکتا ہے یہ گھڑی قبولیت ہو' تو آپ میرے لیے ہو سکے تو دعا کردیں کیا پتا میرا.... کل بدل جائے۔

www.Paksociety.com

www.Paksociety.com

عالیہ بخاری

دیوارِ شب

خیام کا تعلق اس دُنیا سے ہے جہاں دن سوتے اور راتیں جاگتی ہیں۔ ستارہ نانی، نگینہ خالہ اور دلدار نانی نے اس کی پرورش بے حد ناز و نعم سے کی ہے۔ پھر بھی وہ اس زندگی سے سخت کبیدہ خاطر ہے۔ حتیٰ کہ ایک دن وہ اس گھر سے کسی کو بتائے بغیر نکل آتا ہے۔ راستے میں اس کا ٹکراؤ سالار سے ہوتا ہے جس سے اس کی شناسائی ہے، جو ریڈیو پر کام کرتا ہے۔ سالار تمام معاملہ فی الفور سمجھ جاتا ہے۔ گھر سے نکلتے ہوئے خیام رقم کے علاوہ نانی کے زیورات بھی اُٹھا لاتا ہے، جس پر اسے کوئی پشیمانی نہیں ہے۔ سالار لاری اڈے تک خیام کو چھوڑتا ہے۔ خیام کے لیے سالار کا رویہ حیران کن ہے۔ شہر آکر اسے کئی روز تک بے روزگار رہنا پڑتا ہے۔ وہ بابو شوکت کے ہوٹل میں قیام کرتا ہے۔ زیورات کے ساتھ گیتی آرا کی چوڑیاں دیکھ کر خیام کو شدید جھٹکا لگتا ہے اور پہلی مرتبہ اپنے پیچھے رہ جانے والی کا بھرم سا ٹوٹ جانے کا دکھ ہوتا ہے۔

ربیعہ کا تعلق سفید پوش خاندان سے ہے۔ اس کے والد سرکاری محکمے کے ایمان دار ہیڈ کلرک ہیں جبکہ بھائی معاذ بالکل ابا کا پرتو فاتح کامول ہیں وہ ہر چیز بھولے رکھتا ہے۔ حتیٰ کہ اپنی پڑھائی بھی۔ اماں اور دادی ہر دم معاذ اور ربیعہ کے لیے دُعا گو ہیں۔

دوسرا گھرانہ اظہار چچا کا ہے جو ظاہری نمود و نمائش اور پیسے کو سب کچھ سمجھتے ہیں۔ سرکاری محکمے میں کلرک ہونے کے باوجود وہ اوپر کی کمائی سے اچھا خاصا کما چکے ہیں۔ خاندان بھر میں ان کی امارات کی دُھوم ہے۔ بچپن میں بڑے بیٹے سلمان کی نسبت ربیعہ جبکہ جویا کی بات معاذ سے طے ہوئی تھی لیکن بدلے حالات نے اس فیصلے پر خاک ڈال دی ہے۔ چچا نے سلمان کی منگنی شہر کے مقبول بزنس مین یوسف کمال کی بیٹی زوبیہ کمال سے کر دی، جس پر سب کو صدمہ ہوتا ہے۔ ربیعہ اس اقدام پر نسبتاً مطمئن ہے۔ جویا اور معاذ دل ہی دل میں ایک دوسرے کو پسند کرتے ہیں لیکن حالات موافق نہیں ہیں۔

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام کی پیشکش

www.Paksociety.com

www.Paksociety.com

زرتاج بیگم کے بنگلے کو شہر بھر میں خصوصی شہرت حاصل ہے۔ مہینے کی پہلی جمعرات کو یہاں سے غریب عورتوں کو امداد دی جاتی ہے۔ خالہ افروز، سعیدہ اور بتول جیسی کتنی ہی عورتوں کے گھر اس امداد کے سہارے چل رہے ہیں۔ بوا عظمت، زرتاج بیگم کی خاص ملازمہ ہے، جو عرصہ دراز سے اس کام کو سنبھالے ہوئے ہے۔ وہ طبعاً سخت مزاج ہے۔

سلمان رفتہ رفتہ زوبیہ کی امارت سے متاثر ہو کر اس کے زیر اثر آجاتا ہے۔ زوبیہ اپنی من مانیوں سے ہر جائز و ناجائز ہر طرح کی خواہشات منوالیتی ہے۔ اظہار چچا، شاکرہ بیگم اور آپا گل سوائے تلملانے کے کچھ نہیں کر پاتے۔ ان کی تمام امیدیں زوبیہ کو ملنے والے بنگلے اور پیسے سے وابستہ ہیں۔

اسکول کے بچے ساجد کے معاملے پر معاذ پر قاتلانہ حملہ ہوتا ہے، جس سے وہ شدید زخمی ہو جاتا ہے۔ سلام صاحب کی پوری فیملی شدید کوفت اور پریشانی کا شکار ہوتی ہے۔ ربیعہ اس معاملے کے بعد معاذ سے اسکول کے معاملات سے علیحدگی چاہتی ہے۔ اظہار چچا خاندان مع سوائے جویا اور زرلیکے اس حادثے سے خوب حظ اٹھاتا ہے۔ جویا چاہتے ہوئے بھی معاذ کے لیے کچھ کر نہیں پاتی۔

دلدار نانی کے جوبار کی رونق دن بدن بڑھتی جا رہی ہے جس پر نگینہ آئے دن جلتی کڑھتی رہتی ہے۔ شاما ہر موقع پر اس کی اشک شوئی کرتی ہے۔ نگینہ کی تمام امیدیں اپنی بڑی بیٹی صندل سے وابستہ ہیں۔ گیتی زیادہ تر پڑھائی کی وجہ سے معاملات سے الگ ہی رہتی ہے۔ لیکن خیام کی یاد اس کے خیالوں کی دنیا کو آباد رکھتی ہے۔ ستارہ نانی کے یہاں سالار کی آمد و رفت اسے قدرے بے چین کرنے لگتی ہے۔

خیام کچھ عرصے بعد ہی ایک لبس سروس کمپنی میں معمولی نوکری کر لیتا ہے۔ دن رات اپنوں سے دوری اسے بھی ستاتی ہے۔ خاص کر گیتی کی جوڑی اسے ملال کی کیفیت سے دوچار رکھتی ہے۔ بدنامی کا خوف اسے کسی کے قریب نہیں ہونے دیتا۔ صرف بابو شوکت سے اس کی اچھی دعا سلام ہے کہ اچانک تمام تر احتیاط کے باوجود گھر سے لاٹے زیورات کی چوری ہو جاتی ہے۔ یہ زیورات اس کے مستقبل کی ضمانت تھے۔ اس کے بعد مستقبل پر ایک سوالیہ نشان لگ جاتا ہے۔

زرتاج بیگم اپنے کلاس کی دیگر عورتوں کی طرح خود نمائی اور خود ستائشی کا شکار ہیں۔ بیٹا عرصے سے باہر مقیم ہے۔ انہیں لباس کی طرح سیکریٹریز بدلنے کی عادت ہے۔ حالیہ سیکریٹری نبیل سے ان کا "تعلق" ہر کسی کی نظر میں ہے۔ نبیل جیسے ڈرائیور راجو کی مدد سے یہ نوکری ملی ہے۔ زرتاج بیگم کی دی مراعات سے بھرپور استفادہ کر رہا ہے۔ بوا عظمت اسے کڑے تیوروں کی زد میں رکھتی ہے، جس پر وہ خاصا جزبز ہوتا ہے۔ زرتاج بیگم کے بھائی یوسف کمال، نبیل کی عیار فطرت کو پہچان کر انہیں محتاط رہنے کا مشورہ دیتے ہیں جسے زرتاج بیگم چٹکیوں میں اڑا دیتی ہے۔

زیورات کی چوری کے بعد سے خیام کے برے دن شروع ہو جاتے ہیں۔ ساتھ ہی نوکری ختم ہونے سے وہ پیسے پیسے کو محتاج ہونے لگتا ہے۔ بابو شوکت کا بیٹا خیام کے ساتھ نوکروں جیسا سلوک کرتا ہے۔ ایسے وقت میں بابو شوکت اس کی ہمت بندھاتے ہیں۔ لیکن گھر کی یاد اسے بے چین رکھتی ہے۔ خاص طور پر گیتی کی چوڑیاں اسے یاد کی ڈور سے باندھے ہوتے ہیں۔

گھر میں جویا کے رشتے کی بات چل رہی ہے جس پر جویا، آپا گل سے بحث کرتی ہے۔ آپا گل کی لایعنی باتوں پر وہ براہ راست اپنے ماں باپ سے بات کرنے کا فیصلہ کرتی ہے۔ اسے معاذ کے ارادوں کی سچائی کا پختہ یقین ہے۔ دوسری طرف آپا گل کے شوہر اکبر اپنے اثر و رسوخ سے معاذ کو ملنے والی نوکری کسی اور کو دلوا دیتے ہیں۔ معاذ اس بات کا تذکرہ اپنے والد سے کرتا ہے تو وہ اسے معاذ کا وہم سمجھتے ہیں۔

سلمان، زوبیہ کے گھر میں شفٹ ہو چکا ہے اور شاذ و نادر ہی ماں باپ کو شکل دکھاتا ہے۔ جس پر شاکرہ بیگم اور اظہار صاحب پریشان رہتے ہیں۔

جویا کا رشتہ آنا فانا طے ہو جاتا ہے جس میں اظہار چچا، آپا گل اور شاکرہ بیگم کی "کوششیں" شامل ہیں۔ شاکرہ بیگم کو طلاق کی دھمکی اپنا کام دکھاتی ہے۔ دو جویا کی تمام مزاحمت دم توڑ جاتی ہے۔ معاذ کی نوکری اور جویا کے رشتے کی خبر ایک ساتھ ملتی ہے۔ وہ گم صم سا ہو جاتا ہے۔ جویا کے رشتے پر دادی، چچا اظہار کے خاندان سے قطع تعلق کا اعلان کر دیتی ہیں۔ زوبیہ، جویا کو آکسانی ہے کہ اگر وہ چاہے تو رشتہ ختم کروانے میں مدد کر سکتی ہے۔ زوبیہ، آپا گل اور شاکرہ بیگم کو نیچا دکھانا چاہتی ہے تاہم جویا ایسا کرنے سے منع کر دیتی ہے۔

صندل کو بالی صاحب کی فلم دنوں میں شہرت کی بلندیوں پر پہنچا دیتی ہے۔ ایسے میں اسے ماں نگینہ کے طور طریقے کھٹکتے ہیں۔ وہ اسے ساتھ لے جانے سے انکار کر دیتی ہے تو نگینہ کو دھچکا لگتا ہے تاہم وہ نانی ستارہ کو اس کا علم نہیں ہونے دیتی۔

47
سینتالیسویں قسط

"آپ کی طبیعت تو ٹھیک ہے نا؟" سالار تشویش سے ان کی طرف دیکھ رہا تھا۔

"ہاں ایسے ہی شاید کچھ چکر سا آگیا تھا؟" وہ ان سب کو مطمئن کرنے کے لیے ہلکے سے مسکرائے بھی، مگر چہرے کا پھیکا پڑتا ہوا رنگ اب تک بحال نہیں ہوا تھا۔

"لگتا ہے آج کل کام کا زیادہ پریشر لیا ہوا ہے آپ نے، میری مانیں تو چند دنوں کے لیے چھٹی پر چلے جائیں، مکمل آرام کریں۔"

کمال صاحب کو اس کی اپنے لیے فکر مندی اچھی لگی تھی۔

"مشورہ تو اچھا ہے، مگر سب کچھ دوسروں پر نہیں چھوڑا جا سکتا۔ کاش! کوئی ایسا ہوتا جس پر میں مکمل بھروسا کر سکتا۔"

وہ خود کو سنبھال چکے تھے لیکن لہجے کی ہلکی سی افسردگی کو سب ہی نے نوٹ کیا۔ مسز کمال نے بے چین ہو کر پہلو بدلا۔

"شاید اب اس عمر میں یوسف کو بیٹے کی کمی کا احساس ہونے ہی لگا ہے۔"

"تھوڑا سا اعتبار مجھ پر کریں تو میں آکر دیکھ لوں گا، آپ کی غیر موجودگی میں آپ کا آفس۔" سالار مسکراتے ہوئے کمال سے مخاطب تھا۔ وہ ہلکے سے ہنس پڑے۔

"یہ تو میرے لیے خوش قسمتی کی بات ہوگی کہ تم اپنا قیمتی وقت مجھے دے سکو، مگر تم تو اب کراچی میں زیادہ دن رکتے ہی نہیں ہو۔"

"اب یہیں رہوں گا۔ بے فکر رہیں۔" سالار نے ایک مسکراتی ہوئی نظر گیتی پر ڈالی تھی "وہاں لاہور میں جو کام اٹکا ہوا تھا، مکمل ہوا۔"

گیتی کے چہرے پر اس کی بات کے ساتھ ہی شرمیلا سا تاثر پھیلا۔

یوسف کمال کی نگاہ پھر اس پر جا کر رکی تھی۔ وہی دل ربا سا انداز، جو انہیں کبھی دنیا جہان سے بیگانہ کرتا تھا، اور بعد میں حرف غلط کی طرح مٹانے کی اپنے طور انہوں نے پوری پوری کوشش بھی کی۔ مگر وقت کی منوں گرد کو ہٹا کر، آج پھر ایک مضبوط حوالہ سامنے تھا۔

"بیگم ستارہ جان تو ہمارے کلاسیکل میوزک کا بہت بڑا نام ہیں۔ مگر کیا وجہ ہے، جو وہ اب بہت سالوں سے منظر پر کم دکھائی دے رہی ہیں۔"

گیتی سے بہت سنبھل کر پوچھا گیا ان کا سوال کسی گم گشتہ کڑی کی تلاش کا ہی حصہ تھا۔ کھانا لگوانے کے لیے جاتی مسز کمال نے ان کی بات کا ادھورا سا ہی ٹکڑا سنا تھا۔

"نانی کی صحت بہت عرصے سے زیادہ اچھی نہیں ہے انکل! ابھی پچھلے سال پی ٹی وی کے لیے انہوں نے چند پروگرام ریکارڈ کروائے تھے۔ وہ بھی ان لوگوں کے بہت اصرار پر، ورنہ اب تو وہ بہت تنہائی پسند ہو گئی ہیں۔"

شاید سالار کا دیا ہوا اعتماد تھا، جو وہ اتنے اطمینان سے اپنے گھرانے کے بارے میں بات کر رہی تھی۔

"میں نے مدت ہوئی، ٹی وی، فلم، تقریباً سب ہی کچھ چھوڑ دیا ہے، مگر بیگم ستارہ میری بہت فیورٹ رہی ہیں۔ وہ ہماری کلاسیکی موسیقی کا۔" یوسف کمال کے لہجے میں آیا احترام بناوٹی نہیں تھا۔

گیتی نے شکر ادا کیا کہ اس کی ماں باہر جا چکی تھی، ورنہ ایک بڑا جھگڑا اس خوشگوار ڈنر کے بعد اٹھنا لازمی ہوتا۔

"آپ ملے ہیں کبھی نانی سے؟" گیتی پوچھ رہی تھی۔

"ہاں... ہاں ملا ہوں، مگر بہت برسوں پہلے، تم تو پیدا بھی نہیں ہوئی تھیں جب!" اپنی ہلکی سی بوکھلاہٹ پر انہیں بمشکل قابو پانا پڑا۔

www.Paksociety.com

"آپ کو کیسے پتا کہ میں جب پیدا ہوگئی تھی یا نہیں' کیا آپ ہمارے گھر آئے تھے' میرا مطلب ہے کہ......"

"تم بہت چھوٹی ہو گیتی!" انہوں نے نرمی سے اس کی بات کاٹی اور تمہاری عمر کا اندازہ لگانے کے لیے' مجھے تمہاری تاریخ پیدائش جاننے کی ضرورت نہیں ہے' اسی لیے میں نے کہا کہ یہ تمہارے پیدا ہونے سے پہلے کی بات ہے۔"

اس بار اس نے صرف ہلکے سے اثبات میں سر ہلایا تھا۔

اور وہ بھی تو اسی طرح بات کرتے کرتے خاموش ہو جایا کرتی تھی...... کوئی بحث نہیں!

کوئی یاد تھی' جو آج نکلنے کے لیے تیار نہیں تھی' ایک مستقل ہوتی دستک!

"اس بار ہم لاہور جائیں گے' تو آپ کو ہمارے ساتھ چلنا ہوگا۔ نانی بہت خوش ہوں گی آپ سے مل کر۔ انہیں برا لگتا ہے کہ اب اچھے میوزک کی قدر کرنے والے ختم ہوتے جا رہے ہیں۔"

سالار کو بہت اچھا لگا تھا' ان کا گیتی کے ساتھ اس طرح اپنائیت سے بات کرنا۔

کمال صاحب کا رویہ روز بہ روز اسے حیران کر رہا تھا اور قریب لا رہا تھا۔ مسز کمال سامنے وسیع ڈائننگ ہال میں کچھ ہدایت دیتی ہوئی نظر آ رہی تھیں۔

ایک وقت تھا' جب وہ کبھی سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ یہ لوگ اسے اتنے تپاک سے اپنے گھر پر انوائٹ کریں گے۔ وقت' لوگ شاید ہر چیز...... بدلنے کے لیے ہی ہے۔ عادتاً" وہ کہیں سے کہیں پہنچنے لگا تھا' تب ہی کچھ اور بہت ضروری یاد آیا۔

"مجھے کچھ ضروری بات کرنی تھی آپ سے انکل!" اپنی جگہ سے اٹھتے ہوئے اس نے کمال صاحب کو اشارہ کیا' تو انہیں بھی یاد آیا کہ سالار کو کچھ بہت ضروری بات کرنی تھی اور جسے سننے کے لیے وہ بے چین بھی تھے۔

مگر یہ لڑکی......

گیتی اب زوبیہ کی طرف متوجہ ہو چکی تھی۔

وہ سالار کے ساتھ ڈرائنگ روم کے دوسرے حصے کی طرف بڑھ گئے۔

"روزی کا سراغ ملنے کی امید ہو رہی ہے انکل! اس بے چاری کے زندہ ہونے کا امکان تو نہ ہونے کے برابر ہی ہے' لیکن کم از کم انصاف تو ہو جائے۔ میری بات ہو چکی ہے۔ کیس تیزی سے آگے بڑھ رہا ہے۔"

"مجھے پورا یقین ہے کہ جو کچھ بھی ہوا ہے' اس میں نبیل پوری طرح انوالو ہے اور میں اس کے لیے زرتاج کو کبھی معاف نہیں کر سکوں گا۔" یوسف کمال کے لہجے میں بڑی دردمندی تھی۔

"ان پر تو خیر اور بھی قرض نکلتے ہیں' مگر جانے دیں۔" نہ چاہتے ہوئے بھی وہ کچھ تلخ ہونے لگا تھا' پھر فوراً" ہی سنبھل گیا۔ "سوری!"

ماضی میں جو کچھ بھی تھا' اب بہرحال یوسف کمال اس کے لیے خلوص بھرا حوالہ تھے۔

"نبیل کا تعلق لوئر کلاس سے ہے انکل! راجو اسے یہاں لایا تھا۔ راجو' وہی ڈرائیور' جس سے روزی کی شادی ہونے والی تھی۔"

"میں سمجھ رہا ہوں' لیکن سالار......" کمال صاحب کے لہجے میں ہلکی سی الجھن اتری۔ "میری نبیل سے نفرت میں اس کی کلاس کا دخل نہیں۔ غربت انسان کا عیب نہیں' مجبوری ہوتی ہے۔ مجھے اس کی خراب فطرت اور کمینگی نے پریشان کر رکھا ہے۔ ناقابل برداشت ہے وہ شخص' پتا نہیں زرتاج کو اس میں کیا دکھائی دیا۔"

"وہ آپ کی بہن ہیں' میں کچھ نہیں کہہ سکتا۔" سالار کی آواز دھیمی تھی۔ "لیکن نبیل' میری اور آپ کی سوچ سے بھی زیادہ گھٹیا شخص ہے۔ میں راجو کے ساتھ گیا تھا اس کے پرانے محلے میں' بہت ہی خستہ حالت تھی ان کی

بھائی اور بہن کی۔ سنا ہے' اس نے ان کی کبھی خبر تک نہیں لی اور نہ ہی لینے کا ارادہ رکھتا ہے۔ محلے والے تو نبیل کا نام تک حقارت سے لیتے ہیں۔ راجو بتا رہا تھا کہ کئی سال پہلے کوئی لڑکی بھگا کر......"

راجو کے اتنے دن کے ساتھ میں سالار کی معلومات میں خاطر خواہ اضافہ ہوا تھا اور اس سارے پیراگراف کو یوسف کمال کے لیے بھی خاصا صبر آزما رہا۔

"دل تو چاہتا ہے کہ ساری عمر زرتاج کی شکل بھی نہ دیکھوں۔ کسی اور کی نہ سہی' اپنے بیٹے کی ہی شرم کر لیتی' جو سالوں سے یوکے میں بیٹھا ہوا ہے۔ وہ نہیں چاہتیں کہ مانی کبھی بھی واپس آئے' اس لیے کہ نبیل ایسا نہیں چاہتا۔"

چند لمحوں کے لیے وہ کسی سوچ میں ڈوبے۔ "سالار!"

"جی!"

"ہمیں نبیل کی بہن اور بھابھی سے ملنا ہوگا۔ کیا یہ ممکن ہوگا؟"

"وہ یہاں نہیں ہیں انکل! لیکن پتا چل جائے گا ان شاء اللہ' میں کوشش کرتا ہوں۔"

انہیں کھانے کے لیے بلایا جا رہا تھا۔

"سالار!" جب وہ اٹھ رہے تھے' تب یوسف کمال کچھ کہنے کے لیے رکے۔ وہ بنا کچھ کہے ان کی طرف مڑا۔

"تمہاری بیوی بہت اچھی ہے' سچ پوچھو تو مجھے تمہاری مضبوطی پر بڑا فخر سا ہوا ہے۔ خدا کرے کہ یہ محبت ہمیشہ قائم رہے۔ گیتی کو زمانے کی سفاکی کی مذمت ہونے دینا۔"

ان کے لہجے میں کچھ عجیب سا احساس تھا' مگر سالار بڑی لاپروائی سے ہنس پڑا۔ "مجھے ایسا سمجھتے ہیں کیا؟"

"نہیں' لیکن لوگ آج بھی اس بات کو آسانی سے ہضم نہیں کریں گے' زندگی جہنم بنا دیں گے تمہاری بھی اور گیتی کی بھی۔"

یوسف کمال کے ساتھ تلخ ترین یادیں تھیں۔ سالار کے چہرے کی مسکراہٹ دھیمی پڑی تھی۔

"سب لوگ ایک جیسے نہیں ہوتے انکل! بہت سے ایسے بھی ہیں' جو انسان کی عزت کرنا جانتے ہیں۔ آپ خود اس کی مثال ہیں' کتنی محبت سے ملے ہیں آپ گیتی سے۔"

"میں تو یوں ہی کمزور سا انسان ہوں بیٹا! دنیا کی بہت زیادہ پروا کرنے والا' دنیا کے ڈر سے راہ بدل لینے والا' تمہیں میرے بارے میں یوں ہی خوش گمانی ہے۔" ان کی آواز بتدریج نیچی ہوئی۔

سالار نے ان کی افسردگی کو بجا طور محسوس کیا تھا۔ وہ تھوڑا سا حیرت زدہ بھی ہوا۔

"آجائیں بھئی' کھانا لگ چکا ہے۔ سب آپ کے انتظار میں ہیں۔" زوبیہ نے کچھ فاصلے سے آواز دی تھی۔

"چلو!" وہ اسے کچھ کہنے کا موقع دیے بغیر آگے بڑھ گئے۔

سالار کی آنکھوں میں الجھن باقی تھی۔ رات کی کچھ گھڑیاں یکساں رفتار سے گزریں۔

"تمہیں کیسے لگے کمال صاحب اور ان کی فیملی؟"

جب وہ واپس آ رہے تھے تو اس نے ساتھ بیٹھی گیتی سے مسکرا کر پوچھا تھا۔ آج وہ اسے ہمیشہ سے زیادہ پراعتماد محسوس ہو رہی تھی۔

"سب ہی لوگ اچھے ہیں' خاص طور پر کمال انکل کا تو جواب نہیں ہے۔ انہوں نے نانی کے بارے میں جان کر اچھا سا پلس دیا تھا' ہے نا۔" وہ اتنی خوش تھی کہ آنکھوں میں نمی سی آ رہی تھی۔

"اوں ہوں!" سالار نے مسکرا کر اس کا ہاتھ تھاما تو اس نے جلدی سے ہاتھ چھڑا کر اپنی آنکھیں خشک کیں۔

"یہ سب آپ کی بدولت ہے سالار! یہ سارا فخر' سارا مان' سب ہی کچھ تو......"

"اچھا بس' اپنے شوہر کی زیادہ تعریف مت کرو' ورنہ مجھے بھی جواباً" اپنی بیوی کے لیے کوئی قصیدہ وغیرہ پڑھنا پڑے گا۔" وہ گاڑی کی رفتار بڑھاتے ہوئے بات کو گھما گیا۔

اسے گیتی کی محبت درکار تھی' لیکن اس کا احسان مند ہونا قطعی نامنظور تھا۔

وہ ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ باہر دیکھنے لگی۔ رات خاصی ہو چکی تھی اور ٹریفک اب نسبتاً" بہت کم رہ گیا تھا۔

"مجھے آپ کو ایک بات بتانی تھی!" وہ اس کی طرف مڑی۔

"ہوں!" سالار کی نگاہ سامنے سڑک پر تھی' سو وہ گیتی کے چہرے پر پھیلی کشمکش کو نہ دیکھ سکا۔

"انکل نے مجھ سے میری فیملی کے بارے میں کافی پوچھا تھا' کچھ عجیب سا لگا۔"

"ارے عجیب سا کیا' بتایا تو تھا انہوں نے کہ وہ نانی ستارہ کے کتنے بڑے فین ہیں' اسی لیے جاننا چاہ رہے ہوں گے۔" سالار نے لاپروائی سے ہاتھ ہلایا۔ گیتی کے چہرے پر اب بھی الجھن باقی تھی۔

"انہوں نے نانی کے بارے میں نہیں سالار! فیروزہ خالہ کے بارے میں جاننا چاہا تھا شاید۔"

"اچھا!" سالار نے دلچسپی سے اس کی طرف دیکھا۔

"ہو سکتا ہے' وہ انہیں بھی جانتے ہوں۔ اس لیے پوچھ رہے ہوں۔"

"انہوں نے خاص طور پر نام نہیں لیا تھا' لیکن انہوں نے نانی ستارہ کی بیٹیوں کے بارے میں سوال کیا تھا ایک تو میری امی اور دوسری..... ظاہر ہے' وہ خالہ فیروزہ ہی تو ہیں۔"

"تم نے کیا کہا؟"

"میں نے کہہ دیا کہ وہ بہت پہلے انتقال کر گئی تھیں اور یہ کہ مجھے ان کے بارے میں کچھ بھی نہیں یاد اور یہ حقیقت بھی ہے۔"

"اور!"

"اور کچھ بھی نہیں' پھر زوبیہ آگئی تھیں تو بات آئی گئی ہو گئی۔"

"چلو اچھا ہوا' بہرحال تمہیں کسی بات سے ٹینشن لینے کی ضرورت نہیں ہے۔ میں ہوں نا۔"

تحفظ اور سکون کا وہی گہرا' دل کو چھوتا احساس..... گیتی کو اپنی آنکھوں میں آتے تشکر کے آنسو چھپانے کے لیے ایک بار پھر گردن موڑ کر خود کو باہر کے منظر میں محو کرنا پڑا تھا۔

☼ ☼ ☼

گھر کے ماحول میں بڑی نمایاں سی تبدیلی آئی تھی۔ سب ہی ایک دوسرے سے کتراتے ہوئے رہتے۔ اپنے اپنے کمروں میں بند اور ابا اور معاذ کا زیادہ سے زیادہ وقت گھر سے باہر۔

کھانا بھی آج کل سب الگ الگ اپنی سہولت کے حساب سے کھا رہے تھے۔ ربیعہ اپنا اور دادی کا کھانا نکال کر ان کے کمرے میں لے آتی' زری بھی چپ چاپ وہیں آکر بیٹھ جاتی۔

آج کل خلاف معمول' اس کی بھی زبان بند رہنے لگی تھی اور ساری سرگرمیاں تقریباً" ختم تھیں۔ دادی کا دل اس سناٹے میں اور بھی گھبرانے لگتا تو وہ زری پر ہی خفا ہو جاتیں۔

"تجھے آخر کس غم میں چپ لگ گئی ہے' گھنٹوں سوچے جاتی ہے جانے کیا کیا۔"

وہ کب سے چپ چاپ ان کے پیر دبا رہی تھی' نہ ہوں نہ ہاں۔ دادی کی ناراضی بڑھنے لگی۔

"کیا پوچھ رہی ہوں' بتاتی کیوں نہیں ہے' کسی نے کچھ کہہ دیا ہے' طبیعت خراب ہے؟ اس طرح تو کبھی خاموش نہیں رہتی تھی۔" زری نے ایک ٹھنڈی سانس لے کر ان کی طرف دیکھا۔

"آپ سب بھی تو خاموش رہنے لگے ہیں دادی! لیکن کوئی کسی سے وجہ نہیں پوچھ رہا' تو پھر مجھ سے کیوں؟"

دادی کے چہرے پر ایک سایہ سا آگر پڑا۔ "ہم تو اپنے دکھ کے حصار میں ہیں بیٹا! معاذ کو چپ دیکھتی ہوں تو دل کٹتا ہے۔ کتنا بدل گیا ہے' پہلے ہی کون سی خوشی تھی اس کے پاس' جو شائستہ نے اس روز خوامخواہ کی ضد باندھ لی۔ یہ جان کر بھی کہ وہ اپنی بات کا کتنا پکا ہے۔"

"انہوں نے منع تو نہیں کیا شادی کرنے سے' صرف یہی تو کہا ہے کہ ابھی نہیں کریں گے۔" دادی نے کچھ چونک کر اس کی طرف دیکھا۔

"تو تو کمرے میں نہیں تھی' تجھے کس نے بتایا؟"

"میں یہیں برآمدے میں کھڑی تھی دادی! میں نے خود سنا تھا' معاذ کو کہتے ہوئے کہ وہ جویا کا نام بھی نہیں لیں گے۔"

اپنی چوری پکڑی جانے پر وہ ذرا بھی نہیں بوکھلائی تھی اور آج کل دادی بات بات کو پکڑنے کے موڈ میں بھی نہیں تھیں۔

"جویا کا نام نہیں لے گا' یا پھر کسی کا بھی نام نہیں لے گا زندگی بھر۔ میں جانتی ہوں اسے اچھی طرح۔ اب نہیں کرنے والا وہ شادی۔ شائستہ کتنا بھی زور لگا لے۔"

زری نے اپنے خشک ہوتے لبوں پر زبان پھیری۔ دادی کی آنکھوں سے چند آنسو ٹوٹ کر گرے تھے۔ زری نے جلدی سے اٹھ کر انہیں پانی کا گلاس تھمایا۔

"آپ اتنا دل پر مت لیں' سب ٹھیک ہو جائے گا۔ میں دعا مانگ رہی ہوں سب کے لیے۔"

پانی کا گلاس واپس رکھ کر وہ پھر سے ان کے قدموں میں بیٹھ گئی۔ دادی نے محبت سے اس کی طرف دیکھا۔

"اللہ تجھے بھی خوش رکھے' قسمت اچھی ہو تیری!" وہ اداسی سے مسکرا دی۔

"پتا نہیں دادی! قسمت کا بھی کیا چکر ہے' آپ لوگ سہارا نہ دیتے تو میرا تو ٹھکانا بھی نہیں تھا کہیں' خیر میری بات چھوڑیں....."

ذرا رک کر اس نے شاید خود کو کمپوز کیا۔

"دادی! ابھی ہم دونوں جویا کے گھر چلیں' چپکے سے' امی کو بتائے بغیر۔"

"پاگل ہوئی ہے کیا!" دادی نے چونک کر اس کی طرف دیکھا۔ "معاذ کی ماں ایک ہنگامہ کھڑا کر دے گی۔ اپنے اکلوتے بیٹے کی خوشی کی پروا نہیں کی اس نے۔ اتنی نفرت کرنے لگی ہے وہ جویا سے کہ اسے کسی پر رحم تک نہیں آتا۔"

ان کا لہجہ قطعی تھا' مگر زری پھر بھی اصرار کیے گئی۔

"صرف ایک بار' کسی اور طریقے سے' میں ایک بار جویا کو دیکھنا چاہتی ہوں دادی! آخر کیا بات ہے اس میں' جو معاذ کو کسی اور طرف دیکھنے ہی نہیں دیتی۔" زری کی آواز دھیمی تھی اور لہجے میں بڑی ٹوٹی سی کیفیت!

دادی نے بس ایک ٹھنڈی سانس لے کر آنکھیں بند کی تھیں۔ وہ چپ چاپ سر جھکائے' ان کے پیر دبائے گئی کتنی ہی دیر گزر گئی۔

"دادی سو گئی ہیں کیا زری؟"

ربیعہ نے دھیمی آواز میں کمرے میں جھانک کر پوچھا تو اس نے چونک کر دروازے کی طرف دیکھا۔ ربیعہ کے ہاتھ میں ایک موٹی سی کتاب تھی۔ آج کل اس کے پیپرز ہو رہے تھے۔

www.Paksociety.com

If you want to download Monthly Digests like Khwateen Digest,Kiran,Shuaa,Suspense, Pakeeza,Rida,Imran series by ibn-e-safi or mazhar kaleem,funny books poetry please visit www.paksociety.com for direct download link and with 21 supporting mirros in case of any help send mail at admin@paksociey.com

www.Paksociety.com

زری کو اپنی طرف دیکھتے ہوئے ربیعہ نے پھر سے سوال دہرایا تھا۔ زری نے دھیرے سے سر ہلایا۔

"تم بھی کچھ دیر آرام کرلو زری!" ربیعہ نے ہمدردی سے اسے دیکھا۔

"میں آرام سے ہی ہوں' آپ فکر مت کریں!"

باہر سے گاڑی اسٹارٹ ہونے کی آواز آرہی تھی' شاید معاذ کہیں جارہا تھا۔ زری نے ربیعہ کو واپس پلٹتے دیکھا' مگر آج معاذ کو محض ایک نظر دیکھنے کی خواہش نے اسے نہیں دوڑایا تھا۔ وہ یوں ہی اپنا کام کیے گئی۔

☼ ☼ ☼

جویا نے مایوسی سے سامنے بیٹھے اس شخص کی طرف دیکھا۔

"میں نے کہا نا' فی الحال کچھ عرصہ اسی طرح چلے گا یہ کیس۔ یہی بہتر ہے۔" وہ رٹے رٹائے انداز میں بات کررہا تھا' اس لیے کہ یہ سب اس کے روزمرہ معمول کا حصہ تھا۔

"مگر یہ تو چل ہی نہیں رہا' کتنے دن ہوگئے' صرف تاریخ پر تاریخ لی جارہی ہے اور کچھ بھی نہیں۔ پچھلی بار کم از کم ضمانت تو ہوگئی تھی' مگر اس بار تو......"

باوجود کوشش اس کی آنکھوں میں آنسو آنے لگے تھے' جنہیں اس نے فوراً" ہی ہتھیلی سے رگڑ ڈالا تھا۔

"پچھلی دفعہ کچھ اور بات تھی' جرمانہ بھر دیا گیا تھا' اس لیے رعایت بھی مل گئی' مگر اب مہلت ختم ہوگئی تھی اور کیس کی تفتیش آگے بڑھ چکی ہے۔ چند اور لوگوں کے نام بھی شامل ہوگئے ہیں کیس میں اور بہرحال کروڑوں کا معاملہ ہے۔"

اس کے سامنے اب کسی دوسرے کیس کی فائل کھلی تھی اور اس کی پوری توجہ اب اسی پر ہی تھی۔

جویا کو پورا یقین تھا کہ اب وہ اس کی بات ٹھیک سے سنے گا بھی نہیں' مگر خود اس کے پاس بھی اس کے علاوہ کوئی اور چارہ نہیں تھا کہ وہ اس کے پاس سے کم از کم کوئی حرف تسلی تو لے کر اٹھے۔

"دیکھیں عارف صاحب!" اس نے اپنے خشک ہوتے ہونٹوں پر زبان پھیری۔ "آپ کو پتا ہے کہ میرے ابو' وہ ساری رقم بھر چکے ہیں اور انہیں۔"

"دیکھیں مس جویا!" اس نے سرد لہجے میں بات کاٹی۔ "یہ بات بار بار دہرائی جاچکی ہے' آپ کیوں نہیں سمجھ رہیں کہ چند لاکھ جمع کرادینے سے اظہار صاحب کے جرم کی سنگینی کم نہیں ہوسکتی۔ یہ معاملات مہینوں' سالوں میں جاکر حل ہوتے ہیں آپ کو جلدی ہے تو بہتر ہے کہ کوئی دوسرا وکیل کرلیں۔ ویسے بھی جو فیس میں نے آپ سے لی ہے' اس میں اتنا ہی کیا جاسکتا تھا' آگے کی ٹرمز اور کنڈیشنز مختلف ہیں اس حساب سے......"

جویا کی مایوسی اور بھی زیادہ بڑھی۔

پچھلے سارے عرصے میں وہ فیس یہ فیس وصول کرتے آئے تھے' اور جس طرح وہ یہ ادائی کررہی تھی' اس کے بعد بھی' وہ اب پچھلے ریٹ پر کام کرنے کے لیے تیار نہیں تھے۔

"آپ ہمارے حالات سے واقف ہیں عارف صاحب! میں وعدہ کرتی ہوں' جیسے ہی ہمیں کچھ آسانی ہوئی اور ابو کا یہ کیس ختم ہوگیا' ہم اس سے بھی زیادہ آپ کو پے کرسکیں گے' مگر اس وقت تو بڑا مشکل ہے' بلکہ......"

بے چارگی سے اپنی درخواست ان کے حضور پیش کرتے ہوئے وہ خود اپنی نگاہوں میں گری جارہی تھی۔

"ہم یہاں امکانات پر بات کرنے کے لیے نہیں بیٹھے ہیں اور ویسے بھی یہ کوٹ ہے۔ اس طرح کے پروفیشنل معاملات میں شام کو اپنے چیمبر میں نمٹاتا ہوں' وہاں آکر بات کیجیے گا۔ اگر آپ کو میری کنسلٹیشن فیس منظور ہے۔"

www.Paksociety.com

اس بار انہوں نے۔۔۔ اپنے سامنے رکھی اظہار صاحب کے کیس کی فائل بھی اٹھا کر جویا کے آگے کر دی تھی۔ ان کے پاس کچھ اور لوگ آکر بیٹھ چکے تھے۔

جویا نے کانپتے ہاتھوں سے وہ فائل تھامی تھی۔ موسم بدل چکا تھا' پر اس پُر ہجوم شہر میں دن کا یہ پہر گرمی کی یاد دلاتا تھا۔

سیڑھیوں سے کمپاؤنڈ تک آتے ہوئے اسے کتنی ہی بار لگا جیسے وہ یہیں کہیں گر جائے گی۔

مایوسی کی آخری حد کو بھی پار کر لینے کے بعد کب سے پیچھا کرتے اس سوال کا جواب مکمل کٹہرے میں تھا۔

اس کے پیر اچانک ہی بری طرح کانپے' قریب ہی پڑی ایک بینچ کو وہ نہ تھامتی تو لوگوں سے بھرے اس مقام پر ضرور ہی گر پڑتی۔

معاذ نے اسے دھوپ بھرے پرانے بینچ پر اکیلے سر جھکائے بیٹھا دیکھا تھا۔

اپنے اردگرد سے گزرتے لوگوں کی پروا کیے بغیر وہ اتنی تھکی تھکی اور خستہ حال نظر آ رہی تھی کہ معاذ نے اپنا دل بیٹھتا ہوا محسوس کیا۔ آس پاس رش بڑھتا ہی جا رہا تھا' مگر پھر بھی۔

"جویا!" دھوپ سے بھرے اس پل میں ایک مہربان سایہ اس پر آکر ٹھہرا۔

جویا کو یوں ہی گمان سا ہوا تھا۔

"جویا! میں ہوں معاذ۔ ادھر دیکھو میری طرف۔!" وہ بہت نرمی سے اس کی طرف تھوڑا سا جھک کر پھر پکارا۔

اس بار اس کا جھکا ہوا سر اٹھا تھا۔

معاذ نے دیکھا' اس کے لب بالکل خشک اور آنکھوں میں اتنی ویرانی کہ۔۔۔۔

"اٹھو! یہاں کیوں بیٹھ گئی ہو؟ چلو میرے ساتھ۔"

وہ اب بھی اتنی بے یقینی سے معاذ کے چہرے کو تک رہی تھی کہ اسے لگا جیسے وہ اس کی بات سن ہی نہیں سکی ہے' سو اسے بات دہرانی پڑی۔

"اٹھو! کہیں بیٹھ کر تسلی سے بات کرتے ہیں' آج تو کیس چلنا تھا نا اظہار چچا کا؟ ابھی کتنی دیر ہے؟ عارف صاحب کہاں ہیں؟ وہی وکیل ہیں نا؟"

جویا کو حیرت ہوئی کہ وہ اتنا باخبر تھا۔

"آج نہیں چلا کیس۔ پندرہ دن آگے کی ڈیٹ لے لی ہے انہوں نے۔" آہستہ سے کہتی ہوئی وہ اٹھ کر کھڑی ہوئی۔

"کیوں نہیں چلا؟ کیا کہہ رہے ہیں یہ عارف صاحب۔ مجھے تو لگ رہا ہے کہ جان بوجھ کر پریشان کر رہے ہیں' ورنہ اتنا عرصہ۔۔۔۔"

اس کے ساتھ ہلکے ہلکے چلتا ہوا وہ اس طرح تبصرہ کر رہا تھا جیسے خاموشی کا ایک لمبا دورانیہ ان کے بیچ آیا ہی نہیں تھا۔

اس کیس کی ساری اونچ نیچ سے وہ پوری طرح باخبر تھا۔

ایک تلخ سی مسکراہٹ جویا کے لبوں پر آ گئی۔

"سارے خاندان کی طرح تم نے بھی بھرپور دلچسپی لی ہے ابو کے کیس میں۔"

"میری دلچسپی کی وجہ اتنی دل دکھانے والی ہے کہ ہم اس پر بات کرنے کی شاید ہمت بھی کھو چکے ہیں۔"

جویا کے طنز پر خلاف عادت برا ماننے کے بجائے اس نے بہت دھیمے لہجے میں کہا تھا۔ وہ کہہ کر پچھتائی۔

خاموشی سے سست رفتاری کے ساتھ معاذ کے ساتھ چلتے ہوئے اسے احساس ہی نہیں ہوا کہ وہ اسے کس

طرف لے جا رہا ہے۔

سخت پر ہجوم پارکنگ میں سے گزرتے ہوئے وہ اس مہارت سے اس کے لیے راستہ بناتا جا رہا تھا کہ جویا کو ایک بار بھی پریشانی کا سامنا نہیں کرنا پڑا۔ ورنہ وہ اس وقت اتنی منتشر تھی کہ شاید ابھی تک وہیں اس بینچ پر بیٹھی ہوتی۔ چند منٹوں کا یہ ساتھ بڑا ہی عافیت بھرا تھا۔

معاذ کی پشت پر نگاہ جمائے اس نے کتنی ہی بار گیلی ہوتی آنکھوں کو رگڑ کر خشک کیا۔

وہ مستقل عارف صاحب کی کارکردگی پر تنقید کیے گیا' بنا جویا کی طرف دیکھے۔

"ان کی ریپوٹیشن سخت خراب ہے۔ نہ تو وہ اتنے قابل ہیں اور نہ ہی مخلص۔ بری طرح پیسہ لیتے ہیں اور کلائنٹ کو آخری وقت تک جھانسے میں رکھتے ہیں۔"

"اس جھانسے کا بھی آج آخری دن تھا۔" جویا کی آواز نیچی تھی' مگر اس شوروغل میں بھی آگے چلتے ہوئے وہ پوری طرح اس کی طرف متوجہ تھا۔

"کیا مطلب؟" معاذ نے مڑ کر اس کی طرف دیکھا۔

"یہ ہی کہ اب وہ یہ کیس نہیں لڑنا چاہ رہے اور یہ کیس۔۔۔۔"

بات کا دوسرا حصہ اس کی کم ہمتی کا قصہ بیان کرتا تھا' سو وہ بات ادھوری چھوڑنے پر مجبور ہو گئی۔

"کوئی بات نہیں۔ اچھا ہی ہے۔ ہم ویسے بھی ان کا مزید ساتھ نہیں چاہ رہے تھے۔"

"ہم!" جویا نے چونک کر اس کی طرف دیکھا۔

"ہاں اور کیا' شہر میں مخلص اور قابل وکلاء کی کمی تھوڑی ہے۔ اظہار چچا کا کیس اب ہم کسی اور کے سپرد کر رہے ہیں اور دیکھنا! کتنی جلدی سب کچھ ٹھیک ٹھاک ہو جائے گا۔ تم بالکل فکر مت کرو۔"

جویا کی آنکھوں میں پھیلی حیرت کی ذرا بھی پروا کیے بغیر وہ اطمینان سے کہہ رہا تھا۔

"اور اب تمہیں یہاں آنے کی قطعی ضرورت نہیں ہے۔ یہ جگہ اکیلے آنے والی ہے بھی نہیں ویسے بھی۔ میں خود دیکھ لوں گا سب کچھ۔"

جویا نے نچلا لب سختی سے دانتوں نے دبایا۔

معاذ اتنی بڑی دنیا میں آج بھی وہی تھا جو اس کے حصے کی دھوپ اپنے سر لینے کے لیے تیار کھڑا تھا۔ دل نے شدت سے اس ایک پل میں جی لینے کی تمنا کی تھی۔

"دیکھو معاذ!" خود کو بمشکل کمپوز کرتے ہوئے وہ ان مہربان ساعتوں کے سحر سے نکلی۔ "تمہارا بہت شکریہ کہ تم نے اس حد تک ہمارا خیال کیا' لیکن اس کی ضرورت نہیں' کچھ نہ کچھ کر ہی لیں گے ہم لوگ۔"

"ہم لوگ۔" معاذ نے دل میں ہی دہرایا۔

"اور کون تھا اس کے ساتھ بھلا۔" یوں ہی بلا مقصد اس کی نگاہ نے اطراف میں کسی جانے پہچانے چہرے کو تلاشا۔

"کوئی بھی تو نہیں۔"

کوچنگ سینٹر کی طویل نہ ختم ہونے والی گلی سے لے کر بھانت بھانت کے لوگوں سے بھرے اس احاطے تک وہ ہمیشہ اکیلی ہی نظر آئی تھی' اور وہ سب جو اس کے سب سے زیادہ اپنے ہونے کے دعوے دار تھے۔ ان میں سے کبھی کوئی ساتھ دکھائی تک نہ دیتا تھا' مگر وہ پھر بھی مُصر تھی۔

"آپا کل' سلمان بھائی وغیرہ کسی دوسرے وکیل کا انتظام کریں گے' جو زیادہ بہتر ہو گا۔"

معاذ نرمی سے مسکرا دیا۔

www.Paksociety.com

"بہتر ہوگا یہ صفائی تم ان کے سامنے پیش کرو' جو میرے ساتھ آئے ہیں۔"
جویا نے چونک کر اس کے ہاتھ کی سمت دیکھا۔
"اسلام چچا!" بے ساختہ اس کے منہ سے نکلا۔ گاڑی کے قریب ابا کھڑے تھے۔
ایک گہری سانس جویا کے لبوں سے آزاد ہوئی تھی۔

☼ ☼ ☼

رات کا نا معلوم کون سا پہر تھا۔
بڑی دیر سے انہوں نے گھڑی دیکھنے کی ضرورت بھی نہیں سمجھی تھی۔
ایش ٹرے میں بجھتے سگاروں کا ڈھیر' آہستہ آہستہ اونچا ہو رہا تھا' مگر اب دیرینہ عادت بھی سکون کا باعث بننے سے قاصر تھی۔ برسوں سے لگے بندھے معمول پر گزرتی محفوظ و مامون' خوش حال زندگی کو جیسے اچانک ہی پچھتاوے اور وسوسوں کی دیمک آن لگی تھی۔
جو قصہ برسوں پہلے اپنی طرف سے انہوں نے خوش اسلوبی سے نمٹا دیا تھا' سود بیاج کے ساتھ وہ پھر سے ادائیگی کا تقاضا کر رہا تھا۔ کتنی ہی بار وہ حالات اور واقعات کے تسلسل کو ذہن میں دہراتے' مگر کنفیوژن سا کنفیوژن۔
وہ سب کچھ جس پر بہت پہلے صبر کر لیا گیا تھا اور مڑ کر نہ دیکھنے کا ارادہ بھی مصمم تھا' ان کی ہر کوشش کو صفر کرتا ہوا خود ہی سامنے آکھڑا ہوا تھا اور وہ بھی ایک جگ ساپزل کی مانند۔ کرسی کی پشت سے ٹیک لگاتے ہوئے انہوں نے نیا سگار سلگایا۔ کھوئے ہوئے حصے ڈھونڈنے کی ایک اور کوشش کی۔ کھڑکی تھوڑی سی کھلی تھی شاید۔ وہ اٹھ کر بند کرنے لگے تو باہر کی یخ بستگی کا احساس اور بھی نمایاں ہوا۔
ان کے اس نرم گرم کمرے کے باہر کی دنیا اتنی آرام دہ نہیں تھی۔
ایک لمحے کے لیے انہیں شدت سے سڑکوں' فٹ پاتھوں' برج کے نیچے زندگی گزارتے لوگوں کا خیال آیا۔ خدا کی بے محابا پھیلی مخلوق نہ جانے کس کس طرح زندگی کاٹنے پر مجبور ہوگی۔
ان کے وہم و گمان سے بھی زیادہ تکلیف دہ شاید۔ اور ان ہی میں کہیں وہ بھی تھا۔
گاڑیوں کے ہجوم میں اپنی جگہ بناتا ہوا' گلے میں وہ بھاری ساخوانچہ لٹکائے' دو وقت کی روٹی کے لیے لوگوں کی حقارت آمیز نگاہوں اور جھڑکیوں کا مقابلہ کرتا ہوا۔
اور اس غضب کی ٹھنڈ میں بھی نہ جانے کہاں سکڑا سمیٹا۔
پتا نہیں اس کے پاس کوئی گرم کپڑا بھی ہوگا یا نہیں۔
دل بڑے ناگوار انداز میں دھڑک رہا تھا' وہ بنا کھڑکی بند کیے واپس صوفے پر بیٹھے۔
وہی تھا جو انہیں اس گورکھ دھندے میں پھنسا کر غائب ہو چکا تھا اور عجیب بات یہ تھی کہ دن رات نگاہوں سے گزرنے والے سیکڑوں لوگوں کی طرح وہ اسے بھلانا تو ایک طرف نظر انداز تک نہیں کر پائے تھے۔
گیتی آرا کی طرف سے کی گئی تردید بھی جیسے رسمی کارروائی رہی تھی۔ شاید انہیں گیتی سے کھل کر بات کرنی چاہیے تھی یا پھر...
"یوسف!" دروازہ کھول کر ان کی بیوی اندر آگئی تھیں۔ بڑی بے وقت مداخلت تھی۔
انہوں نے کچھ بے زاری سے اس عورت کی طرف دیکھا' جس کے ساتھ وہ ایک عمر بسر کر چکے تھے۔
"ساڑھے تین بج رہے ہیں رات کے۔ آج سوؤ گے نہیں کیا؟ میں بھی ڈسٹرب ہو رہی ہوں۔" ان کے لہجے میں ان کے خیال سے زیادہ اپنی نیند خراب ہونے کی کوفت تھی۔

وہ تلخی سے مسکرادیے۔
"مجھے جب سونا ہوگا' سو جاؤں گا۔ تم آرام سے سو جاؤ جا کر۔" وہ شاید یہ ہی سننا چاہ رہی تھیں' بنا دوسرا سوال کیے واپس مڑ گئیں۔
یوسف کمال کی نظر چند لمحے اس ادھ کھلے دروازے پر جمی رہی۔
زندگیوں پر مسلط ہوتے لاتعلق رشتے' بے جان جسموں کی مانند۔
اور جنہیں دفنانے میں جلدی بھی نہیں کی جاتی' ساری عمر کے لیے گلنے سڑنے کے لیے چھوڑ دیا جاتا ہے۔ سمجھوتے کا مضبوط ڈھکن لگا کر تاکہ ارد گرد تعفن بھی نہ پھیلے۔
اور ان گنت لوگ اس عذاب کو جھیلتے ہوں گے اور جیتے بھی ہوں گے۔
بہت مدت بعد یوسف کمال کو خود اپنے آپ پر شدت سے رحم آرہا تھا۔

☼ ☼ ☼

سامنے کے آرائشی برآمدے میں دن چڑھے کی چمکیلی دھوپ پھیل رہی تھی۔
استاد فراغت بیگ اپنی کرسی اور بیاض اٹھائے وہیں آبیٹھے تھے۔ شاما نے گرم گرم چائے کا کپ لا کر دیا' تو مسکرا دیے۔
"جیتی رہو' ویسے آج کل چائے کچھ زیادہ ہی نہیں بناتی ہو؟ صبح سے شاید چوتھا کپ ہے۔"
"اٹھتے بھی تو آپ پانچ بجے ہیں اور استاد جی! اب گھر میں ویسے بھی کون سے لمبے چوڑے کام رہ گئے ہیں۔ آپ' نانی' باجی نگینہ' اب ان کی بھی خدمت نہ کروں تو پھر کیا کروں' دن کاٹے نہیں کٹتا۔"
وہ واپس جاتے جاتے رک سی گئی۔
"یہ تو ہے' اور گیتی کے جانے کے بعد تو بالکل ہی سناٹا چھا گیا ہے۔ اتنے دن ہو گئے مگر اس کی غیر موجودگی کی عادت نہیں پڑ رہی۔ دن میں کتنی بار آکر پاس بیٹھ جاتی تھی۔"
وہ اسے یاد کر کے اداس ہوئے۔ شاما نے محبت سے ان کی طرف دیکھا۔
"آپ کی تو ہمیشہ سے لاڈلی رہی ہے' حالانکہ اس نے کچھ سیکھ کر نہیں دیا آپ سے۔ باجی نگینہ کو تو اس کی نالائقی سے ہمیشہ شکایت ہی رہی' کہتی تھیں کہ چراغ تلے اندھیرا' اس کو کہتے ہیں گھر میں اتنے بڑے دو سکھانے والے' مگر گیتی نے کچھ سیکھ کر ہی نہیں دیا۔ کچھ بھی حاصل نہیں کیا اپنے بڑوں سے۔"
استاد فراغت بیگ نے ہلکے سے نفی میں سر ہلایا۔
"غلط سوچتی تھی نگینہ' گیتی نے تو وہ کچھ سیکھا اپنے بزرگوں سے' جو نہ فیروزہ سیکھ پائی اور نہ ہی صندل' بہت مختلف ہے وہ' اور اپنے ساتھ سب سے قیمتی چیز لے گئی ہے اس گھر سے۔ دل کی گہرائیوں سے نکلی دعائیں ہیں اس کے ساتھ' سمجھیں۔"
شاما کے چہرے کی مسکراہٹ گہری ہوئی۔ اندر سے نگینہ آواز دے رہی تھی۔
"آئی باجی جی۔"
استاد فراغت بیگ نے مسکرا کر چائے کا کپ منہ سے لگایا۔
نیچے بازار میں ابھی ساری دکانیں بھی نہیں کھلی تھیں۔ انہیں اپنا یہ پرسکون اور مانوس ماحول دل و جان سے پیارا تھا۔
اندر نگینہ آج اپنے کپڑوں کی الماری کھولے بیٹھی تھی اور حسب عادت سخت کوفت میں مبتلا ہو چکی تھی۔

www.Paksociety.com

If you want to download Monthly Digests like Khwateen Digest,Kiran,Shuaa,Suspense, Pakeeza,Rida,Imran series by ibn-e-safi or mazhar kaleem,funny books poetry please visit www.paksociety.com for direct download link and with 21 supporting mirros in case of any help send mail at admin@paksociey.com

سستی والی جارجٹ ٗلیڈی کریپ اور سے رنگ برنگی چمکیلی بیلیں۔

”یہ سب پہنتی تھی میں اور کسی کو بھی یہ توفیق نہیں ہوتی تھی کہ ٹوک ہی دے مجھے۔ خالہ ولدار والے اگر میری ہنسی اڑاتے تھے تو کچھ ایسا غلط بھی نہیں تھا۔“

وہ جھنجلائے ہوئے انداز میں ایک طرف ڈھیر لگائے جارہی تھی۔ پتا نہیں ایسے کتنے کپڑے تھے اس کے پاس جو اتنی بار بانٹ دینے کے بعد بھی ختم ہونے کا نام نہیں لے رہے تھے۔

شاما بنا کوئی تبصرہ کیے نیچے بیٹھ کر ان سب کو تہ کرکے ایک طرف رکھنے لگی۔

نگینہ کا تبصرہ جاری تھا۔

”صندل! دیکھ لے۔ تو ابھی صحن میں رکھوا کر آگ لگادے ان کپڑوں کو۔ اس کا تو اسٹینڈرڈ اب اتنا ہائی ہے کہ کوئی سستی شے برداشت ہی نہیں کرتی ہے‘ بھی شروع سے نازک مزاج اور اب تو اس کا وہ عروج ہے کہ......“

شاما نے بمشکل ہی اپنی بے چینی کو کنٹرول کیا‘ مگر نگینہ کا ”صندل نامہ“ ایک بار شروع ہوجاتا تو پھر جلدی ختم نہیں ہوتا تھا۔

وہ چپ چاپ سارے فضول کپڑے الگ کیے گئی۔

”ویسے باجی! اب صندل نے اپنے ہاں آنا بہت کم کردیا ہے۔“ جب نگینہ ذرا خاموش ہوئی تو شاما کو کہنا ہی پڑا۔

”ہاں تو مصروف بھی تو کتنی ہے‘ دن رات شوٹ پر ہوتی ہے‘ کبھی اس ملک‘ کبھی اس ملک۔ اب آدمی یا تو کام کرے یا پھر گھر والوں کی خبر گیری کرتا پھرے۔ میں نے تو خود اسے کہہ رکھا ہے کہ اپنی ساری توجہ کام پر رکھے‘ ہماری فکر نہ کرے بالکل۔“

نگینہ کی آواز قدرے اونچی ہورہی تھی۔

”پتا نہیں باجی نگینہ کس کو مطمئن کررہی ہیں‘ مجھے یا خود کو۔“ سر جھکائے بیٹھی شاما نے تکلیف سی محسوس کی تھی۔

”حاسدوں کی بڑی نظر ہے صندل کی کامیابیوں پر۔ پتا نہیں کتنے ٹونے ٹوٹکے کروا رکھے ہیں‘ جب ہی تو دو فلمیں ہلکی گئی ہیں اس کی پچھلے جمعہ والی‘ مجھے تو فکر سی ہورہی ہے۔“

وہ بولتے بولتے تھک چکی تھی یا واقعی فکرمند تھی۔

”اللہ مالک ہے‘ آپ فکر نہ کریں۔“ شاما کی محبت خالص اور اجلی تھی۔

نگینہ نے مایوسی سے ہلکے سے سر کو جھٹکا۔

”پتا نہیں۔ اماں تو کہہ رہی ہیں کہ بنا سوچے سمجھے اندھا دھند دوڑنے کا نتیجہ ہے۔ اب بتا ذرا وہ بالی صاحب کی کسی بھی فلم کو کیسے منع کرسکتی ہے۔ کتنے احسان ہیں ان کے‘ مگر اماں کو کون سمجھائے‘ انہیں تو بالی سے چڑ ہوتی جارہی ہے۔“

”بات تو غلط نہیں ہے نا ان کی‘ بالی صاحب بھی صندل کی شہرت کو کیش کررہے ہیں۔ اب یہ اتنے لو بجٹ والی فلمیں بنائی تھیں تو ان میں خالی صندل کیا کرلیتی‘ نتیجہ خراب ہی نکلنا تھا نا۔“

شاما کا تجزیہ غلط نہیں تھا۔

”مگر ناکامی تو ہیرو‘ ہیروئن کے سر ہی آتی ہے نا۔ مارکیٹ ویلیو تو ان کی گرتی ہے۔“ نگینہ کا انداز تھکا تھکا سا تھا اور دل ایک دم ہی اس چاروں طرف پھیلے مینا بازار سے اچاٹ سا ہوا تھا۔

”تو یہ سب سمیٹ کر نکال دے شاما میرا تو اب ہاتھ لگانے کو بھی دل نہیں چاہ رہا۔“

وہ بے زار سی ہو کر برآمدے میں نکل آئی۔ تب ہی اس نے سیڑھیوں پر سے صندل کو اوپر آتے دیکھا۔ وہ

سیدھی اس کی طرف آنے کے بجائے پہلے استاد جی کو سلام کرنے کے لیے رکی تھی۔
نگینہ کے چہرے پر پھیکی سی مسکراہٹ آئی۔
اپنی ساری تنک مزاجی کے باوجود صندل میں کم از کم گھر کے بڑوں کا لحاظ تو تھا۔
"بہت دن بعد آئیں خیر سے۔" وہ اسے لیے نانی ستارہ کے کمرے میں آئی تھی۔
صندل کوئی جواب دینے کے بجائے نانی سے ملنے کے لیے آگے بڑھ گئی۔ آج خلاف معمول فوراً" ہی الگ ہوجانے کے بجائے وہ چند لمحے ان کے گلے سے لگی رہی۔
نگینہ نے ان چند لمحوں میں صندل میں آئی اس تبدیلی کو نوٹ کیا تھا۔
بڑے عرصے بعد آج وہ سادہ سا شلوار قمیص اور دوپٹہ پہنے ہوئے تھی۔ چہرہ میک اپ سے عاری اور بال سادہ سے ہیر بینڈ کی قید میں تھے۔
اپنے نمبرون ہیروئن کے پورٹ فولیو سے قطعی مختلف' لیکن اس سادہ سے حلیے میں وہ شاید اور بھی زیادہ اچھی لگ رہی تھی۔
نگینہ کو اس پر ویسا ہی فخر تھا جیسا کسی زمانے میں نانی ستارہ کو فیروزہ پر۔
"گیتی کیسی ہے؟ کوئی خیر خبر؟"
اپنے بارے میں کیے گئے سارے سوالوں کو صفائی سے نظر انداز کر کے وہ وہیں نانی کی مسہری پر نیم دراز ہوئی۔
"گیتی ماشاءاللہ ٹھیک ہے۔ روزانہ فون پر بات ہوجاتی ہے۔ کہہ رہی تھی کہ تمہیں بھی کیا تھا' مگر نمبر نہیں ملا۔ شاید بند تھا تمہارا فون۔" نگینہ کے لہجے میں گیتی کے لیے بات کرتے ہوئے اب خود بخود اطمینان آتا تھا اور ایک چھوٹا موٹا سا پیراگراف وہ سالار کی تعریف میں ادا کرنا نہیں بھولتی تھی۔
صندل کی پیشانی پر ہلکا سا بل آیا۔
"پتا نہیں کیا جادو کردیا ہے اس نے آپ پر۔ ذرا بھی گیتی کے مقابل نہیں تھا' جب اصلیت کھلے گی تب۔۔۔" تلخ لہجے میں وہ جو کہہ رہی تھی' نگینہ سے پہلے آج نانی ستارہ کو برا لگا۔
"اصلیت بھی کھل گئی اس کی۔ بالی جیسے دس کو نہیں' پانچ کو تو خرید سکتا ہے۔ کوٹھی نام کردی ہے اس نے گیتی کے اور ماشاءاللہ لاکھوں کا زیور ہے' اور سب سے بڑی بات کہ مخلص اور سادہ دل۔ گیتی کی فکر مت کرو' وہ ماشاءاللہ ٹھیک ٹھاک ہے۔"
صندل' نانی کی بات کے دوران ہی سیدھی ہو کر بیٹھ چکی تھی' گو نگینہ پہلے بھی بتا چکی تھی' مگر اسے یقین نہیں آیا تھا۔
"سچ کہہ رہی ہیں؟" اس نے باری باری نگینہ اور نانی دونوں ہی کو دیکھا۔
جواباً" وہ دونوں ہی مسکرائی تھیں۔
"کمال ہے' گیتی نے چپ چاپ کتنا بڑا ہاتھ مار لیا۔ لگتی تو بہت سیدھی تھی' مگر اندر ہی اندر سالار کے ساتھ پوری سیٹنگ کر رکھی تھی۔" وہ اور بھی تلخ ہوئی۔
"کیسی باتیں کرتی ہے صندل! اپنی بہن کو جانتی نہیں کیا؟ گیتی کے سیدھے پن سے تو ہم سب عاجز تھے' بھول گئی؟"
نگینہ کو اس کی بات سے بڑا ہی رنج ہوا تھا' مگر صندل اپنی رائے پر نظر ثانی کرنے کے لیے بھی تیار نہیں تھی۔
"کوئی سیدھا نہیں ہے آج کے زمانے میں۔ سب اپنا بھلا دیکھتے ہیں۔ گیتی نے بھی ہمیشہ سیف (محفوظ) راستہ چُنا۔ پہلے پڑھائی کے نام پر کام سے جان چھڑاتی رہی' پھر مزے سے اپنی مرضی کی شادی رچالی۔ مصیبت تو میرے

ہی سر رہی۔ کام' کام' کام ایک ساتھ کتنی شفٹوں میں کام کر رہی ہوں۔ کسی کو اندازہ بھی نہیں ہے۔"
اس کی آنکھوں میں آنسو آنے لگے تھے' سو غصے کے باوجود بھی نانی یا نگینہ کو نرمی برتنی پڑ رہی تھی۔
"اتنا کام کرنے کی کیا ضرورت ہے؟ منع کیا تھا نا کہ ایک ساتھ اتنی فلمیں مت کرو۔ معیار خراب ہوتا ہے۔ لوگ بھی بے زار ہونے لگتے ہیں۔ پیسے کے پیچھے دوڑتے رہنا بھلا کس کو راس آتا ہے' مگر تمہیں تو ہماری کبھی کوئی ایک بات بھی سمجھ میں نہیں آئی آج تک۔"
نانی ستارہ کا لہجہ نرم سہی' مگر بات سچی تھی' سو کڑوی بھی لگی۔
صندل آج بہت دکھے ہوئے دل کے ساتھ آئی تھی' مگر یہاں دستیاب کندھے سر رکھ کر رونے کی اجازت نہیں دے رہے تھے۔
"کسی کو مجھ سے ہمدردی نہیں۔ وہ بالی ادھر یاتیں سنا رہا ہے۔ اس کا خیال ہے کہ فلمیں فلاپ ہونے میں میری کوتاہی ہے۔ میں نے دل لگا کر کام ہی نہیں کیا۔ اپنی غلطیاں نہیں دیکھتا' اب اگر اگلی فلم بھی۔۔۔"
اس نے ایک برے امکان کا اظہار کرنا چاہا' مگر آنکھوں میں آتے آنسو بولنے کی اجازت نہیں دے رہے تھے۔
سو وہ تکیہ میں منہ دے کر واپس بستر پر دراز ہوئی۔
وہ بری طرح اپ سیٹ تھی۔ اب اس بات میں کوئی شبہ باقی نہیں رہ گیا تھا۔
نانی اور نگینہ دونوں ہی تشویش میں گھری تھیں۔
"بالی صاحب کہاں ہیں؟ انہیں پتا ہے کہ تم یہاں ہو؟" نگینہ نے اپنے اطمینان کے لیے پوچھا تھا' مگر وہ بری طرح بھڑک اٹھی۔
"بھاڑ میں گیا بالی۔ ایک فلم دے کر جو احسان کیا تھا وہ سود سمیت اتار دیا ہے میں نے' پھر بھی۔۔۔ دیکھ لیجیے گا اب نئی لڑکی ٹرائی کرے گا۔"
نگینہ نے بے اختیار ہی ماتھے کو چھوا۔
"کیا ہو گیا ہے تیری عقل کو صندل! مجھے تو لگ رہا ہے کہ بالی سے کوئی بڑا جھگڑا مول لے لیا تو نے' ارے شوبز میں کون کسی کا ہوتا ہے' بلکہ اس دنیا میں ہی کس کو وفا ملتی ہے' سب منہ دیکھے کے ہوتے ہیں' وقتی کام نکالنے والے لوگ۔ تیری طرح جذباتی نہیں ہوتے' عقل پکڑ' کیوں نوبت لا رہی ہے کہ بالی صاحب کسی اور لڑکی کو سائن کریں۔"
نگینہ کی دانش مندی سے کی جانے والی بات اس نے شاید ڈھنگ سے سنی بھی نہیں تھی' یوں ہی تکیہ میں منہ دے کر لیٹی رہی۔
موبائل پر گیتی کا فون آرہا تھا۔ چند لمحوں کے لیے صندل کی خستہ حالی سے سب ہی کی توجہ ہٹ گئی۔
شاما' نانی' نگینہ تینوں ہی کے لہجے سے خوشی چھلک رہی تھی۔
ہر ایک اس سے بات کرنے کا خواہش مند تھا۔ سب کے لیے وہ راتوں رات اہمیت اختیار کر چکی تھی' بڑے ہی غیر محسوس انداز میں۔
"ہاں۔ صندل بھی آئی ہے' لو بات کرلو۔" نگینہ نے بہت خوش گوار انداز میں کہتے ہوئے صندل کا کندھا ہلایا۔
"مجھے نہیں کرنی کسی سے بات وات' چھوڑدیں میرا پیچھا۔"
دور بیٹھی گیتی نے صندل کو صاف کہتے ہوئے سنا۔

☼ ☼ ☼

شاکر ای کا بلڈ پریشر نیچے آنے کا نام نہیں لے رہا تھا۔ آپا گل عیادت کے بہانے صبح سے آئی بیٹھی تھیں اور

www.Paksociety.com

زویا کو پورا یقین تھا کہ ڈاکٹر کی دوا کے بے اثر ہونے کی سب سے بڑی وجہ ان ہی کی موجودگی ہے۔

جویا دانستہ کمرے میں نہیں جا رہی تھی، پتا تھا کہ اسے دیکھ کر وہ بھی زیادہ مشکل گفتگو فرمائیں گی، ایسی باتیں جو ایک ساتھ کئی معنی رکھیں گی اور سارے ہی مطلب معنی ایک سے ایک دل بٹھانے والے۔

اندر سے ان کی اور زویا کی آوازیں باہر تک آ رہی تھیں۔

"اب نہیں ہوتی ابو کی ضمانت، لمبے عرصے کے لیے گئے ہیں، جب ہی تو وکیل نے بھی کیس چھوڑ دیا، اب تو بس سرکاری وکیل ہی کا آسرا ہے، ویسے کہو تو اکبر کے ایک جاننے والے ہیں، وکالت کرتے ہیں، فیس بھی بہت کم لیں گے۔"

"فیس کا تو کوئی مسئلہ نہ ہو، اگر آپ ہی ہمارے پیسے دے دیں، بلکہ اب تو آپ کو دے دینے ہی چاہئیں، سال ہونے کو آ رہا ہے۔"

"کون سے پیسے؟" آپا گل کی آواز میں بڑی حیرت تھی۔

جویا نے نچلا لب دانتوں تلے دبایا۔

غضب کی یادداشت تھی آپا گل کی، جو یاد رکھنا چاہتیں یاد رہ جاتا اور جو نہیں رکھنا چاہتیں، کتنا بھی ضروری ہوتا باآسانی بھلا دیا جاتا۔

"جویا کے جہیز کا جو سارا سامان آپ نے اوپر کے گھر میں سیٹ کیا ہے، اس کے پیسے تو دیں گی نا آپ، وعدہ کیا تھا آپ نے۔"

"ہاں تو کب منع کیا ہے، دے دیں گے جب ہوں گے، بھاگے تھوڑی جا رہے ہیں۔ ویسے تو سب لوگوں کو میں نے یہی بتایا ہے کہ میرے میکے والوں نے سارا گھر سیٹ کروا کر دیا ہے، تمہاری ہی عزت بڑھی ہے، سب کے سامنے۔"

انہوں نے مخصوص انداز میں ایک بات کے ایک سے زائد مطلب نکالے، مگر زویا ان کے سامنے جویا کی طرح خاموش نہیں رہ پائی تھی۔

"آپ ہماری عزت کی فکر مت کریں اور آپ تو ویسے بھی خود ہی کہتی ہیں کہ اب ہمارے گھرانے کی کوئی عزت نہیں رہی، سو کہہ دیجیے گا کہ آپ نے یہ سامان ہم سے خریدا ہے، بات ختم۔"

جویا نے اضطراب سے پہلو بدلا۔ کوئی اور وقت ہوتا تو وہ شاید زویا کے انداز پر ضرور مسکراتی، مگر اب ہر بات دل پر چوٹ کی طرح لگتی تھی۔

"بڑی سخت دل ہے، باپ بے چارے جیل میں پڑے ہیں، تمہیں سامان کی خرید و فروخت کی پڑی ہے، اس وقت ان کے لیے وکیل کا بندوبست کرنا ضروری ہے سب سے زیادہ۔"

"وکیل کا بندوبست ہو گیا ہے، امید ہے کہ اگلی پیشی پر ضمانت بھی ہو جائے گی، ان شاء اللہ۔" انہیں زویا کے پریقین انداز نے ایک دم چونکایا۔

"ایسا کون سا وکیل مل گیا، جو اتنا پکا یقین ہو رہا ہے تمہیں۔"

تب ہی سلمان اپنے کمرے سے موبائل آف کرتا ہوا اس طرف تیزی سے گیا تھا۔

جویا نے اسے اپنے کمرے کے ادھ کھلے دروازے میں سے دیکھا، اس کے انداز میں کچھ غیر معمولی پن تھا۔

"الٰہی خیر!" زیر لب کہہ کر وہ نہ چاہتے ہوئے بھی اس کے پیچھے چلی آئی۔

"عارف صاحب کا فون آیا تھا۔" وہ کمرے کے وسط میں کھڑا اعلان کرنے والوں کے انداز میں اطلاع دے رہا تھا۔

آپا گل اور زویا کی بحث کو وقتی طور پر فل اسٹاپ لگا تھا۔

"ابا کا کیس، اب اسلام چچا اور معاذ لڑیں گے، کل وہی دونوں کسی وکیل کو لے کر آئے ہیں کورٹ میں۔"

"کیا!" آپا گل کا منہ حیرت سے کھلا اور شاکرہ امی طبیعت کی خرابی میں بھی سیدھی اٹھ کر بیٹھیں۔

"اور اس نے۔" سلمان نے حقارت سے جویا کی طرف اشارہ کیا۔ "اس لڑکی نے ہمیں بتانے کی بھی زحمت نہیں کی، باہر ہی باہر سب کچھ طے کر لیا۔"

آپا گل نے تیزی سے قریب آ کر جویا کے کندھے کو جھنجوڑا۔

"کروا دیا نا ذلیل ہمیں، مجھے تو پہلے ہی پتا تھا کہ اس کی چھپ چھپ کر ملاقاتیں ہوتی ہیں اس کمینے سے۔ اسی طرح کسی دن جا کر نکاح بھی پڑھوا لے گی کورٹ میں۔ لکھ کر رکھ لیں میری بات، بے حیا، بے شرم۔"

اس سے پہلے کہ زویا انہیں الگ کرتی، وہ تھپڑ جویا کے چہرے پر مار چکی تھیں۔

"کیا کرتی ہیں آپا گل! بتایا تھا اس نے مجھے، میں نے منع کیا تھا کہ کسی کو نہ بتائے۔ معاذ اکیلا نہیں تھا، اسلام چچا آئے تھے کورٹ میں، اتنے عرصے سے وہ اکیلی جا رہی ہے، تب آپ میں سے کسی کی بے عزتی نہیں ہوئی اور اگر کوئی رحم کھا کر تھوڑی سی مدد کو آ گیا تو آپ کو برداشت نہیں ہو رہا، شرم سے ڈوب مریں آپ لوگ۔"

زویا کی آواز میں لرزش سی آئی۔ آپا گل نے طنزیہ نظروں سے سلمان کی طرف دیکھا۔

"اب چندہ سے ابو کا کیس لڑا جا رہا ہے اور چندہ دینے والے بھی کون، وہی جو ہماری بربادی پر سب سے زیادہ خوش ہیں، مزا لینے کے لیے آئے ہیں دونوں باپ، بیٹے۔"

"آپ ابھی اکبر بھائی کے وکیل سے بات کریں، ان لوگوں کو تو میں دیکھ لوں گا اور اب آئندہ یہ کورٹ نہیں جائے گی۔ سب لوگ کان کھول کر سن لیں۔"

سلمان کا چہرہ سرخ ہو رہا تھا۔ آپا گل کے چہرے پر بڑی فاتحانہ مسکراہٹ ابھری تھی۔

"اتنے عرصے سے کیوں نہیں ہوش آیا تھا آپ کو، اور یہ آپا گل کا وکیل پہلے کیوں نہیں آ گیا، جواب آپ....."

"بکواس بند کرو زویا!" وہ بہت زور سے چلّایا۔

ساکت کھڑی جویا نے ایک جھٹکے سے زویا کا ہاتھ تھاما اور کمرے سے باہر نکل گئی۔ اس کے ہاتھ برف کی طرح ٹھنڈے ہو رہے تھے۔

کمرے میں ان تینوں کے پاس اب کرنے کے لیے بہت کچھ تھا۔

☼ ☼ ☼

وہ کسی کام سے اپنے کمرے سے نکل کر کچن تک آئی تھی، سادہ کپڑے، میک اپ سے صاف چہرہ۔ مگر غضب کی ادا۔

سامنے اخبار پھیلائے بیٹھے نبیل کی نگاہ اس پر سے ایک لمحے کے لیے بھی نہیں ہٹی تھی۔

شروع شروع میں وہ کمرے سے بہت کم نکل رہی تھی، نبیل کو یقین تھا کہ ایسا اس نے سالار کے کہنے پر ہی کیا ہے۔

مگر اب دو، ڈھائی ہفتے گزرنے کے بعد اس کا رویہ نارمل ہوتا جا رہا تھا، وہ کچن کے دن بھر میں دو چار چکر لگاتی، کبھی اپنے اور سالار کے لیے چائے وغیرہ بھی بنا لیتی یا پھر یوں ہی چھوٹے موٹے دوسرے کام، دو، چار بار اس کے اور سالار کے کچھ مہمان بھی آئے تھے۔

خود نبیل اس سارے عرصے میں اس طرح لاتعلق رہنے کی کوشش میں رہا تھا، جیسے وہاں سالار یا گیتی کا کوئی

If you want to download Monthly Digests like Khwateen Digest,Kiran,Shuaa,Suspense, Pakeeza,Rida,Imran series by ibn-e-safi or mazhar kaleem,funny books poetry please visit www.paksociety.com for direct download link and with 21 supporting mirros in case of any help send mail at admin@paksociey.com

www.Paksociety.com

وجود ہی نہیں ہو۔

ایسا کرنے میں زرتاج کی ہدایت سے زیادہ خود اس کی اپنی سوچ کا عمل دخل تھا۔

سالار کی پہلے دن کی وارننگ اسے یاد تھی اور جانتا تھا کہ وہ محض وارننگ نہیں تھی۔

"مگر یہ لڑکی....." اس نے اضطراب سے پہلو بدلا۔

اتنے دن میں کون سا لمحہ تھا، جب اس نے سالار کی قسمت پر رشک نہیں کیا تھا۔

"کم بخت معلوم نہیں کہاں سے اڑا کر لایا ہے۔" سامنے لگے شیشے میں گیتی کے دکھائی دیتے عکس پر نگاہ جماتے ہوئے وہ پورا پورا اس میں گم تھا۔ اس لڑکی پر اس کا دل بری طرح آچکا تھا۔

"کیا کر رہے ہو یہاں؟" زرتاج کی سرد آواز قریب سے ہی گونجی تھی۔

وہ بری طرح چونکا۔

زرتاج قریب ہی کھڑی تھیں اور وہ شاید گیتی کے جلووں میں اتنا محو کہ آس پاس کا دھیان تک نہیں۔ زرتاج جیسی خطرناک عورت کی ہمہ وقت نگرانی کا بھی خوف نہیں۔

"کچھ بھی نہیں، اخبار پڑھ رہا تھا۔" خود کو سنبھالتے ہوئے اس نے ایک چور نگاہ شیشے پر ڈالی، اب وہاں گیتی نظر نہیں آرہی تھی، سو پکڑے جانے کا خطرہ بھی معدوم ہوا۔

"تمہیں کچھ کام تھا کیا مجھ سے؟" وہ اب ذرا پُراعتماد ہو کر زرتاج سے پوچھ رہا تھا۔

"ہاں، چلنا تھا کہیں، تیار ہو جاؤ۔"

"تم ہو جاؤ پہلے، مجھے تو پانچ منٹ لگتے ہیں۔" اس نے مزید لاپروائی دکھانی چاہی، مگر یہ ہی غلطی تھی۔

"کیا مطلب ہے تمہارا، تیار ہو جاؤ؟ میں پہلے ہی تیار ہو چکی ہوں، دکھائی نہیں دے رہا تمہیں؟"

"سوری، میں نے غور نہیں کیا تھا۔" وہ اٹھ کر کھڑا ہوا، مگر زرتاج کو برا لگ چکا تھا۔

"تم بہت بدل چکے ہو نبیل! اب تمہیں میری طرف دیکھنا بھی گوارا نہیں ہوتا، دل بھر چکا ہے تمہارا مجھ سے۔" ان کی چبھتی ہوئی نگاہ نبیل کے چہرے پر جمی اور وہی ٹھوک بجا کر بات کرنے کا مخصوص انداز، جس کے بعد صفائی دینے کی رعایت بھی نہیں رہتی تھی۔

"ایسا نہیں ہے زرتاج!" وہ بجا طور پر گڑگڑایا "میں کچھ سوچ رہا تھا، بہت پریشان ہوں آج کل، پتا تو ہے نا تمہیں، سالار کے ساتھ میرا گزارا مشکل تر ہوتا جا رہا ہے، اس گھر میں قیدیوں کی طرح رہ رہا ہوں، دماغ ٹھکانے پر کہاں ہے میرا، روز پولیس انکوائری کا سامنا ہے۔"

بات کے اختتام تک وہ جتنا ممکن تھا، اتنا اداس بھی ہو چکا تھا، اور وہ یقیناً "کمال کا ایکٹر" تھا، زرتاج نے ہمدردی سے اس کی طرف دیکھا۔

"اتنی ٹینشن مت لو، میں بات کر رہی ہوں نا ہائی آفیشلز سے، کچھ نہیں ہوگا، ایک معمولی ملازمہ کی گمشدگی اتنا بڑا ایشو نہیں جس پر کوئی بھی زرتاج بیگم کے شوہر پر ہاتھ ڈال سکے، کاش میں ان دنوں ملک سے باہر نہ ہوتی، جب وہ کم بخت روزی یہاں سے بھاگی تھی تو یہ جواب وہی تمہارے حصے میں کبھی نہ آتی، میں خود ہی نمٹ لیتی۔"

"اب بھی تم ہی تو نمٹ رہی ہو میری جان!" وہ دانستہ اس کے قریب تر ہوا "میری ساری پریشانیاں، ساری مشکلات کا حل تم ہی نکالتی ہو، میں تمہارا احسان مند ہوں زرتاج! ورنہ یہ سالار اور وہ تمہارا بھائی یوسف کمالی، دونوں جان کے دشمن بنے ہیں میرے، دیکھنا نہیں چاہتے ہیں مجھے ایک پل بھی یہاں وہ لوگ۔"

"ان کے چاہنے سے کیا ہوتا ہے، اور وہ بھی جانتے ہیں کہ میں کوئی معمولی عورت نہیں۔" نبیل کے ہاتھ اپنے کندھوں سے ہٹاتے ہوئے وہ غرور سے مسکرائیں "چلو تمہیں دیر ہو رہی ہے۔" وہ واپس بیڈ روم کی طرف مڑ گئیں

www.Paksociety.com

اور ان کے پیچھے نبیل بھی۔

تب ہی اس نے گیٹ سے اندر آتی پولیس وین کو گلاس وال کے دوسری طرف سے دیکھا تھا۔ جب سے سالار نے روزی کا کیس کھلوایا تھا' اس طرح کی آمد و رفت بڑھنے لگی تھی۔

کھل کر ابھی تک کسی نے اس پر شک کا اظہار نہیں کیا تھا' مگر جس طرح اسے چاروں طرف سے گھیر کر سوال کیے جاتے تھے' دل بیٹھا جاتا تھا۔

"کیا ہو گیا ہے تمہیں نبیل! کیوں خود کو تماشا بنا رہے ہو۔" زرتاج نے مڑ کر اس کے اترے ہوئے چہرے کو دیکھا۔

"کہا ہے نا میں نے' کچھ نہیں ہوگا۔ سالار کے ذاتی دوست ہیں پولیس میں۔ وہ لوگ ملنے بھی آتے ہیں۔" ان کے لہجے میں بڑی تسلی سی تھی اثبات میں سر ہلاتے ہوئے نبیل کے چہرے پر پھیکی سی مسکراہٹ آئی۔

"ایسے ہی بس یوں ہی...."

اس بار وہ زرتاج کے پیچھے نہیں ساتھ ہی آگے بڑھا تھا۔ فی الحال زرتاج کے سائے تلے ہی عافیت تھی۔

"اور جو یہ روزی کا قصہ نمٹ جائے تو پھر ضرور کچھ سوچا جا سکتا ہے۔"

گیتی کے چہرے کو تصور میں لاتے ہوئے' اس نے پوری کمینگی کے ساتھ آگے کا پروگرام ترتیب دیا۔

زرتاج اسے مسکراتا دیکھ کر بھرپور انداز میں مسکرائیں "میرے شوہر کو بہت نڈر اور مضبوط شخص ہونا چاہیے نبیل۔"

"فکر مت کرو' میں خود کو ایسا ہی ثابت...." اپنے ظلم اور درندگی کو یاد کر کے' جس غرور سے اس نے دعوا کرنا چاہا تھا' ادھورا رہ گیا۔

"ذرا رک جائیں آپ لوگ بہت ضروری بات ہے۔" سالار تیزی سے سیڑھیاں اترتے ہوئے نیچے آ رہا تھا۔

"ہم لوگ باہر جا رہے ہیں سالار! اور ضروری نہیں کہ ہر بار ہم تمہاری بات سننے کے لیے رک جائیں' دیر ہو رہی ہے ہمیں پہلے ہی۔" بیگم زرتاج کا لہجہ سرد تھا۔

سالار نرمی سے مسکرایا۔

"چلیں' میری بات سننے کے لیے نہ سہی' کسی اور کی ہی سننے کے لیے رک جائیں۔" ذرا رکتے ہوئے اس نے لاؤنج میں کھلنے والے دروازے کی طرف دیکھا۔

"آئیے مشہدی صاحب!"

زرتاج اور نبیل دونوں نے بیک وقت مڑ کر دیکھا تھا۔

دو ینگ پولیس آفیسرز اندر داخل ہو رہے تھے۔

سنجیدہ' باوقار چمکتے ہوئے چہرے کے ساتھ۔

زرتاج نے غور سے انہیں دیکھا' وہ ان میں سے کسی کو نہیں جانتی تھیں' لیکن ان سے اوپر بہت بڑوں تک اس کی با آسانی رسائی تھی۔

"کیا بات کرنا ہے آپ لوگوں کو؟" بنا کسی تمہید کے زرتاج نے سرد لہجے میں' ان لوگوں کے کچھ کہنے سے پہلے ہی براہ راست سوال کیا تھا۔ کسی کو بھی دباؤ میں لانے کا ان کا اپنا مخصوص انداز تھا' مگر نئے آنے والے' متاثر ہونے کے موڈ میں نہیں تھے۔

"آپ کے ہاں جو لڑکی کام کرتی تھی' اس کی گمشدگی کے...."

"کتنی بار اور کیا کیا پوچھنا ہے آپ لوگوں کو آخر' ایک معمولی ملازمہ' جو اتفاق سے ہمارے گھر کام کرتی تھی'

...ی غیر موجودگی میں کام چھوڑ کر چلی گئی' کہاں گئی' کیوں گئی۔ ہمارا درد سر نہیں تھا اور اب تو کتنا عرصہ گزر گیا ہے ...لگتا ہے کہ پولیس ڈپارٹمنٹ کے پاس اب یہ ہی ایک کام رہ گیا ہے کہ وہ شریف لوگوں کو پریشان کریں۔"

زرتاج کی آواز بتدریج اونچی ہوتی چلی گئی۔

ان لوگوں نے سکون کے ساتھ ان کی بات ختم ہونے کا انتظار کیا۔

"آپ کی پریشانی اب ختم ہونے کو ہے میڈم زرتاج! اس لڑکی کی گمشدگی کا معما حل ہو گیا ہے' آج یہ ہی بتانے ...لیے ہم آئے ہیں۔"

نبیل اور زرتاج دونوں ہی قطعی مختلف احساس کے زیر اثر چونکے تھے۔

"تو مل ہی گئی وہ مکار آوارہ لڑکی تم لوگوں کو اور اب میں کروں گی پولیس ڈیپارٹمنٹ پر مقدمہ مجھے اور میرے ...ہر کو ذہنی ٹارچر کرنے کا اور ہتک عزت کا' سمجھے تم؟" وہ دو قدم اور آگے آئیں اور ان دونوں کے چہروں پر نگاہ ...اتے ہوئے ان کے لہجے کی تپش اور بھی بڑھی۔

"آپ ایسا نہیں کریں گی میڈم زرتاج!" ان میں سے ایک نے پورے تحمل سے کہا۔

"اس لیے کہ قصہ ابھی ختم نہیں ہوا ہے' روزی کی موت کی تصدیق ہوئی ہے اور پرانے ریکارڈ سے اس کی ...ش کی تصویر اور لاش تھانے لائے جانے کی انٹری بھی ثابت ہو رہی ہے۔"

راجو خاموشی سے لاؤنج کے دروازہ میں آکھڑا ہوا تھا۔ اس کا چہرہ بالکل سفید پڑ رہا تھا۔ سالار نے بہت ہمدردی ...ے اس کی طرف دیکھا۔

"ایسا کیسے ہو سکتا ہے' ہم نے معلومات کی تھیں اس وقت تھانے سے' مگر وہاں کوئی ایسی اطلاع نہیں تھی۔" ...ے خود اپنی آواز دور سے آتی ہوئی محسوس ہوئی تھی۔

"اطلاع تھی نبیل صاحب! لیکن اس کیس کو بند کروا دیا گیا تھا اور جو ایس ایچ او اس وقت وہاں ڈیوٹی پر تھا' وہ ...اب چھوڑ کر جا چکا ہے۔ بہرحال ہم اسے ٹریس کرنے کی کوشش کر رہے ہیں' جلد ہی کامیابی ہو جائے گی' ہمیں ...ورا یقین ہے۔"

لاؤنج میں چند لمحوں کے لیے بڑا گہرا سناٹا چھایا۔

"یہ رہی اس کی موت کے بعد لی گئی تصویر' لاش' سمندر کے کنارے سے ملی تھی اور پہلی رپورٹ کے مطابق ...ی کا ریپ بھی...."

ہاتھ میں تھامی تصویر پولیس افسر نے زرتاج اور نبیل کی طرف بڑھائی تھی۔ مگر فوری طور پر کوئی بھی اسے لینے ...ی ہمت نہیں کر سکا۔

پیچھے سے آتے راجو نے کانپتے ہاتھوں سے وہ چھوٹی سی تصویر تھامی۔

چہرے پر موت کی ویرانی لیے روزی کی آنکھیں ادھ کھلی تھیں' یہ تھا اس رنگوں بھری لڑکی کا شاید انجام۔ اس ...نے آخری پل تک انتظار کیا تھا۔ راجو کی آنکھوں سے آنسو ٹوٹ کر اس تصویر پر ٹپکے' دوسرے ہی لمحے وہ ...وش ہو کر قالین پر گرا تھا۔

(باقی آئندہ ماہ ان شاء اللہ)

☼

www.Paksociety.com

صبا نور

کوئی بتلاؤ کہ ہم

"تین بچوں کی ماں اپنے آشنا کے ساتھ فرار۔"

خبر پڑھ کر دادی اماں نے دانتوں تلے زبان دبالی۔

"اوئی اللہ!" موٹے شیشوں کی پرانی عینک تلے ان کے دیدے چوپٹ کھل گئے۔ نہ نہ کرتے کرتے بھی منہ سے نکل ہی گیا۔

"اے نوج! کیا زمانہ آگیا ہے۔ دنیا سے شرم و حیا ہی اٹھ گئی ہے۔ لوگوں نے شرافت' اخلاق و کردار بیچ کھائے۔ اے عزت و وقار' نام و ناموس کا پاس بھی کسی چڑیا کا نام ہے کہ نہیں... رکھ رکھاؤ' وضع داری' نیک نامی اب ڈھونڈے سے بھی نہیں ملتی ہے۔"

انہیں جوان پوتیوں کی موجودگی کا خیال تھا۔ ورنہ جانے کیا کچھ اور کہتیں۔ ادھر ماہ گل نے جھٹ ان کی بات اچکی تھی اور شاید زندگی میں پہلی بار ان کی کسی بات سے اتفاق کیا۔

"سچ کہتی ہیں دادی اماں! ہمارے کالج کی ایک لڑکی کا پوائنٹ کے ڈرائیور سے چکر چل رہا ہے۔ سارا راستہ بونٹ پر بیٹھ کر ڈرائیور سے باتیں کرتی جاتی ہے۔ لوگ کیا کہیں گے۔ خاک پروا نہیں ہے دونوں کو۔" ماہ گل کا کہنا تھا اور دادی اماں اس پر چڑھ دوڑیں۔

"چپکی رہ اور شکل غرق کر یہاں سے نامراد! بے حیا نہ ہو تو کیسے منہ پھاڑ کے عشق و عاشقی کی بات کر رہی ہے۔ اے! دوسروں کو کہتے تب اچھے لگیں' جب ہمارے اپنے گھر میں موئی دیدہ ہوائی چھپن چھری موجود نہ ہو۔ اک ہمارا زمانہ تھا' لڑکیوں کی زبان بتیس دانتوں کے بیچ دبی رہتی تھی۔ اور ایک یہ لڑکیاں ہیں۔"

انہیں نئے زمانے سے ہزارہا شکوے تھے اور بات بے بات اپنے زمانے کو یاد کرنے کا عارضہ بھی۔

"خدا جھوٹ نہ بلوائے تو چار روز کی دلہن تھی میں ڈولی میں بیٹھتے ہوئے پیر کا جو ماڑ گیا تو منہ سے پھوٹ کے نہ دی۔ مارے شرم کے منہ میں گھنگھنیاں ڈالے بیٹھی رہی۔ رنگ روپ بھی ایسا تھا کہ اندھیرے میں بٹھا دو تو اجالا پھیل جائے۔"

"پھر تو آپ کے ہاں بجلی کا بل بھی کم آتا ہوگا دادی اماں!"

ماہ گل کی زبان کو بھلا کہاں قرار تھا۔ دادی اماں کے تلوؤں سے لگی سر پر بجھی۔

"اری دفع ہو یہاں سے... موئی گز بھر کی زبان ہے۔ ہزار بار کہا ہے کہ تالو سے چپکا کر رکھا کر۔ کاٹ کر ہتھیلی پر دھر دوں گی کسی دن۔ کیسے منہ چلاتی ہے۔ اف توبہ! قیامت کے آثار ہیں قیامت کے۔"

انہیں اپنی اس منہ پھٹ پوتی کا قینچی کی طرح کتر کتر زبان چلانا ایک آنکھ نہ بھاتا تھا' سو اکثر لتاڑ کے رکھ دیتیں مگر یہ بھی تھا کہ بن باپ کی بچیوں کو کچھ کہہ کر دل ان کا بھی دکھتا تھا۔ ادھر ماہ گل کو انہیں چڑا کے مزا آتا تھا۔

صبح آنکھ کھلتے ہی ٹی وی کے سامنے بیٹھ جاتی۔ دادی اماں چیختی ہی رہ جاتیں۔

"ارے میں کہتی ہوں یہ موا ٹی وی بند ہوگا کہ نہیں۔ صبح ہی صبح یہ ناس پیٹیاں ایسے کھلے ڈلے لباس پہن کے کس بے شرمی سے ناچتی ہیں۔"

ماہ گل نہ سنتی تو ان کی توپوں کا رخ امی کی جانب ہو جاتا۔

"اسی لیے کہا تھا مہر النساء! لڑکیوں کو کالج کا منہ نہ دکھاؤ۔ مگر تم سنتی ہو میری؟" اور جب بات اولاد پر آجاتی تو امی بھی خاموش رہنے والوں میں سے نہ تھیں۔

"خیر اماں! اب تعلیم کو تو برا نہ کہیں' تعلیم شخصیت کو نکھارتی ہے' شعور دیتی ہے... اور خدانخواستہ کوئی وقت آجائے تو کام بھی آتی ہے۔ اب رہی کالج کی بات تو اپنی شاہ گل نے بھی تو آخر بارہ جماعتیں کالج ہی سے پڑھی ہیں نا۔"

اور یہاں آکر دادی اماں مات کھا جاتیں۔ پھر کھسیا کر کہتیں۔

"شاہ گل تو میری سب سے اچھی بیٹی ہے۔" ان کی ہر بات اسی کلمے سے شروع ہو کر اسی پر ختم ہوتی تھی اور میرا خون سیروں نہیں تو چھٹانک بھر تو بڑھ ہی جاتا تھا۔

☼ ☼ ☼

"آپا مہو... ارے آپا مہو!" خالہ بتول کی ہانک پر امی کی عدم موجودگی کے سبب دستی پنکھا جھلتی دادی اماں کے چہرے پر دنیا جہان کی کوفت سمٹ آئی۔

"اف اللہ! یہ پھر چلی آئی؟ اب پیٹ کا جہنم بھر کے ہی سدھارے گی۔" صحن میں کچن کی دیوار تلے بچھے پلنگ پر ململ کا نم دوپٹہ تان کر وہ بظاہر سوتی بن گئیں اور خالہ بتول کا رخ کچن کی جانب ہو گیا۔

"کیا پک رہا ہے؟ بڑی اچھی خوشبو آرہی ہے۔"

اور بظاہر سوتی بنی دادی اماں جی ہی جی میں کلس کے رہ گئیں۔ انہیں خالہ بتول کی ان ہی حرکتوں سے چڑ تھی۔ گھر میں گھستے ہی کچن میں جھانکی مارتیں اور جو پک رہا ہوتا اس پر دیدے جمائے بیٹھی رہتیں' اور امی مروت و لحاظ کے تقاضے مارے ڈالتے۔ پڑوسیوں کے حقوق ہر وقت یاد رہتے تھے۔

"دیوار سے دیوار ملی ہے ہماری۔ پڑوسیوں کا بڑا حق ہے۔" خالہ بتول اسی مروت و لحاظ اور رعایت کا پورا فائدہ اٹھاتیں۔ اسی ملی ہوئی دیوار کے سبب کچن سے اٹھتی ہر خوشبو ان تک پہنچ جاتی اور وہ

www.Paksociety.com

www.Paksociety.com

عین کھانے کے وقت دھاوا بول دیتیں۔ آج امی، دادی اماں کی فرمائش پر میووں کا حلوہ بنا رہی تھیں۔

"اے آپا مہو! کچھ سنا تم نے۔ رشیدہ کے پڑوسی نے رشیدہ کے بیٹے کو چوری کے الزام میں پکڑوا دیا۔ آج پولیس آئی تھی۔"

وہ یوں ہی محلہ بھر کے معاملات پر کڑی نظر رکھا کرتیں اور اِدھر اُدھر نشر کرتی پھرتیں، اور یہ کہاں ممکن تھا کہ جو خبر کل سے محلہ بھر میں گردش کر رہی تھی، وہ امی کے کانوں تک نہ پہنچتی مگر انہوں نے بالکل کان نہ دھرے۔ شدومد سے کڑاہی میں چمچہ ہلاتی رہیں اور خالہ بتول کے نصیب کھوٹے تھے، جو دادی کو جاتے دیکھ کر ان کے گھٹنے سے جا لگیں اور منہ کھول بیٹھیں۔

"کیا خیال ہے اماں! اس چوری میں کس کا ہاتھ ہو سکتا ہے؟"

اور دادی اماں جو اب ناچار اٹھ بیٹھی تھیں، منہ کھول کر اکتاہٹ سے جمائیاں لے رہی تھیں، جھٹ برا مان گئیں۔

"اے لو، مجھے کیا پتا، میں کیا چوروں کے کھوج سے لگی بیٹھی تھی؟"

دادی اماں مزاج کی تیز، زبان کی کڑوی تھیں۔ منٹوں میں لتے لے ڈالتیں اور مزے کی بات یہ کہ خالہ بتول سن بھی لیتیں۔ اب بھی وہ کچھ کہنے کو تھیں کہ محلے کا بچہ پیغام لیے چلا آیا۔

"آپ کے گھر کے دروازے پر ایک عورت کھڑی ہے بوٹی سی، آپ کو بلا رہی ہے۔"

اور یہ ہم سب ہی جانتے تھے کہ وہ بوٹی سی عورت کون ہے، زینت! جو خالہ بتول کی جان کا جنجال تھی۔ اب بھی وہ بال نوچنے بیٹھ گئیں۔

"ہائے میں مر گئی! یہ نمانی پھر چلی آئی؟ خیر اچھا ہی ہوا، پانچ کلو ساگ منگوایا تھا، وہ ہی بنواؤں گی اس سے.... مفت خور نہ ہو تو، جان کا عذاب۔" زینت کو غائبانہ بکتی جھکتی وہ اٹھ کر چل دیں اور دادی اماں بڑبڑانے لگیں۔

"ہونہہ! مفت کی نوکرانی ہاتھ لگی ہے۔ اب ا[...] سے خوب مٹھی چپی کروائے گی۔ اللہ کسی پر ایسا وقت نہ لائے کہ اس موئی بتول جیسی اوچھی کے آ[...] پیچھے پھرنا پڑے۔"

☼ ☼ ☼

جمعہ جمعہ آٹھ دن بھی نہ ہوئے تھے ہمیں اس [...] میں سکونت اختیار کیے ہوئے۔ ابا کی طویل بیماری [...] ناگہانی وفات کے بعد زندگی حقیقی معنوں میں تنگ [...] تھی۔ گھر کا جیسے شیرازہ ہی بکھر کر رہ گیا۔ بیسوں [...] دفاتر کے لگائے تب کہیں جا کر ابا کی پنشن منظور ہو[...] امی کے نام منتقل ہو سکی تھی۔

شاہ میر کو اپنا بی کام ادھورا چھوڑ کر نوکری [...] حصول کی خاطر دفاتر کی خاک چھاننی پڑی تب کہیں [...] معقول نوکری میسر آسکی درمیان کے عرصہ میں ہم [...] جن مسائل کا منہ دیکھا، وہ اللہ جانتا ہے۔ سارا جمع [...] تو ابا کی بیماری پر ہی ٹھکانے لگ گیا تھا۔ مزید قرض دا[...] امی کا لہو نچوڑے دیتی۔ سو پرانے محلہ کا کشادہ مگر [...] سالخوردہ گھر بیچ کر ایک مناسب علاقے میں یہ گھر لے [...] گیا تھا۔ قرضہ بھگتا کر بقیہ بچ رہنے والی رقم سے شاہ [...] کو موبائل شاپ کھلوا دی گئی۔ اللہ اللہ خیر صلا۔

امی اور دادی کو بیٹیوں کے اچھے رشتوں کی فکر [...] لاحق تھی۔ نئے گھر سے ان کی بہت سی امیدیں وابـ[...] تھیں۔ سفر وسیلہ ظفر اور یہ بھی کہ علاقہ بہتر ہو تو ر[...] بھی اچھے میسر آتے ہیں۔ یہ اور بات کہ رشتے [...] معاملے میں ابھی تک کوئی چڑیا بھی پر نہ مار سکی تھی مگر ان کی امیدوں کا آفتاب پوری آب و تاب [...] دمک رہا تھا۔ رفتہ رفتہ گھر کے اخراجات قابو میں آ[...] تھے۔

نیا محلہ، نئے لوگ، ابھی کسی سے ڈھنگ [...] شناسائی بھی نہ ہو پائی تھی۔ جوان بچیوں کا خیال کر[...] دادی اماں سب کو محدود رکھتیں، اور یہیں آ کر ہم [...] خالہ بتول ٹکرائی تھیں۔ اونچی، لمبی، گوری، چٹی [...]

ہاں! دادی اماں کو نری جان کا جنجال نظر آتی تھیں..... اگلے ہی چند منٹوں میں وہ بوتل کے جن کی طرح حاضر تھیں۔ "میں نے ساگ کا گٹھڑ اس کے سر پر لاد دیا ہے، اک دو روز میں بنا کے لے آئے گی۔ لاکھ بہانے کیے، تب کہیں جا کر ٹلی ہے، ورنہ جان کو آجاتی۔"

"ہاں تو اور کیا! جان تو تمہاری حلوے میں اٹکی تھی۔" دادی اماں بدمزگی سے بڑبڑائی تھیں۔ خالہ بتول شوگر کی مریضہ تھیں مگر میٹھا ان کی کمزوری۔ ہمارے گھر میں اکثر و بیشتر میٹھا پکتا اور وہ کھنچی چلی آتیں۔ اب بھی حلوہ تیار تھا۔ امی پلیٹوں میں نکال رہی تھیں اور نچ بچ ان کے دیدے وہیں لگے تھے۔

"اے آپا مہو! مجھے بھی چکھانا یہ میووں کا حلوہ۔" دادی اماں سے رہا نہ گیا اور ٹوک بیٹھیں۔

"اے بی بی! شوگر کی مریضہ ہو، پرہیز نہیں ہے تمہارا؟"

مگر پرہیز کرتی تھی خالہ بتول کی جوتی۔ اب بھی ڈٹ کے کھایا اور رفتار میں سب کو پیچھے چھوڑ دیا۔ امی کو ان کی ازلی نرم دلی مارے ڈالتی تھی۔ ان کی نظر میں خالہ بتول مستحق تھیں، جبکہ اسی عذر پر دادی اماں بدک اٹھتیں۔

"بینکوں میں تھیلے بھر بھر کے کھاتے کھلوا رکھے ہیں۔ مکان کرائے پر اٹھا رکھا ہے۔ بیٹا دبئی سے ہزاروں بھیجتا ہے۔ کاہے کی مستحق.....؟"

ان تمام حقائق سے انکار تو خیر کسی کو نہ تھا مگر امی کے نزدیک وہ مستحق ان معنوں میں تھیں کہ کوئی پرسان حال جو نہ تھا۔ بیٹیاں دور دراز بیاہی گئیں، بیٹوں کو بہوویں لے اڑیں جو پلٹ کر کبھی حال تک نہ پوچھتے۔ لے دے کے اک مانی تھا جو ماں کا کچھ خیال کرتا تھا، تو وہ بھی کچھ دن پرے پردیس سدھار گیا تھا اور جانے کہاں کہاں کے آسرے پکڑا کے زینت جیسی بلا ان کے سر تھوپ گیا تھا۔

گندمی رنگت، دلکش نین نقش اور چھوٹے سے قد کی ادھیڑ عمر زینت جو آئے روز خالہ بتول کے لیے سوغاتیں یا مختلف پکوان پکا کر لیے چلی آتی۔ ان کی مٹھی چپی کرتی، گھر کے سودھندے بھگتاتی اور ہر بار ایک ہی سوال پوچھتی۔

"مانی کی کوئی خیر خبر آئی؟ یا.... آپا! مانی کا نمبر دے دو۔"

خالہ بتول، زینت سے رج کے خدمت لیتیں، سر میں تیل کی مالش سے لے کر ناخن کٹوانے تک اور موبائل نمبر دینے پر آنے بہانے کر کے ٹال جاتیں۔ بعد ازاں معلوم ہوا کہ زینت جوان بیٹی کی ماں ہے، جس کے لیے مانی صاحب یہاں انہیں آس کی ڈور تھما کے خود مزے سے پردیس سدھار گئے۔ اب بھی خالہ بتول، امی اور دادی اماں کے سامنے دکھڑے رونے بیٹھ گئیں۔

"لاکھ بہانے کیے، ٹالا، مگر نہ جی! مانی کی تصویر لینے آئی تھی، لے کر ہی ٹلی۔"

"اور تم نے دے بھی دی؟" دادی اماں نے انہیں ملامت بھری نظروں سے تکا۔ "اے بی بی! کیوں اپنا اور اس کا وقت کھوٹا کرتی ہو۔ کوئی بہانہ کر کے چلتا کرو۔"

"ہزار بہانے کیے۔" خالہ بتول ایک بار پھر بال نوچنے بیٹھ گئیں۔ "کئی بار کہا کہ امید نہ رکھے۔ ہم مکان بیچ کر دوسرے شہر جائیں گے، مگر وہ ایک ہی رٹ پکڑ کر بیٹھی ہے۔ اللہ مالک ہے، جو ہو گا، دیکھا جائے گا۔ ہائے او میرے ربا! میں کدھر جاؤں۔ یہ نمانی تو میری جان کو ہی آ گئی ہے۔"

انہوں نے منہ پر پلو لے کر رونا شروع کر دیا۔

انہیں مگرمچھ کے آنسو بہا کے دوسروں سے ہمدردی بٹورنے کا شوق تھا۔ امی ازل کی نرم خو مقدور بھر تسلی سے نوازتیں، مگر دادی اماں ایک کائیاں! کبھی ان کے ٹسوؤں کو خاطر میں نہ لاتیں۔ منہ پر نہ سہی تو پیٹھ پیچھے ضرور بڑبڑاتیں۔

"ارے، یہ اپنی بتول کون سی کم ہے، ایسی بھی کوئی نور کی نہائی، دودھ کی دھلی نہیں ہے۔ اپنی خاطر خدمت جاری رکھنے کو زینت کو صاف کورا جواب

www.Paksociety.com

www.Paksociety.com

نہیں دیتی ہے۔"

یہ دادی اماں ہی نہیں، ہم سب ہی جانتے تھے کہ خالہ بتول کو غرض مارے ڈال رہی ہے۔ زینت کی امیدوں کے چراغ روشن رکھ کر اپنا الو سیدھا کرنے میں لگی ہیں۔ وگرنہ ایسی بھی مروت کی ماری نہیں کہ ایک بے ضرر سی عورت کو باہر کا رستہ نہ دکھا سکیں۔ امی کا نرم و نازک دل زینت کی مجبوریوں کی جانب بھی جھکتا تھا۔

"آج کل اچھے رشتوں کا کال ہے۔ ہر گھر میں لڑکیاں بیٹھی ہیں وگرنہ کاہے کو بے چاری زینت اتنی علت پیٹتی۔"

"سچ کہتی ہو۔" دادی اماں نے سرد آہ کھینچی۔

"اچھے لڑکے ہاتھ لگ جائیں تو لوگ یوں ہی جان کو آجاتے ہیں۔ بتول کے گھر میں پیسے کی ریل پیل ہے۔ زینت سوچتی ہوگی، سسرال کا جھنجٹ نہیں، لڑکا کماتا کھاتا ہے، اس بتول ناس پیٹی کا کیا ہے۔ نری بیماریوں کی پوٹ، آج مری کل دوسرا دن، لڑکی والوں کو اور کیا چاہیے۔"

ادھر مانی کا فون آتا تو وہ رسے تڑواتا، جھنجلاتا سنائی دیتا۔

"ارے اماں! کچھ دے دلا کر چلتا کریں اسے۔۔۔ آپ نے کیوں اپنی جان مصیبت میں ڈال رکھی ہے۔ کہہ دیں کہ مانی نے ادھر ہی شادی کرلی ہے۔"

اور خالہ بتول آنا کانی کرنے لگتیں۔

"ہزار حیلے بہانے کیے، مگر نہیں مانتی، میری بات پر کہاں یقین ہے اسے۔" وہ یہ بات کہتے ذرا نہ شرمائیں۔

مانی نے تنگ آکر شاہ میر کو فون کیا۔

"کسی طرح اس چڑیل سے میری ماں کا پیچھا چھڑاؤ شامی بھائی! اللہ کے بعد آپ لوگوں کے سہارے ہی اکیلا چھوڑ کر آیا ہوں انہیں، مجھے معلوم ہے زینت ان کی جان کھا جاتی ہوگی۔"

شامی بے چارہ مروت کا مارا "ہوں، ہاں، تم فکر نہ کرو" کہتا رہ گیا، اب مانی بے چارے کو کون بتاتا کہ زینت تو کمبل کو چھوڑ بھی دے، مگر کمبل۔۔۔۔

"قصور مانی کا بھی ہے، کاہے کو اتنی امیدیں پکڑائیں، نہ جانے کون کون سے آسرے تھمائے اور منہ چھپا کر دبئی نکل گیا۔"

بعد ازاں شامی نے کہا۔ ان کے ایک مشترکہ دوست، جس نے مانی کو زینت اور اس کی بیٹی سے متعارف کروایا تھا۔ اسی نے بتایا کہ زینت اور ان کی بیٹی بے سہارا ہیں۔ باپ نشئی تھا۔ مر کھپ گیا۔ محنت مزدوری کرکے گزارا کرتی ہیں۔ مانی آئے روز ان کے گھر پڑا رہتا تھا۔ زینت کی بیٹی سے محبت کی پینگیں بڑھا کر وقت گزارتا اور دونوں ماں بیٹی کی خاطر خدمتیں دونوں ہاتھوں سے بٹورتا تھا۔ قسمت کھلی اور دبئی چانس لگا تو کسی طرح زینت کو خبر ہوگئی۔ ناچار اسے گھر کا رستہ دکھانا پڑا۔ بتول سے جانے کیا کچھ کہہ سن کے متعارف کروادیا۔

زینت کی امیدوں کو آسرا ملا، اب اس کی امیدوں کا رخ خالہ بتول کی طرف ہوگیا، یوں آئے روز کی خاطر خدمت خالہ کا نصیب ٹھہری۔

زینت بے چاری انتظار کی سولی پر لٹکی اس کی واپسی کی گھڑیاں گن رہی تھی، ویسے تو سب ہی جانتے تھے کہ خالہ بتول کا مزاج دس پر بھاری ہے اور ان کے ساتھ گزارا ناممکن سی بات ہے۔ محلہ بھر میں کسی سے ان کی ایک پل نہ بنتی۔ کرایہ دار دو چار روز سے زیادہ نہ ٹکتے۔ کئی ماسیاں ان کے ہاتھوں درگت بنوا کر نکل چکی تھیں۔ ان کو چھیڑنا بھڑ کے چھتے میں ہاتھ ڈالنے کے برابر ہوتا۔ اپنی بدزبانی اور بددماغی کے طفیل، معمولی معمولی باتوں پر وہ پنجے جھاڑ کے پیچھے پڑتیں کہ اللہ دے اور بندہ لے۔ محلہ کے من چلے ان کی اسی طبیعت سے مزا لینے کو آتے جاتے آوازے کستے، پھر تو جیسے طبل جنگ بج اٹھتا تھا۔ وہ وہیں کشتوں کے پشتے اکھاڑ[illegible] کھڑی ہوجاتیں۔ جو ہاتھ لگتا اسے رگید کر چھوڑتیں اور اپنی خطا کبھی نہ مانتیں۔ بعد ازاں ہمارے گھر آکر آٹھ آٹھ آنسو روتی نظر آتیں۔

"یہ منیر، گل کا بچہ۔۔۔ مجھ پر آوازیں کستا ہے۔ اس [illegible] تھا تو میں نے پانچ ہزار دیے تھے۔ [illegible] اسپتال بھیجتی تھی اور یہ احتشام بھول [illegible] میرے احسان، پولیس پکڑ کر لے گئی [illegible] سے ضمانت دی تھی۔"

ان کا کردار ہلکا تھا۔ یوں ہی دوسروں پر کیے [illegible] بنا مروت کے گنواتی چلی جاتی تھیں۔ مزاج [illegible] تو انہیں ماتھے پر رکھ لیتیں اور ان ہی خواص [illegible] محلہ بھر سے منہ پھیر کے چلتی تھیں۔ اگر بنتی [illegible] ہمارے گھر سے۔ امی تھیں کہ مروت و لحاظ میں [illegible] جاتیں۔ مگر دادی اماں ان سے خوب واقف [illegible]

"محلہ بھر کے لیے ان کا کردار ناپسندیدہ تھا۔ سب [illegible] معاملات پر نظر رکھتیں۔

[illegible] خرچا کیسے پورا ہوتا ہے۔۔۔

[illegible] کے ابا کتنا چھوڑ کے مرے ہیں۔۔۔

[illegible] کے لیے کیا کچھ جوڑ رکھا ہے۔۔۔

[illegible] سادگی و توکل بھرے جوابات سے نوازتیں، مگر دادی اماں بات کا رخ ان ہی کی جانب گھما دیتیں۔

"تم بتاؤ، تمہاری بہو تمہیں چھوڑ کے کیوں بھاگی تھی؟"

اور بات بیچ گھوم جاتی۔

دادی اماں مزاج کی تیز تھیں۔ ہر بات منہ پر برملا [illegible] کی عادت تھی اور غلط بات پر لتاڑ کر رکھ دیتیں۔ [illegible] کی بات یہ کہ خالہ بتول ان کی کڑوی کسیلی سن [illegible] لیا کرتی تھیں۔

"اگرچہ دادی اماں کو میرا یوں بڑھ چڑھ کے ان کا کام [illegible] ایک آنکھ نہ بھاتا تھا، مگر امی کا فرمان تھا کہ جانے [illegible] کے دل سے نکلی دعا شاہ گل کا نصیب کھول دے اور [illegible] وہ بتول ہی ہو اور یہیں آکر دادی اماں بھی مات [illegible] جاتیں۔ خیر، یہاں تک بھی ٹھیک ہی تھا، مگر جب وہ [illegible] کی شیشی یا مہندی کی پڑیا اٹھائے چلی آتیں تو دادی اماں نے صاف کورا جواب پکڑا دیا تھا۔

"اے بتول! بچی کو ہزار دھندے ہوتے ہیں، اس [illegible] اتنی فرصت کہاں کہ گھنٹہ بھر بیٹھ کر تمہارے سر میں تیل ٹھونکے یا مہندی تھوپے۔ جاؤ بی بی! اپنا رستہ ناپو، محلہ بھرا پڑا ہے، کسی اور سے لگوالو۔"

خالہ بتول چپ کی چپ رہ جاتیں۔ اور ایسے ہی وقتوں میں خالہ بتول کو زینت کی یاد ستاتی جب گھر کا کوئی بکھیڑا پھیلا رہ جاتا یا انہیں اضافی مشقت کی ضرورت پڑتی، وہ از خود زینت کو فون کھڑکا ڈالتیں اور شاباش تھی زینت پر کہ ایک ہی پکار پر لبیک کہتی آن موجود ہوتی۔ گھر کے بیسیوں دھندے نمٹانے کے ساتھ خالہ بتول کے سر میں تیل ڈالنا، ناخن کترنا، یہاں تک کہ پیر دابنا۔۔۔ اور یہیں آکر شامی درست ثابت ہوجاتا کہ خالہ بتول کو غرض مارے ڈال رہی ہے۔

دادی اماں یا امی مقدور بھر ان کی احتیاجات کا خیال رکھتی تھیں، مگر خالہ بتول کو دوسروں کو ستانے کی عادت تھی۔

اور ہمارے سامنے کہتیں کہ وہ عاجز ہیں زینت سے۔۔۔ اس بار بھی دادی اماں کو گہرے قلق نے آن گھیرا۔

"حق ہاہ! لڑکیوں کے رشتے کی پریشانی گھر گھر میں ہے، مگر ایسے ہی والدین بیٹیوں کی قدر و قیمت گرادیتے ہیں۔ اے پھٹ پڑے وہ سونا، جس سے ٹوٹیں کان۔"

دادی اماں کا فرمان بجا تھا۔ جانے کیوں زینت خالہ بتول کا دامن پکڑے بیٹھی تھی۔ میرا اندازہ تھا ان کی بیٹی ایسی گئی گزری بھی نہ ہوگی۔ خود میں نے اسے پہلی بار دیکھ کر دل ہی دل اسے سراہا تھا۔ چمپئی رنگت، موٹی موٹی غلافی آنکھوں والی عورت کسی دور میں واقعی باکمال رہی ہوگی۔ میں بے ساختہ تصور میں مانی اور زینت کی بیٹی کا موازنہ کرنے لگی۔

قدرے عام سا نقشہ، مناسب قد و قامت تھی مانی کی۔ اچھل اچھل کر تیز تیز چلتا۔ عمر یہی کوئی بائیس تیئیس برس ہوگی۔ مگر مانی کی شہرت اچھی نہ تھی۔ بلکہ سنا تو یہ بھی تھا کہ وہ ملک سے باہر بھی کسی کیس سے بچنے کی خاطر ہی گیا ہے۔

شامی کہتا، مانی کا کردار ٹھیک نہیں ہے، بلکہ وہ منہ لگانے قابل لڑکا ہی نہیں ہے، مگر ہر کال میں تنبیہہ کرتا

www.Paksociety.com

نہ بھولنا کہ خبردار میرا نمبر زینت کو نہ دینا اس دن بھی وہ ہمارے گھر اسٹار پلس دیکھ رہی تھیں، جب مانی کا فون آگیا اور وہ چند ادھر ادھر کی باتیں کرنے کے بعد حسب عادت دکھڑے رونے بیٹھ گئیں۔

"مانی بیٹا! کیا بلا تھوپ گئے ہو میرے سر، وہ آئے روز آن دھمکتی ہے 'تمہارا پوچھتی ہے۔"

"اوہ ماں جی! کیوں آپ نے اسے منہ لگا رکھا ہے، کہہ دیں کہ میں نے پانچ سال کا کنٹریکٹ کرلیا ہے، وہیں شادی بھی کرلوں گا۔"

"میں نے یہ بھی دس بار کہہ کے دیکھ لیا، وہ نہیں مانتی۔" انہوں نے کہا۔ دوسری طرف سے مانی نے جانے کیا کہا کہ وہ نرم پڑ گئیں۔

"نہ بیٹا! ایسے نہیں کہتے، بے چاری غریب عورت ہے، مجھے غریب کی بددعا سے بڑا ڈر لگتا ہے۔"

"او ماں جی! میں نے کوئی آسرے نہیں تھمائے۔" اس بار مانی چیختا تھا، سب ہی نے سنا۔ "بس کچھ وقت اچھا گزار لیا، یہ خواب دیکھنے بیٹھ گئیں، مجھے شادی کرنی ہوگی تو مجھے لڑکیوں کی کمی پڑی ہے؟ صاف باہر کا رستہ دکھا کر چلتا کریں اسے۔ کہہ دیں کہ اب مانی آنے والا نہیں، وہ امید چھوڑ دے۔ بلاوجہ جان کو آگئی ہیں اور میرا پتا ٹھکانا ہرگز نہ بتانا ورنہ کہیں اور چلا جاؤں گا، آپ کو خبر بھی نہ دوں گا۔"

مانی کے لہجے میں زمانے بھر کی اکتاہٹ کے ساتھ ساتھ دھمکی بھی تھی۔ میرا نازک سا احساس دل سمٹ کر پھیلا تھا۔ بے اختیار بیٹیوں کے والدین کا دکھ طبیعت بوجھل کر گیا تھا اور خالہ بتول جیسے مطلب پرستوں پر تاؤ آیا، جو دوسروں کی کمزوریوں سے فائدہ اٹھایا کرتے ہیں اور مانی کے یہ مکالمات اگر زینت سن لے تو... توبہ... توبہ۔ شاید اسی لیے کہا گیا ہے کہ دکھ انسان کب دیتے ہیں، دکھ تو انسان سے وابستہ امیدیں دیا کرتی ہیں۔

آخر ایک روز اس ڈرامے کا ڈراپ سین بھی ہو ہی گیا۔ ہم سب ظہر سے فارغ ہو کر ذرا سی دیر کی اونگھ لیتے تھے۔ اور وہی سویا جاگا سا وقت تھا، جب خالہ بتول کے گھر سے چیخم پکار کی آواز بلند ہوئی۔ یوں ہی ذرا اس گن لینے کو جھانکی ماری تو پتا چلا کہ زینت بیگم کی شامت آئی ہوئی ہے۔ شور تھا اور زینت، خالہ بتول کے گھر سے نکل ہی رہی تھی کہ اپنی ازلی متجسس فطرت سے مجبور ہو کر دادی اماں نے نہ صرف زینت کو جالیا بلکہ اندر بھی گھسیٹ لائیں۔ زینت چھکوں پھکوں رو رہی تھی۔

خالہ بتول نے اس کے بال پھاڑ دیے تھے۔ چہرے پر جابجا خراشوں کے نشانات، لباس بے ترتیب تھا۔ ماجرا کیا ہوا... عقل دنگ تھی۔

"میں نے تو بس آپا بتول کو اتنا بتایا تھا کہ میری بیٹی رشتہ لگ بھی گیا۔"

"چلو گل منگی" ماہ گل بڑبڑائی اور میری گھوری لب داب لیے۔ وہ کہتی رہی۔

"مانی نے مجھ سے وعدہ کیا تھا کہ بیٹی کا کانٹا نکل جائے تو وہ میرا ہاتھ تھام لے گا۔ اس بڑھیا کو ہزار بار اشاروں کنایوں میں سمجھایا، مگر یہ نمانی سمجھتی ہی نہیں آج منہ پھوڑ کے کہنا پڑا تو..."

اس کے رونے کا سلسلہ وہیں سے جاری ہو گیا جہاں سے منقطع ہوا تھا۔

"مانی نے مڑ کے خبر ہی نہ لی اور یہ بڑھیا اس کا پتا ٹھکانا نمبر سب دبائے بیٹھی ہے۔"

وہ روئی جارہی تھی۔

"اوئی اللہ!" ماہ گل نے خالصتاً دادی اماں کے انداز میں کہہ کر دانتوں تلے انگلی دبائی اور کمرے سے نکلتی چلی گئی تھی۔

امی کا منہ کھلا کا کھلا رہ گیا اور دادی اماں ساکت بیٹھی اسے تکتی جانے کیا سوچ رہی تھیں۔

وہ چاہے کچھ بھی سوچیں، مگر میں یہ سوچ رہی تھی کہ دادی اماں کا فرمان بجا ہی ہے۔

دنیا سے شرم و حیا اٹھ گئی ہے۔ وقار و عزت، نیک نامی کا بھرم اور اخلاق و کردار، سب بیچ کھائے۔

پہلی بار مجھے خالہ بتول اپنے کسی عمل میں حق بجانب محسوس ہوئی تھیں۔

اُف یہ شکایتی گان

ملیحہ صدیقی

شعاع کے ہیرو ہیروئنوں اور دوسرے کئی گان پر تو کافی کچھ لکھا جاچکا ہے اس لیے ہماری نظر ایک نئی کیٹیگری شعاع کے "شکایت گان" پر تھی۔ شکوے شکایات سے بھرے خواتین و حضرات کی دلجوئی کے لیے ہم فوراً کاغذ قلم لے کر بیٹھ گئے۔ تھوڑی دیر بعد نظر اٹھا کر دیکھا ہی تھا کہ ڈر گئے ہمارے چاروں طرف خونخوار سے مرد حضرات جمع تھے۔

"ارے لکھو لکھو! رک کیوں گئیں؟" ایک جلالی چہرے والے ابا حضور ٹائپ حضرت آگے بڑھے۔

"ہاں! ہاں! ہماری شکایتیں بھی لکھو۔" باقی سب نے بھی ہاں میں ہاں ملائی۔

"ارے ان کہانیوں میں سارا اسیاپا ہی ہمارا ہوتا ہے۔ ہم بے چارے ہر طرح سے ظالم ثابت ہوتے ہیں جی!" ایک صاحب مونچھیں مروڑتے ہوئے بچوں کی طرح منہ بسور کر بولے۔ ہماری ہنسی چھوٹ گئی۔

"اب بتاؤ جی! میں نے ایک کہانی پڑھی کہ ظالم سنگدل بیٹا بیوہ ماں اور بہن سے لاپرواہ جورو کا غلام بن گیا۔ نہ پوچھیں جی! کیا گزری میرے دل پر۔" ایک چشمے والے حضرت آگے بڑھ کر باقاعدہ آنکھوں میں آنسو لا کر بولے۔

"بس پھر اس دن سے میں نے امی باجی کا پیچھا لے لیا۔ پھر ایک دن میں نے ایک اور اسٹوری پڑھی بے حس، کٹھور شوہر کی۔ بیوی کو ایک تھپڑ صبح ایک تھپڑ شام مارنے والا گھر کے کاموں میں کبھی بیوی اور ماں، بہنوں کے اشارے پر چلنے والا بے عقلا۔ مت پوچھیں باجی۔"

ہم جوان کی باتوں پر ہنسی دبا ہی رہے تھے کہ "باجی" پر بری طرح بدمزا ہو گئے۔ گھور کر انہیں دیکھا کم از کم بھی پندرہ سال بڑے ہوں گے حضرت۔ ہو سکتا ہے احترام میں کہا ہو۔ آخر ہم ان کی شکایتیں لکھ رہے ہیں، ہم کچھ مطمئن ہو کر پھر سے ان کی طرف متوجہ ہوئے۔

"میری تو مت ہی ماری گئی یار۔ بہنوں کو خوش رکھوں تو بے حس میاں اور بیوی کی سنوں تو جی جورو کا غلام۔"

ان کے باقاعدہ آنسو بہنے لگے۔ ہم کافی متاثر ہو گئے۔ مگر ابا حضور ٹائپ حضرت شاید زیادہ متاثر نہیں ہوئے تھے۔ ایک ہاتھ سے انہیں دھکا دے کر پیچھے کیا اور گھن گرج کر بولے۔

"بس! بس! اب مجھے یہ بتاؤ کہ ہر شادی رکوانے میں میرا ہاتھ کیوں دکھایا جاتا ہے؟ اور میں نے کون سے سخت پہرے بٹھائے ہیں اس کم بخت ہیروئن پر؟" وہ باقاعدہ دہائی دے کر بولے۔

"اور اب میری سنیں۔" ایک جوشیلا سا جوان آگے بڑھا۔

"میں نے منگنی توڑ کر ایک امیر لڑکی سے شادی کر لی میں بے وفا اور جانے کیا کیا۔ اور وہ جو دل میں لڈی ڈال رہی تھی' وہ کسی نے نہیں دیکھا۔ وہ تو خوش تھی جناب کہ گھر میں مجھ سے زیادہ بہتر اور مہربان سا اس کے کے دوست کا بیٹا بس اس کے آنسو پونچھنے کا منتظر ہے۔ وہ ہی جو اس کے گھر رہنے آیا تھا۔" وہ ہمیں یاد دلاتے ہوئے بولا۔

"اور بس لکھ ڈالی اسٹوری اس پہ 'اب یہ تو میری مہربانی ہے کہ میں راستے سے ہٹ گیا ورنہ ان کی نیّا کیسے پار لگتی۔ یہ رائٹرز بھی جس کو چاہے اچھا بنا دیں جس کو چاہے برا۔" وہ عجیب منہ بنائے کہہ رہا تھا۔

اب پیچھے منتظر "شکایت گان" انتظار کرتے کرتے اپنی اپنی شکایتیں با آواز بلند ساتھ ساتھ سنانے لگے ہم گھبرا گئے۔

"اچھا اچھا! ہم نے سب کی سن لی ہم لکھ لیں گے۔" بڑی مشکل سے وہ سب رخصت ہوئے ہم نے ابھی سکون کا سانس لیا ہی تھا کہ ایک زوردار دھپ ہمارے کندھے پر پڑی اور ہم گرتے گرتے بچے پیچھے مڑ کر دیکھا تو ایک دھان پان سی نانی اماں ٹائپ خاتون کھڑی تھیں۔ ہمیں یقین نہ آیا کہ اتنا جاندار کام ان کا ہو مگر وہ اکیلی ہی تھیں۔

"ارے! کیا گھور رہی ہو؟" وہ تیز لہجے میں پان چھالیہ چباتے ہوئے بولیں۔

ہم نے ان کے منہ میں جھانکا مگر دانت نامی کوئی شے دور دور تک نہ تھی۔ جانے کیسے چبا رہی تھیں یہ بھی ہماری نانیوں دادیوں کا ہی کمال ہے۔

"اے ہاں کچھ کھاؤ گی نہیں تو یہی ہو گا۔ یہ نگوڑی ماری ڈائٹنگ ناس پیٹی۔ ایک ہمارا زمانہ تھا اصلی گھی مکھن ڈٹ کر کھاتے اور سر پر دو دو گٹھریاں لاد لیتے تھے۔"

ہم نے اس وجود پر ان کا دعوا ملاحظہ کیا پھر کندھے میں ٹیس اٹھی تو اس پر یقین بھی کر لیا اور اس سے پہلے کہ وہ مکمل اپنے زمانے میں کھو جاتیں، ان سے ان کی شکایت پوچھی۔

"اے ہاں اچھا یاد دلایا۔ یہ بتاؤ یہ نگوڑ ماری لکھاریں ہر کہانی میں ظالم انگارے چباتی ساس کیوں بنا دیتی ہیں؟ ان کم بخت بہوؤں کو نہیں دیکھتیں گھنیوں میسنیوں کو۔ ذرا جو لحاظ کریں۔ اب ہم اس عمر میں دو لفظ نہ بول سکیں تو یہ سفید بال گئے چولھے میں۔"

وہ کافی جلال میں آچکی تھیں۔

"مگر نانی جی! اتنا ہے کہ آپ بیٹیوں کی سائیڈ۔" ہم نے ڈرتے ڈرتے کہا ہی تھا کہ انہوں نے درمیان سے بات اچک لی۔

"ہاں تو بیٹیاں ہیں میری۔ کیا چولھے میں جھونک دوں انہیں۔" چولھا شاید ان کو بہت پسند تھا۔

"دو گھڑی میرے پاس آجائیں تو ان حسد کی ماریوں کو آگ لگ جاتی ہے۔"

وہ ہاتھ نچا کر بولیں۔ بہرحال ہم نے ان کی شکایات لکھنے کا وعدہ کر کے ان کا کافی غصہ ٹھنڈا کیا اور وہ کافی خوش ہو کر گئیں۔ جس کا ثبوت چھالیہ کے وہ دو دانے تھے جو وہ جاتے ہوئے ہمارے منہ میں ڈال گئی تھیں ویسے بھی اس عمر میں ہر بندے سے کچھ نہ کچھ شکایات تو ہو ہی جاتی ہیں۔

ہم ابھی کٹر کٹر کر کے چھالیہ چبا ہی رہے تھے کہ ایک اسمارٹ سا شوخ و شنگ نوجوان ریکٹ گھماتے ہوئے سامنے آکھڑا ہوا۔ جوگرز، جینز پر ریڈ ٹی شرٹ، کرنٹ لگائے بال اور آنکھوں پر گلاسز۔ ارے یاد آیا۔ یہ تو سائیڈ ہیرو ہیں۔ ہیرو کے چھوٹے بھائی یا دوست یا جوائنٹ فیملی کی صورت میں کزن "ہیلو مس!" وہ ہاتھ ہلا کر شوخی سے بولا۔

"آپ میری بھی شکایت لکھیے" وہ اپنے بال پھر ہاتھ سے سیٹ کرنے لگا۔ "حال میرے دل کا تمام لکھ دینا۔" وہ گنگنایا پھر بولا۔

"ہر کہانی میں گھر کی رونق میرے دم سے ہے۔ شوخیاں بکھیرتا گنگناتا امی کو ہنساتا سب کو ٹینشن سے نکالتا ہوں اور وہ ہیروئن صاحبہ تو میری باتوں پر منہ پہ ہاتھ رکھے ہنس ہنس کر ٹیڑھی میڑھی ہو جاتی ہیں اور نمبر سارے لے اڑتے ہیں یہ بورنگ' آدم بیزار عینکو بڑے بھیا جو مہینے میں ایک بار مسکراتے بھی ہیں تو چھپ چھپا کے مگر جانے کیسے ہیروئن یہ مسکراہٹ دیکھ لیتی ہے اور اس پر دل و جان سب فدا کر بیٹھتی ہے۔" وہ آخر میں کچھ جل کر بولا۔

"ویسے ایک آدھ سائیڈ ہیروئن تو آپ کو بھی مل جاتی ہے۔" ہم نے یاد دلایا۔

"بس رہنے دیں۔ زیادہ خوبصورت والی تو بھیا کو ملتی ہے نا۔" وہ بولا پھر ایک دم سے ہمارے پاس بیٹھ کر بولا۔ "ویسے اچھی تو آپ بھی بہت ہیں۔"

اور ہم اس بات پر شرمانے کا ارادہ کر ہی رہے تھے کہ یاد آیا کہ یہ تو اس کا تکیہ کلام ہے، جو ہر لڑکی کو دیکھ کر منہ سے پھسل پڑتا ہے۔ ہم نے فوراً" ارادہ ترک کر کے اسے گھورا تو وہ ہنستا گنگناتا ہوا ریکٹ گھماتا چل پڑا۔

"میری شکایت ضرور لکھیے گا۔" وہ جاتے جاتے بھی ہانک لگانا نہیں بھولا تھا ابھی ہم لکھ لکھ کر درد کرنے والا ہاتھ جھٹک ہی رہے تھے کہ ایک مسکراتی ہوئی ہیروئن ہمارے پاس آکر بیٹھ گئیں۔

"آپ کو کیا شکایت ہو سکتی ہے بھلا؟" ہم نے حیران ہو کر کہا۔

"میرا نام فتیمنہ، مجھ سے چھوٹی کا سرش' اس سے چھوٹی کا زوبینہ' اس سے چھوٹی کا شزارا بھائی کا ابارق....."

"ارے ارے رکیں۔ ہمارا تو دماغ چکرا گیا ان خلائی ناموں سے۔" ہم نے سر پکڑا۔

"یہی تو شکایت ہے۔" وہ منہ بسور کر بولی۔" یہ رائٹرز ہمارے ایسے ایسے جناتی نام رکھ دیتی ہیں۔ آپ کو پتا ہے ہمارے پڑوس کا بچہ تو مجھے کبھی فیتہ اور کبھی فتنہ کہتا ہے' شزارا کو کھٹارا اور۔"

"بس بس ہم آپ کی شکایت پہنچا دیں گے۔" ہم نے گھبرا کر کہا تو وہ شکریہ کہہ کر رخصت ہو گئی۔

www.Paksociety.com

www.Paksociety.com

ہم نے ذرا سکون کا سانس لیا اور کاغذ پر جھکے ہی تھے کہ اچانک کچھ گرنے کی آواز آئی۔ ہم نے ہڑبڑا کر سر اٹھایا تو ایک زخمی خاتون اٹھنے کی کوشش کر رہی تھیں۔ ہم نے جلدی سے آگے بڑھ کر انہیں سہارا دیا۔ ان کے دائیں گال پر نیل پڑا تھا۔ بائیں گال پر چار جتاتی انگلیاں چھپی تھیں تو ان کا چہرہ تو کچھ سمجھ میں ہی نہ آیا۔ بال الجھے ہوئے اور کپڑے ملگجے سے تھے۔

ارے ہاں یہ تو ہماری مظلوم ہیروئن ہیں۔

"جی فرمایئے۔" ہم ہمہ تن گوش ہوئے۔

"بس کیا بتاؤں! صبح سے دعوت کی تیاری کر رہی تھی۔ شامی کباب کا مسالا پیسا' بریانی بنائی ساتھ ساتھ دوسرے ہاتھ سے چکن کڑاہی بھی بنالی۔ بیچ میں جو وقت ملا اس میں سلاد' رائتہ اور تین طرح کی چٹنیاں بنائیں۔ چکن روسٹ تو تھا ہی' مٹر پلاؤ بھی بنا ڈالا۔ آخر میں' میں کسٹرڈ اور لب شیریں بنا کر فارغ ہی ہوئی تھی کہ شوہر نامدار آگئے۔ ان کے کپڑے استری کرنا بھول گئی تھی۔ بس پھر کیا تھا کھینچ کے تھپڑ دے مارا۔ میرا جی تو چاہا لعنت بھیج کر کپڑے سمیٹ کر میکے چلی جاؤں اور یہاں سارا کھانا بھی لے جاؤں۔ آخر میری اتنی محنت تھی مگر نہ۔ میں تو مشرقی بیوی' نیک پروین ہیروئن۔ آپ کی رائٹر نے مجھے رونے پر لگا دیا۔ وہیں بیٹھ کر ان کی ہاتھ میں پکڑی شرٹ گیلی کردی۔ باتھ روم سے باہر نکلے تو اور غصہ ہوئے لے کر دھکا دے دیا بس پھر میں آپ کے پاس آگئی۔"

وہ آنسو بہاتے ہوئے بولیں تو ہماری ساری ہمدردیاں ان کے ساتھ ہو گئیں۔

"شادی سے پہلے بھی آپ کی رائٹرز نے مجھے تیز و طرار تائی' پھوپھی' مامی زادیوں سے خوب باتیں سنوائیں مگر مجھے چپ رہنا پڑا جبکہ جی تو چاہتا تھا کہ ایک کی دس سناؤں اور ساتھ ایک لگا بھی دوں مگر میں تو مظلوم ہیروئن تھی نا۔ ابا کو آپ کی رائٹر نے گزار دیا تھا اور پیسے کی تنگی تو نہ پوچھیں۔ شادی کے بعد بھی ساس نندیں۔"

ان کی بات ادھوری رہ گئی اور ہچکیوں کی آواز آنے لگی۔

"جی! جی! میں آپ کی شکایت پہنچا دوں گی کہ آپ کو بھی دل کی بھڑاس نکالنے کا موقع دیا جائے۔"

ہم نے انہیں تسلی دی۔ وہ شکر گزار نظروں سے ہمیں دیکھتی' آنسو پونچھتی ذرا لنگڑاتی ہوئی روانہ ہوئیں۔ ہم نے بھی ٹشو نکال کر اپنی آنکھوں کے گوشے صاف کیے۔

دھیمی دھیمی گنگناہٹ پر ہم نے سر اٹھایا تو ایک کم عمری دوشیزہ صاحبہ ہمیں بڑی شوخ نظروں سے دیکھ رہی تھیں۔

"آپ کو بھی رائٹرز سے کوئی شکایت ہے؟" ہم نے ٹھنڈی سانس بھر کر کہا۔

"ارے توبہ کریں جی! مجھے سب رائٹرز اتنی پسند ہیں کہ کوئی حد نہیں۔ فائزہ افتخار' عمیرہ احمد' نمرہ احمد' ثروت نذیر' مریم عزیز' راحت جبیں' اسماء قادری' نعیمہ ناز' ثمرہ بخاری' راشدہ رفعت' نگہت سیما' صائمہ اکرم وغیرہ وغیرہ۔ سب کی سب مجھے اتنی پسند ہیں' اتنی پسند......"

"اب بتا بھی دیں کتنی پسند ہیں؟" ہم نے بات اس ڈر سے کاٹ دی کہ بغیر سانس لیے بولتے بولتے بے ہوش ہی نہ ہو جائیں۔

"بہت' بہت زیادہ۔ میں تو ان سب کے ایک ایک ناول پانچ پانچ بار پڑھتی ہوں۔" انہوں نے ہاتھ سے پانچ کا اشارہ کیا۔ "بس مجھے شکایت ایڈیٹر آپی سے ہے۔ میں اپنی اتنی بزی لائف (ہر ناول پانچ بار جو پڑھتی ہیں بھئی) میں سے ٹائم نکال کر اور بھائی کی منتیں کر کے خط پوسٹ کرواتی ہوں اور وہ اپنی پیاری ردی کی باسکٹ کو کھلا دیتی ہیں۔"

انہوں نے منہ بسورا۔ ہم سمجھ گئے یہ قاری صاحبہ ہیں۔

"اور آپی....." انہوں نے بولا ہی تھا کہ ہمیں جھٹکا لگا۔ اپنے سے پندرہ سال بڑے انکل کا باجی تو برداشت ہو گیا تھا مگر صنف نازک کہے ناممکن۔

"ایک منٹ۔ یہ آپی کسے کہا؟ آپ سے تو دو سال ...ے ہی ہوں گے۔" ہم غضب ناک ہو گئے۔

"اوہ سوری! غلطی ہو گئی۔" وہ جلدی سے بولیں کہ ...ت بھی تو نوٹ کروانی تھی۔

"ویسے ہمیں پتا ہے یہ آپ کی عادت ہے' ہر رائٹر ...آپی' باجی بنا دینا' چاہے وہ بے چاری کتنی ہی کم عمر ...وں نہ ہوں اور دل میں کتنا ہی تلملائیں۔" ہم ...ے پر سکون ہوتے ہوئے بولے۔

"ارے جناب! ہم ان کا بہت احترام جو کرتے ...۔" وہ شوخی سے چوٹی جھلاتے ہوئے بولیں۔ "اور ...نہ میرا کوئی شعر شائع ہوتا ہے نہ لطیفہ' بس چند گھسے ...نام آتے ہیں۔" انہوں نے دوسرا پٹارا کھولا اور پھر ہمارے قریب لاتے ہوئے بولیں۔

"ویسے آپس کی بات ہے' یہ ان کے رشتے دار تو ...ہوتے؟" ہم نے کچھ کہنے کے لیے منہ کھولا ہی ...وہ تیسرا موضوع شروع کر چکی تھیں۔

"اور ہاں! سب رائٹرز کو بول دیجیے کہ ہیرو' ہیروئن الگ مت کیا کریں' پلیز پلیز اور ہیروئن کے ...تو بالکل برا مت کیا کریں' پلیز۔" انہوں نے ...شیں جھاڑیں۔

"چاہے ہیروئن صاحبہ جتنا بھی ستم ڈھا چکی ...؟" ہم بڑبڑائے۔

"ارے بھئی! ہیروئن ہونے کا کچھ تو پروٹوکول ملنا نا۔" وہ بڑے آرام سے بولیں۔

"اچھا میں چلتی ہوں۔ سب شکایتیں یاد سے لکھ ...، پلیز پلیز۔"

...چوٹی ہلاتے ہوئے رخصت ہو گئیں۔ ہم ...تے سر کے ساتھ سب نوٹ کرنے لگے تھے کہ ...والی آنکھوں سے کچھ خواتین دکھائی دیں جو ہماری ...ہی آ رہی تھیں۔ ہم نے گنتی شروع کی۔ ایک' ...' اس کے بعد ہماری ہمت جواب دے گئی اور ہم ...پچھلے دروازے سے باہر نکل گئے اور دروازہ ...کر دیا' کیونکہ ہم سمجھ گئے تھے کہ یہ پیار بھری ...بھی ختم نہیں ہوں گی' آپ بھی سمجھ گئے نا؟

☆

www.Paksociety.com
پاک سوسائٹی ڈاٹ کام

رب کی مرضی

حیا بخاری

اسے ہمیشہ سے نئے سال کی پہلی رات نیویارک میں گزارنا پسند تھی۔ بہت چھوٹی سی عمر میں وہ اس موقع پہ ہر ضروری کام چھوڑ کے نیویارک پہنچ جاتی تھی۔ چاہے اس کے پیپرز ہی کیوں نہ ہوتے، کوئی اہم تہوار ہی کیوں نہ ہوتا یا پھر اس کے جان سے پیارے پاپا بیمار ہی کیوں نہ ہوتے۔ وہ یہ رات کبھی نہیں چھوڑتی تھی۔ حتیٰ کہ شادی کے بعد بھی اس نے اپنی یہ عادت برقرار رکھی تھی۔

پہلے دو سال تو رضا نے بھی اس کا ساتھ دیا تھا، مگر اگلے پانچ سال تک اسے اکیلے ہی یہاں آنا پڑا تھا۔ ہمیشہ وہ دس، پندرہ دن پہلے ہی نیویارک پہنچ جاتی تھی اور ہمیشہ ہی اس کا دل پھر کبھی پاکستان نہ جانے کو کیا کرتا تھا۔ بھائی زبردستی اسے واپس بھیجا کرتے تھے۔ پہلے پاپا کے خیال سے اور اب رضا کے خیال سے۔

مگر اس بار جب وہ خود سارے رشتے توڑ کر نیویارک آئی تھی اور پھر کبھی پاکستان نہ جانے کا عہد بھی کر رکھا تھا تو نہ جانے کیوں اس دفعہ دل اس کا ساتھ دینے سے انکاری ہو رہا تھا۔ بار بار پاکستان جانے کے لیے ہمکتا تھا۔

وہ چائے لے کر کمرے میں آئی۔ موبائل چیک کیا تو رضا کی پندرہ کالز اور نہ جانے کتنے ہی ایس ایم ایس اس کی راہ دیکھ رہے تھے۔ اس نے پڑھے بغیر ہی سارے ایس ایم ایس ڈیلیٹ کر دیے اور بے دلی سے موبائل بیڈ پہ اچھال دیا۔

چائے کا کپ سائیڈ ٹیبل پہ دھر کے اس نے تکیے سے پشت ٹکا دی اور آنکھیں موند لیں۔ بیتے دنوں کے عکس اس کی آنکھیں جلانے لگے تھے۔

☼ ☼ ☼

جگن آفریدی علی آفریدی کی سب سے چھوٹی اولاد، تین بھائیوں کی اکلوتی بہن، ہمیشہ سے قسمت کی دھنی رہی تھی۔ اسے وہ سب کچھ ملا تھا، جو اس نے نہ مانگا تھا نہ کبھی سوچا تھا۔ لوگ اس کے حسن اور قسمت پر رشک کیا کرتے تھے۔

باپ اور بھائیوں کے لاڈ پیار نے اسے بگاڑنے کے بجائے اسے عجیب سی خوب سیرتی نواز دی تھی۔ وہ بھی کرتی۔ فرمائش بھی کرتی، مگر وہ جس سے کسی کو تکلیف نہ ہو۔ باپ بھائی بھی اس کی کوئی فرمائش رد کرنے کا سوچ بھی نہیں سکتے تھے۔ تبھی تو جب کالج میں رضا سے اس کی دوستی اور پھر دوستی سے بات آگے بڑھی، تو بڑی خوشی سے اس کے باپ اور بھائیوں نے رضا سے اس کی شادی کر دی تھی۔

رضا بھی اپنے ماں باپ کا اکلوتا بیٹا تھا۔ سو اس بھی قسمت نے اس کا ساتھ دیا اور اس کی زندگی رنگوں سے آشنا ہوئی۔ رضا ایک بہت ہی اچھا مخلص شوہر ثابت ہوا۔ خوشی اور پیار سے بھرپور جگن کو کبھی یہ خیال بھی نہ آیا کہ بغیر مانگے اسے سب کچھ مل رہا ہے، تو وہ اپنے رب کا شکر ادا کرے اور اس سے مانگتی رہے۔

وہ اپنی خوشیوں میں اس قدر مگن رہی کہ مانگنا رب کے آگے گڑگڑانا بھول ہی گئی۔ اس رب کے آگے جو بڑا بے نیاز ہے۔

سال یوں گزرے کہ پتا ہی نہ چلا، مگر شادی کے سال ہی رضا کے والدین کے صبر کا پیمانہ لبریز ہو گیا۔ دو سال تک جگن کے مختلف ٹیسٹ اور علاج ہوتے رہے اور آخر کار جب ڈاکٹرز نے یہ جواب دے دیا کہ جگن کبھی ماں بن ہی نہیں سکتی تو جگن کو لگا کہ کائنات یکدم ہی پھیکی پڑ گئی ہو۔

رضا کے اماں اور ابا اس کی دوسری شادی کا سوچ رہے تھے اور باقاعدہ رضا سے بات چیت بھی جاری تھی۔ تب ایک رات اماں اس کے پاس چلی آئی تھیں۔

"اماں! آپ..... مجھے بلا لیا ہوتا۔" ساس کو دیکھ کر وہ یکدم ہی بیڈ پر سیدھی ہو بیٹھی۔

"جسے سوال کرنا ہوتا ہے ناں بیٹا! وہی چل کر جاتا ہے ہمیشہ۔" اماں کا بدلا بدلا سا لہجہ اسے چونکا گیا۔

"کیا مطلب اماں!" اس کی آنکھوں میں تشویش نمایاں تھی۔

"دیکھ بیٹا! اللہ نے تجھے ہر نعمت سے نوازا، بنا مانگے سب کچھ تیری جھولی میں ڈال دیا۔ تو نے وہ سب خوشی سے قبول کیا ناں؟"

جگن نے نا سمجھی میں سر ہلا دیا۔

www.Paksociety.com

"تو بس پھر رب نے زندگی میں ایک چیز تجھے نہیں دی تو اسے بھی مان لے سچے دل سے۔"

"پر اماں! زندگی کی یہی خوشی تو سب سے بڑی خوشی ہے۔"

اس کی آواز شکستہ تھی۔ اماں نے اداس آنکھوں سے اس کا زرد چہرہ دیکھا۔ جب سے اسے ڈاکٹر نے یہ خبر سنائی تھی کہ وہ ماں نہیں بن سکتی۔ اس کی صحت دن بدن گرتی جا رہی تھی۔

"پر بیٹا! اللہ نے یہ آزمائش دی ہے تجھے۔ پھر اس کا حل بھی تو ہے ناں۔" جگن نے فوراً سوالیہ نظروں سے ان کی جانب دیکھا۔

"تو ماں نہیں بن سکتی۔ پر رضا تو الحمد اللہ ٹھیک ٹھاک ہے ناں، پھر سوچ ذرا۔ اس کے بچے تیرے بچے نہیں ہوں گے کیا؟ بلکہ بڑی ماں تو تُو ہی ہو گی ان کی۔"

اس کی سمجھ میں نہ آیا کہ اماں کی باتوں میں خوشامد ہے یا سچ مچ کی تسلی۔

"مان جا بیٹا! سوچ لے اچھی طرح رضا تو مان ہی چکا ہے، مگر اچھا ہو گا اگر اس میں تیری رضامندی بھی شامل ہو جائے۔" اماں تو چلی گئیں، مگر جگن تو جیسے انگاروں پہ لوٹنے لگی۔ رضا مان گیا۔

اماں کے الفاظ مسلسل اس کا دماغ ابالتے رہے تھے۔ شام کو رضا کے آتے ہی اس نے بات واضح کرنی چاہی تھی۔

"ہاں، جگن! دیکھو، اماں ابا نے میرے لیے کیا نہیں کیا، اور میں ان کو اتنی سی بھی خوشی نہیں دے سکتا؟ پھر اماں نے مجھے اپنے سر کی قسم بھی دی ہے۔" وہ نظریں چرا کے بولا تھا۔

"تو کیا تمہیں مجھ سے محبت نہیں ہے؟" وہ لڑکھڑائی تھی۔

"تم سے محبت کیوں نہیں ہے پاگل! مگر قدرت کے فیصلوں کو بھی سمجھنے کی کوشش کرو۔ اولاد کے بغیر ہم کتنی زندگی جی لیں گے۔" رضا نے قریب ہو کے اس کا ہاتھ پکڑنا چاہا تھا۔ وہ جھٹکے سے دور ہو گئی۔

"کتنے لوگ ہیں جو اولاد کے بغیر بھی جی رہے ہیں۔" وہ روہانسی ہو گئی تھی۔

"ہاں۔ مگر میں اتنا سخت جان نہیں ہوں جگن! اپنے، تمہارے ساتھ اماں ابا کو بھی اس خوشی سے محروم رکھوں، پھر میں تمہارا حق تو نہیں مار رہا۔ تمہاری جگہ تو ہمیشہ وہی رہے گی۔ جہاں تھی۔"

رضا نے زبردستی اسے خود سے لگا لیا تھا۔ جگن کی آنکھوں سے نکلے آنسو اس کی شرٹ بھگونے لگے تھے۔ جگن کو اس وقت وہ دنیا کا ظالم ترین انسان لگا تھا۔ وہ ایک دم ہی اس سے الگ ہو کے کمرے سے باہر نکل گئی تھی۔

اس رات اس نے اماں کو رضا کی شادی کے لیے ہاں کر دی تھی کہ جب وہ ہی راضی تھا، تو اس کی نہ کیا معنی رکھتی تھی، پھر.....

زریں جو گاؤں کی سادہ سی لڑکی تھی اور اماں کی جاننے والی کی نواسی بھی تھی، رضا کی دلہن بن کر محمود ہاؤس میں چلی آئی تھی۔

کتنی ہی راتیں اس نے انگاروں پہ لوٹ لوٹ کر گزاری تھیں۔ غصے اور بے بسی سے اس نے ہاں تو کر دی تھی۔ مگر اب رضا محمود کو زریں کے ساتھ شیئر کرنا اسے دنیا کا مشکل ترین کام لگتا تھا۔

رضا ہمیشہ کی طرح اب بھی اس کا بہت خیال رکھتا مگر اب آدھا وقت زریں کے لیے ہوتا۔ صرف دو ماہ کے اندر ہی اس کا حوصلہ ٹوٹ گیا تھا۔

"میں اس طرح نہیں جی سکتی رضا! مجھے یہ بٹوارا منظور نہیں۔" اس کی آنکھوں کے ساتھ اس کا لہجہ بھی نم تھا۔

"اگر تم چاہو تو میں تمہیں الگ گھر لے کے دے سکتا ہوں۔" رضا کا لہجہ بے حد صاف تھا۔

"نہیں۔ مجھے یہی گھر چاہیے۔ وہ بھی مکمل۔" وہ چلائی تھی۔

"کم آن جگن!" رضا نے اس کی جانب پیش قدمی کی تھی۔

"پلیز رضا! اب تم اسے طلاق دے دو۔ میں مزید یہ ڈرامہ برداشت نہیں کر سکتی۔ اس لڑکی میں آخر

کیا۔ عام سی صورت، مڈل تک تعلیم اور ڈفر سی تو ہے۔"

جگن کے لہجے میں نفرت بہت واضح تھی زریں کے لیے۔ رضا نے افسوس بھری نگاہوں سے اسے دیکھا۔

"ڈونٹ بی سلی جگن! ایسا سوچنا بھی مت۔" رضا کے لہجے میں ناگواری واضح تھی۔

"ٹھیک ہے۔" جگن ہانپنے لگی تھی۔ "تو پھر تم مجھے طلاق دے دو۔"

اس نے بہت غصے سے کہا تھا اور رضا خود پہ کنٹرول نہ کر سکا تھا۔ اس کا ہاتھ اٹھ گیا تھا۔ جگن چہرے پہ ہاتھ رکھے جیسے سکتے میں آ گئی تھی اور پھر اس کے لاکھ منانے اور روکنے کے باوجود اگلے چند ہی دن میں وہ بڑے بھائی اور پاپا کے پاس امریکہ چلی آئی تھی، ہمیشہ کے لیے اس گھر کو خیرباد کہہ کر۔

☆ ☆ ☆

ٹھیک پانچ دن بعد نیو ایئر نائٹ تھی۔ وہ یونہی چہل قدمی کرنے نکلی تھی۔ سیاہ اوور کوٹ پہ گرم اونی اسکارف لینے کے باوجود اسے سردی محسوس ہو رہی تھی۔ راستے میں اسے مسز ریحان مل گئیں۔

مسز ریحان اس کی بھابھی کی بہت قریبی دوست تھیں اور قریب ہی رہتی تھیں۔ پینتیس سال کی عمر میں بھی ان کے چہرے پہ عجیب نوخیزی اور معصومیت دکھائی دیتی تھی۔ وہ چار سال پہلے ریحان احمد سے محبت کی وجہ سے مسلمان ہوئی تھیں، مگر آہستہ آہستہ انہوں نے اسلام کے سارے رنگ ڈھنگ اپنا لیے تھے۔

اس وقت بھی حسب معمول انہوں نے جینز پہ لانگ شرٹ کے ساتھ اسکارف اوڑھ رکھا تھا۔

جگن کو وہ ہمیشہ بہت پیاری لگتی تھیں۔ ان کی باتوں میں عجیب سا خلوص اور مروت چھلکتی تھی۔ انہوں نے اسے کافی کی دعوت دی تو وہ فوراً ان کے ساتھ ان کے گھر چل دی۔

"آپ اکیلی رہتی ہیں؟" وہ پہلی بار ان کے گھر آئی تھی۔

"فی الحال تو اکیلی رہ رہی ہوں، مگر ایک دو ہفتے بعد نہیں رہوں گی۔" انہوں نے مسکراتے ہوئے کافی کا مگ اسے تھمایا تھا۔

"مطلب؟"

"مطلب یہ کہ ریحان ایک ماہ کے لیے پاکستان گئے تھے۔ دو ہفتے رہ گئے ہیں۔ ان کے لوٹنے میں۔" ان کی اردو زیادہ اچھی نہیں تھی۔ سو وہ ٹوٹی پھوٹی اردو میں بات کرتی تھیں۔ جگن کو یہ بھی بہت اچھا لگتا تھا۔

"اوہ۔ ایک ماہ کیا بہت ضروری کام سے گئے ہیں۔ آئی مین آپ تو بہت اکیلا محسوس کرتی ہوں گی ناں؟" جگن کو وہ اپنی طرح اداس سی محسوس ہونے لگیں۔

"ہاں، اصل میں کئی سالوں سے ان کے گھر والوں کا اصرار تھا۔ اب شادی کرنے گئے ہیں۔" جگن کے ہاتھوں سے کافی کا مگ گرتے گرتے بچا۔ اس نے مسز ریحان کی طرف دیکھا۔ وہ اسے بے حد مطمئن لگیں۔

"دوسری شادی، آپ نے انہیں اجازت دے دی؟" اس کی آواز میں تحیر تھا۔

"ہاں! کیوں، اس میں حیرانی کی کیا بات ہے؟" انہوں نے مگ میز پر رکھ دیا تھا۔

"اوہ! اب میں سمجھی، وہ اسے وہیں پاکستان میں رکھیں گے۔"

جگن نے اپنے تئیں ان کے اطمینان کی وجہ بتائی۔ مسز ریحان ہنس پڑیں۔

"نہیں۔ اس کے کاغذات تیار ہیں۔ وہ بھی ان کے ساتھ ہی آئے گی۔"

"تو کیا آپ اس کے ساتھ ایڈجسٹ کریں گی؟" وہ سخت حیران تھی۔

"کیوں نہیں جگن! وہ ان کی بچپن کی منگیتر ہے۔ ابھی تک صرف ان کے نام پہ بیٹھی ہے۔ مجھ سے شادی ریحان نے کسی مجبوری کی وجہ سے نہیں کی۔ میں خود ہی اس کے پیار میں باؤلی تھی۔" وہ ہنسیں۔

"پھر بھی جب ریحان نے مجھ سے شادی کی تو میرے رشتہ داروں نے اسے گرین کارڈ کا لالچ کہا، مگر

www.Paksociety.com

If you want to download Monthly Digests like Khwateen Digest,Kiran,Shuaa,Suspense,Pakeeza,Rida,Imran series by ibn-e-safi or mazhar kaleem,funny books poetry please visit www.paksociety.com for direct download link and with 21 supporting mirros in case of any help send mail at admin@paksociey.com

www.Paksociety.com

سچ بتاؤں؟ ایک سال پہلے جب مجھے فالج کا اٹیک ہوا تھا' تب مجھے پتا چلا کہ ریحان بھی مجھے اسی قدر چاہتے ہیں۔ جتنا میں ان کو۔ پھر انہوں نے مجھے شادی سے پہلے ہی سب کچھ بتا دیا تھا۔ تو اب اس میں اعتراض کرنے یا پریشان ہونے کی مجھے کیا ضرورت ہے؟" ان کے ہونٹوں پہ ایک دلکش مسکراہٹ تھی جو ہر گز بناوٹی نہیں لگ رہی تھی۔

"یہ سب تو ٹھیک ہے مگر بات تب چلتا ہے جب شوہر کو دوسری عورت کے ساتھ شیئر کرنا پڑتا ہے۔" اس کے لہجے میں اداسی تھی۔

"یہ صرف ہماری سوچ ہوتی ہے ڈیر! ورنہ تو ہمارا مذہب بھی مرد کو چار شادیوں کی اجازت دیتا ہے۔ خود ہمارے پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی مثال ہمارے سامنے ہے۔" انہوں نے اترا "انگلیاں آنکھوں سے لگائی تھیں۔

"ہاں' یہ بات ضرور ہے کہ مرد ناانصافی نہ کرے۔ دونوں کو بلکہ سب کو برابری کا درجہ دے۔ ان کی تمام جائز خواہشات کی تکمیل کرے۔ کسی کو دوسرے سے کمتر جان کر اس کی ہتک نہ کرے۔"

جگن کو ایسا لگا جیسے مسز ریحان پیدائشی مسلمان ہوں اور وہ ابھی ابھی کلمہ پڑھ کر مسلمان ہوئی ہو۔ مسز ریحان کی باتیں اس کے دل میں گڑ رہی تھیں۔

"اللہ کی مرضی میں ہی مصلحت ہوتی ہے۔ پھر دنیا کا ہر کام تو ویسا نہیں ہو سکتا' جیسا ہم چاہتے ہیں' بلکہ ہوتا تو وہی ہے جو ہمارا پروردگار چاہتا ہے' تو کیوں نہ ہم اپنے رب کی مرضی کو ہی اپنی مرضی مان لیں..... یقین کرو ڈیر! اس سے زندگی آسان ہو جاتی ہے۔"

اس دن وہ شام تک بیٹھی مسز ریحان سے باتیں کرتی رہی تھی۔ اس نے انہیں اپنے متعلق سب کچھ بتا دیا تھا اور ان کے پاس سے اٹھنے تک ان کے قیمتی مشوروں کی روشنی میں وہ نہایت اہم فیصلہ کر چکی تھی۔

☼ ☼ ☼

گھر آکے اس نے فوراً" اپنا موبائل چیک کیا۔ رضا کی اکیس مسڈ کالز تھیں اور ان گنت میسجز بھی۔ اس نے آرام سے بیٹھ کے سارے پیغامات پڑھے۔ پیغامات اور تمام مسڈ کالز اسی وقت دی گئی تھیں' جب رضا زریں کے پاس سے ہو کر اس کے پاس آتا تھا۔ مطلب..... اس کے نہ ہونے کے باوجود رضا نے تمام وقت زریں کو دینا گوارا نہ کیا تھا بلکہ پل پل اسے ہی یاد کیا تھا۔ کیا کیا جذبات نہیں تھے اس کے پیغامات میں۔ کتنی منتیں تھیں۔ کتنا مان تھا' رضا کے لکھے گئے ایک ایک لفظ میں۔ اس کی آنکھیں نمکین پانی سے بھرنے لگیں۔

اس نے آنکھیں صاف کرکے فوراً" ہی رضا کا نمبر ڈائل کیا۔ دوسری بیل پہ ہی کال ریسیو کر لی گئی تھی۔

"جگن!" اس کی آواز سے بے تابی چھلک رہی تھی۔

"میں آرہی ہوں..... میں واپس آرہی ہوں رضا!" اس نے بھیگے لہجے میں کہا تھا اور دوسری طرف تو جیسے بہار آگئی تھی۔ رضا بہت پرجوش ہوا تھا۔

"میں خود آتا ہوں تمہیں لینے۔ بلکہ کل کی فلائیٹ سے ہی آرہا ہوں۔ ہم یہ نیو ایئر نائٹ وہیں منائیں گے۔" اس کے لہجے میں جوش تھا۔

"اور پتا ہے جگن! ہم دونوں ماں باپ بننے والے ہیں۔" جگن نے یہ بتانا ضروری نہیں سمجھا کہ وہ یہ پیغام اس کے بھیجے ہوئے ایس ایم ایس میں پڑھ چکی ہے۔ اسے خوشی محسوس ہوئی تھی۔

"نہیں رضا! تم زریں کا خیال کرو۔ میں خود ہی واپس آجاؤں گی۔ ہم اس دفعہ یہ نیا سال پاکستان میں ہی منائیں گے۔" اس کی آواز جوش و جذبات سے کپکپا سی گئی۔ رضا نے اسے بہت سی تاکیدیں کرتے ہوئے فون بند کر دیا تھا۔ اس نے فون سائیڈ ٹیبل پر رکھا اور وضو کرنے باتھ روم کی طرف بڑھ گئی۔

اسے اپنے رب کا شکر بھی تو ادا کرنا تھا کہ اسے دیر نہیں ہوئی اور وہ قانون قدرت کو سمجھ گئی۔ اس نے اللہ کی مرضی کو اپنی مرضی مان لیا تھا۔ سو اس کی تمام مشکلات آسان ہوئی ہی تھیں۔

☼

www.Paksociety.com

سمیرا گل

زرد موسم کا پہلا پھول

"اٹھ جاؤ سلوی اور کتنا سوؤ گی۔"

عنوی نے پردے ہٹاتے ہوئے کشن اس کی جانب اچھالا جو اس کے سر سے ٹکرا کر زمین بوس ہو چکا تھا۔ کھڑکی سے چھن کر آتی سورج کی تیز شعاعیں اس کی خمار آلود آنکھوں میں چبھنے لگی تھیں۔

"کیا تکلیف ہے تمہیں؟" چادر منہ سے ہٹا کر وہ غرا اٹھی۔

"مجھے...؟ شکر ہے اللہ کا کہیں کوئی تکلیف نہیں

ناولٹ

ہے۔" عنوی نے ہر جانب سے خود کو ٹٹولنے کے بعد انتہائی تشکر آمیز لہجے میں جواب دیا تھا۔

"تو یہ آفتاب کی مانند صبح سویرے میرے سر پر نازل ہونا ضروری تھا کیا؟ اس کم بخت کو بھی اتنے سویرے ہی اپنا دیدار کروانا ہوتا ہے۔" اس نے قہربار نظروں سے چمکتے سورج کو دیکھا جو اس کے بیڈ روم کے بالکل سامنے کھڑکی کے وسط سے طلوع ہو کر ابھرتا تھا۔ آفتاب نے اس بیزاری پر برا سا منہ بناتے ہوئے بادلوں کی چادر اوڑھ لی۔

"صبح سویرے۔" عنوی کی آنکھیں پھیل گئیں۔

"آٹھ گھنٹے پورے ہونے سے قبل تو ہرگز نہیں اٹھوں گی۔" اعلانیہ انداز میں کہتے ہوئے وہ دوبارہ چادر میں غروب ہو گئی۔

"ایک تو یہ بیوٹیشن کے مشورے... کس کم بخت نے بتا دیا اسے کہ آٹھ گھنٹے نیند لینے سے آپ کی بیوٹی پر کوئی آنچ نہیں آتی۔" وہ بڑبڑاتے ہوئے پھر سے اس کے سر پر آن کھڑی ہوئی تھی۔

"سلوی۔" اس نے جھک کر اسے جھنجھوڑ ڈالا۔

"پھوپھو آ رہی ہیں دس بجے کی فلائیٹ سے۔ تم ایئرپورٹ ریسیو کرنے نہیں جاؤ گی؟"

"گھر ہی آئیں گی نا...! تو مل لوں گی۔" وہ آنکھیں بند کیے ہوئے بولی۔

"دشمن کو کتنا برا لگے گا اگر تم نہیں جاؤ گی تو۔" اس نے پھر بھی ہمت نہیں ہاری تھی۔ وہ اصل میں مما کے موڈ سے خائف تھی۔

"ہاں تو اسے برا لگے گا۔ تمہیں کیا مسئلہ ہے؟"

اس نے پھر سے کروٹ بدل لی اور کانوں پر تکیہ رکھ لیا۔
"مروتم۔" وہ پاؤں پٹختے ہوئے باہر چلی گئی۔
لاؤنج میں مما جانے کو بالکل تیار کھڑی تھیں۔ بابا ہاتھ میں ٹائی لیے اپنے بیڈ روم سے برآمد ہوئے۔
"سلویٰ نہیں اٹھی؟" مما نے اسے اکیلا آتے دیکھ کر استفسار کیا تو اس نے مایوسی سے نفی میں گردن ہلا دی۔
"اس لڑکی کو بھی موقعے کی نزاکت کا کبھی خیال نہیں آتا۔ رات کو میں نے کہا بھی تھا کہ صبح وقت پر تیار ہو جانا۔" مما کو حسب معمول تپ چڑھی تھی۔
"جب وہ سو رہی ہے تو اس کی نیند خراب کرنے کی کیا ضرورت ہے۔" بابا نے ٹائی مما کو تھماتے ہوئے فوراً اپنی لاڈلی کی سائیڈ لی، جس پر مما کا پارہ آسمان کو چھونے لگا تھا۔
"سب آپ کا قصور ہے۔ آپ کی اس ڈھیل نے ہی بگاڑا ہے اسے۔" ٹائی کی گرہ لگاتے ہوئے مما نے انہیں موردِ الزام ٹھہرایا تو وہ ذرا سا ان کی جانب جھکتے ہوئے شرارت سے بولے۔
"اور تمہیں کس نے بگاڑا ہے؟" بس اتنے میں ہی مما کا چہرہ خجالت سے سرخ پڑ گیا تھا۔ انہوں نے جھینپتے ہوئے رخ موڑ لیا تھا۔
عنویٰ اور فاروق حسن اس ادا پر قہقہہ لگا کر ہنس پڑے۔
آج بھی ان کی مما، بابا کے کسی بھی ذو معنی جملے یا پھر شرارتی نگاہوں پر بلش ہو جاتی تھیں۔ بابا ان کے رخساروں کی یہ سرخی دیکھنے کے شوق میں ان دونوں کا بھی لحاظ نہیں کرتے تھے اور جب مما ان کی موجودگی کا احساس دلاتیں تو وہ معصومیت سے دریافت کرتے۔
"کیوں بچو! آپ کو کوئی اعتراض ہے؟"
"نو بابا! آپ اپنے ڈائیلاگز جاری رکھیے۔" سلویٰ فراخ دلی سے اجازت دیتی تو کبھی مما اسے جھاڑ دیتیں یا پھر اٹھ کر ہی چلی جاتیں۔

☼ ☼ ☼

گیارہ بجے کے قریب جب وہ اٹھ کر نیچے آئی تو پورے گھر میں سناٹا چھایا ہوا تھا۔
ناشتے کرنے کے بعد وہ پودوں کی کانٹ چھانٹ کرنے لان میں چلی آئی۔ سی ڈی پلیئر پر مہدی حسن کی غزل "زندگی میں تو سبھی پیار کیا کرتے ہیں" اس کی اور امن کی آل ٹائم فیورٹ گونج رہی تھی۔
کچھ ہی وقت گزرا ہو گا، جب اس نے بابا کی گاڑی کو پورچ میں رکتے دیکھا۔ ثمن نے گاڑی سے نکلتے ہی اس کی جانب دوڑ لگا دی تھی۔
"بہت بدتمیز ہو تم! اتنا ویٹ کیا تھا تمہارا۔ امن تو جہاز سے نکلتے ہی سب سے پہلے تمہیں دیکھنا چاہتا تھا اور تم سنگدل، مغرور، بے مروّت لڑکی۔" والہانہ انداز میں اسے ساتھ لپٹانے اس کے رخسار چومنے کے بعد اب وہ باقاعدہ صلواتوں پر اتر آئی تھی۔
وہ کان لپیٹتے ہوئے پھوپھو سے ملنے لگی، مگر نظریں ان کے عقب میں سرگرداں تھیں۔ مما، بابا اور عنویٰ بھی گاڑی سے نکل آئے تھے اور پیچھے تو کوئی بھی نہیں تھا۔
"امن نہیں آیا؟" اس کے لبوں سے بے ساختہ پھسلا۔
"وہ کہہ رہا تھا، سلویٰ ہمیں لینے نہیں آئی تو میں بھی بن بلائے مہمان کی طرح ان کے گھر نہیں جاؤں گا۔" ثمن کی شرارت وہ خوب سمجھتی تھی مگر اس وقت اس کے چہرے پر سنجیدگی کی جو گہری چھاپ نمایاں تھی اس پر اسے ایمان لانا پڑا۔
"یہ بھلا کیا بات ہوئی؟ آپ کے استقبال کے لیے کسی کو گھر میں بھی تو رہنا تھا۔"
"نہیں بیٹا! وہ خفا تو نہیں ہوا، بس کہہ رہا تھا، پہلے اپنا گھر دیکھوں گا۔ تھوڑی دیر ریسٹ کروں گا۔ ملنے ملانے کا سلسلہ بعد میں دیکھا جائے گا۔" پھوپھو نے جلدی سے بیٹے کی صفائی پیش کی۔
"ریسٹ تو اک بہانہ تھا، ورنہ وہ کیا مریخ سے آیا ہے۔" ثمن پھر اس کے کان میں گھسی۔
"ہاں تو مجھے کیا۔" وہ بے نیازی سے شانے اچکا کر واش روم میں چلی آئی۔
منہ ہاتھ دھو کر کپڑے تبدیل کیے مگر اس کا دھیان ہنوز امن میں الجھا ہوا تھا۔ جس بندے نے اس سے زندگی میں کبھی حال احوال سے زیادہ بات نہ کی تھی وہ محض اس کے نہ آنے پر اتنا خفا کیوں ہوا تھا۔
"تو کیا اس کے لیے بھی میں اتنی ہی خاص ہوں جتنا وہ...." عنویٰ نے آکر اس کے خیالوں کا تسلسل توڑ دیا۔
"سلویٰ کی بچی! اگر بناؤ سنگھار سے فرصت مل گئی ہو تو کچن میں آجاؤ۔ بہت کام ہے۔" وہ کہہ کر الٹے قدموں واپس مڑ گئی تھی۔
اس نے مسکرا کر شانوں پر دوپٹہ پھیلایا اور نیچے چلی آئی۔
لنچ خوشگوار ماحول میں کیا گیا تھا۔ اس کے بعد پھوپھو اور ثمن چلی گئیں۔ مما نے امن کے لیے کھانا ساتھ ہی بھیج دیا تھا۔ ان کے جانے کے بعد وہ کتابیں اٹھا کر اسٹڈی روم میں چلی آئی۔ وہ پری میڈیکل کی اسٹوڈنٹ تھی اور اسے ڈاکٹر بنانا مما اور بابا دونوں کا خواب تھا۔ جس کے لیے وہ خوب محنت کر رہی تھی۔
شام میں اسے اکیڈمی جانا تھا وہاں سے واپسی پر آٹھ بج گئے تھے۔ گاڑی سے اتر کر وہ اپنے گیٹ کی جانب بڑھنے والی تھی جب اس کی نگاہ غیر ارادی طور پر ساتھ والوں کے ٹیرس کی جانب اٹھ گئی۔
وہ ریلنگ پر دونوں کہنیاں ٹکائے اسے ہی دیکھ رہا تھا۔ نظروں کے تصادم پر وہ ہلکا سا مسکرائی تھی جس پر وہ لب بھینچتے ہوئے رخ موڑ گیا تھا۔
"لگتا ہے موصوف کافی روٹھے ہوئے ہیں۔" وہ خود کلامی کرتی، کہتی ہوئی کھلے گیٹ سے اندر داخل ہو گئی۔
"امن تو جہاز سے نکلتے ہی سب سے پہلے تمہیں دیکھنا چاہتا تھا۔" رات سونے سے قبل ثمن کی بات یاد آنے پر وہ عجیب الجھن میں پڑ گئی تھی۔
یہ بات تو اس سے ایک روز قبل چیٹنگ کے دوران ثمن نے کہی تھی، پھر یہ امن کہاں سے آگیا بیچ میں.....
اس نے اٹھ کر کمپیوٹر آن کر لیا۔ وہاں ثمن کی ایک میل بھی آئی ہوئی تھی اس نے لفظوں کو غور سے پڑھا۔
"ایئرپورٹ لینے ضرور آنا۔ میں چاہتی ہوں سب سے پہلے تمہیں دیکھوں۔" اس نے کوئی دس بار اس میل کو پڑھا تھا، لیکن "چاہتی" کو "چاہتا" میں بدلتے نہ دیکھا تو دوبارہ بستر پر آکر لیٹ گئی۔ کچھ بھی تھا، لیکن امن جیسے لیے دیے رہنے والے بندے کی زندگی میں اپنی اہمیت کا اتنا احساس اس کے دل کی تمام کلیاں کھلا گیا تھا۔

☼ ☼ ☼

اگلے روز عنویٰ نے کھیر بنائی تھی۔ مما نے ڈونگا بھر کر اسے تھما دیا۔
"جاؤ! اپنی پھوپھو کو دے آؤ۔"
وہ تو پہلے سے ہی "امن لاج" جانے کا سوچ رہی تھی۔ یہ اچھا بہانہ مل گیا تھا، ورنہ ثمن تو اس کا ناک میں دم کر دیتی کہ وہ خاص طور پر امن سے ملنے آئی ہے۔
"سلو خالہ آگئیں۔" لاؤنج میں قدم رکھتے ہی زیب اور ایمان چہکتے ہوئے اس کی ٹانگوں سے چمٹ گئے تھے۔
"شکر ہے یار! تم آگئی ہو، ورنہ تو ان بچوں نے خوب اودھم مچا رکھا تھا کہ سلو خالہ کے پاس چھوڑ کر آؤ۔" ثمن نے دونوں بچوں کو گھورتے ہوئے سلویٰ سے کہا۔ وہ بچوں کی سگی خالہ تھی اور بچے اسے ذرا بھی لفٹ نہیں کروا رہے تھے۔ اس بات نے اسے اچھا خاصا تپا دیا تھا۔
"کتنی بار منع کیا ہے کہ خالہ کے ساتھ یہ "سلو" کا دم چھلا مت لگایا کرو۔ توبہ! لگتا ہے جیسے ہوٹل میں کسی ویٹر کو بلا رہے ہو "سلو"" وہ ان کی نقل اتارتے ہوئے جھلا کر بولی، جس پر ثمن اور امن کا قہقہہ بے ساختہ تھا۔
"ثمرین باجی آئی ہیں؟" صوفے پر بیٹھتے ہوئے اس نے ثمن سے استفسار کیا۔ امن کو وہ پھر نظر انداز کر گئی

www.Paksociety.com

www.Paksociety.com

تھی، جس پر وہ لاتعلق سا ہو کر منہ کے سامنے اخبار پھیلا کر بیٹھ گیا۔ اسے بھی شاید یاد آچکا تھا کہ وہ اس سے خفا ہے۔ سلویٰ دل میں اس کی حالت پر اچھا خاصا محظوظ ہوئی تھی۔

"ہاں۔ وہ اور امی بازار گئی ہیں۔ تم تو جانتی ہو ثمرین باجی کی شاپنگ۔ اب شام ڈھلے ہی واپسی ہوگی۔" وہ باؤل اٹھا کر انگلی سے کھیر چکھتے ہوئے بولی۔

"ایسا پہلی بار ہوا ہے کہ ثمرین باجی پہلے ہمارے گھر آنے کے بجائے تم لوگوں کے گھر آئی ہیں۔" اسے ثمرین باجی سے اس قدر طوطا چشمی کی توقع نہیں تھی کہ اپنے بہن بھائی کے آتے ہی وہ انہیں بھول جائیں گی۔

"اور اب تو ایسا ہر بار ہی ہوگا۔" وہ اسے چڑانے کو بولی۔ بچوں نے اب کھیر کھانے کا شور مچا دیا تھا۔ وہ انہیں لے کر کچن میں چلی گئی تو سلویٰ نے روئے سخن امن کی جانب موڑا۔

"تم کیسے ہو امن؟" وہ اس سے پانچ سال بڑا تھا لیکن سلویٰ نے آپ جناب کہنے کی زحمت کبھی نہیں کی تھی۔

"آپ کو خیال آگیا؟" وہ طنزیہ بولا۔

"خیالوں میں ہی تو جی رہی تھی اب تک۔" وہ محض سوچ ہی سکی۔ کہنے کی جرات نہیں تھی۔

"خفا ہو؟" اسے دوبارہ چہرے پر اخبار پھیلاتے دیکھ کر وہ دھیمے لہجے میں بولی تو وہ اخبار رکھ کر سیدھا ہو بیٹھا۔

"ہاں، ہوں۔"

"تو مجھے منانے کا ہنر نہیں آتا۔ تم میری سزا بتا دو۔" وہ انگلیاں چٹخاتے ہوئے گویا ہوئی۔

"اچھا۔" وہ سر کے پیچھے ہاتھ لے جا کر سوچتے ہوئے بولا۔

"تمہاری سزا یہ ہے کہ تم آج ڈنر ہمارے ساتھ کرو گی۔"

"ارے واہ! یہ تو بڑی خوب صورت سزا ہے۔" وہ اطمینان سے صوفے پر پھیل کر بیٹھ گئی۔

"کیا پکاؤں آج؟" ثمن نے دونوں کی جانب رائے طلب نظروں سے دیکھا۔

"سلویٰ کو بریانی اور چکن شاشلک بہت پسند ہے۔ ونیلا آئس کریم کے بغیر اسے کھانے کی میز مکمل نہیں لگتی اور سیلڈ میں ہری مرچیں ضرور ہونی چاہئیں اور ......" وہ بولے جا رہا تھا اور سلویٰ منہ کھولے حیرت بھری نظروں سے اسے دیکھ رہی تھی۔

"بھئی! آج یہ ہماری مہمان ہیں تو مینو بھی ان کی پسند کا ہونا چاہیے۔" ثمن اپنا دو من کا سر ہلا کر کچن میں سدھار چکی تھی۔ سلویٰ اٹھ کر اس کے سر پر آن کھڑی ہوئی۔

"امن کو یہ ساری باتیں تم نے بتائی ہیں؟" اس کا انداز تفتیشی تھا۔

"میں نے نہیں، تم نے۔" اس کا اطمینان قابل دید تھا۔

"میں نے؟" اس نے انگلی سے اپنی جانب اشارہ کیا۔

"جی! وہ ٹیکسٹ پر چیٹنگ میں نہیں، امن کیا کرتا تھا۔" بمشکل اپنی ہنسی ضبط کرتے ہوئے اس نے گویا اس کے سر پر بم بلاسٹ کیا تھا۔

"میں تم سے کبھی بات نہیں کروں گی۔" اس کھلی دغا بازی پر وہ تن فن کرتی اپنے گھر چلی آئی تھی اور پھر رات دیر تک اس کا دماغ کھولتا رہا تھا۔

✲ ✲ ✲

"کتنا سکون تھا زندگی میں... میری تنہائی، اکیلا پن اور یہ خالی اپارٹمنٹ میرے ہم سفر تھے۔ اور میں ان سب کے ساتھ آسودہ تھا۔ مگر تم نے دھڑکنوں میں ہلچل مچا کر میری ذات کو طوفان کی نذر کر دیا ہے۔" وہ ٹیرس پر کھڑا تصویر سے باتیں کر رہا تھا۔

کیا تھی وہ؟
چاندنی میں ڈھلا پیکر
سبک رواں ندی......
باد نسیم کا کوئی معطر جھونکا
سنگ مرمر کی مورت......

یا پھر کوئی شوخ دھنک۔

اس تصویر میں اس نے سندھی کڑھائی اور شیشوں کے کام سے مزین میرون رنگ کا گھیردار فراک پہن رکھا تھا۔ سر پر شیشوں والی ٹوپی تھی۔ کانوں میں میرون نگوں والے بڑے بڑے آویزے، بازوؤں میں بھری بھری چوڑیاں، گود میں سفید اونی بالوں والا میمنا اٹھا رکھا تھا۔ ہنستے ہوئے اس کے سرخ گالوں میں پڑنے والے گڑھے بے حد واضح تھے۔ سیاہ کالی آنکھوں میں عجیب سی چمک تھی۔

اس تصویر کو دیکھتے ہی وہ سلونی شام اپنے تمام تر رنگوں سمیت اس کی آنکھوں میں اتر آئی تھی اور وہ دور کہیں وادی کیلاش میں کھو سا جاتا تھا۔

چھ ماہ قبل کی بات تھی۔ وہ دوستوں کے ساتھ شمالی علاقہ جات کی سیر کو گیا تھا۔ اس کے دوست کیبل کار میں بیٹھے جھولا لے رہے تھے اور وہ وادیوں کا حسن مقید کرنے کے لیے آبادی سے بہت دور نکل آیا تھا۔ تبھی اس نے اس حسین دوشیزہ کو ایک میمنے کے پیچھے بھاگتے ہوئے دیکھا تھا۔ اس نے مدد کرنے کا سوچا اور میمنے پکڑ کر اس کے قریب چلا آیا۔ لڑکی کی سانسیں ابھی تک پھولی ہوئی تھیں۔

"یہ سارا ریوڑ تمہارا ہے؟" اس نے گھاس چرتی خوب صورت پہاڑی بکریوں کی جانب اشارہ کرتے ہوئے پوچھا تھا۔ جس پر وہ قہقہہ لگا کر ہنسی تھی اور ارسل کو اس کے ساتھ بلبل، پہاڑ، جھرنے، پھول، ہوا، رنگ، بادل، تتلی ہر شے کھلکھلاتی ہوئی محسوس ہوئی تھی۔

"میں کوئی پہاڑن تو نہیں ہوں۔ یہ لباس تو میں نے پورٹریٹ بنوانے کے لیے پہنا ہے۔" اپنے حلیے کی وضاحت کرنے کے بعد اس نے میمنا اس کی گود سے لے لیا۔

ارسل کو دور کھڑی وہ مصورہ دکھائی دے گئی تھی جو اس کا پورٹریٹ بنا رہی تھی۔

"لگتا ہے آپ فوٹو گرافر ہیں۔ اس گیٹ اپ میں میری تصویر اچھی تو بن جائے گی نا۔" وہ اس کے ہاتھ

میں کیمرہ دیکھ کر معصومیت سے بولی اور اس کا دل اس بھولپن پر نثار ہونے کو چاہا تھا۔

وہ کتنی حسین تھی۔ کیا اسے کبھی کسی نے نہیں بتایا تھا۔ آئینے نے بھی نہیں۔

"اتنی اچھی کہ اب تو میرا دل بھی چاہنے لگا ہے کہ میں تمہاری ایک تصویر اتار لوں۔ تم قدرتی حسن کا شاہکار ہو۔" وہ مسکرا کر بولا۔

"سنو مسٹر! تم کیا مجھ سے فلرٹ کرنے کی کوشش کر رہے ہو؟" وہ خوش ہونے کی بجائے فوراً" سیخ پا ہو گئی تھی۔

"نہیں، میں نے تو بس اللہ کی قدرت کا اعتراف کیا ہے۔" وہ کانوں کو ہاتھ لگا کر بولا۔

اس پر ایک خفگی بھری نگاہ ڈال کر واپس پلٹ گئی۔

"جانتی ہو، پہلی نظر میں تم مجھے اتنی خاص نہیں لگی تھیں، پھر تمہاری بچگانہ سی معصومیت اور سیاہ کالی آنکھوں نے میرا دل لوٹ لیا تھا۔ آج بھی مجھے اس ہنسی سے میٹھی کوئی دھن نہیں لگتی۔ تمہاری ریشمی زلفیں مجھے پریشان کرتی ہیں اور تمہارے ہونٹوں کا سیاہ تل میرا قرار لوٹ لیتا ہے۔ میں تمہیں اب مجسم دیکھنا چاہتا ہوں۔" اس کا ایک ایک نقش کھوجتے ہوئے وہ بے خود سا ہو چلا تھا۔

☼ ☼ ☼

"تم اپنے خرگوش پنجرے میں بند کر کے نہیں رکھ سکتیں۔" اندر کی کھولن کہیں پر تو نکالنی تھی۔ لان میں دندناتے خرگوشوں کو دیکھ کر اس کا پارہ چڑھ گیا تھا۔

"ہائیں! یہ ظلم میں کیوں کروں؟ تمہارا کیا بگاڑتے ہیں؟" عنویٰ نے محبت پاش نظروں سے اچھلتے کودتے خرگوشوں کو دیکھا۔ ایمان اور زیب ان کے پیچھے بھاگتے بے حد خوش ہو رہے تھے۔

"میرے لان کا بیڑا غرق کر دیا ہے ان منحوسوں نے۔" اس نے غصے میں کپ اٹھا کر خرگوش کی جانب اچھالا تھا جو منی پلانٹ کی بیلوں سے الجھ رہا تھا۔

"خالہ! مت مارو مجھے اچھے لگتے ہیں۔" ایمان نے منہ بسورا۔

"اتنے ہی اچھے لگتے ہیں تو اپنے گھر لے جاؤ۔"

اس قدر فیاضی پر عنویٰ نے کھا جانے والی نظروں سے سلویٰ کو دیکھا تھا جبکہ بچوں کی آنکھوں میں مارے اشتیاق کے جگنو چمکنے لگے تھے۔

"سچی عنو خالہ؟" ایمان اس کا ہاتھ تھامے پوچھ رہی تھی۔

"میں ان کا بہت خیال رکھوں گا۔ انہی چاکلیٹ اور آئس کریم بھی کھلاؤں گا۔" زیب نے پلکیں جھپکاتے ہوئے مکمل اطمینان دلانے کی کوشش کی تھی۔

"آپ جب اداس ہو جائیں گی تو ہم بابا کے ساتھ گاڑی میں بیٹھ کر آپ سے ملوانے بھی لایا کریں گے۔" ایمان نے اس کی رنجیدگی محسوس کر کے وعدہ کیا تو بے اختیار سلویٰ کی ہنسی نکل گئی، جسے ثمن کو آتے دیکھ کر اس نے نہ صرف سمیٹ لیا تھا بلکہ کھٹ کھٹ کرتی سیڑھیاں بھی چڑھ گئی تھی۔ وہ کچھ دیر عنویٰ کے پاس بیٹھ کر اس کے پیچھے چلی آئی۔

"اب کب تک منہ پھلائے رکھو گی؟" کھڑکی میں کھڑی سلویٰ کے گلے میں اس نے بازو ڈال دیا تھا۔

"جب تک میرا دل چاہے گا۔" وہ اس کا بازو شانے سے ہٹا کر شان بے نیازی سے بستر پر آ بیٹھی۔

"کیا بات ہے محترمہ کے دل کی۔ ایسا کرو دل سے دن، تاریخ، مہینہ، سال اور وقت پوچھ کر بتا دو، پھر میں اس روز تشریف لاؤں گی۔"

"شرم تو نہیں آتی تمہیں۔" وہ پھاڑ کھانے کو دوڑی۔

"بہت آتی ہے لیکن صرف ہادی کے سامنے۔" اس نے سادگی سے بتایا۔ ہادی اس کا منگیتر تھا۔ سلویٰ نے دانت پیستے ہوئے رخ موڑ لیا۔

"دن رات تو تم نے میرا ناطقہ بند کر رکھا تھا۔ ہر وقت تمہاری سوئی بس امن کے گرد گھوما کرتی تھی۔ امن نے آج کیا کھایا ہے۔ اس نے کس رنگ کی شرٹ پہنی ہے۔ وہ کیسا لگ رہا ہے اس کے کتنے فرینڈز ہیں۔ اس کی کیا ایکٹیویٹیز ہیں اور....."

"اور تم نے اسے سب بتا دیا؟" وہ اس کی بات کاٹ کر غرائی، ورنہ یہ فہرست تو ابھی بہت طویل تھی۔

"نہیں، میں نے اسے اپنا آئی ڈی دے کر کہا تھا "پلیز بھائی! میری اس مصیبت سے جان چھڑا دو۔" وہ شرارتی انداز میں کہتی بیڈ سے اٹھ کھڑی ہوئی تھی اور حفظ ماتقدم کے طور پر دونوں تکیے اپنی تحویل میں لے لیے تھے۔

☼ ☼ ☼

"جانے کیا بکواس کرتی رہی ہوں میں امن سے۔ دل بنا کر ہمیشہ اپنا اور اس کا نام لکھتی تھی۔ اف! اس قدر احمقانہ حرکتیں کی ہیں میں نے..... کھلا ڈھلا اظہار محبت..... کوئی ایک جذبہ بھی تو اس سے پوشیدہ نہیں رہا۔" پودوں کو پانی دیتے ہوئے وہ مسلسل خود کو ملامت کر رہی تھی۔ جب وہ اچانک اس کے پاس آن کھڑا ہوا تھا۔

"کیا تمہیں میرا، تمہارے بارے میں جاننا اچھا نہیں لگا؟"

وہ کوئی جواب دیے بغیر پودوں کو نہلانے میں لگی ہوئی تھی۔ انداز ایسا تھا جیسے جواب دینے کے لیے بھی وقت نہ ہو یا پھر اس کی بات سنی ہی نہ ہو۔ اسے امن پر بھی غصہ تھا۔ کم از کم اسے تو یہ حرکت نہیں کرنی چاہیے تھی۔ بندے کی کوئی اپنی ذاتیات بھی ہوتی ہیں۔

"دور تھا تو ہر پل میرا خیال تھا۔ اب پاس ہوں تو کوئی لفٹ ہی نہیں۔" اب کی بار اس کی آواز میں ہلکی سی برہمی بھی جھلکنے لگی تھی۔ اپنا نظر انداز کیا جانا اسے شاید بہت ناگوار گزرا تھا۔

مگر سلویٰ ہنوز اپنے کام میں مگن رہی تو اس نے گلاب کا وہ ننھا پودا جس کے پتے کو وہ بڑی ملائمت سے دھو رہی تھی، جڑ سے اکھاڑ کر پھینک دیا تھا۔ اس کوشش میں کتنے ہی کانٹے اس کی ہتھیلی کو فگار کرتے گزر گئے تھے اور اب وہاں خون کی ننھی منی بوندیں دمک رہی تھیں۔ سلویٰ اس قدر شدید رد عمل پر ششدر سی رہ گئی تھی۔

"یہ کیا حماقت ہے؟" اس نے تاسف بھری نظروں سے گھورا۔

"یہ حماقت نہیں محبت ہے۔ مجھ پر اگر تم کسی شے کو اہمیت دو گی تو وہ میرے لیے ناقابل برداشت ہو گی۔" ہتھیلی سے کانٹے نکالتے ہوئے وہ اطمینان سے بولا۔

"تم پودوں سے جیلس ہو رہے ہو؟" وہ حیرت زدہ سی گویا ہوئی۔

"میں تو تمہیں چھو کر گزرنے والی ہوا سے بھی جیلس ہو جاتا ہوں۔"

"اور اگر میرا کوئی بوائے فرینڈ ہوا تو؟" وہ شرارت سے بولی۔

"تو میں اس کی جان نکال دوں گا۔" اب وہ ہاتھ پر رومال باندھ رہا تھا مگر اس کے لہجے کی ہولناکی سلویٰ کا دل دہلا گئی تھی۔

"ہائے امن! پہلے تو تم ایسے نہیں تھے۔"

"پہلے کب؟" اس نے الٹا سوال پوچھا تو وہ سوچنے لگی۔

پھوپھو کی فیملی اس کے بچپن سے ہی — جدہ میں مقیم تھی، البتہ گرمیوں کی چھٹیاں وہ لوگ لاہور میں ان کے گھر گزارا کرتے تھے پھر وہ اس کا بچپن کا "منہ بولا منگیتر" بھی تھا۔

مما نے بتایا تھا کہ "جب تم چھوٹی تھی تو امن بس ایک ہی ضد کیا کرتا تھا کہ میں سلویٰ سے شادی کروں گا اور تمہاری پھوپھو نے ہنسی ہنسی میں تمہیں امن کے لیے مانگ لیا تھا۔" یہ قصہ تو وہ بچپن سے سنتی آ رہی تھی، لیکن وہ امن کے بارے میں کچھ زیادہ نہیں جانتی تھی وہ ہمیشہ اپنی دنیا میں مگن رہتا۔ ہمیشہ اسے اپنی پڑھائی اور اسپورٹس میں دلچسپی رہی تھی۔

"سب سے پہلے، جب مما نے تمہیں میرے لیے مانگا تھا، اس وقت تم دو ماہ کی تھیں۔ اب میں پانچ سال کی عمر میں ایک دو ماہ کی بچی کے ساتھ کیا اظہار محبت کرتا۔" وہ کہہ کر خود ہی ہنسا تھا سلویٰ نے مصنوعی خفگی

سے اسے گھورا تو وہ مزید گویا ہوا۔
"سترہ سال کی عمر میں مجھے تم سے دوسرا پیار ہوا تھا۔" بات کے اختتام پر اس نے سلویٰ کے تاثرات جانچنے چاہے۔ جو کہ خاصے خطرناک تھے۔
"دو بھئی پہلا بھی تم سے ہی ہوا تھا پانچ سال میں اور پھر دوسرا سترہ سال کی عمر میں اور اس وقت جب میں نے تمہیں بتانے کا سوچا تو پتا چلا تم ابھی محض بارہ سال کی ہو۔"
"امن! تم پٹ جاؤ گے میرے ہاتھوں۔" وہ اس کے پیچھے لپکی تھی اور امن لان کی جانب آتی ثمن کی اوٹ میں چھپ گیا لیکن اس کی گوہر افشانیاں اب بھی جاری تھیں۔
"اف خدا! کسی کو اتنی چھوٹی منگیتر بھی نہ دے کہ بندہ....." سلویٰ نے اب پائپ کا رخ اس کی جانب موڑ دیا تھا اور اگلے ہی پل تینوں لان میں بری طرح سے بھیگ رہے تھے۔

☼ ☼ ☼

"بھائی صاحب! میں چاہتی ہوں کہ سلویٰ کو انگوٹھی پہنا کر اس منہ زبانی بات پر رشتے کا ٹیگ لگا دوں۔" پھوپھو نے ہنستے ہوئے کہا تھا' جس پر بابا چونکتے ہوئے بولے۔
"کون سا رشتہ؟" مما نے اس اداکاری پر قدرے ترچھی نظروں سے انہیں گھورا تھا جس کی پروا نہ کرتے ہوئے وہ سنجیدگی سے گویا ہوئے۔
"دیکھو رفعت! وہ بچپن میں ہماری تمہاری بات جو بھی تھی میں نے اس پر کبھی غور نہیں کیا۔ اب سلویٰ کی مرضی جانے بغیر میں کوئی فیصلہ نہیں کر سکتا۔"
"تو ٹھیک ہے' ابھی سلویٰ کی مرضی دریافت کر کے آئیں۔ میں یہیں بیٹھی ہوں اور انگوٹھی پہنا کر ہی جاؤں گی۔" ان کا اطمینان بھی قابل دید تھا۔
"آپ بھی عجیب باتیں کرتے ہیں۔ اس میں سلویٰ کی مرضی کیا معلوم کرنی۔ ہم موجود ہیں ابھی اس کی زندگی کا فیصلہ کرنے کے لیے۔" مما اب بابا سے الجھنے لگی تھیں۔ وہ سیڑھیوں سے ہی واپس پلٹ گئی۔ یہ سب اسی کا کیا دھرا تھا۔
کل وہ پھوپھو کے گھر جا رہی تھی جب گیٹ پر اسے امن کسی دوست کے ساتھ کھڑا نظر آیا۔ وہ اس کی جانب دھیان دیے بغیر اندر چلی آئی تھی اور پھر اگلے ہی پل وہ دندناتا ہوا اس کے سر پر آن کھڑا ہوا تھا۔
"تمہارے پاس کوئی فل سلیو شرٹ نہیں ہے۔"
"کیا؟" وہ غیر متوقع بات پر بوکھلا کر رہ گئی۔
"میں نے فارسی میں نہیں پوچھا۔" اس نے دانت کچکچائے۔
"ہاں تو تم کون ہوتے ہو پوچھنے والے۔ میں کچھ بھی پہنوں۔" اس کا جارحانہ انداز سلویٰ کو بھی تپا گیا تھا۔
"تم میری منگیتر ہو۔" اس نے اپنے استحقاق کی وضاحت کر دی تو سلویٰ نے مزے سے اپنی مخروطی انگلیاں اس کے سامنے لہرائیں۔
"ایسے کسی بندھن کی ڈوری میرے ہاتھوں میں نہیں ہے۔" اس پر اپنا حق جتانا اسے اچھا لگ رہا تھا۔
"تم....." وہ کچھ کہتے کہتے رک گیا۔ "یہ جو دوپٹہ ہے نا' یہ سر پر اوڑھنے کے لیے ہوتا ہے۔ آئندہ یہ مجھے تمہارے گلے میں جھولتا نظر نہ آئے۔"
"اچھا تو موصوف مجھ پر رعب جمانے کے لیے انگوٹھی پہنا رہے ہیں۔" بالوں میں برش کرتے ہوئے وہ دل ہی دل میں مسکرائی۔ تب ہی دروازے پر دستک ہوئی تھی۔
آنے والی مما تھیں اور اسے پتا تھا وہ کیا پوچھنے آئی ہیں۔
"مما آپ کی اور بابا کی خوشی میں ہی میری خوشی ہے۔" وہ فلمی انداز میں کہتی ان سے لپٹ گئی تھی۔ مما نے اس کی مرضی جان کر بابا کو گرین سگنل دیا اور پھوپھو نے وہ نازک سی ڈائمنڈ رنگ اس کی انگلی میں سجا دی تھی۔ جسے پہن کر اسے ایک عجیب سے تحفظ کا احساس ہوا تھا جیسے وہ کسی حصار میں مقید ہو چکی ہو۔
"کیسا لگ رہا ہے نئے رشتے میں منسوب ہونا؟" شام میں اس کی کال آ گئی تھی۔

"نیا کہاں سے ہو گیا۔ یہ تو سالوں پرانا ہے۔" وہ تنگ کرنے کو بولی۔
"ہاں! پرانا تو ہے' پر سالوں نہیں' صدیوں پرانا..... ازل سے آسمانوں پر لکھا گیا تھا اور میں بہت خوش نصیب ہوں کہ جو چاہا اسے بغیر کسی رکاوٹ کے پا بھی لیا۔ تھینک گاڈ کہ ہمارے درمیان کوئی ظالم سماج نہیں تھا۔" وہ شاید بہت خوش تھا اور سلویٰ سرشار سی تاروں بھرے آسمان کو دیکھتے ہوئے بولی۔
"اچھا! اگر ظالم سماج ہوتا تو؟"
"تو پھر لوگ اکیسویں صدی کا مجنوں مجھے کہتے۔"

☼ ☼ ☼

دفتر سے نکلتے ہی اس نے عادل کو محو انتظار پایا تھا۔
"اچھے دوست ہو تم! اتنے دنوں سے شکل ہی نہیں دکھائی۔ اماں بی بھی تمہیں یاد کر رہی تھیں۔ میں نے سوچا' آج تو آفس سے اٹھا کر لاؤں گا۔ محترم تو اپنے اپارٹمنٹ میں بھی نہیں ملتے۔ بس مجنوں ہو گئے ہیں۔ اب آوارہ گردی سے فرصت کہاں۔" ارسل کو دیکھتے ہی اس کی زبان فرفر چلنے لگی تھی وہ ایک گہرا سانس بھرتے ہوئے گاڑی میں آ بیٹھا۔
"طعنے تو تم عورتوں کی مانند دیتے ہو۔"
"کیا کروں یار! بیوی پر تو زور چلتا نہیں کبھی کبھی میں سوچتا ہوں کہ کاش خدا نے تمہیں لڑکی بنایا ہوتا اور پھر تم میری دوسری بیوی ہوتے۔ کتنے تحمل سے سب سن لیتے ہو۔" ارسل کی اس بے تکی حسرت پر بے ساختہ اچھل کر رہ گیا۔
"لڑکی ہوتا بھی تو تمہاری زوجیت میں آنا قطعاً گوارا نہ کرتا۔"
"کیوں؟ کیا کمی ہے مجھ میں؟" وہ سڑک کے عین وسط میں بریک لگاتے ہوئے بولا۔ جناب کو اپنی وجاہت پر کچھ زیادہ ہی بھروسا تھا۔
"مجھے بھابھی کے ساتھ بھرپور ہمدردی ہے۔" اس نے صاف آنکھیں بدل لیں۔
"بڑے طوطا چشم ہو۔ کیا وہ تمہیں بریانی بنا کر کھلاتی ہیں؟"
"نہیں یار! نہاری بہت اچھی بناتی ہیں۔" وہ قہقہہ لگا کر بولا تو عادل نے اسے مصنوعی خفگی سے گھورتے ہوئے گاڑی آگے بڑھا دی۔
"نہاری کے لیے دوست سے دغابازی۔"
"یار! میں کوئی لڑکی نہیں ہوں' ارسل ہوں۔ اب چھوڑ بھی دو جان۔" اس نے عاجزی سے ہاتھ جوڑے۔
"اچھا بتاؤ! بھابھی اور بچے آ گئے ہیں؟" وہ بات بدل گیا ورنہ عادل کو یونہی شوق تھا لمبی لمبی ہانکنے کا' حالانکہ اسے ثمرین سے قطعاً کوئی شکایت نہیں تھی۔
"ہاں! وہ تو کل شام ہی آ گئے تھے۔ یار مجھے تمہاری بے فکری اور آزادی پر رشک آتا ہے۔" وہ پھر پٹڑی سے اترنے لگا تھا ارسل نے گاڑی رکوا کر بچوں کے لیے آئس کریم پیک کروائی۔
"اس کی کیا ضرورت تھی؟"
"تمہارے لیے نہیں ہے۔" بچوں کے معاملے میں وہ اس کی کوئی بات نہیں سنتا تھا۔ کبھی ویک اینڈ پر انہیں گھمانے لے جاتا تھا تو کبھی ڈھیروں کے حساب سے شاپنگ کروا دیتا۔ دونوں کی دوستی مثالی تھی۔ اسکول کالج کے زمانے سے ساتھ تھے۔ بچے بھی اس سے بہت پیار کرتے تھے۔ انہیں لان میں کھیلتا دیکھ کر وہ بھی اسی جانب چلا آیا۔ عادل لباس تبدیل کرنے کی غرض سے اندر چلا گیا تھا۔
"سلو چاچا!" ایمان کے منہ سے بے ساختہ پھسلا تھا' پھر اس نے گھبرا کر لب بھینچ لیے۔
"کیا ہوا؟" ارسل نے تعجب سے پوچھا۔
"وہ سلویٰ خالہ ہیں نا' وہ سلو کہنے پر بہت خفا ہو جاتی ہیں۔ آپ کو برا تو نہیں لگا؟" آنکھیں پھیلا کر اس نے معصومیت سے پوچھا تو وہ بے ساختہ مسکرا دیا۔
سلو کے قصے وہ اکثر بچوں کے منہ سے سنا کرتا تھا۔ زیب کہتا تھا' وہ بڑا ہو کر سلو خالہ جیسی سائیکل چلائے گا اور ایمان کہتی تھی' وہ سلو خالہ جیسے بال لمبے کرے گی۔

www.Paksociety.com

"چاچو! میرے خرگوش۔" زیب دونوں خرگوش سنبھالے اس کے پاس چلا آیا تھا۔

"واؤ! یہ کہاں سے لیے؟" اس نے دلچسپی سے پوچھا۔

"یہ عنو خالہ کے تھے۔ سلو خالہ نے چوری سے اٹھا کر ہمیں دے دیے۔" ایمان نے مزے سے بتایا۔

"یہ سلو خالہ کے پلانٹس خراب کر دیتے تھے نا۔" زیب نے معلومات میں مزید اضافہ کیا۔ تب ہی ثمرین ہاتھ میں ٹرے اٹھائے چلی آئی تھی۔ پیچھے پیچھے عادل بھی تھا۔ اس کی توجہ بٹ گئی۔

"چلو بھاگو اپنے خرگوش لے کر۔" ثمرین نے دونوں کو گھورا تو وہ دوبارہ سے لان میں جا کر کھیلنے لگے۔

"بھابھی! آج مٹھائی کس خوشی میں؟" وہ چائے کا کپ اٹھاتے ہوئے بولا۔

"میرے بھائی کی انگیجمنٹ ہو گئی ہے۔" اس نے خوش ہو کر وجہ بتائی تو رسماً مبارکباد دینے کے بعد خاموش سا ہو گیا تھا۔

جانے کیوں وہ آج پھر بہت یاد آئی تھی۔

✿ ✿ ✿

"تمہارے ایگزامز تو ختم ہو چکے ہیں پھر اکیڈمی کیوں آ رہی ہو؟" بابا نے آج ڈرائیور نہیں بھیجا تھا تو امن اسے لینے آیا تھا۔ گاڑی موڑتے ہوئے اس نے سرسری سا دریافت کیا لیکن سلویٰ کے جواب نے اسے چونکا دیا تھا۔

"میں انٹری ٹیسٹ کی تیاری کر رہی ہوں۔"

"انٹری ٹیسٹ؟" اس نے بھنویں اچکائیں۔

"ہاں بھئی! مجھے ڈاکٹر جو بننا ہے۔" اس نے فخریہ کالر کھڑے کیے۔ امن کچھ لمحوں کے لیے بالکل خاموش سا ہو گیا تھا۔ وہ اس کے موڈ سے خائف ہو کر بولی۔

"کیا ہوا؟"

"میں اتنا لمبا انتظار نہیں کر سکتا اور پھر تمہیں ایم بی بی ایس کی ڈگری لے کر کیا کرنا ہے؟ جاب کرنے کی اجازت تو میں ہرگز نہیں دوں گا۔"

"امن!" وہ اس سے ایسی کسی پابندی کی توقع نہیں کر رہی تھی سو افسردہ ہونا یقینی تھا۔

"یار کل کو ہماری اپنی فیملی ہو گی۔ مجھے گھر اور بچوں کو تمہاری ضرورت ہو گی اور تم ہمیں نظرانداز کر کے غیروں کی مسیحائی کرو میں اس کے خلاف ہوں۔"

"بابا کو بہت شوق ہے کہ میں ڈاکٹر بنوں۔" وہ لب کاٹتے ہوئے بولی۔

"اور مجھے بہت شوق ہے کہ تم بس میرے گھر میں رہو۔"

"گھر...... تمہارا بس چلے تو تم مجھے صرف ایک کمرے تک محدود کر دو۔" اپنے حجاب پر نظر پڑتے ہی اس کا طیش عود کر آیا تھا۔

چند روز قبل امن نے اسے زندگی میں پہلی بار گفٹ دیا تھا۔ وہ بھی عبایا۔ ساتھ ہی کارڈ پر لکھا تھا۔

"دوپٹہ تم سے سنبھالا نہیں جاتا اس لیے عبایا بھیج رہا ہوں۔" اور وہ کتنی ہی دیر ساکت نظروں سے اس کو دیکھتی رہی تھی۔

"کمرہ بھی بہت بڑا ہے۔ میرا بس چلے تو میں تمہیں ایک الماری میں بند کر دوں۔" وہ ہنستے ہوئے بولا۔

"ہاں! جیسے میں موم کی گڑیا ہوں۔" وہ منہ پھلا کر رہ گئی۔

"اتنا مشکل لگتا ہے تمہیں میری بات ماننا؟" اب وہ جذباتیت پر اتر آیا تھا۔

"مذاق کر رہی تھی۔ اچھا آئس کریم کھائیں؟" وہ اس کا موڈ بحال کرنے کو بولی۔

"ہاں! لیکن گاڑی میں۔" یہ بھی ایک پابندی تھی۔

گھر آتے ہی پہلا سامنا عنویٰ سے ہوا جو لان کے چکر کاٹتی اس کا انتظار کر رہی تھی۔

"میرے خرگوش کہاں ہیں؟"

"جہنم میں جاؤ! تم اور تمہارے خرگوش۔" وہ دانت پیستے ہوئے اندر چلی آئی۔

"مما! دیکھ لیں اس نے میرے خرگوش......" بال ڈائی کرتی مما کو اس نے درمیان میں گھسیٹا تو وہ عاجزی

سے بولیں۔

"پلیز عنو! تم کوئی بچی نہیں ہو۔ جا کر اپنا حلیہ درست کرو۔ آج تمہیں کچھ لوگ دیکھنے آ رہے ہیں۔" مما نے گویا ان کے سر پر دھماکا ہی کیا تھا۔ کھٹ کھٹ سیڑھیاں چڑھتی سلویٰ الٹے قدموں واپس آ گئی۔

"ہیں سچ مما؟ پوری تفصیل بتائیں۔"

"تمہارے بابا کے دوست ہیں نا احمد صاحب...... ان کے کوئی عزیز ہیں اور سنو! تم سامنے مت آنا۔" مختصراً بتاتے ہوئے آخر میں انہوں نے سلویٰ کو ہدایت کی تو وہ خفا ہو کر بولی۔

"اف مما! اب مجھ پر تو یہ پابندی عائد نہ کریں۔ ایسا کون ہے جو عنویٰ کو چھوڑ کر مجھے پسند کرے گا۔" اس نے لاڈ سے عنویٰ کے گلے میں بازو ڈالا۔

"ہٹو پرے! میں تم سے کوئی بات نہیں کروں گی۔" وہ ہنوز خفا تھی۔

✿ ✿ ✿

"میرے تو ہاتھ پاؤں ٹھنڈے ہو رہے ہیں۔" عنویٰ بری طرح گھبرا رہی تھی۔

"کچھ نہیں ہوتا یار! میری اور تمہاری طرح عام انسان ہیں وہ بھی۔" سلویٰ نے کھیرا کھاتے ہوئے اس کی پیٹھ ٹھونکی۔

"کتنی لکی ہو تم کہ اس خوامخواہ کے جھنجھٹ سے بچ گئیں۔" کچھ دور جا کر وہ پھر رک گئی تھی۔ ڈرائنگ روم میں خاص مہمان آئے بیٹھے تھے۔

"جاؤ بھی اب۔" سلویٰ نے گھورا۔

"وہ مجھ سے کیا کیا پوچھیں گے؟"

"بی اے کی ڈگری کے متعلق تو ضرور پوچھیں گے۔ تمہیں انہوں نے قومی اسمبلی میں جو بٹھانا ہے۔" وہ چڑ گئی۔

"سلویٰ! پلیز......" اس نے منت کی۔

"سوری! میں اس تجربے سے نہیں گزری۔" اس نے بے نیازی سے شانے اچکائے۔

"پھر بھی......" وہ پلٹ کر واپس اس کے پاس چلی آئی۔

"تمہاری تعلیم، دلچسپیاں، مشاغل۔" اس نے انگلیوں پر گنوایا۔

"تعلیم تو ٹھیک ہے، لیکن دلچسپیاں اور مشاغل۔" وہ ان پر آ کر اٹک گئی۔

"خدارا! اب خرگوشوں کا نام نہ لے بیٹھنا۔" سلویٰ نے بے ساختہ ہاتھ جوڑے تو اس نے ابرو اچکا کر گھورا۔

"تو کیا تمہاری طرح یہ کہوں کہ فارغ وقت میں سائیکل چلاتی ہوں، پتنگ اڑاتی ہوں، گارڈننگ کرتی ہوں اور......"

"میوزک سنتی ہوں، کتابیں پڑھتی ہوں اور خواب دیکھتی ہوں۔" اسے اٹکتے دیکھ کر سلویٰ نے مزے سے جملہ مکمل کیا۔

"عنویٰ! آ بھی جاؤ۔" مما اسے بلانے آئی تھیں۔

ان کے جانے کے بعد اس نے سر تا پا خود کو جانچا۔

"میں کتنا بدل گئی ہوں۔ اب کہاں کی دلچسپیاں کون سے مشاغل۔ اب تو ہر سلسلہ ان محترم سے شروع ہو کر انہی پر ختم ہوتا ہے۔" وہ اک گہرا سانس بھرتے ہوئے اپنے کمرے میں چلی آئی۔ اپنی کتابیں دیکھتے ہی سویا ہوا درد پھر سے جاگ اٹھا تھا۔

اس نے کہا تھا کہ انٹری ٹیسٹ میں فیل ہو جاؤ اور وہ فیل ہو گئی تھی جبکہ اس کے برعکس رزلٹ بہت شاندار آیا تھا۔

"یہ کیسے ممکن ہے کہ تم ایگزامز میں اے پلس لو اور ٹیسٹ میں فیل ہو جاؤ۔" بابا آج پہلی بار اس پر برس رہے تھے۔ سب سے زیادہ صدمہ بھی انہیں ہی ہوا تھا۔

وہ خاموش مہر بہ لب مجرموں کی مانند سر جھکائے بیٹھی تھی جبکہ دل چاہ رہا تھا، خوب دھاڑیں مار مار کر روئے۔

"ایک تو اس کی اتنی محنت ضائع ہوئی ہے اوپر سے آپ ڈانٹے جا رہے ہیں۔ کیا ہوا اگر فیل ہو گئی ہے تو

www.Paksociety.com

اگلے سال پھر ٹرائی کرلے گی۔" مما نے پہلی بار بابا کے مقابلے میں اس کی طرف داری کی تھی۔ شاید اس کی روہانسی صورت پر رحم آگیا تھا، مگر وہ اگلے سال کی بات پر اپنی سابقہ خاموشی برقرار نہ رکھ سکی۔

"بابا! مجھے ڈاکٹر نہیں بننا۔ میں اتنے کمزور دل کی مالک ہوں کہ سرجن تو کسی صورت نہیں بن سکتی، پھر کیا فائدہ اتنی محنت کرنے کا۔ ویسے بھی اس فیلڈ میں میرا انٹرسٹ نہیں ہے۔" وہ نظریں چراتے ہوئے دلگرفتی سے بول رہی تھی۔

"چلو! پھر دیکھتے ہیں۔" وہ افسردگی سے کہتے اٹھ کر چلے گئے اور اس کا دل کتنے ہی دن بابا کی آزردگی کا سوچ کر سوگوار رہا تھا۔

☼ ☼ ☼

"تم انٹری ٹیسٹ میں فیل کیسے ہو گئیں۔" کالج میں پہلے دن ردا تفتیشی انداز میں استفسار کرتی اس کے سر پر آن کھڑی ہوئی تھی۔ جس پر وہ چڑ گئی۔

"کیوں میں فیل نہیں ہو سکتی کیا؟ جسے دیکھو انویسٹی گیشن کرنے چلا آرہا ہے۔" وہ تنگ آچکی تھی۔ مما اور بابا سے جان چھوٹی تھی تو عنوی اور ثمن اس کے سر ہو گئی تھیں اور اب ردا بھی زخموں پر نمک چھڑکنے چلی آئی تھی۔

"ہاں! تم فیل نہیں ہو سکتیں۔" وہ ایک ایک لفظ پر زور دیتے ہوئے اتنے یقین سے بولی کہ سلوی کے دل کا چور اس کی آنکھوں سے جھانکنے لگا۔

وہ اس کی بچپن کی دوست تھی دونوں کا ایک دوسرے کے گھر آنا جانا بھی تھا۔ ثمرین آپا اس کی بھابھی تھیں اور یہ رشتہ بھی سلوی کے توسط سے ہی طے ہوا تھا۔

"اور اب ہونا پڑا۔" اس نے کہتے ہوئے منہ لٹکا لیا۔ وہ اس سے کچھ نہیں چھپا سکتی تھی۔

"کیوں؟ کس کے لیے؟" اس کی ڈارک براؤن آنکھوں میں تحیر سمٹ آیا۔

"امن کے لیے۔" وہ سابقہ لہجے میں بولی تو ردا نے پہلے تو سر تھام لیا پھر یاد آنے پر چیخی۔

"تمہاری اس کے ساتھ انگیجمنٹ ہو گئی اور تم نے مجھے انوائیٹ کرنا بھی ضروری نہیں سمجھا؟ اس کی اطلاع مجھے بھابھی سے ملی ہے۔ شرم کرو بلکہ ڈوب مرو۔"

"کوئی فنکشن نہیں ہوا تھا یار! بس پھوپھو نے آکر انگوٹھی پہنا دی۔"

"پھر بھی تمہیں ٹریٹ تو دینی پڑے گی۔"

"تو وہ کہو نا کہ کچھ ٹھونسنے کو دل چاہ رہا ہے۔" وہ اپنا والٹ چیک کرتے ہوئے اٹھ کھڑی ہوئی تو ردا نے اپنے گروپ کی فائزہ اور ماہین کو بھی آواز دے ڈالی تھی۔

چھٹی سے کچھ دیر قبل وہ چاروں قریبی ریسٹورنٹ میں چلی آئی تھیں اور وہاں سے نکلتے ہوئے اس نے اسے دیکھ لیا تھا۔ وہ گھبرا گئی تھی کہ اب جانے کیا ہونے والا تھا۔ اس روز اس نے سوچ لیا کہ اگر اسے نہیں پسند تو وہ دوبارہ نہیں آئے گی۔

☼ ☼ ☼

"ارسل! اب تم بھی شادی کرلو۔" چائے کا کپ اسے تھماتے ہوئے ثمرین نے مشورہ دیا تو ردا بھی پرجوش ہو گئی۔

"ہاں ارسل بھائی! آپ کو بتاؤں ہمارے کالج میں اتنی پیاری لڑکیاں ہیں اور میں نے تو تین، چار کو اس سلسلے میں پسند بھی کر رکھا ہے۔"

"تین، چار؟" اس نے کانوں کو ہاتھ لگائے۔

"زیادہ بنیں مت اور بتائیں کہ آپ کے دل میں کیا ہے؟" وہ ٹھنک کر بولی۔

"میرے دل میں چار خانے ہیں۔" وہ ایک گھونٹ لیتے ہوئے مسکرایا۔

"اور ان خانوں میں کسے بند کر رکھا ہے؟" وہ بھی اپنے نام کی ایک تھی۔

"دل میں تو نہیں، بٹوے میں اس نے ضرور کسی کو بند کرکے رکھا ہے۔" عادل کی پیش گوئی پر اسے اچھو

لگ گیا تھا۔ ثمرین نے اسے پانی کا گلاس تھمایا، جبکہ وہ دونوں بہن بھائی خاصی مشکوک نظروں سے اسے دیکھ رہے تھے۔

"یار! ایسی کوئی بات نہیں ہے۔" اس نے دوبارہ چائے کا کپ اٹھا لیا۔

"کیسی بات؟" عادل نے کان کھجاتے ہوئے انجان بن کر پوچھا تو وہ زچ ہوا تھا۔

"ارسل بیٹا! تمہارے بہن بھائی ٹھیک کہہ رہے ہیں۔ یہی مناسب عمر ہے۔ اب اپنا گھر بسانے کی سوچو۔" اماں بی نے ان کی نوک جھونک سے محظوظ ہوتے ہوئے نصیحت کی تو اس نے تابعداری سے سر ہلا دیا۔

"گھر بسانے کی خواہش کسے نہیں ہے اماں بی! مگر وہ ملے بھی تو۔" اس کی سوچ گہری ہو چکی تھی۔ دل کے طاق پر رکھا امید کا دیپ جل اٹھا تو اس کی آنکھوں میں روشنی سی بھر گئی۔ وہ اس سلسلے میں کبھی مایوس نہیں ہونا چاہتا تھا۔

☼ ☼ ☼

کشن کے سہارے نیم دراز وہ کوئی ٹاک شو دیکھنے میں مگن تھی جب مما نے آکر ٹی وی آف کر دیا۔

"چھوڑو! یہ سب فضول باتیں۔ کچھ گھرداری میں دلچسپی لو۔ پھوپھو کے گھر جانے کا یہ مطلب نہیں ہے کہ تم پھوہڑ اور بدسلیقہ ہی رہو اور ویسے بھی وہاں کون سا ملازمین کی قطاریں لگی ہیں جو تمہیں مہارانی بنا کر رکھیں گے۔ ثمن اور عنوی کو ہی دیکھ لو! دونوں نے سارا گھر سنبھالا ہوا ہے۔" خوب کھری کھری سنانے کے بعد مثال بھی کن سگھڑ بیبیوں کی دی تھی۔ اسے اچھا خاصا برا لگا۔

"ہاں! تو وہ میری طرح کالج بھی تو نہیں جاتیں نا۔"

"اب تمہاری پڑھائی کا کوئی بہانہ نہیں چلے گا۔ آج سے رات کا کھانا تم بنایا کرو گی۔" ساتھ ہی ایک اور ڈیوٹی بھی لگا دی گئی جس پر وہ بلبلا اٹھی تھی۔

"مما پلیز! ابھی تو عنوی کی محض نسبت طے ہوئی ہے اور آپ نے ساری ڈیوٹیاں مجھے سونپ دیں۔"

اس روز جو لوگ دیکھنے آئے تھے، وہیں بات طے پا گئی تھی۔

"ساری نہیں، بس ایک۔" وہ اس کے احتجاج کی پروا نہ کرتے ہوئے اٹھ کھڑی ہوئیں اور اسے اپنی تمام تر سستی اور بیزاری کو الوداع کہتے ہوئے بریانی بنانا پڑی تھی جو اتفاق سے اچھی بن گئی تو وہ سسرال میں اپنی دھاک بٹھانے کی خاطر ٹرے سجا کر پھوپھو کے گھر چلی آئی۔

سامنے ہی وہ بیٹھا اپنے لیپ ٹاپ کے ساتھ کھٹر پٹر کر رہا تھا۔ پھوپھو تخت پوش پر نماز ادا کر رہی تھیں اور ثمن کچن میں تھی۔ امن اسے دیکھتے ہی اٹھ کر اوپر اپنے کمرے میں چلا گیا۔

"اسے کیا ہوا؟" اسے حیرت ہوئی۔

"گھر میں دیے نہ جلاؤں کہ محترمہ تشریف لائی ہیں۔" ثمن نے کچن سے جھانکتے ہوئے طنز کیا۔ وہ کافی دنوں بعد جو آئی تھی۔

"نہیں اب اتنا تکلف بھی نہ کرو۔ گھی پہلے ہی بہت مہنگا ہے۔" ڈھٹائی سے کہتے ہوئے اس نے ٹرے میز پر رکھی اور خود فریج سے پانی نکال کر پینے لگی۔

"اس میں کیا ہے؟" کہتے ہوئے اس نے ڈش کا ڈھکن اٹھایا۔ "واؤ! بریانی... شکل تو کافی اچھی ہے۔ عنوی نے بنائی ہو گی۔"

"میں نے بنائی ہے۔" اس نے چہرے سے گلاس ہٹا کر گھورتے ہوئے بتایا۔

"تم نے؟" ثمن کی آنکھوں میں حیرت اتر آئی۔

"اب ساری ٹھونس مت لینا۔ امن کے لیے بھی رکھنا۔ میں ذرا ان موصوف کی خبر گیری کر لوں کہ کس بات پر مزاج برہم ہیں۔" وہ دوپٹہ درست کرتی اوپر چلی آئی۔ دروازے پر دستک دی۔ اندر سے کوئی جواب نہیں آیا تھا۔

دوبار... تین بار... بالآخر وہ خود ہی دروازہ کھول کر اندر چلی آئی۔ بیڈ روم خالی تھا اور وہ ٹیرس پر بے چینی سے ٹہل رہا تھا۔ وہ سست قدموں سے چلتی اس کے پاس آ کھڑی ہوئی۔

www.Paksociety.com

"خفا ہو؟" اس نے دھیرے سے پوچھا۔
جواب میں خاموشی۔
"میری فرینڈز بہت اصرار کر رہی تھیں کہ اپنی انگیجمنٹ کی خوشی میں ہمیں پارٹی دو' اس لیے ہم ریسٹورنٹ چلے گئے تھے لیکن آج کے بعد کبھی نہیں جاؤں گی' پرامس۔" بہت ہی غور و خوض کرنے کے بعد اسے ناراضی کی جو وجہ سمجھ میں آئی تھی' اسی کے مطابق وضاحت دیتے ہوئے اس نے معذرت کرنے کے ساتھ ساتھ آئندہ کے لیے وعدہ بھی کرلیا تھا مگر وہ غراتے ہوئے بولا۔
"تم عنویٰ کے سسرال کیوں گئی تھیں؟" ماتھے پر شکنوں کا جال بچھا تھا۔ آنکھیں سرخ انگارہ ہو رہی تھیں۔ یوں لگتا تھا جیسے اس ایک بات کی وجہ سے وہ رات بھر سو نہ سکا ہو۔
"میں تم سے پوچھ کر گئی تھی۔" اس نے خشک لبوں پر زبان پھیرتے ہوئے یاد دلایا۔
"میں نے کہا تھا' اپنی مرضی کرلو جبکہ تمہیں میری مرضی معلوم تھی۔ اس کے باوجود تم نے اپنی من مانی کی۔" اس کا غصہ کسی طور کم نہیں ہو رہا تھا۔
"عنویٰ میری اکلوتی بہن ہے۔" اس کے لہجے میں مبہم سا احتجاج تھا۔
"اس کا یہ مطلب ہے کہ تم اس کے لیے لڑکے دیکھتی پھرو؟"
"مما اور بابا کے فائنل کرنے کے بعد میں گئی تھی اور تم یہ بھی جانتے ہو کہ ہم وہاں عنویٰ کی نسبت طے کرچکے ہیں۔" امن کی بات نے اس کی جان جلا کر رکھ دی تھی۔
"اوکے اوکے! لیکن اس کے ساتھ زیادہ فری ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ جانتی ہو کوئی اور تمہیں دیکھے تو میرا دماغ الٹ جاتا ہے اور پھر میں تم سے الجھ پڑتا ہوں۔" وہ اس کا ہاتھ تھامے اب کس قدر محبت سے بول رہا تھا۔
سلویٰ نے اس کا موڈ خوشگوار ہونے پر ایک اطمینان بھرا سانس لیا تھا۔
وہ سب برداشت کرسکتی تھی لیکن امن کی ناراضی نہیں۔ شاید اسے بھی سلویٰ کی کمزوری کا اندازہ ہوچکا تھا' اسی لیے تو ہر بات پر خفا ہو کر مزے لیتا تھا۔

✲ ✲ ✲

"بابا نے ابھی تک گاڑی نہیں بھیجی۔ میں نے یاد بھی دلایا تھا۔" وہ بڑبڑاتے ہوئے صوفے پر آ بیٹھی لیکن نظریں ہنوز وال کلاک کی جانب اٹھی ہوئی تھیں۔
آج ردا کی سالگرہ تھی۔ وہ تو صبح سویرے فون پر مبارک باد دے کر اپنے فرض سے گویا سبکدوش ہوچکی تھی مگر ردا نے صاف کہہ دیا تھا کہ۔
"تم یقیناً اپنا گفٹ بچانے کے چکروں میں ہو اور میں ایسا ہونے نہیں دوں گی۔ تمہیں آنا ہی پڑے گا۔" اور کھٹ سے فون رکھ دیا تھا۔ اب وہ کب سے تیار ہو کر بیٹھی تھی مگر گاڑی کا دور دور تک کوئی نام نشان نہیں تھا۔
"تو امن کے ساتھ چلی جاؤ۔" مما کے مشورے پر وہ بدک اٹھی تھی۔
"وہ تو کبھی نہیں لے کر جائے گا۔ اسے میرا فرینڈز کے گھر جانا پسند نہیں ہے۔"
"یہ امن اتنی روک ٹوک کیوں کرتا ہے۔ میری بچی کو لے کر برقعہ اوڑھا دیا۔"

"مما! میں اس میں کمفرٹیبل محسوس کرتی ہوں۔" اس نے فوراً امن کا دفاع کیا تھا۔ وہ خود اسے کچھ بھی کہتی رہے لیکن کسی اور سے اس کی برائی نہیں سن سکتی تھی۔ کچھ دیر مزید انتظار کرنے کے بعد اس نے گیٹ سے باہر جھانکا تو امن کی گاڑی دکھائی دے گئی۔ اب چھپنے کا کوئی فائدہ نہیں تھا۔ وہ بھی اسے دیکھ چکا تھا۔
"کہیں جا رہی ہو؟"
"وہ مجھے مارکیٹ جانا تھا۔ بابا سے کہا بھی تھا کہ گاڑی بھیج دیں۔ جانے ڈرائیور کہاں رہ گیا ہے۔" تارکول کی بل کھاتی سڑک پر کسی ذی روح کے آثار نظر نہیں آرہے تھے۔
"اچھا آؤ! میں لے جاتا ہوں۔" وہ گاڑی کا دروازہ کھولتے ہوئے بولا تو وہ مما کو بتا کر اس کے ساتھ بیٹھ گئی۔ گاڑی اب مال روڈ کی سڑکوں پر رواں دواں تھی۔
اس نے سوچا تھا وہ ردا کے لیے عنویٰ جیسا سوٹ خریدے گی جو عنویٰ دو روز قبل ہی لے کر آئی تھی اور اسے بہت پسند آیا تھا مگر سوٹ پر لگا چار ہزار کا ٹیگ دیکھ کر وہ پریشان ہوگئی۔ عنویٰ نے تو تین میں لیا تھا۔
"دو روز میں آپ نے ایک سوٹ کے ہزار روپیہ دام بڑھا دیے۔"
"نہیں میم! یہ سوٹ ہم نے چار میں ہی سیل کیے ہیں۔"
"ابھی دو روز قبل میری مما یہی سوٹ اسی بوتیک سے تین میں لے کر گئی ہیں۔"
"ہو ہی نہیں سکتا۔" وہ ماننے کو تیار نہیں تھا۔
"تو کیا میں جھوٹ بول رہی ہوں؟" وہ تپ اٹھی۔
"مجھے کیا پتا۔" اس نے لاعلمی سے شانے اچکائے۔
"کیا بدتمیزی ہے یہ؟" خاموش کھڑے امن کو اس کا انداز بے حد برا لگا تھا۔
"یہ فکسڈ پرائز ہے۔"
"اوکے! تم پیک کرو۔" وہ پے منٹ کرکے پارکنگ لاٹ سے گاڑی لینے چلا گیا تھا اور وہ عجلت میں باہر نکلتے ہوئے اندر داخل ہوتے ایک شخص سے بری طرح ٹکرا گئی تھی۔
"ایکسکیوز می!" پیشانی پر ہاتھ رکھے وہ اسے پہاڑ کی مانند راستے میں ایستادہ دیکھ کر تحمل سے بولی تو وہ معذرت کرتا ایک طرف کو ہوگیا تھا۔
صد شکر کہ امن نے یہ تصادم نہیں دیکھا تھا ورنہ اس کی مزید شامت آجانی تھی اور کچھ تو آ ہی چکی تھی۔ وہ گاڑی میں آکر بیٹھی تو امن اپنے والٹ سے سارے نوٹ ڈیش بورڈ پر رکھ کر بیٹھا ہوا تھا جس میں ہزار ہزار کے چند نوٹ کے علاوہ کچھ ریال اور ڈالرز بھی تھے۔
"تم ان پیسوں کی وجہ سے اس دو ٹکے کے سیلز مین کے ساتھ بات کر رہی تھیں؟" اس نے نوٹ ہاتھوں میں لے کر اس کی جانب دیکھا اور پھر ان نوٹوں کے ٹکڑے ٹکڑے کرکے کھڑکی سے باہر اچھال دیے۔ وہ اس کی اس حرکت پر کچھ نہیں بولی تھی۔
وہ اس معاملے میں کتنا جنونی اور پاگل تھا' اسے اچھی طرح اندازہ ہوچکا تھا اور پہلی بار اس کا دل اتنی چاہت پر مغرور ہونے کے بجائے ملال سے بھر گیا تھا۔
"گاڑی ثمرین آپا کے گھر کی جانب موڑلو۔" وہ اسے گھر واپس جاتا دیکھ کر قدرے رکھائی سے بولی تو وہ رخ موڑ کر اس کے بگڑے بگڑے تیور دیکھنے لگا۔
"وہاں کیا کام ہے؟" اس کی بھنویں تن گئیں۔
"ردا کی برتھ ڈے ہے اور مجھے اسے وش کرنا ہے۔" وہ سابقہ لہجے میں گویا ہوئی۔
"چلو تم اسے وش کرکے آجانا' پھر ہم کہیں گھومنے چلیں گے۔" اس کا موڈ قدرے بحال ہوا تھا۔
"گاڑی میں بیٹھ کر؟" وہ طنز کرنے سے باز نہ آئی۔
"کاش! اس دنیا کا کوئی ایسا نگر ہوتا' جہاں سے کوئی تمہیں دیکھ نہ سکتا تو پھر میں تمہیں خوب سیر کرواتا۔" اس کی اپنی مجبوری تھی۔
"تو پھر ایسا کرو' کسی جنگل ویرانے میں گھر بنالو۔" وہ چڑ گئی۔ اتنے میں ردا کا گھر آچکا تھا۔
"تمہارے پاس اونلی فائیو منٹس ہیں۔ جلدی وش کرکے واپس آؤ۔" اترنے سے قبل وہ باور کروانا نہیں بھولا تھا۔
"امن......" اس نے کچھ کہنے کو لب وا کیے مگر اس نے ٹوک دیا۔
"ٹائم از اسٹارٹ ناؤ۔"
"بہت کمینے ہو تم۔" وہ ناراضی سے کہتی کھلے گیٹ سے اندر داخل ہوگئی۔

✲ ✲ ✲

www.Paksociety.com

وہ بہت افسردہ اور ملول سا گاڑی ڈرائیور کر رہا تھا حالانکہ اسے خوش ہونا چاہیے تھا کہ آج تین سال بعد وہ اسے نظر آئی تھی۔ وہ ردا کے لیے گفٹ لینے مارکیٹ آیا تھا۔ پرفیوم خریدنے کے بعد اس کی نگاہ گلاس وال سے نظر آتے خوش رنگ پھولوں والے ریشمی اسکارف سے ٹکرائی تو اسے یاد آیا کہ ردا کو اسکارف بہت پسند تھے۔ وہ لینے کے ارادے سے اس بوتیک کی جانب بڑھا تو باہر نکلتی ایک لڑکی اچانک اس سے ٹکرا گئی۔ اس کے چہرے پر نظر پڑتے ہی اس کی نظروں میں زمین و آسمان گھوم گئے تھے۔ وہ مسحور ہو کر رہ گیا تھا۔

"ایکسکیوزمی۔" مترنم آواز اس کی سماعتوں سے ٹکرائی تو وہ ہوش میں آیا۔ وہ راستہ مانگ رہی تھی۔ وہ معذرت کرتا ایک طرف ہو گیا اور وہ کسی خوشبودار جھونکے کی مانند گزرتی چلی گئی تھی۔

اس کے جانے کے بعد اس کا پیچھا کرنے کا خیال آیا تو اسے خود پر غصہ آنے لگا جس کی جگہ اب اداسی نے لے لی تھی۔ وہ بے دلی سے ردا کا گفٹ اٹھا کر گھر کے اندر داخل ہوا تھا جب اسے ایک بار پھر ساکت ہونا پڑا۔

بجری کی طویل روش پر دونوں باتیں کرتی گیٹ کی سمت ہی آرہی تھیں۔ ردا بہت خفا تھی۔

"تم کیا بس اپنی شکل دکھانے آئی تھیں۔ اس زحمت کی بھی کیا ضرورت تھی؟ وہ تو میں کل کالج میں دیکھ ہی لیتی۔"

"پلیز یار! تم تو جانتی ہو امن کو۔ جانے کہاں سے اچانک نمودار ہو گیا ورنہ میں تو ڈرائیور کے ساتھ ہی آنے والی تھی۔ اب پھر کسی روز میں اور عنویٰ پورے دن کے لیے آئیں گے پکا پرامس۔" محض اسے منانے کی خاطر اس نے وعدہ بھی کر ڈالا تھا جس کے ایفا ہونے کا ردا کو ایک فیصد بھی یقین نہیں تھا اس لیے ہنوز منہ پھلائے رکھا۔

"اماں اور ثمرین بھابھی سے تو ملتی جاؤ۔" وہ اسے جانے کو پر تولتے دیکھ کر چلائی۔

"پھر کسی روز۔" وہ اس سے ہاتھ ملاتے ہوئے بو...

"میں نے کیک بھی منگوا کر رکھا تھا۔ تمہارا فیور... پائن ایپل۔" اس نے ایک اور لالچ دینا چاہا۔

"ہائے! کیا کروں مجبوری ہے۔" وہ اس کے گ... مل کر پیار کرتے ہوئے اللہ حافظ کہہ کر گیٹ عبور کر گئی۔

"ارسل بھائی! آپ کب آئے؟" واپس پلٹنے پر ارسل کو دیکھ کر کھل اٹھی تھی جس کی آنکھوں میں ستاروں کی سی چمک تھی اور چہرے پر روشنیاں پھوٹ رہی تھیں اسے اپنی خوش نصیبی پر یقین نہیں آر... تھا۔ وہ جسے راستہ بھر ڈھونڈتا ہوا آیا تھا وہ سفر کے اختتام پر ملی تھی۔

"ہیپی برتھ ڈے۔" وہ اسے وش کرنے کے بعد اس کے ساتھ ساتھ چلنے لگا ان راہوں پر جس پر ابھی اس کے قدموں کے نشان باقی تھے اور اسے اپنے پاؤں زمین پر نہیں کہکشاؤں پر پڑتے محسوس ہو رہے تھے دل خوشگوار لے پر دھڑک رہا تھا۔ برسوں بعد آنکھوں میں جیسے ٹھنڈک سی اتر آئی تھی۔

"واؤ! بہت پیارا اسکارف ہے اور آج روز تو میرا فیورٹ خوشبو ہے۔" وہ اس کا گفٹ کھولنے کے بعد کھلے دل سے سراہ رہی تھی۔

"ردا! یہ لڑکی کون تھی؟" اس نے گیٹ کی جانب یوں اشارہ کیا جیسے وہ ابھی تک وہیں کھڑی ہو۔

"وہ سلویٰ تھی ثمرین بھابھی کی کزن میری دو... کالج میں ہم ساتھ پڑھتے ہیں۔"

"سلو خالہ۔" اچانک اس کی سماعتوں میں ایمان زیب کی آواز گونجی۔ وہ چونکہ عادل کی شادی میں شریک نہیں ہوا تھا اس لیے لاعلم تھا ورنہ وہ چھ سا... قبل مل چکی ہوتی۔ وہ اپنے خیال پر خود ہی ہنسا۔

ان دنوں وہ انگلینڈ میں زیر تعلیم تھا اس کی مما... انتقال اس کے بچپن میں ہی ہو چکا تھا اور والد انگل... میں دوسری شادی کر چکے تھے۔ وہ پاکستان میں بالکل... تھا یا پھر عادل اور اس کی فیملی تھی جہاں وہ کبھی کبھار...

...آتا تھا۔

✲ ✲ ✲

"جا چکے ہیں مما اور بابا... اب تم مصنوعی بیماری کی ایکٹنگ کرنا بند کردو۔" عنویٰ نے آکر ایک جھٹکے سے چادر کھینچی۔

آج اس کے سسرال والوں نے ان لوگوں کو کھانے پر مدعو کیا تھا۔ اس نے سر درد کا بہانہ بنا کر جانے سے انکار کر دیا تھا۔ مما تو اس کا انکار سنتے ہی خفا ہو گئی تھیں۔

"اکلوتی بہن ہے تمہاری۔ کیا سوچیں گے اس کے سسرال والے جب تم نہیں جاؤ گی۔"

"بھئی وہ کچھ بھی سوچیں لیکن جب اس کی طبیعت اچھی نہیں ہے تو زبردستی کا کیا جواز۔" حسب معمول بابا نے فوراً اس کی حمایت کی تھی۔

"سلویٰ! اٹھ رہی ہو کہ نہیں؟" مما نے آنکھیں دکھائیں مگر اسے پروا کب تھی۔

"مما پلیز! سر میں بہت درد ہو رہا ہے۔" چہرے پر زبردستی تکلیف کے آثار نمودار کر لیے گئے تھے۔

"اچھا! ٹھیک ہے۔ تم کوئی پین کلر لے کر آرام کرو۔" اس سے پہلے کہ مما ہاتھ پکڑ کر اسے اٹھاتیں بابا نے اسے آرام کا مشورہ دے کر کمرے میں بھیج دیا تھا۔ تب سے وہ یونہی لیٹی تھی۔ اگر چلی جاتی تو پھر امن کی ناراضی کو کون جھیلتا۔ بعد میں پچھتانے سے اچھا تھا کہ پہلے ہی نتائج پر غور کر لیا جائے۔

"یار سچ میں میرے سر میں درد ہے۔" وہ کسلمندی سے بولی۔

"میں پکوڑے اور چائے بنا کر لائی ہوں۔ کھانے ہوں تو ٹیرس پر آجاؤ۔"

"پکوڑے۔" اس کے منہ میں پانی بھر آیا۔ وہ فوراً اٹھ کر اس کے پیچھے بھاگی تھی۔

بادلوں سے ڈھکا آسمان سبک روی سے چلتی ٹھنڈی خوشگوار ہوا اور چھم چھم برستی بوندیں موسم نے کروٹ کیا بدلی تھی ہر شے میں تازگی اور نکھار سمٹ آیا تھا۔ ساری کائنات نارنجی رنگ میں ڈھل چکی تھی۔

"تمہیں عجیب نہیں لگتا سلویٰ! یہ کیسا پیار ہے اتنا گھٹن زدہ کہ جس میں سانس لینا بھی دشوار ہو جائے؟" اس کا اشارہ امن کی جانب تھا۔ ہتھیلی کی اوک میں جمع کرتی بوندوں کو سپرد ہوا کرتے ہوئے سلویٰ نے چونک کر اسے دیکھا۔

"نہیں مجھے کبھی گھٹن کا احساس نہیں ہوتا۔ اس کی چاہت تو میرا غرور ہے۔ اپنے معاملے میں مجھے اس کا پوزیسو ہونا اچھا لگتا ہے۔ اس کا مجھ پر رعب جمانا حق جتانا اس میں اپنائیت کا استحقاق کا اک مان بھرا احساس ہے۔ مجھے اس کی ہر بات مان کر خوشی ہوتی ہے۔"

"لیکن مجھے لگتا ہے کہ جیسے امن کو پا کر تم ہم سے بہت دور ہو جاؤ گی۔ اگر اس نے کبھی ہم سے ملنے سے روکا تو تم اس کی یہ بات بھی مان لو گی۔" عنویٰ کو امن کی وجہ سے اس کا عنویٰ کے سسرال نہ جانا کچھ زیادہ ہی برا لگا تھا۔

"ارے! وہ ایسا کیوں چاہے گا۔" وہ برا مانتے ہوئے بولی۔

"کیونکہ وہ تمہاری توجہ ہر پل صرف خود پر مرکوز چاہتا ہے۔ تم نے تو اگر اپنے بچوں سے بھی اس سے زیادہ محبت کی تو وہ ان سے بھی نفرت کرنے لگے گا۔"

"اللہ نہ کرے۔" اس نے دل پر ہاتھ رکھتے ہوئے عنویٰ کو گھورا۔

"تو پھر اس کی ہر بات مت مانا کرو۔"

"میں نہ بھی مانوں تو اسے منوانے کا ہنر آتا ہے۔ تمہیں نہیں پتا وہ اگر دن کو بھی رات کہہ دے تو میں انکار نہیں کر سکتی۔"

ٹیلی فون کی چنگھاڑتی بیل پر وہ دو تین پکوڑے ایک ساتھ اٹھا کر نیچے بھاگی۔

"ہیلو!" سانسیں بے ترتیب ہو رہی تھیں۔

"السلام علیکم!" دوسری جانب شائستگی سے سلام کیا گیا تھا جبکہ گمبھیر مردانہ اجنبی آواز پر وہ سلام کا

جواب دیتے ہوئے بھی ہچکچا گئی تھی۔

"آپ سلویٰ ہیں؟" کچھ لمحوں کی خاموشی کے بعد استفسار کیا گیا۔

"جی۔" وہ محض یہ ہی بول سکی تھی۔

"میں ارسل ہوں۔" اپنا تعارف کروایا گیا۔

"میں کسی ارسل صاحب کو نہیں جانتی۔" ساتھ ہی اس نے کھٹ سے ریسیور رکھ دیا اور غائب دماغی سے سوچنے لگی۔ "یہ ارسل کون ہے۔"

مما اور بابا شام ڈھلے واپس آئے تھے۔ بابا نے بتایا کہ وہ اگلے ہفتے شادی کی تاریخ مقرر کرنے آئیں گے بس عنویٰ بھی اب چند دنوں کی مہمان تھی۔

* * *

وہ ریسیور ہاتھوں میں لیے گم صم سا بیٹھا رہ گیا تھا اس نے سوچا اس سلسلے میں ردا سے مدد لینی چاہیے لیکن آفس میں اتنا کام تھا کہ پورا ہفتہ اسے فرصت ہی نہ مل سکی تھی۔ آخر ویک اینڈ پر وہ ان کے گھر آیا تھا۔

"ارے! آج تم خود سے کیسے چلے آئے؟ راستہ تو یاد رہا تھا نا؟" عادل مصنوعی تعجب کا اظہار کرتے ہوئے قدرے تشویش بھرے لہجے میں بولا۔ ورنہ آج سے پہلے تو وہی زبردستی اسے کھینچ تان کر لاتا تھا۔

"بکو مت' گھر والے سب کہاں ہیں۔" اس نے محسوس کیا تھا سارے گھر میں ہی سناٹا چھایا ہوا تھا۔

"اماں بی تو اس وقت قیلولہ فرما رہی ہیں۔ ثمرین' بچے اور ردا آج فاروق انکل کی جانب گئے ہیں۔ ان کی بیٹی کی شادی کی ڈیٹ فکس ہو رہی ہے نا۔"

"ان کی کون سی بیٹی؟" ارسل کا دم سینے میں ہی اٹک گیا تھا۔ فاروق تو سلویٰ کے بابا کا نام تھا۔

"بڑی بیٹی۔" وہ بھی اپنے نام کا خبیث تھا۔ اب اسے بھلا کیا پتا کہ بڑی بیٹی کون سی ہے۔

"وہ جسے بچے سلو خالہ کہتے ہیں؟" وہ سر کھجاتے ہوئے سوچنے کی ایکٹنگ کرتے ہوئے بولا تو عادل نے خاصی مشکوک نظروں سے اسے دیکھا تھا۔

"تمہیں اس کا نام اتنا کیوں یاد ہے؟" تفتیشی انداز میں پوچھا۔

"نام کی مماثلت کی وجہ سے' کیونکہ ایمان مجھے بھی "سلو چاچا" کہتی ہے۔" اس نے دانت پیستے ہوئے بتایا تو وہ قہقہہ لگا کر ہنس پڑا۔

"نہیں' اس کی بڑی بہن ہے' عنویٰ۔" ارسل کی کب کی رکی سانس بحال ہوئی تو دھڑکنوں نے اعتدال پکڑا تھا۔

"میں چائے لے آؤں۔" وہ اٹھتے ہوئے بولا۔

"شادی کب تک ہے؟" وہ چائے بنا کر واپس آیا تو اس کے لبوں پر پھر وہی سوال تھا۔

"ایک ہفتے بعد۔" اس نے پورا بسکٹ منہ میں رکھتے ہوئے بتایا۔

"مجھے تو مدت ہوئی ہے کوئی فنکشن اٹینڈ کیے ہوئے۔" کھینچ تان کر چہرے پر مسکینیت اور آواز میں بے چارگی طاری کرنے میں کامیاب ہو ہی گیا تھا۔

"تو اس میں اتنا افسردہ ہونے کی کیا بات ہے۔ ہمارے ساتھ چلنا۔ تمہاری وجہ سے مجھے بھی کمپنی رہے گی۔" عادل نے فوراً اس کے حسب منشا جواب دیا تھا اور اس نے "مروتاً" بھی انکار نہ کیا۔ عادل کا کیا بھروسا' اگر وہ مزید اصرار نہ کرتا تو......

گھر آنے کے بعد وہ از سر نو اپنے اپارٹمنٹ کی سیٹنگ کرنے میں مصروف ہو گیا تھا۔ پردے' فرنیچر' کارپٹ سب کچھ تبدیل کروایا تھا۔ گھر کے ہر حصے کی سجاوٹ وہ یوں کر رہا تھا جیسے وہ کوئی نئی نویلی دولہن ہو پھر عنویٰ کے بجائے ایک ہفتے بعد اس کی اپنی شادی ہونے والی ہو۔

"ایک ہفتہ۔" اس نے انگلیوں پر دن گنے۔ بہت طویل انتظار لگا تھا۔

* * *

گھر میں شادی کی تیاریاں عروج پر تھیں۔ ایک ہفتہ اور اتنے ڈھیر سارے کام۔ وہ تو گھن چکر بن کر رہ گئی

تھی۔ سب سے بڑا مسئلہ تو شاپنگ کا تھا۔ ہر سوٹ امن کئی بار مسترد کر چکا تھا۔ پہلے اسے ساڑھی پر اعتراض ہوا تھا' پھر وہ لہنگا لے کر آئی تو اس نے کہا کہ یہ ڈریس اپنی شادی پر پہننا۔ اب وہ فراک لائی تھی تو اس کے رنگ پر اعتراض تھا۔

"تمہیں پتا ہے' ریڈ کلر میں تم اتنی حسین لگتی ہو کہ میں چاہتا ہوں' جب بھی تم یہ رنگ پہنو تو اس نکھار پر صرف میرا حق ہو۔"

اب تو مما نے بھی اس کے ساتھ جانے سے انکار کر دیا تھا سو وہ ثمرین کے ساتھ جا کر ایک ہی بار ساری شاپنگ کر آئی تھی۔ اب کی بار اس نے سوچ لیا تھا کہ وہ ان چیزوں کی امن کو بھنک بھی نہیں لگنے دے گی' لیکن وہ دونوں ابھی بازار سے آ کر بیٹھی ہی تھیں کہ اس کی آمد ہو گئی۔

"ماموں کہاں ہیں؟" کرسی سنبھالتے ہوئے اس نے تھکے ہوئے لہجے میں استفسار کیا۔ ثمرین اس دوران سارے شاپنگ بیگز اٹھا کر غیر محسوس انداز میں اٹھ کر اندر جا چکی تھی۔

"بابا تو گھر میں نہیں ہیں۔ تمہیں کیا کام تھا؟" شام کی ٹھنڈی خوشگوار ہوا چل رہی تھی۔ دونوں اس وقت لان میں بیٹھے ہوئے تھے۔ اس کے ہاتھ میں ایک ہی اورنج جوس کا گلاس تھا جو آدھا وہ اس کی آمد سے قبل خالی کر چکی تھی۔ باقی کا آدھا اس نے امن کی جانب بڑھا دیا۔

"میں نہیں چاہتا کہ لیڈیز کو کھانا ویٹر سرو کریں۔" اس نے ایک گھونٹ لیتے ہوئے اپنی آمد کی وجہ بتائی تو سلویٰ کا دماغ بھک سے اڑ گیا۔

"امن! تم پاگل ہو؟" وہ جانتی تھی کہ ایسا وہ محض اس کی وجہ سے کہہ رہا ہے۔

"مجھے جو بات نہیں پسند' میں اس پر کمپرومائز نہیں کر سکتا اور کھانا میں سرو کروں گا۔ بس ماموں جان سے اجازت لینا تھی۔"

"اچھا تو اب تم میرے لیے ویٹر بنو گے؟" وہ تپ ہی تو اٹھی تھی۔ وہ خاموش رہا۔

"امن پلیز میں اس دوران برائیڈل روم میں چلی جاؤں گی۔ تم اس فکر میں خود کو ہلکان مت کرو کہ مجھے کوئی دیکھ لے گا۔" اس کی یقین دہانی پر وہ قدرے پرسکون سا ہو کر اٹھ کھڑا ہوا تھا۔ سلویٰ نے بے ساختہ شکر ادا کیا۔

تین روز قبل عنویٰ کو مایوں بٹھایا گیا تھا۔ ساتھ ہی ڈھولک بھی رکھ لی گئی تھی۔ خالہ کی فیملی' مما اور بابا کے کزن' عنویٰ کی فرینڈز سب نے مل جل کر خوب ہنگامہ مچائے رکھا۔

مہندی کی تقریب میں بھی اپنی فیملی اور چند قریبی دوست احباب ہی مدعو تھے۔ تقریب رات ایک بجے تک چلی تھی۔ اس کے بعد وہ اور عنویٰ جاگ کر باتیں کرتی رہی تھیں پھر سلویٰ نے اس کی آنکھوں پر ہاتھ رکھ دیا۔

"سو جاؤ اب صبح تمہیں دولہن بننا ہے۔"

* * *

رات سونے سے قبل اس کی آنکھوں میں جیسے رنگوں کی بارات اتر آئی تھی۔ وہ اس کی ایک جھلک دیکھ کر بے خود سا ہو چکا تھا۔

قرمزی رنگ کی فراک میں ملبوس پھولوں کا زیور پہنے وہ اتنی حسین لگ رہی تھی کہ اسے اپنے دل پر قابو رکھنا مشکل ہو گیا تھا۔ کچھ آنکھوں کی چوری کا خدشہ تھا کہ وہ تقریب ادھوری چھوڑ کر گھر چلا آیا۔

اور اب اس کی انگلیاں اک جانا پہچانا نمبر ڈائل کرنے میں مصروف تھیں۔ دوسری جانب بیل جا رہی تھی۔ وہ سانس روک کر جیسے اس کی "ہیلو" کا منتظر تھا۔ پھر کچھ سوچ کر ریسیور واپس رکھ دیا۔ جانتا تھا وہ فون پر کوئی بات نہیں سنے گی۔ اب اسے کل کا انتظار تھا مگر اس کا انتظار لاحاصل ہی رہا۔

پوری تقریب میں وہ اس کی ایک جھلک بھی نہیں دیکھ پایا تھا۔ نہ تو وہ داخلی راستے پر بارات کا استقبال کرنے آئی تھی' نہ ہی اسٹیج پر فوٹو شوٹ کروایا تھا' نہ ہی

www.Paksociety.com

کسی رسم میں شرکت کی تھی۔ رخصتی کے ساتھ ہی وہ مایوس سا اٹھ کر گھر چلا آیا تھا۔

پھر کچھ روز خواب سجانے میں گزرے، لیکن اب خوابوں سے من نہیں بہلتا تھا، اسی لیے وہ ایک فیصلہ کر کے عادل کی جانب چلا آیا تھا۔

"ہاں ارسل! آؤ۔" ہمیشہ کی طرح پر جوش استقبال مگر انداز میں گرمجوشی مفقود تھی۔ فضا میں عجیب سی اداسی رچی ہوئی تھی۔

کچن سے برتنوں کے پٹخنے کی آوازیں آرہی تھیں۔ وہ دونوں اٹھ کر لان میں چلے آئے۔

"خیریت۔" ارسل نے بیٹھتے ہی کھوجتی نگاہوں سے اسے دیکھا۔

"وہ ثمرین کا بھائی ہے نا امن، اس کی منگنی ٹوٹ گئی ہے۔"

"اوہ۔" اس نے افسوس سے سرہلایا۔

"لیکن یہ کوئی بہت بڑی بات تو نہیں ہے۔" ارسل کو اس کا اتنا فکر مند ہونا عجیب سا لگا تھا۔

"ہاں! لیکن خاندان میں ایسی بات ہو جائے تو دوسرے بھی کئی رشتے اس کی زد میں آجاتے ہیں۔"

"ہاں یہ تو ہے۔" اس نے سرسری سی تائید کر دی ورنہ اسے اس موضوع میں کچھ خاص دلچسپی نہیں تھی۔

"اچھا تم سناؤ۔" وہ چہرے پر بشاشت طاری کرتے ہوئے بولا۔

"میں تم سے ایک فیور کے سلسلے میں آیا تھا۔" اس نے کچھ ہچکچاتے ہوئے تمہید باندھی تو عادل نے اسے مصنوعی خفگی سے گھورا۔

"بلا جھجک کہو یار۔"

"وہ بھابھی کی کزن ہے نا سلویٰ! میں اس سے شادی کرنا چاہتا ہوں۔" لہجے کی مضبوطی بتا رہی تھی کہ ان میں پوشیدہ جذبے سطحی اور معمولی نہیں تھے۔

ردا اور عادل نے قدرے حیران نگاہوں سے ایک دوسرے کو دیکھا۔ وہ ابھی ابھی چائے لے کر وہاں آئی تھی۔

"امن کی نسبت بچپن سے ہی سلویٰ سے طے تھی اور اب سلویٰ نے اچانک اس سے شادی کرنے سے انکار کر دیا ہے۔" اس نے گویا اپنی جانب سے دھماکا کیا تھا۔ ارسل ایک پل کے لیے چونکا پھر اطمینان سے چائے کا کپ لبوں سے لگا کر بولا۔

"اب تم میرا پروپوزل لے کر جاؤ گے۔"

"ارسل بھائی! سوچ سمجھ کر فیصلہ کریں۔ اس لڑکی کا ایک ماضی ہے۔" ردا کو ان کے اس فیصلے پر جہاں مسرت ہوئی تھی، وہیں وہ یہ بھی چاہ رہی تھی کہ وہ جذبات کے ساتھ ساتھ دماغ سے بھی کام لیں۔

"ماضی پر میرا کوئی حق نہیں ہے۔"

اس کے جواب نے دونوں کو ہتھیار ڈالنے پر مجبور کر دیا تھا۔ عادل نے اپنے تعاون کا بھرپور یقین دلایا تھا۔ ثمرین تو کسی بھی صورت اپنے بھائی کی مخالفت کرنے کو تیار نہیں تھی، مگر اماں بی اور ردا کا ووٹ اس کے ساتھ تھا۔

☼ ☼ ☼

وہ ٹیرس پر کھڑی خالی آنکھوں سے لان کا جائزہ لینے میں مصروف تھی۔ درختوں کے پتے جھڑ چکے تھے۔ ٹنڈ منڈ شاخیں کس قدر اجڑی اور ویران لگ رہی تھیں۔ کسی بھی شاخ پر کوئی پھول نہیں کھلا تھا۔ اداسی تھی جو اس کے وجود کے ساتھ ساتھ زرد موسم سے بھی لپٹی ہوئی تھی۔

"باجی! آپ کے لیے پھول آئے ہیں۔" تب ہی ملازمہ ایک خوش رنگ پھولوں کا گلدستہ لیے چلی آئی تھی۔ اس نے پلٹ کر حیرت سے ان پھولوں کو دیکھا۔

"بھلا اس موسم میں کون پھول بھیجے گا۔" اس نے کارڈ اٹھا کر دیکھا اس پر ایک نظم تحریر تھی۔

کچھ نئی منزلیں، کچھ نئے راستے
کچھ نئے مرحلے، کچھ نئے ضابطے
اک نئے آسمان کی تلاش میں
کچھ نئے پروں کو سنوار لیں
اک نئی پھر سے اڑان بھریں
نئی زندگی کے واسطے
سب غموں کو بھلا کر
اک نئے آشیاں کی تلاش میں
چلو!
نئے سرے سے سجاتے ہیں زندگی

ارسل۔۔۔

"یہ ارسل کون ہے؟" ساتھ ہی ٹیلی فون کی گھنٹی بجنے لگی۔ مما اس وقت واش روم میں تھیں سو مجبوراً اسے ہی کال ریسیو کرنا پڑی تھی۔

"ہیلو!" وہ بے زاری سے بولی تو دوسری جانب انتہائی شوخ لہجے میں فرمایا گیا۔

"جتنے پھول آپ کو بھیجے ہیں نا! آئندہ برسوں کی رودرتوں میں آپ کو ایک ایک کر کے سارے پھول لوٹانے ہوں گے۔ میں ہر سال منتظر رہوں گا۔۔۔۔"

پوری بات سنے بغیر اس نے کھٹ سے ریسیور رکھ دیا تھا۔

اسے یاد تھا کہ مما دو روز قبل اس پر اس رشتے کے لیے زور دے رہی تھیں۔ اس کا دماغ سائیں سائیں کرنے لگا۔

وہ سب جو ہوا تھا وہ ابھی بھلا نہیں پائی تھی۔ امن نے اس سے ایسا کیا کہہ دیا تھا کہ پھر اس کے بعد سب ختم ہو گیا۔

اسے سوچنے کی ضرورت نہیں تھی وہ بات تو ہر پل اس کے دماغ میں گردش کرتی تھی۔

عنویٰ اپنی شادی کے بعد پہلی بار رہنے کے لیے آئی تھی۔ ایک ہفتے بعد عمر اسے لینے آیا تھا۔

سب لان میں بیٹھے چائے اور پکوڑوں کے ساتھ ساتھ باتوں سے بھی لطف اندوز ہو رہے تھے۔ تب ہی مما فون کال ریسیو کرنے اٹھ کر چلی گئی تھیں۔ عنویٰ کو اپنی پیکنگ کرنی تھی۔ پیچھے وہ اور عمر ہی رہ گئے تھے۔ وہ "اتفاقاً" مسکراتے ہوئے اسے کچھ دیر کے لیے کمپنی دینے پر مجبور ہوئی تھی، جب اچانک امن چلا آیا تھا۔ اس کے بیٹھنے کے بعد وہ اٹھ کر اندر چلی آئی تھی۔

کچھ دیر بعد عنویٰ کو رخصت کرنے کے بعد مما پھوپھو کی جانب چلی گئی تھیں۔ وہ ٹیرس پر رکھے گملوں کو پانی دینے میں مگن تھی، جب وہ بگڑے تیوروں سمیت اس کے سر پر آن کھڑا ہوا۔

"میں نے تمہیں عمر کے ساتھ زیادہ فرینک ہونے سے منع کیا تھا اور تم لان میں اس کے ساتھ تنہا بیٹھی قہقہے لگا رہی تھیں۔" اس کا لہجہ اس قدر ہتک آمیز تھا کہ سلویٰ کو اپنے کانوں کی لوئیں سلگتی محسوس ہوئیں۔

"امن! مائنڈ یور لینگویج۔" وہ تحمل سے بولی۔

"تم جیسی لڑکیاں اسی طرح ادائیں دکھا کر دوسروں کے دل میں امید پیدا کرتی ہو۔" امن نے اس کی جانب انگلی اٹھائی تھی اور سلویٰ کو پورے کا پورا آسمان اپنے سر پر گرتا محسوس ہوا تھا۔ وہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے اسے دیکھتی رہ گئی۔

"امن۔" ادائیں دکھا کر دل میں امید پیدا کرنے کا الزام۔۔۔ وہ بھی کس کے دل میں۔۔۔؟ عمر جو اس کا بہنوئی تھا۔۔۔ اس کی اکلوتی بہن کا محبوب شوہر۔

اسے لگا جیسے منوں کے حساب سے غلاظت اٹھا کر کسی نے اس کے وجود پر مل دی ہو۔ اس کا اپنا وجود ہی اس کے لیے تعفن زدہ ہو گیا تھا۔ وہ رات بھر ایک ہی زاویے پر سپاٹ سی بیٹھی رہی تھی۔

تیسرے پہر کے بعد موبائل کی بپ بجی۔ اس نے اٹھا کر دیکھا۔ ایس ایم ایس تھا۔

"سوری! میں شاید کچھ زیادہ ہی بول گیا تھا۔" اس نے موبائل اٹھا کر سامنے دیوار پر دے مارا اور اگلے ہی دن اس نے انگوٹھی اتار کر پھوپھو کو دے دی تھی۔

اس کے بعد دونوں گھروں میں بھونچال سا آگیا تھا۔ ہر کوئی اسے منانے اور سمجھانے آیا تھا، مگر اس کا انکار، اقرار میں نہیں بدلا تھا۔ بابا تو باقاعدہ اس سے خفا تھے، البتہ مما کو اس نے سب بتا دیا تھا۔ وہ اس کے ساتھ تھیں، اسی لیے اب ارسل کے رشتے کے لیے اصرار کر رہی تھیں۔

امن اس روز کے بعد کئی بار آیا تھا، مگر اس نے ملنے سے انکار کر دیا تھا۔ یہ بات اگر اس نے کسی اور کے

www.Paksociety.com

If you want to download Monthly Digests like Khwateen Digest,Kiran,Shuaa,Suspense, Pakeeza,Rida,Imran series by ibn-e-safi or mazhar kaleem,funny books poetry please visit www.paksociety.com for direct download link and with 21 supporting mirros in case of any help send mail at admin@paksociey.com

www.Paksociety.com

ساتھ منسوب کی ہوتی تو وہ روتی' خفا ہوتی' لیکن پھر اس کے منانے پر مان جاتی' مگر اس نے رشتوں کا تقدس پامال کیا تھا اور اسے اپنا دل' اپنی عزت نفس اور پارسائی سے زیادہ عزیز نہیں تھا۔

پل میں فیصلہ ہوا تھا اور اس نے ارسل کے لیے ہاں کر دی تھی۔

☼ ☼ ☼

وہ آج اس قدر خوش تھا کہ اگر اس کا بس چلتا تو برقی قمقموں کی جگہ اپنے اپارٹمنٹ کو ستاروں سے سجا دیتا چاند پر "خوش آمدید" لکھ کر اسے دروازے پر ٹانک دیتا' لیکن اس کی دسترس میں تو محض پھول تھے اور اس نے ان ہی سے سارا اپارٹمنٹ بھر دیا تھا۔

☼ ☼ ☼

سلویٰ کے نکاح میں صرف ایک روز باقی تھا۔ زیادہ لوگ مدعو نہیں تھے۔ اس نے سادگی پر اصرار کیا تھا اور بابا نے اس کی بات مان لی تھی۔

مما نے اسے جوس پلا کر کچھ دیر آرام کرنے کے لیے کہا تھا۔ وہ اٹھ کر صوفے پر نیم دراز ہو گئی تھی اور اب اس کے دماغ میں عجیب سی آوازیں گونجنے لگی تھیں۔ وہ آوازیں جنہیں وہ کل سے جھٹکنے کی کوشش کر رہی تھی' مگر شاید وہ اس کی قوت مدافعت سے زیادہ زور آور تھیں۔

اندر کی آوازیں ناقابل برداشت ہوئیں تو وہ باہر لان میں چلی آئی۔ چند گہری سانسیں لے کر اس نے اندر کے غبار کو لان کی فضا میں تحلیل کرنا چاہا' مگر بے سود۔ اس نے لہلہاتے جھومتے پودوں پر نظر ڈالی۔ ڈالی ڈالی پر اس کا لمس ثبت تھا۔ اور پتے پتے پر اس کی یادیں رقم تھیں۔ وہ گلاب کے پودے کے پاس چلی آئی۔ اس کے پتوں پر ہاتھ پھیرا تو اسے وہ وقت یاد آ گیا' جب امن نے اس کی توجہ کھینچ لینے کے جرم میں اسے جڑ سے اکھاڑ پھینکا تھا۔ بعد میں سلویٰ نے اسے دوبارہ وہیں لگا دیا تھا۔ اس نے اسے بغور دیکھا۔ وہ اسے اپنی طرح مرجھایا ہوا محسوس ہوا۔ جڑیں ایک بار اپنی مٹی چھوڑ جائیں تو پھر پہلے کی طرح کہاں پنپ سکتی ہیں بھلا!

امن اس کی یادوں سے نکل کر اچانک اس کی سماعتوں میں بولا تھا۔

"سوری پلیز! مجھے معاف کر دو۔ بس غصے میں میرا دماغ الٹ گیا تھا اور میں وہ سب بول گیا۔"

اس نے مڑ کر دیکھا۔ امن بکھرا بکھرا' ملول سا امن چہرے پر شرمندگی لیے اس کے بالکل پیچھے کھڑا تھا۔ ملگجے کپڑے' بڑھی ہوئی شیو کے ساتھ اسے پہچاننا مشکل لگا تھا۔ اس کی حالت دیکھ کر سلویٰ کا دل دھک سے رہ گیا۔

چہرے پر شرمندگی تھی۔ ایک پل کے لیے اس کی دنیا ڈگمگائی تھی' مگر اگلے ہی لمحے اس کا فیصلہ ایک چٹان کی صورت اس کے سامنے کھڑا تھا۔ کل اس کا نکاح ہونے والا تھا۔ اب اسے اپنے والدین کی عزت' اپنی خودداری اور ارسل کی بے لوث محبت کا مان رکھنا تھا۔ وہ امن کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر پورے اعتماد سے گویا ہوئی۔

"اعتبار' محبت کا سب سے بڑا سنگھار ہے۔ اعتبار کے زیور سے محبت کی دلہن آراستہ ہوتی ہے' مگر جہاں اعتبار نہ ہو وہاں محبت دلہن کے بجائے "بیوہ" کا روپ دھار لیتی ہے۔ تمہاری بخشی ہوئی زرد رتوں میں کسی نے خوشی کا پہلا پھول کھلایا ہے۔ میں اسے مایوس نہیں کر سکتی۔ جس نے میرا ماضی فراموش کر مجھے محبت کا اعتماد بخشا ہے۔

میں اب ارسل سے منسوب ہو چکی ہوں۔ کل میرا نکاح ہے..... اور ایم سوری! مجھے اس طرح لان میں تنہا کھڑے ہو کر تم سے بات نہیں کرنا چاہیے' کیونکہ میں اب کسی کی امانت ہوں۔"

وہ یہ کہہ کر وہاں رکی نہیں۔ اس نے اس پر نگاہ ڈالے بغیر اندر کی طرف قدم بڑھا دیے۔

امن اپنی "بیوہ محبت" کے ساتھ تھکے تھکے قدموں سے باہر نکل گیا۔

☼

www.Paksociety.com

www.Paksociety.com

نزہت شبانہ حیدر

جس راہ جانا

"عابدہ!" چھوٹی بھابھی نے اندر جھانکا۔

"جی بھابھی!" عابدہ نے جلدی سے ہاتھ دھو کر بھابھی کے حضور حاضری دی۔ چھوٹی بھابھی بڑی بھابھی کے مقابلے میں تنگ مزاج تھیں۔ ایک منٹ میں ہی ان کا پارہ ہائی ہو جاتا تھا۔ اس لیے عابدہ نے اسی میں خیریت سمجھی کہ ہر کام کو ادھورا چھوڑ کر پہلے بھابھی کی فرمائش سن لی جائے۔

"کچن میں اتنا اندھیرا کر رکھا ہے کہ نظر ہی نہیں آ رہا کہ کہاں پر کھڑی ہو۔"

"سامنے، سامنے ہی تو تھی اور اندھیرا اس لیے ہے کہ بڑے بھیا کا حکم ہے بجلی کا بل بہت آ رہا ہے۔ لائٹ مغرب کے بعد ہی کھلے گی۔" عابدہ نے جلدی سے صفائی دی۔ جسے چھوٹی بھابھی نے توجہ سے سنا بھی نہیں۔

"ہاں ہاں پتا ہے۔" انہوں نے بیزاری سے کہا۔ "یہاں تو بھئی انوکھا اصول ہے کہ جو گھر میں زیادہ پیسے دے رہا ہو۔ اسی کی بات سنی جائے گی۔"

"یہ تو گھر ہے۔" عابدہ نے چپکے سے سوچا۔ یہاں تو ملک بھی اسی اصول پر چل رہا ہے امریکا، پاکستان یوں جیسے دونوں جڑواں بھائی ہوں۔"

اپنے خیالات پر عابدہ کو خود ہی ہنسی آ گئی۔

"ہنس کس لیے رہی ہو۔" چھوٹی بھابھی کے تلووں سے لگی سر پر بجھی۔

"کسی پر نہیں بھابھی! کسی پر نہیں۔" عابدہ کے چہرے پر پسینے کے قطرے چمکنے لگے۔

"نہیں، تم مجھ پر ہنس رہی تھیں، ہماری غربت پر

مکمل ناول

www.Paksociety.com

ہنس رہی تھیں۔"

"غربت۔" عابدہ کے حلق میں آنسو اور قہقہے ایک ساتھ جمع ہو گئے۔ چھوٹی بھابھی نے جو سوٹ پہنا ہوا تھا، وہ کچھ نہیں تو دو ہزار کا تو تھا ہی اور وہ پھر بھی سستا تھا کیونکہ بڑی بھابھی ڈیزائنر کی تیار کردہ لان پہنتی تھیں۔ جو چار پانچ ہزار سے شروع ہوا کرتی تھی۔

اس لیے چھوٹی بھابھی اکثر ہی درد و الم میں ڈوبی ہوئی ملتی تھیں۔

"میں معظم کو بتاؤں گی، تم نے جو کچھ ابھی میرے ساتھ کیا ہے۔"

"میں نے کیا کیا ہے۔" عابدہ رو دینے کے قریب ہو گئی۔ وہ جانتی تھی۔ معظم زبان کا کتنا تیز ہے۔ عابدہ کا تو شاید پھر لحاظ کرتا مگر فائز کی شامت آجاتی۔ سارا غصہ اسی پر اتارا جاتا۔

عابدہ کی آنکھیں بے اختیار آسمان کی طرف اٹھ گئیں۔

"بس میرے اللہ اور نہیں اب اس دل میں طاقت نہیں ہے۔"

ایک کا دل تھا اور دوسرے کی زبان۔ زبان کے پیمانے میں کوئی کمی نہیں تھی اور دل وہ پیمانہ کہ بھرتا ہی رہا۔

☼ ☼ ☼

"اور خود۔ خود جو ابھی کسی لڑکی سے ملنے چلا گیا۔ وہ کس حساب میں۔"

گھر آ گیا تھا۔ فائز نے اتر کر گاڑی لاک کی اور اندر کی طرف بڑھ گیا۔ اس نے شینا سے کوئی بات ہی نہیں کی اور وہ جو سوچ رہی تھی کہ ابھی فائز کچھ نہ کچھ تو ضرور ہی کہے گا" وہ صرف پیچ و تاب کھا کر رہ گئی۔ وہ فطرتاً" آزاد خیال لڑکی تھی اور خوب صورت بھی۔ اس کے دوستوں میں لڑکے بھی شامل تھے اور صرف اسی بات پر فائز پیچ و تاب کھا کر رہ جاتا تھا۔

بہت شروع میں اس نے ایک دو دفعہ شینا کو اس طرح کی حرکتیں کرنے سے منع کیا تھا۔ بس اس دن سے شینا نے اس سے ضد باندھ لی تھی۔ وہ باتیں سنانے کا کوئی موقع جانے نہیں دیتی تھی اسے مزا آتا تھا۔ جب اس کی بہت ساری غلط باتوں کے جواب میں بھی فائز خاموش رہتا تھا۔

ان دنوں وہ بہت خاموش رہتا تھا اور شینا کے خیال میں ایسا اس لیے تھا کہ اس بے چارے کو اب ان کے گھر رہنا پڑ رہا تھا اور بقول پھوپھو کے ان کے بیٹے کا مزاج بڑا شاہانہ تھا۔ گھر میں ہر چیز اس کی مرضی کے مطابق ہوتی یہ اور بات کہ شینا کو کبھی یقین نہیں آیا۔

"بھلا یہ اتنا چپ چاپ رہنے والا لڑکا، کیا اس کی بھی کوئی مرضی ہو سکتی ہے۔؟"

رات کو اس نے یہ قصہ سب کو سنایا تھا۔

"پھپھو بھی نا بس چلتا پھرتا لطیفہ ہیں۔"

"بری بات ہے۔ اس طرح نہیں کہتے۔" سامعہ نے ڈانٹا۔

مگر اس طرح کی باتیں گپ شپ میں کون سنتا ہے اس وقت تو زندگی صرف ہنگامے قہقہے ہنسی کا دوسرا نام لگتی ہے پتا ہی نہیں لگتا۔ کہ یہی زندگی" اسی گھر میں رہنے والے کسی فرد کے لیے بہت تلخ بھی ہے عابدہ بی بی فائز کو دیکھ دیکھ کر ہولتیں۔

"فائز بیٹا! ہنس بول لیا کر" ایسے جیسے پہلے سب کچھ کرتا تھا۔"

"کس طرح امی؟" وہ ہونٹوں پر پھیکی مسکراہٹ لیے کہتا۔ "ہم کچھ بھی کر لیں امی! اب پہلے کی طرح کچھ بھی نہیں ہو سکتا اس لیے اس بات کو چھوڑ دیں۔"

"پاگل ہے، جو غم تیرا ہے۔ وہ غم میرا بھی ہے۔ پھر بھی جینا تو پڑتا ہے۔"

"یہ بات نہیں ہے امی! میں مرد ہوں منہ چھپا کر نہیں سر اٹھا کر جینا چاہتا ہوں اور وہ وقت بھی آئے گا۔ ابھی نہیں کچھ سال بعد۔"

"ان شاء اللہ۔" عابدہ بی بی نے دل کی گہرائیوں سے

کہا۔ "مگر ابھی سے ابھی سے کیوں نہیں۔"

"اس لیے کہ ابھی ہاتھ بھی خالی ہے اور دل بھی۔"

فائز اپنی بات کہہ کر وہاں رکا نہیں تھا اور تیزی سے اپنے کمرے کی طرف چلا گیا۔

☼ ☼ ☼

"دیکھو عابدہ! میں یہ کہہ رہی تھی کہ رات کے کھانے پر میری آپا آ رہی ہیں دو تین ڈشنز زیادہ بنا لینا۔"

"دو تین چھوٹی بھابھی! گرمی بہت ہو رہی ہے۔ آپ کو پتا بھی ہے میری طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔"

ابھی تین دن پہلے ہی عابدہ کا بخار اترا تھا۔ لیکن چکر اور کمزوری ابھی بھی باقی تھی۔

عابدہ کو اچھا نہیں لگتا تھا کہ بیٹے سے کوئی کام کہے، پہلے ہی فائز گھر کے چکروں میں ہلکان ہو جاتا تھا لیکن سر کا درد اتنا بڑھ گیا تھا کہ اسے فائز سے کہنا پڑا کہ وہ تھوڑی دیر اس کا سر دبا دیا کرے۔

اور وہ بھی اتنا سعادت مند تھا کہ اس نے اپنی ڈیوٹی بنالی تھی کہ جب ماں رات کو تھک کر کمرے میں آتی تھی تو آدھا گھنٹہ تو ضرور ہی سر دبا دیتا تھا۔ اس کے علاوہ اس کے اختیار میں اور تھا بھی کیا۔

کہانی بڑی عجیب اور پرانی تھی اور اس کی سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ ایسا کیوں ہوتا ہے۔ لیکن بے رحم وقت نے اسے سکھا دیا تھا کہ ایسا ہی ہوتا ہے۔

☼ ☼ ☼

بابا کی زندگی تک وہ بہت کھلنڈرا سا تھا۔ پھر یہ کہ اللہ بھی۔ وہ دونوں ہی کا لاڈلا تھا۔ بابا کی تنخواہ گو کہ زیادہ نہیں تھی۔ مگر پھر بھی وہ اس کی ساری فرمائشیں پوری کرتے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ انہوں نے اسے اچھے اسکول میں پڑھایا اور وہی پڑھائی آج اس کے کام آ رہی تھی۔

ان کے انتقال کے بعد امی اسے لے کر ماموں کے پاس آ گئیں ...... اور زندگی اتنی نامہربان بھی ہو سکتی ہے۔ یہ اسے یہیں آ کر پتا چلا تھا۔

اور یہ بھی پتا چلا تھا کہ ہمیشہ ایسا کیوں ہوتا ہے کہ گھر کا وہ بچہ جو سب سے مظلوم ہوتا ہے۔ جس کے پاؤں کے نیچے سخت زمین ہوتی ہے اور نامہربان آسمان۔ وہی بچہ سب سے زیادہ کس طرح پڑھ جاتا ہے۔

کیونکہ اس کے پاس پڑھنے کے علاوہ کوئی دوسرا کام نہیں ہوتا۔

اس کے ساتھ کے سارے کزنز نیٹ میں گھسے رہتے۔ لڑکیوں سے چیٹنگ ہو رہی ہے۔ نت نئے پروگرام بن رہے ہیں" اس سے فارغ ہوتے تو ماموں کی گاڑی لے کر نکل جاتے" اس کے بعد اتنا ٹائم ہی کہاں بچ پاتا تھا کہ صحیح طریقے سے پڑھائی ہو پاتی۔

اور یہ سارے کام تو خود فائز بھی کرتا تھا۔ جیسے ہی بابا نے بائیک خریدی تھی وہ لے کر نکل جاتا تھا اور بابا چیختے ہی رہ جاتے کہ فائز تیز نہیں چلانا۔

اور اب کچھ نہیں تھا۔ لے دے کر صرف کتابیں تھیں۔ جو اسے سہارا دیتی تھیں۔ اس کی دوست بن گئی تھیں۔ اب امی کو اس کے پیچھے لگنا نہیں پڑتا تھا کہ فائز کچھ پڑھ لو۔

کیونکہ اب اس نے صرف پڑھنا ہی تھا۔ لیکن پڑھائی کے لیے بھی وقت کہاں ملتا تھا۔ سب اسے چھوٹے چھوٹے کاموں کے لیے آواز دیتے تھے اور اس میں صرف وہی لمحے اسے سکون کے ملتے تھے۔ جب وہ ڈرائیوری کے فرائض انجام دے رہا ہو۔ پہلے پہل تو وہ بھنّایا ہوا رہتا۔

لڑکیاں شاپنگ کے لیے جاتیں۔ تو ایسا لگتا کہ واپس آنا ہی بھول گئی ہیں۔ دوستوں کے پاس گئی ہوں تو وہیں کی ہو جاتی تھیں اور فائز کی سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ کرے تو کیا۔ لیکن اللہ تعالیٰ بہت مہربان ہے۔ وہ کوئی نہ کوئی راہ سجھا ہی دیتا ہے۔ ایک دن دماغ میں نہ جانے کیا آیا کہ کتابیں اس نے گاڑی میں رکھ لیں۔

اور یہ بہت اچھا رہا۔ وہ گھنٹے جو گزرنے میں نہیں آتے تھے وہ یوں گزرتے کہ پتا ہی نہیں چلتا۔ اس نے سکون سے ایک جگہ بیٹھ کر پڑھائی کر لیتا۔

www.Paksociety.com

ایک دن وہ اسی طرح پڑھ رہا تھا۔ جب اچانک کسی لڑکی نے کھڑکی کو انگلی سے بجایا۔

فائز ایک دم ڈر گیا۔ شینا اپنی دوست کے پاس آئی ہوئی تھی۔ پورے گھر میں وہی سب سے زیادہ فسادی تھی۔ اگر بات کرتے دیکھ لیتی تو قیامت لے آتی۔

فائز نے دو ایک دفعہ اسے کسی بات پر ٹوکا تھا' اس نے تب سے دشمنی باندھ لی تھی۔ اسے باتیں سنانے کا کوئی موقع ہاتھ سے جانے نہیں دیتی تھی اس نے لڑکی پر نظر ڈالنے سے پہلے دروازے پر نگاہ کی۔

"پلیز!" لڑکی نے ملتجی لہجے میں کہا۔ "میری امی کی طبیعت خراب ہے' ان کو ہسپتال لے کر جانا ہے اور ابھی کچھ بھی نہیں مل رہا ہے۔"

فائز نے ایک نظر لڑکی کے پریشان چہرے کی طرف دیکھا۔ وہاں رخساروں پر آنسوؤں کے نشان ابھی تک چمک رہے تھے۔ اس کا دل چاہا وہ فوراً" سے پیشتر لڑکی کی مدد کرے لیکن ایسا کرنا' اپنی شامت کو آواز دے کر بلانا تھا۔ فائز کی سمجھ میں ہی نہیں آیا کہ وہ کیا کہہ کر لڑکی کو منع کرے۔

کہ وہ مرد ہو کر ایک لڑکی کی زبان سے خوف زدہ ہے یا یہ کہ گاڑی اس کی نہیں ہے وہ ڈرائیور ہے۔

اس نے منہ کھول کر یہ سب کچھ کہنا چاہا تو آواز نے ساتھ دینے سے انکار کر دیا۔

کیونکہ آج تک ایسا ہوا نہیں تھا کہ کسی نے بھی اسے کام کا کہا ہو' اور اس نے انکار کر دیا ہو اور انکار تو اس نے ابھی بھی نہیں کیا تھا۔

"اللہ مالک ہے۔" فائز نے دل میں سوچا اور گاڑی سے باہر نکل آیا۔

"آپ کا گھر کہاں ہے' میں آپ کی والدہ کو لے کر آ جاتا ہوں۔" اور وہ لڑکی جو اس کے چپ رہنے پر مایوس ہو کر پلٹ رہی تھی۔ ایک دم اس کی آنکھیں چمکنے لگیں۔

"بہت بہت شکریہ۔" وہ اسے لیے ہوئے پچھلی گلی میں واقع اپنے چھوٹے سے گھر میں لے آئی۔

اسے ہسپتال پہنچے ہوئے آدھا گھنٹہ ہی گزرا تھا کہ شینا کا فون آ گیا۔

"کہاں ہو تم؟" وہ غرائی۔

"کچھ دیر میں آ کر بتاؤں گا۔" اس نے سیل کو آف ہی کر دیا۔

ہسپتال کے سارے کام کرواتے ہوئے بھی اس کے دماغ میں شینا کی آواز ہی گونجتی رہی۔ غرور اور تحکم میں ڈوبی ہوئی آواز۔

"لڑکیوں کی آواز اس طرح کیسے ہو سکتی ہے۔" وہ اکثر حیران ہو کر سوچتا تھا۔ یہ اور بات کہ اتنے کام سر پر ہوتے تھے کہ اسے زیادہ حیران ہونے کا موقع بھی نہیں ملتا تھا۔

سارے کام کروانے میں دو گھنٹے تو لگ ہی گئے۔ زویا اور اس کی امی کو گھر چھوڑ کر واپس شینا کے پاس آیا۔ تو وہ بلی کی طرح اس پر جھپٹ پڑی۔

"کہاں چلے گئے تھے؟ میں یہاں پر پاگل ہو رہی تھی تمہیں کچھ احساس ہے کہ نہیں؟"

"کیوں؟ میں نے بتا تو دیا تھا کہ تھوڑی دیر لگ جائے گی۔" فائز نے تحمل سے کہا۔

"تم کوئی نواب کے بچے ہو کہ کسی سے بھی ملنے پہنچ جاؤ گے اور پھر وہاں سے فون کھڑکا دو گے۔"

وہ خاموش رہا جواب بھی کیا تھا اس کے پاس۔

"اب خاموش کیوں کھڑے ہو؟"

"آپ کے بیٹھنے کا انتظار کر رہا ہوں۔" فائز کے سرد مزاجی سے کہنے پر وہ پیچ و تاب کھاتے ہوئے بیٹھ گئی۔

وہ بہت دنوں سے دیکھ رہی تھی کہ فائز بہت سر چڑھ گیا ہے۔ ہر بات کو سر جھکا کر سننے والا اب سر اٹھا کر بات کرنے لگا تھا۔ لیکن وہ اس سے زیادہ الجھ نہیں سکتی تھی' کیونکہ بڑے ماموں نے سختی رکھی ہوئی تھی۔ لڑکیوں کو کہیں بھی اکیلے آنے جانے کی اجازت نہیں تھی۔

انہیں جہاں بھی جانا ہوتا تھا' وہ فائز کے ہمراہ ہی جاتی تھیں۔ فائز سے پہلے یہ کام خان بابا انجام دیتے تھے جو اب کافی بوڑھے ہو گئے تھے۔ اب یہ ذمہ داری فائز کی تھی۔ اگر وہ اس سے الجھ بیٹھتی تو پھر اسے گھر میں بند ہونا پڑتا جو اسے کسی طور بھی منظور نہ تھا سو خون کے گھونٹ پیتے ہوئے چپ ہو گئی۔

✲ ✲ ✲

عابدہ نے جلدی جلدی چاولوں کو دم دیا۔ آج ان کی کمر میں شدید درد ہو رہا تھا۔ کچن میں آنے کی بالکل بھی ہمت نہیں تھی۔ انہوں نے دو گولیاں لیں۔ تب جا کر تھوڑی جان میں جان آئی۔

ایک تو دونوں بھابیوں کو اپنے میکے والوں کی دعوت کرنے کا بہت شوق تھا ابھی ایک بلاتی تو کل دوسری کیوں پیچھے رہتی۔

اب عابدہ کو اپنی غلطی کا احساس ہوتا تھا کہ انسان کو بالکل بے زبان گائے بھی نہیں ہونا چاہیے۔ ان کا اس گھر سے رشتہ تھا۔ لیکن انہوں نے تو خود ہی اپنے آپ کو ملازمہ کے عہدے پر فائز کر لیا تھا۔

بہت دفعہ ان کا دل چاہتا کہ وہ کھانا خراب بنا دیں یا نمک تیز کر دیں۔ لیکن پھر اللہ سے فوراً" معافی مانگ لیتیں۔ انہوں نے تو فائز کو بھی یہی سبق دیا تھا کہ بیٹا! کبھی بے ایمانی نہیں کرنا۔

پھر وہ خود کس طرح بے ایمانی کر سکتی تھیں۔ بہت ساری باتوں کا تو گھر کے مردوں کو علم نہیں ہوتا۔ بھابھی اپنی نہیں تھی' تو بھائی تو اپنا تھا۔ کم از کم اس سے ہی کبھی بات کر کے دیکھا ہوتا۔

ہر چیز کا ایک وقت ہوتا ہے۔ اب ان کے اندر اتنی طاقت نہیں تھی کہ وہ اکیلے ان سارے کاموں کو دیکھ پاتیں۔ وہ چاہتی تھیں کہ ان کی مدد کے لیے ایک ملازمہ رکھ لی جائے۔ وہ اس کے لیے بھابھیوں سے بات کرنا چاہتی تھیں' مگر وہ جب بھی اس موضوع پر آنا چاہتیں' بڑی بھابھی فوراً" بڑھتی ہوئی مہنگائی اور اخراجات کے پورے نہ ہونے کا شکوہ لے بیٹھتیں' یوں جیسے کوئی رٹا ہوا مضمون۔ شروع شروع میں تو وہ واقعی پریشان ہو جاتی تھیں کہ بڑے بھائی کو بزنس میں مسلسل نقصان ہو رہا ہے پھر بینک کے لون ادا کرنے ہیں۔ گھر کے اخراجات۔ اس کے بعد اتنی گنجائش ہی کہاں بچتی تھی کہ ان کے ساتھ کسی کو مددگار کے طور پر رکھا جاتا۔

اس لیے وہ ہر دفعہ خاموش ہو جاتیں۔ پھر بہت عرصے کے بعد عابدہ بیگم کو پتا چلا کہ سب کے سب کام پورے ہو رہے ہوتے تھے' صرف ان ہی کے کسی کام میں سب کو اپنے خرچے یاد آ جاتے تھے۔

اور جس دن انہیں یہ بات سمجھ میں آئی ان کے دل کو اتنی تکلیف پہنچی کہ انہوں نے پھر کبھی پلٹ کر کہا ہی نہیں اور وہاں پرواہ بھی کس کو تھی کہ عابدہ بیگم اب پہلے سے بھی زیادہ کیوں خاموش رہنے لگی ہیں۔

www.Paksociety.com

اس وقت بھی بریانی کی اتنی بھاری پتیلی کو اٹھاتے ہوئے ان کے منہ سے کراہ نکل گئی۔ "ڈاکٹر کو دکھانا ہی پڑے گا" انہوں نے دل میں سوچا اور بڑی بھابھی سے کہہ بھی دیا۔

"ٹھیک ہے۔" انہوں نے ہاتھ ہلاتے ہوئے کہا "کسی دن نکلیں گے تو تمہارا چیک اپ کروا دیں گے۔"

اس بات کے بعد وہ کوئی سو دفعہ تو باہر گئی ہوں گی۔ مگر انہیں کبھی یاد ہی نہیں رہا کہ عابدہ نے ان سے اپنی کسی تکلیف کا ذکر کیا تھا۔

پتا نہیں دوسروں کے معاملے میں ہم اتنے بے رحم کیوں ہو جاتے ہیں۔

٭ ٭ ٭

"زویا! کتنی دیر سے فرش دھوئے جا رہی ہے۔" امی نے اندر سے پکارا تو زویا نے پائپ رکھ دیا۔

"بس دنیا کے جتنے فالتو کام ہوں۔ وہ کوئی تجھ سے کروالے۔ اتنی سردی میں ضرورت کیا ہے۔"

کبھی کبھی بہت سارے فالتو کاموں کی ضرورت پڑ جاتی ہے۔ صرف اس لیے کہ کچھ وقت گزر جائے۔ کبھی کبھی ہمیں کتنی ضرورت پڑ جاتی ہے کہ وقت ہم پر زیادہ نہیں تھوڑا سا مہربان ہو جائے یہ اور بات کہ وقت کی یہ مہربانی راس نہ آئے۔ زویا نے افسردگی سے سوچا۔ صرف ایک ہفتہ پہلے جب امی کی طبیعت زیادہ خراب ہو گئی تھی۔ کس طرح وہ لڑکا رحمت کا فرشتہ بن گیا تھا۔ لیکن ایک بات اتنی خراب صورت حال میں بھی اس کے ذہن میں چبھتی تھی۔

اس نے بہت سارے آتے جاتے لوگوں میں سے صرف اس سے مدد مانگی تھی۔ چہرے دل کا آئینہ ہوتے ہیں اور اس کی آنکھیں اس کا چہرہ بڑا شفاف تھا مگر اس نے مدد بھی کی اور بہت اچھے طریقے سے سب چیزوں کو مینیج بھی کیا۔ یہ اور بات کہ اس کی آنکھوں سے جھلکتی پریشانی زویا کی آنکھوں سے چھپی نہیں رہ سکی۔ اسے حیرت بھی ہوئی تھی۔

لڑکوں کی تو اپنی ہی ایک دنیا ہوتی ہے۔ جہاں ہنسی، مذاق، مستی، ہلا گلا ہی ہوتا ہے۔

زویا فطرتاً ہمدرد لڑکی تھی۔ لیکن اسے پتا تھا کہ یہ کوئی موقع نہیں ہے کہ وہ اس سے پریشانی کی وجہ پوچھے یا اس سے ہمدردی کرے۔ وہ راہ میں ملنے والے کچھ دیر کے اجنبی شناسا سا تھے اور انہیں پھر اجنبی راستوں پر پلٹ جانا تھا پھر ایسے میں کس سے ہمدردی کی جائے۔ کس کی دل جوئی کی جائے۔ اور زویا کو لگتا تھا کہ اب تو سب سے زیادہ اسے ہی دل جوئی کی ضرورت رہ گئی ہے۔ کوئی اسے ہی تسلی دے دے۔ کوئی اسے آ کر تھوڑا سا سمجھا دے کہ کسی کے پیچھے یوں اپنے آپ کو برباد نہیں کرتے۔ خوار نہیں کرتے، جانے کس راہ کا مسافر تھا اور کہاں چلا گیا۔ اب کیا زندگی حرام کی جائے۔ لیکن پھر زویا کو پتا چل گیا۔ کہ زندگی حرام کی نہیں جاتی، وہ تو پہلے ہی ہو چکی ہوتی ہے۔ پتا نہیں دنیا میں اتنے اچھے لوگ کیوں ہوتے ہیں۔ اور اگر ہوتے ہی ہیں تو پھر انہیں دوبارہ ملنا بھی چاہیے۔ وہ کھو کیوں جاتے ہیں۔

ایسی اور اسی قسم کی اوٹ پٹانگ سوچیں اس کے ذہن میں آتی رہتیں۔ جن پر بعض اوقات اسے خود ہی ہنسی آجاتی۔

اس کو اگر یہ پتا چل جائے کہ اس کے متعلق کیا سوچا جا رہا ہے تو آئندہ مر کر بھی کسی کی مدد نہیں کرے گا۔ زویا خود ہی مسکرا دی اور مسکرانے پر اسے یاد آیا۔ کہ اس کے ہونٹوں کو مسکراہٹ نے کتنے دنوں بعد چھوا ہے۔ امی دو تین دفعہ اسے ٹوک چکی تھیں۔

"بیٹا! اب میں ٹھیک ہوں۔ ہنسا بولا کرو، تم تو بالکل ہی گم صم ہو گئی ہو۔" اور زویا شرمندہ ہو جاتی۔

مائیں کتنی معصوم ہوتی ہیں۔ امی سمجھ رہی ہیں کہ وہ ان کی وجہ سے پریشان ہے۔

"اس دن پریشانی بھی تو بہت ہو گئی تھی۔" امی بات کا سرا جوڑتیں۔ "گھر میں ایک مرد کا ہونا کتنا ضروری ہے۔"

"امی! علی کو گئے ہوئے تو ایک سال ہو گیا ہے۔

سب دنیا کے کام چل ہی جاتے ہیں۔" اس نے لاپروائی سے کہا۔ وہ یہ جتا کر خود کو کمزور نہیں کرنا چاہتی تھی کہ اس دن وہاج کتنا یاد آیا تھا۔

"اللہ تعالیٰ! اس لڑکے کو بہت کامیابی دے۔ جو اس دن فرشتہ بن کر آیا تھا۔" جب سے وہاج باہر گیا تھا۔ امی ہر لڑکے کو یوں ہی دعا دیا کرتی تھیں۔ انہیں ہر لڑکے میں وہاج کا عکس نظر آتا اور وہ چڑ جایا کرتی۔

"امی! اتنی دعائیں نہ دیا کریں۔ لوگ الٹا مطلب نکال لیتے ہیں۔" امی ہنس کر اس کی بات ٹال جاتیں۔

"بیٹا! دعاؤں سے غلط مطلب کیسے نکالا جا سکتا ہے۔"

لیکن آج اسے برا اچھا لگا۔ خود اس کے دل نے بھی چپکے چپکے کتنی دعائیں کی تھی۔ اس کی کامیابی کی نہیں اس سے ملنے کی۔

٭ ٭ ٭

شہنا آج پھر تیار کھڑی تھی۔ فائز کو اس کی ڈریسنگ دیکھ کر الجھن ہونے لگی۔ "پتا نہیں دوستوں کے گھر اس قدر تیار ہو کر جانے کی کیا ضرورت ہے۔" اس نے کڑھ کر دل میں سوچا۔

ایک ہفتے کے بعد اس کے سمسٹر بھی شروع ہو رہے تھے اور گاڑی میں کم از کم دو گھنٹے تو اسے مل ہی جاتے۔ اس نے اپنا بیگ گاڑی میں رکھا اور وہ بٹوہ لینے اندر چلا گیا۔

واپس آیا۔ تو شہنا اس کا بیگ کھولے بیٹھی تھی۔

"یہ کس کا ہے؟" اس نے سوال کیا۔

"میرا۔" فائز نے مختصراً جواب دیا۔

"اچھا!" شہنا نے بڑی مشکل سے اپنے قہقہے کا گلا گھونٹا۔ "میرا خیال ہے۔ اسے پڑھا بھی جاتا ہے اور میں نے تو تمہیں کبھی پڑھتے نہیں دیکھا۔ تم نے کس کے کہنے میں آ کر۔" شہنا کے لہجے میں دبا دبا تمسخر تھا۔

فائز کا دل تھا کہ اس سے کہہ دے۔

"آپ اپنی توانائی وہاں خرچ کریں، جہاں اس کی ضرورت ہو۔" مگر اس نے خود کو روک لیا۔

شہنا نے ایک لمحے اس کے جواب کا انتظار کیا۔ پھر اسے غصہ آنے لگا۔ آج کل تو یوں بھی غصہ کرنے کے لیے اسے کسی وجہ کی ضرورت نہیں پڑتی تھی۔ کتنے دن ہو گئے تھے۔ یہ سلسلہ چلتے ہوئے۔

ڈیڑھ سال ..... اور بات آج بھی وہیں تھی۔ آج بھی شہنا کو لگتا تھا کہ آذر اسے کبھی نہیں مل پائے گا۔

وہ اتنا شان دار لگتا تھا کہ کبھی کبھی تو شہنا کو یقین نہیں آتا کہ اسے آذر کی چاہت اور ہمراہی نصیب ہے۔ اس نے کتنی دفعہ اپنے نصیب سے پوچھا کہ ایسا کیونکر ہو گیا۔ وہ تو آذر کے مقابلے میں کچھ بھی نہیں تھی۔ اسے خوب صورت نظر آنے کے لیے پورے ایک گھنٹے کی محنت درکار ہوتی تھی۔ پھر بھی اسے لگتا، ابھی بھی بہت کمی رہ گئی ہے اور آذر وہ نیند سے بھی اٹھ کر آجاتا تھا، تو شہنا کو یوں لگتا کہ ارد گرد کی ساری چیزیں اس کی خوب صورتی کے آگے ماند ہو گئی ہیں۔

آذر اس کی دوست عبیر کا کزن تھا۔ وہ ابھی کچھ عرصہ پہلے ہی لاہور سے اپنے کام کے سلسلے میں کراچی آیا تھا۔ آذر سے اس کی ملاقات عبیر کے گھر پہ ہوئی تھی۔

وہ اس یونانی مجسمے کو دیکھتی ہی رہ گئی تھی۔ خیر ایک اسی پر ہی کیا منحصر وہاں پر آئے ہوئے بہت سے لوگوں نے اسے ایک دفعہ تو پلٹ کر ضرور دیکھا تھا۔

پہلے بھی وہ کم بے باک نہ تھی اور آذر سے ملنے کے بعد تو اس کی سوچوں میں کچھ زیادہ ہی بغاوت کا عنصر آگیا تھا۔ وہ پہلے بھی گھر کی پابندیوں کو کون سا خاطر میں لاتی تھی اور اس معاملے میں اس کو ماں کی مکمل حمایت بھی حاصل تھی۔ سارے خاندان کا خیال تھا کہ اس کو بگاڑنے میں بہت حد تک ہاتھ اس کی ماں کا تھا۔ جبکہ شہنا اور اس کی ماں کا یہ خیال تھا کہ یہ سارے چھوٹے ذہن کے لوگ ہیں جو پرانے زمانے کی طرح چاہتے ہیں کہ عورتیں بس کبوتروں کی طرح ایک کابک میں بند رہ کر زندگی گزار دیں۔

شہنا کا بس چلتا تو ایسے تمام لوگوں کو اپنے گھر سے باہر نکال دیتی جنہیں ابو نے جمع کیا ہوا تھا اور ان میں

www.Paksociety.com

سب سے پہلا نمبر پھوپھو اور فائز کا ہوتا۔ پھوپھو جو ہر بات میں نصیحت کرنا اپنا فرض سمجھتی تھیں اور دوسرا فائز جو کہتا تو کچھ نہیں تھا مگر اس کی آنکھوں سے جھلکتی بیزاری اور ناپسندیدگی شینا کی نظروں سے چھپی ہوئی نہیں تھی۔

فائز کو تو وہ دو کوڑی کی بھی اہمیت دینے کو تیار نہیں تھی۔ مگر مسئلہ یہ تھا کہ ابو نے اسے اس کے سر پر مسلط کر دیا تھا۔ کہیں آنا جانا ہو' اسے فائز کی خدمات ہی لینا پڑتی تھیں اور آذر کی وجہ سے وہ برداشت کرنے پر مجبور تھی۔ اس سے ملاقات کی اور کوئی صورت نہیں تھی۔ سوائے اس کے کہ وہ عبیر کے گھر چلی جائے وہاں بھی تو آذر موجود ہوتا اور کبھی وہ پچھلے گیٹ سے اس کے اپارٹمنٹ تک چلی جاتی۔ جہاں فون کر کے اسے نیچے بلا لیتی۔ اور پھر دونوں کافی شاپ پر چلے جاتے۔

شروع شروع میں شینا کو ڈر لگتا تھا۔ کوئی دیکھ نہ لے۔ کچھ ہو نہ جائے۔ ایک غلط ہونے کا احساس ہوتا تھا۔

لیکن برائی میں بڑی کشش ہے' بہت لچک ہے' جو اندر جلتے ہوئے بہت سے شعلوں کو بجھا دیتی ہے۔ آپ برے کام کو تواتر سے ادا کرتے ہیں۔ تو وہ ایک ننھا سا احساس بھی ختم ہو جاتا ہے۔ جو کبھی کبھی اندر ہی اندر بے چین کرتا ہے۔

آذر لڑکیوں سے دور بھاگتا تھا' وہ شینا سے کہتا۔

"مجھے الجھن ہونے لگتی ہے۔ لڑکیوں سے آخر انسان کیا باتیں کرے۔ عموماً" خوب صورت لڑکیوں کے پاس دماغ نہیں ہوتا۔" تو شینا کو خود اپنے اوپر رشک آنے لگتا۔ آذر نے کہا تھا۔

"بہت عرصے کے بعد میں نے ایسی لڑکی دیکھی ہے جس کے پاس صورت کے علاوہ دماغ بھی ہے' جو بات کو سمجھ سکتی ہے جس سے باتیں کر کے مزا آتا ہے۔"

پھر شینا کیوں مغرور نہیں ہوتی۔ پہلے اگر وہ دن میں دس مرتبہ آئینہ دیکھتی تھی۔ تو اب بیس مرتبہ یہ کام کرتی تھی۔ اور جن کتابوں پر گرد کی تہیں جم چکی تھیں۔ چچا سے وہ کتابیں لے کر صاف کر کے ان کو بھی پڑھ لیا تھا۔ ایسے قابل بندے سے بات کرنے کے لیے کچھ تو ہونا چاہیے۔ مگر کتابیں پڑھنی کون سی آسان تھیں۔

دس دن میں ایک کتاب جا کر ختم ہوتی۔ پھر دوسری شروع کرتی۔ لیکن ہوتا یہ تھا کہ جب تک وہ پہلی بھول جاتی۔ دماغ میں اتنے خیالات اور چالاکیاں گھسی ہوتی تھیں کہ کتابیں اور ان کا پڑھا ہوا یاد ہی نہیں رہتا۔ اب انسان محبت کرے یا کتابیں پڑھے۔ آخر شینا نے تنگ آکر کتابیں چھوڑ دی تھیں۔ لیکن جو کچھ بھی پڑھا تھا۔ ان سب چیزوں نے کم از کم اتنی عقل ضرور دے دی تھی۔ کہ اس نے کبھی آذر کے تنہا فلیٹ پر قدم نہیں رکھا تھا۔ وہ ہمیشہ باہر ہی مل لیا کرتی تھی نہ صرف یہ کہ مل لیتی تھی۔ بلکہ شادی پر بھی زور دینے لگی تھی۔

اسے خوف تھا۔ ایک نہ ایک دن کوئی اسے دیکھ لے گا۔ اس سے پہلے ہی وہ چاہتی تھی کہ آذر سے اس کا کوئی ایسا رشتہ قائم ہو جائے۔ جس سے اس کے دل کو تسلی ہو جائے کہ ایسا شان دار بندہ اس کا ہے' وہ شدت سے اس دن کی منتظر تھی۔ جب لوگوں کی آنکھیں اس کی طرف اٹھیں گی۔ اور ان آنکھوں میں ستائش کے رنگ ہوں گے اور کچھ آنکھیں جن میں حسد کے رنگ۔

شینا بیٹھے بیٹھے ہی تصور میں کھو جاتی۔ اس وقت بھی وہ بیٹھے بیٹھے آذر کے پاس پہنچ گئی تھی۔ مگر آنکھ کھلی تو سامنے فائز موجود تھا اور ایسا پہلی دفعہ نہیں تھا۔ عموماً" یہی ہوتا تھا اور ہمیشہ اس کا حلق اندر تک سے کڑوا ہو جاتا تھا۔ حالانکہ عبیر کہتی تھی۔

"شینا تمہارا دماغ خراب ہے۔ تمہارا یہ کزن فائز بہت اچھا ہے۔ تمہیں نہ جانے کیوں اس سے اتنی چڑ ہے۔" اور اس سوال کا اس کے پاس کوئی جواب نہیں تھا۔

"جلدی آجائیے گا۔ مجھے کچھ کام ہے۔" وہ گاڑی سے اترنے لگی تو فائز نے کہا۔

"میں تمہارے کاموں کی ذمہ دار نہیں ہوں۔"

شینا کھٹ کھٹ کرتی آگے بڑھ گئی۔

"عبیر تو سمجھ دار لڑکی ہے۔ پتا نہیں دو ڈھائی گھنٹے کیسے اس کی باتوں کو برداشت کر لیتی ہے۔"

اس نے بیگ سے پیپرز نکالتے ہوئے سوچا۔ پھر سیٹ بیلٹ سے خود کو آزاد کرایا۔ سیٹ کو پیچھے کی طرف کیا۔ اور پڑھنے کی تیاری شروع کر ہی رہا تھا کہ ایک دم کھڑکی میں کوئی سایہ آکر ٹھہر گیا۔ خاموشی سے۔ آہستگی سے۔

فائز نے چونک کر نظریں اٹھائیں۔ وہ اسی دن والی لڑکی تھی صرف اس فرق کے ساتھ کہ آج اس کے چہرے پر آنسوؤں کے نشان نہیں تھے۔ آج اس کی آنکھوں میں شکر گزاری کے جذبات تھے فائز کو تھوڑی سی حیرت ہوئی وہ گھر میں بہت سارے لوگوں کے کام آتا تھا۔ کہنے پر اور بغیر کہے بھی بہت سارے کام کر دیا کرتا تھا۔ مگر نہ کوئی زبان سے کچھ کہتا تھا۔ اور نہ ہی کسی کے چہرے پر شکریہ کے جذبات نظر آتے تھے یہ تو بالکل ایک انوکھی سی بات تھی۔

پھر اس دن فائز کے لیے بہت ساری انوکھی باتیں ایک ساتھ ہوئیں زندگی کے بہت سارے وہ پہلو جن سے وہ اب تک نا آشنا تھا اس نے اس دن ان سب کا ذائقہ چکھا۔

محبت کا' احسان مندی کا' شکر گزاری کا۔ وہ دن اس کی زندگی میں آنے والے بہت سارے دنوں سے مختلف تھا اور بہت اچھا تھا۔

ایسا ہی گھر اس نے ہمیشہ سوچا تھا۔ جہاں محبت ہو' خوش گمانیاں ہوں۔ جہاں کی دیواروں سے خود غرضی کے سائے نہ لپٹے ہوں۔ وہ تو وقت کی کمی کی وجہ سے کبھی دوست بھی نہیں بنا پایا تھا۔

زویا کی امی اس سے بہت محبت سے پیش آئی تھیں۔ اس سے بار بار کہا کہ کبھی اپنی امی کو لے کر آنا اور وہ پہلی جگہ تھی۔ جہاں وہ بہت اعتماد سے سر اٹھا کر بیٹھا تھا۔ جہاں کسی کے چہرے پر کرختگی کے سائے نہیں تھے۔ بلکہ کسی کی آنکھوں کی نرم روشنی کا حصار اس کے گرد تھا۔ ایسا اس نے کیا کر دیا تھا۔ کچھ بھی نہیں۔

اپنے گھر کی لڑکیوں کو تو اس نے کبھی غور سے دیکھا بھی نہیں تھا۔ نہ حالات ایسے تھے نہ فرصت تھی اور نہ وہ خود ایسا تھا۔ ہاں جو ذمہ داری اس کے سر پر تھی۔ یہ کوشش اس نے ضرور کی تھی کہ اس کو صحیح طریقے سے نبھا سکے۔ ایمان داری سے انجام دے سکے یا پھر ایک بڑے بھائی کی طرح ان کا خیال رکھ سکے۔ حالانکہ وہاں کس کو پروا تھی۔ وہ اپنی دنیا میں مگن رہنے والی لڑکیاں تھیں۔ لیکن زویا ان سب سے مختلف تھی اور اس کی آنکھوں کا تاثر بھی۔ اس میں ہمدردی تھی اور شاید محبت بھی مگر کیوں؟ اس میں تو ایسی کوئی بات نہیں تھی کہ اس سے محبت کی جاتی۔

فائز اس پوری رات سو نہیں سکا۔ صبح کو عابدہ اس کی لال آنکھیں دیکھ کر پریشان ہو گئیں۔ "کیا ہو گیا فائز! طبیعت تو ٹھیک ہے؟"

"جی امی!" اس نے مختصراً" کہا۔

"نہیں۔ مجھے تو ٹھیک نہیں لگ رہی۔ تھرمامیٹر دو میں تمہارا بخار دیکھوں۔"

"اف امی! بخار نہیں ہے' صحیح کہہ رہا ہوں۔"

"اچھا تو پھر ایسا کیوں لگ رہا ہے کہ تو رات بھر سو نہیں سکا۔"

"میں آج تک نہیں جان سکا کہ آپ کو ہر بات کس طرح پتا چل جاتی ہے۔" فائز نے حیرانی سے کہا۔

"مجھے نہیں۔" عابدہ نے مسکرا کر کہا۔ "ہر ماں کو ہر بات پتا چل جاتی ہے۔ مگر بچے اس بات کو نہیں سمجھتے۔"

"مگر میں تو آپ کی ہر بات کو سمجھتا ہوں۔"

عابدہ کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ جنہیں انہوں نے حلق میں ہی اتار لیا۔

"ابھی تمہارے سمجھنے کی عمر نہیں تھی۔ تمہارے سوچنے کی عمر بھی نہیں تھی مگر تمہیں دونوں کام کرنا پڑے۔"

"اس سے کیا فرق پڑتا ہے۔"

"ایک ماں کے لیے بہت فرق پڑتا ہے۔ میں جب

www.Paksociety.com

اپنے بھتیجیوں کو دیکھتی ہوں۔ جو سارا دن گاڑی لے کر گھومتے ہیں۔ پکنک پر جاتے ہیں۔ آئے دن پارٹی کرتے ہیں اور پھر تمہیں دیکھتی ہوں تو میرے دل کو بہت تکلیف ہوتی ہے۔"

"کوئی فرق نہیں پڑتا امی! کچھ لوگوں کے نصیب میں ہوتا ہے کہ انہیں وقت سے پہلے بڑا بننا پڑے۔ اسے آپ کس طرح روک سکتے ہیں اور آپ بھی اتنا نہ سوچا کریں۔" فائز نے ماں کے کندھوں کو ہلکا سا دبا کر چھوڑ دیا۔ "بس آپ میرے لیے دعا کیا کریں۔"

پتا نہیں کیوں۔ مگر جب فائز نے لفظ دعا کہا تو زویا کا چہرہ ایک دم سامنے آگیا۔

زندگی کے بہت سارے رنگوں میں ایک رنگ یہ بھی سہی۔ وہ رنگ جو سب سے الگ تھا۔ اور سب سے جدا۔

عابدہ نے غور سے فائز کا چہرہ دیکھا۔ آج تو اس کے چہرے میں کوئی الگ سی بات تھی۔ کوئی الگ سی چمک۔ "ان کا دل چاہا اس سے پوچھیں۔

لیکن انہوں نے اپنے آپ کو روک لیا۔ ابھی وہ کیا بتائے گا۔ کتنے زمانوں بعد تو اس کی آنکھوں نے کوئی خواب دیکھا تھا۔ "ہمیشہ خوش رہو اور جو چاہو وہ پالو۔" انہوں نے دل کی گہرائیوں سے دعا دی۔

فائز چلا گیا تو عابدہ لان میں آکر بیٹھ گئیں۔ یہ عیاشی بھی کبھی کبھار ہی حصے میں آتی تھی۔ آج کل چھٹیاں تھیں۔ اس لیے سب ہی لوگ دیر سے سو کر اٹھتے تھے۔

اسی وقت ان کی نظر شینا پر پڑی۔ اتنی صبح بھی سیل فون اس کے کانوں سے لگا تھا۔

عابدہ کو اپنی ساری بھتیجیوں سے پیار تھا اور وہ سب ایسی ہی تھیں۔ جیسی آج کل کی لڑکیاں۔ ہر وقت ہنسی مذاق میں رہنا یا پھر اپنی پڑھائی۔

مگر شینا ان سب سے مختلف تھی۔

اس وقت بھی عابدہ کو نہیں پتا تھا کہ وہ کس سے بات کر رہی ہے۔ لیکن ایک چھٹی حس نے جیسے انہیں بتا دیا کہ اتنی صبح جو وہ بات کر رہی تھی تو دوسری طرف کوئی لڑکی نہیں تھی۔ یقیناً "وہ کوئی لڑکا تھا۔ ان کو ایک سرد سی لہر نے اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ ان کا دل چاہا۔ وہ اس سے فون چھین کر رکھ دیں اور اسے سمجھائیں کہ لڑکیوں کو بہت احتیاط سے چلنا پڑتا ہے اور عزت ہر ایک کے لیے ہی بہت قیمتی ہوتی ہے لیکن ایک لڑکی کے لیے عزت زندگی کی طرح ہوتی ہے۔ وہ اس کی متاع حیات ہوتی ہے۔

لیکن ظاہر سی بات ہے۔ وہ کچھ بھی نہیں کر سکتی تھیں۔ شینا کوئی چھوٹی نا سمجھ بچی نہیں تھی۔ اور اس کی ماں زندہ تھی۔

ماؤں کو تو آنکھیں بہت کھلی رکھنا پڑتی ہیں۔ پتا نہیں بڑی بھابھی نے اپنی آنکھیں کیوں بند کی ہوئی ہیں۔

اور یہ بھی تو ہو سکتا ہے کہ یہ سارا کچھ اس صبح کا فریب نظر ہو۔ بڑھاپے کی طرف جاتی نظر بہت کچھ آنکھوں سے اوجھل بھی تو کر دیتی ہے اور میں نے پرانے زمانے کی عورتوں کی طرح ایک لمبی کہانی گڑھ لی۔

"کچھ بھی نہیں ہو گا" کچھ بھی نہیں ہو سکتا۔ شریف ماں باپ کا خون ہے۔" عابدہ نے سر جھٹکا اور کچن کی طرف بڑھ گئیں۔ سب لوگوں کے اٹھنے کا وقت ہو رہا تھا اور ابھی بہت سارے کام کرنے تھے۔

شینا نے بھی ان کو آتے دیکھ لیا تھا۔ وہ مڑ کر کمرے میں چلی گئی۔ اس وقت نہ وہ کسی کی شکل دیکھنا چاہتی تھی اور نہ ہی کسی سے بات کرنا۔ آذر ناراض تھا اور وہ دو دنوں سے اسے منانے کی کوشش کر رہی تھی۔ شینا نے تو یہی سنا تھا کہ محبت کرنے والے زیادہ دیر تک کسی سے ناراض نہیں رہ سکتے۔ لیکن اب اس کی ناراضی کو ایک ہفتہ ہو گیا تھا۔

اور اس ایک ہفتے میں شینا نے جتنی اذیت کو سہی تھی۔ اس نے اسے تھکا دیا تھا۔ محبت میں ایک وقت ایسا ضرور آتا ہے جہاں محبت اور مزاحمت میں سے کسی ایک کو آپ کو چننا ہی پڑتا ہے۔

وہ اب آذر کی ناراضی مزید نہیں سہہ سکتی تھی۔ وہ جو

کہتا تھا اور جس طرح۔ اسے اب مان جانا تھا۔

☼ ☼ ☼

اسکرین پر زویا کا نمبر جگمگا رہا تھا۔ فائز نے ایک دم کچھ سوچا اور مسکرا دیا۔ اس لڑکی نے پورا ایک ہفتہ اسے پریشان رکھا تھا۔ لیکن اب اسے احساس ہو رہا تھا کہ وہ پریشانی نہیں تھی۔ وہ تو کوئی بڑا خوب صورت، بڑا پیارا تصور تھا۔

اس نے شکایت کی تھی۔ آپ بہت دنوں سے آئے نہیں۔ امی آپ کو یاد کر رہی تھیں۔

"صرف امی!" بے ساختہ اس کے منہ سے نکلا اور وہ جو عمر بھر اتنا محتاط رہا تھا کہ یہ جملہ بھی جب بے اختیار اس کے منہ سے نکلا تو اسے یقین نہیں آیا کہ یہ الفاظ اس کے منہ سے نکلے ہیں پھر بھی۔ وہ شدت سے اس کے جواب کا منتظر تھا کیونکہ پچھلے دو ہفتوں میں ہی اس پر انکشاف ہوا تھا کہ دنیا خوب صورت بھی ہو سکتی ہے اور دھنک رنگ بھی اگر ذرا سی سوچیں بدل جائیں اور سوچ کوئی نہیں بدل سکتا ایک محبت کے سوا۔ بہت زمانوں بعد فائز کو دنیا اور دنیا میں موجود لوگ اچھے لگے تھے۔

ورنہ وقت نے اسے بہت بری طرح روندا تھا۔ بہت دفعہ اس کا دل چاہتا کہ کسی طرح وہ پچھلا وقت کبھی لوٹ کر آجائے کاش بابا کی طرح اس کا ایکسیڈنٹ ہو جاتے، کم از کم روز جینے مرنے کا سلسلہ ہی کہیں جا کر رک جاتا۔

اپنی اذیت "اپنی ماں کی اذیت جو اس نے رشتوں سے بھی اٹھائی تھی اور اپنی صحت اور زندگی کا تاوان دے کر بھی ادا کر رہی تھی اسے اپنی ماں سے بڑی محبت تھی اور اس کی قربانیوں کا احساس بھی تھا۔

اسے پتا تھا ماں نے بہت سی تکلیفیں اس لیے بھی اٹھائی ہیں کیونکہ ماموں نے اس کی پڑھائی کا خرچا اٹھایا ہوا ہے۔ باقی وہ کیا کرتا ہے۔ کہاں پڑھتا ہے۔ کس انسٹی ٹیوٹ میں ہے انہوں نے یہ ساری باتیں کبھی نہیں پوچھیں اور نہ فائز نے کبھی بتایا۔

دل کو خوشی ملے تو بہت سارے غم بھی یاد آجاتے ہیں۔ آج زویا کے جواب نے اسے ایسی ہی خوشی دی تھی۔

جب اس کی زویا سے پہلی ملاقات ہوئی تھی۔ اس وقت بھی وہ شینا کی پریشانی میں مبتلا تھا۔ لیکن تب بھی ایک احساس اسے اچھا لگا تھا کہ آج بھی ایسی لڑکیاں ہیں جو رشتوں کو اور محبتوں کو سمجھتی ہیں۔ اس کی ماں کی طرح کیونکہ اس کی ماں نے بالکل یہی بات اس کے اندر بھی ڈالی تھی۔ رشتوں کی اور محبتوں کی ورنہ جہاں وہ پڑھتا تھا۔ وہاں بھی بہت طرح کی لڑکیاں تھیں۔

مگر وہ ساری لڑکیاں اسے شینا کا پرتو لگتی تھیں۔ ہر چیز میں صرف اپنے آپ کو ہی دیکھنا۔ اپنی خواہشیں اپنے مفادات اور جو بھی اپنے سے کم ہے وہ حقیر ہے۔

زویا نے اس سے کچھ نہیں پوچھا تھا اس کی فیملی اس کا بیک گراؤنڈ اور اس کا اسٹیٹس جو ابھی کچھ تھا ہی نہیں۔ اس کی آنکھوں میں اس کے لیے چمک تھی، ایک روشنی تھی...

اور فائز کو اب اسی روشنی میں چلنا تھا۔

☼ ☼ ☼

"تم بہت زیادہ تیار نہیں ہونے لگی ہو۔" ساریہ نے شینا کو نکلتے دیکھ کر تبصرہ کیا۔

"تم فائز نہیں بنو۔" شینا نے اسے جھڑک دیا۔

"فائز نے تمہیں کچھ کہا؟" ساریہ نے حیرت سے کہا۔

"اتنی ہمت کسی میں نہیں کہ مجھے کچھ کہہ سکے اور پھر فائز۔" اس نے گردن جھٹکی۔ "اس کی اوقات ہی کیا ہے۔"

"بری بات ہے۔" ساریہ نے اسے ٹوکا۔ "وہ پھپھو کا بیٹا ہے۔"

"جب پھپھو کو ہی ہمارے گھر میں کوئی اہمیت حاصل نہیں تو ان کا بیٹا۔ تم بھی کبھی کبھی مزاحیہ بات کر لیتی ہو۔"

"اصل میں بات یہ ہے شینا! کہ تمہاری نظریں

ہمیشہ آسمان پر رہتی ہیں تم اب کبھی غور سے فائز کو دیکھنا۔ وہ بالکل وہ والا فائز نہیں رہا جو آج سے آٹھ سال پہلے ہمارے گھر آیا تھا۔"

"ابھی مجھ پر اتنا برا وقت نہیں آیا کہ میں اسے دیکھوں۔ لیکن خیریت آج تم بڑی فیور کر رہی ہو۔"

"پتا نہیں کچھ عرصے سے سوچ رہی ہوں کہ فائز کو ہم نے غلط سمجھا ہے حیرت تو مجھے تم پر ہے ایک ہفتے میں تین دفعہ تو تم عبیو کے گھر جاتی ہو اور فائز کے ساتھ ہی جاتی ہو۔ کبھی غور کیوں نہیں کیا۔"

"ابھی میرا دماغ اتنا خراب نہیں ہوا۔ ہونہہ!" اس نے گردن جھٹکی۔

"وہ شخص جو مجھے چاہتا ہے۔ تم کبھی اسے صرف دیکھ لو تو تم اپنے سارے کہے پر نادم اور شرمندہ ہو جاؤ۔" شہینا نے تنفر سے دل میں سوچا۔

"تائی امی نے اس کا دماغ کچھ زیادہ ہی خراب کر دیا ہے۔" ساریہ نے دل میں کہا۔ کزن ہونے کے باوجود شہینا سے سب فاصلہ رکھ کر بات کرتے تھے۔ اس کے منہ پھٹ ہونے کی وجہ سے اور اس کا دماغ خراب ہونے کی وجہ سے بھی اس وقت بھی ساریہ نے اپنے حساب سے صحیح بات کہی تھی۔ مگر اس کے چہرے کا بیزار کن رد عمل دیکھ کر خاموش ہو گئی۔

اس دن آذر سے ہوئی ملاقات میں بھی کوئی بات تھی۔ جو اندر ہی اندر اسے ہرٹ کر رہی تھی۔ وہ بار بار باتوں کو اکٹھا کرتی اور ہر دفعہ باتوں کا سرا ہاتھ سے پھسل جاتا۔

"کیا ہوا' آج یہ ہونٹ مسکرا کیوں نہیں رہے؟" آذر کا فکر مندی سے کہا جملہ شہینا کو ایک دم خوش کر گیا۔ "تمہاری طبیعت مجھے ٹھیک نہیں لگ رہی ڈاکٹر کے پاس چلتے ہیں۔"

"نہیں' مجھے کسی ڈاکٹر کی ضرورت نہیں آذر! میں اتنے دنوں سے کچھ کہہ رہی ہوں۔ کب آئیں گے آخر تمہارے والدین۔" شہینا پھٹ پڑی۔

"بس یار! تھوڑے سے دن اور صبر۔" آذر نے رٹا رٹایا جملہ دہرایا۔

"میں بہت دنوں سے یہ سب کچھ سن رہی ہوں۔" شہینا نے تیزی سے کہا۔ یہ تیزی' جلد بازی اس کی فطرت کا حصہ تھی۔ صرف کچھ عرصہ پہلے تک وہ آذر سے اس انداز میں بات کرنے کا سوچ بھی نہیں سکتی تھی۔ لیکن آذر کی محبت اور چاہت نے اسے اتنا حوصلہ مند تو بنا ہی دیا تھا کہ وہ اس طرح بات کر لیتی تھی۔

"ایک بات بتاؤ شہینا! صرف ایک مسئلہ ہے نا کہ شادی ہونی ہے۔ وہ آج نہیں تو کل ہو جائے گی۔ اس کے لیے اپنا آج کیوں خراب کریں؟" آذر نے اس کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھتے ہوئے گمبھیر آواز میں کہا۔

شہینا نے اپنی آنکھیں بند کر لیں۔ یہ لہجہ یہ آواز اسے بہت مسحور کیا کرتی تھی۔ وہ خیالوں کی دنیا میں کہیں دور نکل جاتی۔

"تم کہاں کھو جاتی ہو ڈیر؟" آذر نے اس کی آنکھوں میں جھانکا۔

"کہیں نہیں۔ بہت دیر ہو گئی ہے' چلتی ہوں۔" وہ اپنا بیگ کاندھے پر ڈال کر کھڑی ہو گئی۔

آج تو واقعی دیر ہو گئی تھی۔ اسے پورا یقین تھا کہ آج فائز نے ضرور کچھ کہنا ہے۔ وہ ہر معاملے میں خاموش رہتا تھا۔ لیکن اپنی اس عادت پر بڑی مستقل مزاجی سے قائم تھا۔ اور شہینا نے بے شک اسے نوکر کے درجے پر رکھا ہوا تھا لیکن وہ نوکر نہیں تھا۔ وہ اس گھر کا فرد تھا اور چاہے اسے وہ باتیں کتنی ہی زہر لگتی ہوں۔ مگر وہ سننے پر مجبور تھی۔

لیکن اس وقت بالکل خلاف توقع فائز نے اسے کچھ نہیں کہا نہ صرف یہ کہ کچھ کہا نہیں بلکہ اس کے چہرے پر وہ جو ایک بیزار کن سا تاثر ہوتا تھا وہ بھی نہیں تھا۔

شہینا کو حیرت ہوئی۔ اسے غصہ بھی آ رہا تھا۔ فائز کو جلتے' بھنتے' تلملاتے دیکھنا بھی تو ایک پر لطف تجربہ ہوتا تھا۔ اس نے بے خیالی میں دوبارہ اس کی طرف نگاہ کی اور اسے اعتراف کرنا پڑا کہ ساریہ ایسا کچھ غلط بھی نہیں کہہ رہی تھی۔ فائز بہت بدل گیا تھا۔ خوب

صورتی کے لحاظ سے بھی اور پرسنالٹی کے لحاظ سے بھی۔

اس وقت بھی خاموش' لب بھینچے وہ ڈرائیو کر رہا تھا۔ اس کا دل چاہا اسے کچھ سنائے ایسا کہ جس سے اس کے جلتے ہوئے دل کو قرار آ جائے۔ وہ دل جو اب آذر سے بدگماں ہو رہا تھا۔ لیکن اسے کچھ کہنے کی ہمت نہیں ہوئی اور یہ بالکل پہلی دفعہ تھا کہ اس نے کچھ سوچا مگر عمل نہیں کر سکی فائز اس کی طرف متوجہ ہی نہیں تھا۔ جیسے اس کا وجود' عدم وجود' دونوں برابر ہوں۔

"ہونہہ!" اس نے بیٹھے بیٹھے تنفر سے گردن جھٹکی۔ "کیا میرا دماغ خراب ہو گیا ہے جو میں فالتو باتیں سوچ رہی ہوں۔" اس نے اپنا دھیان دوبارہ آذر میں لگانا چاہا۔

آذر گھر آنا چاہتا تھا۔ لیکن اس وقت جب گھر میں کوئی نہ ہو۔

"بس یوں ہی۔" آذر نے بے نیازی سے کہا تھا "مجھے تمہارا گھر دیکھنا ہے۔ وہ گھر جہاں تم رہتی ہو۔ وہ کمرا۔"

اور کوئی برا خیال تو اس کے ذہن میں آ ہی نہیں سکتا تھا۔ اس بات کی تو وہ قسم کھا سکتی تھی کہ کردار کے لحاظ سے آذر بہت زبردست آدمی تھا۔

☼ ☼ ☼

"آ رہی ہوں امی!"

زویا کا سارا کام ختم ہو گیا تھا۔ صرف تھوڑے سے برتن رہ گئے تھے۔ امی کتنے دنوں سے فائز کو کھانے پر آنے کے لیے کہہ رہی تھیں اور پتا نہیں کیا مجبوری تھی کہ وہ ہامی نہیں بھرتا تھا۔ زویا ناراض بھی ہو گئی۔

"فائز! بڑی غلط بات ہے' امی کب سے تمہیں کھانے پر بلا رہی ہیں اور تمہارے نخرے۔" زویا روہانسی ہو گئی۔

"یار! میں کوئی نخرا نہیں کر رہا ہوں۔ ویسے بھی یہ عورتوں کا شعبہ ہوتا ہے' بلاوجہ اور ہر بات میں نخرے کرنا۔" فائز نے اسے سمجھانا چاہا۔

"عورتیں نہیں لڑکیاں۔" اس نے تصحیح کی۔

"ہاں ہاں' وہی۔" فائز نے سر کھجا کر کہا۔

"تو پھر آ جاؤ فائز! جب سے علی باہر گیا ہے امی اس کے دوستوں کو ہی کھانے پر بلا لیتی ہیں اور پھر تمہیں تو وہ کتنی دفعہ کہہ چکی ہیں۔"

"ساری مائیں ایک جیسی ہوتی ہیں زویا! تمہیں پتا ہے۔ رات کو جب تک میں واپس نہ آ جاؤں' میری ماں بھی کھانا نہیں کھاتی۔ ان کی وجہ سے چاہے کچھ ہو جائے میں رات کو جلدی گھر پہنچنے کی کوشش کرتا ہوں۔"

"تمہیں اپنی ماں سے بہت محبت ہے فائز!"

"زویا! اولاد کو تو ماں سے محبت ہوتی ہی ہے۔ کم از کم میں نے تو یہی دیکھا ہے لیکن اس محبت کے ساتھ مجھے ان کی قربانیوں کی بھی بڑی قدر ہے۔"

"کون سی قربانی؟" زویا نے پوچھا۔ اس کے لہجے میں بے انتہا محبت تھی۔ فائز کبھی کھلتا ہی نہیں تھا۔ یہی بہت تھا کہ وہ اب کم از کم بات کر لیتا تھا۔

"بابا کے انتقال کے بعد ہم لوگ ماموں لوگوں کے پاس آ گئے تھے۔ امی کی بہت زیادہ عمر بھی نہیں تھی۔ نانی اماں اور ماموں وغیرہ نے کوشش کی کہ وہ شادی کر لیں۔ لیکن امی میری وجہ سے راضی نہیں ہوئیں۔ حالانکہ آج میں سمجھتا ہوں کہ انہیں کر لینا چاہیے تھی۔ جس طرح کی زندگی انہوں نے یہاں گزاری' اس نے جہاں میری ماں کو صابر بنا دیا' وہاں مجھے تلخ بنا دیا۔"

"تم تلخ تو نہیں ہو فائز!" زویا نے اسے ٹوک دیا۔

"میری تلخی میرے خون میں گردش کرتی ہے زویا! مجھ جیسے حالات سے گزرا آدمی تلخ ہی ہو جاتا ہے۔"

"لیکن اس کے باوجود تم بہت اچھے ہو۔ اس میں کوئی دو رائے نہیں ہو سکتیں۔"

"اچھا! کبھی میری فیملی کی لڑکیوں کو دیکھ لینا..... تمہیں پتا چل جائے گا۔"

"کیوں۔ ان کے نزدیک تم برے شخص ہو؟" زویا نے حیرت سے کہا۔

www.Paksociety.com

www.Paksociety.com

"نہیں! اسے برا تو نہیں کہیں گے۔ لیکن شاید اچھا بھی نہیں۔ ان کے نزدیک میں سخت مزاج ہوں۔ اکھڑ ہوں اور یہ کہ مجھ میں کوئی پرانے زمانے کی روح گھسی ہوئی ہے۔ یہ آخری خیال میری کزن شینا کا ہے۔ اس نے مجھے بہت دفعہ ــــ یہ الفاظ کہے ہیں۔" فائز نے وضاحت کی۔

"اس میں فکر کی کوئی بات نہیں۔" زویا نے ہنستے ہوئے کہا۔ "یہ ساری خصوصیات تو ہیرو کی ہوتی ہیں اور جہاں تک آخری والی بات ہے تو تمہاری کزن شینا پاگل معلوم ہوتی ہے۔"

"اچھا چلو چھوڑو۔" فائز نے بات پلٹ دی۔

شینا نے اسے یہ الفاظ برسوں ہی تو کہے تھے اور اس کی باتوں کو دل پر نہ لینے کے باوجود فائز کو شینا کی یہ بات بہت بری لگی تھی۔ وہ اتنا بھی دقیانوس نہیں تھا لیکن اس کی اتنی خواہش ضرور تھی کہ انسان کوئی بھی کام کرے۔ اسے اپنی اقدار کا خیال ہونا چاہیے اور اس کے کزنز کے خیال میں "جن لوگوں کے پاس کچھ نہیں ہوتا۔ وہ باتیں بھی نہیں کریں تو پھر کیا کریں۔ وہ بہت ساری چیزوں کا پردہ رکھ لیتی ہیں" جب وہ لوگ اس طرح کی باتیں فائز کے سامنے کرتے تو پھر بولنے کو کچھ نہیں رہ جاتا تھا۔

☼ ☼ ☼

"میں نے تم پر بہت احسان کیے ہیں فائز! اس کا بہت اچھا صلہ دیا ہے تم نے۔" بڑے ماموں کا انداز تلخی لیے ہوئے تھا۔

"میں ان میں سے کچھ بھی نہیں بھولا ہوں نہ میں خود اس طرح کا ہوں اور نہ میری ماں نے میری تربیت اس طرح کی ہے کہ میں وہ سارے احسان بھول جاؤں جو آپ نے کیے ہیں۔ یہ ایک بالکل الگ معاملہ ہے۔"

"مجھے شینا نے بتایا تھا۔" بڑے ماموں اس کی طرف مڑے۔ "تم اس سے بلاوجہ نفرت کرتے ہو۔ سب لوگوں کے سامنے اس کی انسلٹ کرتے ہو اسے باتیں سناتے ہو اور میری غلطی ہے کہ میں نے اس کی وہ ساری باتیں اس کا جذباتی پن سمجھ کر نظرانداز کردیں کہ شینا غصے کی تیز ہے لیکن اب مجھے اپنی غلطی کا احساس ہو رہا ہے۔ مجھے وہ ساری باتیں نظرانداز نہیں کرنا چاہیے تھیں۔"

فائز واپس مڑ گیا۔ اسے بھی اپنی غلطی کا احساس ہو گیا تھا۔ اولاد اور اولاد کی محبت ہر چیز سے بڑی ہوتی ہے۔

عابدہ اس وقت کچن میں تھیں جب انہوں نے فائز کو سرخ چہرہ لیے ہوئے کمرے سے نکلتے ہوئے دیکھا۔

"کیا ہوا فائز؟" وہ اس کے پیچھے لپکیں۔

"کچھ نہیں امی!" اس نے اپنی کنپٹیوں کو انگلیوں سے دبایا۔ "اس دنیا میں سچ بات کرنا جرم کیوں بن جاتا ہے؟"

"سچ بڑا بھاری ہوتا ہے فائز! ہر کوئی سچ کا بوجھ نہیں اٹھا سکتا لیکن بات کیا ہے۔ مجھے بتاؤ تو سہی۔"

"نہیں امی!" فائز نے انکار میں سر ہلایا۔ "میں نے جہاں مناسب سمجھا تھا وہاں بتانا چاہا تھا لیکن شاید میں غلط تھا اس لیے چھوڑ دیں۔"

"فائز! مجھ سے بات چھپاؤ گے؟"

"امی! میں بات نہیں چھپا رہا۔ لیکن آپ نے ہی سمجھایا تھا نا کہ کسی کا پردہ رکھنا اچھی بات ہے۔ تو بس، اس لیے رہنے دیں۔"

"چلو ٹھیک ہے۔" عابدہ نے مسکرا کر بیٹے کی پیشانی پر پیار کیا۔

"اللہ تعالیٰ تمہیں دونوں جہاں کی خوشیاں دکھائے۔"

اس دعا کا اور زویا کا آپس میں کوئی تعلق نہیں تھا۔ مگر ہوا یہ کہ ایک دم سے اس کی ہنستی مسکراتی شکل اس کی نظروں کے سامنے آگئی تھی۔

عابدہ نے اس کے بجھے ہوئے چہرے کو روشن دیکھا تو انہیں بڑا اچھا لگا انہیں لگا کہ کوئی تو بات ایسی ضرور تھی کہ جس نے ان کے بیٹے کا وہ چہرہ جو تھوڑی دیر پہلے تک تاریک تھا۔ اس کو ایک دم سے جگمگا دیا تھا۔

"اچھا۔" انہوں نے فائز کا ہاتھ تھام لیا۔ "مجھے اس کا نام بتاؤ! جلدی سے۔"

"کس کا نام امی؟" فائز ایک دم گڑبڑا گیا۔

"ایک بات تو میں جانتی ہوں کہ میرے بیٹے نے کبھی جھوٹ نہیں بولا۔" وہ لاڈ سے بولیں۔

"تو اب میری ماں اس چیز کا فائدہ اٹھائے گی۔"

"بالکل!" عابدہ نے بے نیازی سے کہا۔ "دنیا اسی کی ہے جو وقت سے فائدہ اٹھائے۔"

"آپ بالکل خراب ہوتی جا رہی ہیں۔ بھلا نام سے آپ کو کیا پتا چل جائے گا۔" فائز نے بے بسی سے کہا۔ انہیں بے اختیار ہی ہنسی آگئی۔ فائز نے بالکل بچپن والی حرکت کی تھی۔ جو بات چھپانی ہوتی تھی، وہی بتا دیتا۔

"نام سے بھی بہت کچھ پتا چل سکتا ہے بیٹا جی! میں تصور میں سب کچھ دیکھ لوں گی۔"

"زویا۔" اس نے اتنا آہستہ کہا کہ وہ بمشکل ہی سن پائیں۔

"چلو ٹھیک ہے۔" انہوں نے سر ہلایا۔

"کیا ٹھیک ہے؟" فائز نے چڑ کر کہا۔ "اب میں آپ سے پوچھوں کہ آپ نے تصور میں کیا دیکھا۔"

"تم ضرور پوچھو۔"

"بس! رہنے دیں۔ اتنی جلدی آپ اس شخص کے بارے میں کیسے بتا سکتی ہیں جس کو آپ نے دیکھا ہی نہ ہو۔"

"کوئی نہیں بتا سکتا ــــ مگر ایک ماں تو بتا سکتی ہے"

"چلیے بتائیے!" فائز نے اپنی ناراضی ختم کردی۔ "ایک ماں کا امتحان شروع اور کچھ غلط نہیں ہونا چاہیے۔"

"ارے بابا! نہیں ہوگا۔" انہوں نے اپنی آنکھیں بند کرلیں اور کہنا شروع کیا۔

وہ کیسی لگتی ہے۔ کس طرح دکھائی دیتی ہے۔ کیسے ہنستی ہے۔ اس کا مزاج اس کی عادات۔ کہیں بھی کچھ غلط نہیں تھا۔

فائز کا منہ کھلا کا کھلا رہ گیا۔

"امی! آپ کو یہ سب کچھ کیسے پتا؟ آپ تو اسے جانتی بھی نہیں۔"

"تو کیا ہوا۔ میں اسے نہیں جانتی، تمہیں تو جانتی ہوں نا۔" انہوں نے لاڈ سے اس کے سر پر چپت لگائی تھی۔

☼ ☼ ☼

شینا نے اپنے کمرے کی کھڑکی سے ان دونوں کو باتیں کرتے ہوئے دیکھا تو اس کا دل نفرت سے بھر گیا۔ دنیا میں اتنے لوگ ہیں مگر پتا نہیں یہ شخص کس مٹی کا بنا ہوا ہے۔

ساری عادتیں تھرڈ کلاس مردوں والی ہیں۔ اب یہ پھپھو کو میرے بارے میں نمک مرچ لگا کر بتا رہا ہوگا اور اس پر ساریہ کہتی ہے کہ اس کو غور سے دیکھنا حالانکہ غور سے کیا، کوئی عام سی بھی نظر ڈالے تو اسے پتا چل جائے کہ یہ رہتا تو ہم لوگوں کے ساتھ ہے۔ ایک بڑی اونچی فیملی میں مگر اس کی حرکتیں، عادتیں سب یہ ظاہر کرتی ہیں کہ اس کا تعلق کسی مڈل کلاس گھرانے سے ہے اور اگر اس نے پاپا کو بتا دیا۔" اس کے دل میں خدشہ نے سر اٹھایا۔

"اتنی ہمت تو اس میں مر کر بھی نہیں آسکتی کہ یہ پاپا کے سامنے کھڑا ہو سکے۔" اس نے فوراً ہی خود کو اطمینان دلایا۔

ساریہ کتنی دیر سے شینا کے چہرے کے بدلتے نقوش کو دیکھ رہی تھی۔

"بیٹھ جاؤ شینا! کتنی دیر سے کھڑکی میں کھڑی ہو۔" اس نے نرم لہجے میں کہا "بائی دا وے۔ تم اتنی دیر سے کس کو دیکھ رہی ہو۔" ساریہ نے کھڑکی سے باہر نظریں دوڑائیں اور فائز کو دیکھ کر گہری سانس لی۔

ساریہ کی ابھی کچھ دنوں پہلے ہی منگنی ہوئی تھی اور اس کی ساری دوستوں کو فائز پسند آیا تھا اور خود ساریہ کو بھی لگتا تھا کہ ان لوگوں سے کہیں غلطی ضرور ہوئی ہے، وہ اس غلطی کے ازالے کی کوشش کرتی تھی۔ لیکن

جب نقش گہرے ہو جائیں تو کوئی چیز بھی مٹانا آسان نہیں رہ جاتی۔

جو ان سب لوگوں کا سلوک تھا اس نے فائز کو ان لوگوں سے دور کر دیا تھا۔ وہ شینا کے بارے میں نہیں جانتی تھی کہ فائز کے بارے میں اس کے خیالات بدلے ہیں یا نہیں لیکن اس نے اپنی منگنی میں فائز کو جس طرح ذمہ داری سے ایک ایک کام کرتے دیکھا تھا۔ اس نے ساریہ کو بڑی ندامت میں مبتلا کیا تھا ورنہ کزن تو بہت سارے تھے۔ لیکن وہ سارے ڈانس یا پھر دوسری مصروفیات میں مگن تھے۔ ان کا لائف اسٹائل ہی ایسا تھا کہ کوئی کسی کو کچھ کہہ نہیں سکتا تھا۔

لیکن اب وہ کوشش کرتی تھی کہ جو کچھ ان سے ماضی میں ہو چکا ہے۔ اس کو ختم کیا جا سکے۔ اس لیے وہ اکثر ہی اب پھپھو کے ساتھ جا کر کچن میں لگ جاتی تھی۔ بہت پیسہ ہونے کے باوجود گھر کے سارے مردوں کو پھپھو کے ہاتھ کا ہی کھانا چاہیے ہوتا تھا۔

ساریہ سوچتی۔ نہ جانے وہ وقت کب آئے گا۔ جب ہمارے دل اتنے وسیع ہو جائیں گے کہ ہم رشتوں کو ان کی اصل حیثیت میں قبول کرنا سیکھ لیں گے۔ نئی نسل شاید بدل بھی سکتی ہے۔ پرانی نسل کا بدلنا مشکل ہوتا ہے۔ وہ اپنی ماں اور تائی سب ہی کی طرف سے ناامید تھی لیکن شینا وہ تو آج کی نسل تھی۔ وہ تو اپنا خراب رویہ صحیح کر سکتی تھی۔

وہ اٹھ کر کچن میں جا کر عابدہ کا ہاتھ بٹانے لگی۔

"پھپھو! آپ تھک جاتی ہوں گی۔"

"تھک تو جاتی ہوں بیٹا! مگر کچھ چیزیں کرنا ہی پڑتی ہیں۔"

"نہیں۔ یہ بات نہیں ہے' آپ نے خود ہی سب کی عادتیں خراب کر دی ہیں۔ آپ اتنا اچھا کیسے بنا لیتی ہیں کہ بندہ پھر کسی اور کے ہاتھ کا کھا ہی نہ سکے۔ تایا ابو کو تو چاہیے ہی صرف آپ کے ہاتھ کا بنا کھانا۔" ساریہ نے کہا۔

"ہاں!" انہوں نے گہری سانس لی۔ "بڑے بھیا کہتے ہیں۔ تم بالکل اماں کی طرح کھانا بناتی ہو۔"

"مجھے کچھ کام بتائیں پھپھو؟"

"نہیں بس ہو گیا۔" انہوں نے محبت سے ساریہ کو دیکھا۔

"جو میری بہو آئے وہ بھی ایسی ہی ہو۔ محبت کرنے والی اور رحم دل۔" جس وقت انہوں نے یہ دعا مانگی' اس وقت تقدیر کیا لکھ رہی تھی۔ یہ کوئی نہیں جانتا تھا۔

انہوں نے دیوار سے پشت لگا کر گہری گہری سانسیں لیں۔ کمر کا درد اکثر ناقابل برداشت ہو جاتا تھا۔

"آپ کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔" ساریہ نے جلدی سے کرسی لا کر رکھی۔

"نہیں' میں ٹھیک ہوں۔"

"نہیں پھپھو! آپ ٹھیک نہیں ہیں۔ آپ فائز سے کہیں۔ وہ آپ کو ڈاکٹر کو دکھائے۔"

"تین چار دفعہ لے کر گیا ہے لیکن اس کے پاس بھی اب بالکل ٹائم نہیں ہے۔ اس کا لاسٹ سمسٹر چل رہا ہے۔ ان شاء اللہ تعالیٰ پھر تو سب ہی کچھ ٹھیک ہو جائے گا۔"

"آپ بہت خوش ہوں گی نا پھپھو!"

"بہت۔" عابدہ کا لہجہ بیک وقت غم اور خوشی کا تاثر لیے ہوئے تھا۔ "بہت لمبا سفر تھا۔ اللہ کا بہت احسان ہے کہ سارا سفر اس کی مہربانیوں سے کٹ گیا۔"

ساریہ کو ندامت سی محسوس ہوئی۔ وہ سب کچھ جو ان سب لوگوں نے کیا تھا۔ اس کے بعد یہ جملہ کوئی کیسے کہہ سکتا ہے۔

"چلیں ٹھیک ہے پھپھو! پھر تو فائز کے لیے لڑکی دیکھیں' بہو تلاش کرنا آسان کام نہیں ہے۔" ساریہ نے سوگوار منظر میں خوش گواری کا تاثر قائم کرنے کی کوشش کی اور اس میں کامیاب بھی رہی۔

ان کے چہرے پر واپس مسکراہٹ آ گئی۔ آنے والے دن تھے اور خواب تھے۔

"گھر میں اور بھی شادیوں کا ذکر چل رہا ہے۔" ساریہ نے اطلاع فراہم کی۔

"اچھا؟" عابدہ نے دلچسپی سے پوچھا۔ "تمہارے

سسرال والے کیا جلدی کر رہے ہیں؟"

"نہیں' نہیں۔ تایا ابو اب شینا کا سوچ رہے ہیں۔"

"ماشاء اللہ۔" عابدہ کے لہجے میں بھتیجی کے لیے محبت تھی۔ "بڑے بھیا کو شینا کے لیے فکر مند ہونا ہی نہیں چاہیے۔ کوئی کمی نہیں ہے اس میں۔"

"نہیں پھپھو! یہ بات نہیں ہے۔ رشتے تو بہت آئے ہوئے ہیں مگر ان میں سے کوئی بھی نہ تایا ابو کے معیار پر پورا اترا ہے اور نہ ہی شینا نے کسی کے لیے ہامی بھری ہے۔ کل دیکھا نہیں تھا۔ تائی امی کتنا غصہ کر رہی تھیں؟"

"ہاں سنا تو تھا مگر اتنی باتیں مجھے کہاں پتا ہوتی ہیں۔" انہوں نے سادگی سے کہا۔ اور دودھ چولہے پر رکھ کر میٹھا بنانے کی تیاری کرنے لگیں۔

٭ ٭ ٭

شینا نے اپنا ہاتھ آہستہ سے آذر کے ہاتھوں کے نیچے سے نکالا۔

"کیا ہوا؟ ناراض ہو؟"

"نہیں۔" شینا نے خفگی سے جواب دیا۔ "محبت کرنے والے نہ ناراض رہ سکتے ہیں نہ ناراض ہو سکتے ہیں' مجھے اب لگتا ہے کہ جو کچھ بھی ہو رہا ہے وہ صحیح نہیں ہے۔ گھر میں میرے رشتے کی بات چل رہی ہے۔ فائز نے پچھلی دفعہ مجھے دیکھ بھی لیا تھا۔ وہ اندیشے الگ اپنی جگہ پر موجود۔ آنے والے وقت سے ڈراتے ہیں اور شاید کہیں بدنامی بھی۔ میں یہ سب کچھ سوچتی ہوں اور یہاں موجود ہوں۔ محبت کیا ہمیشہ یوں ہی خوار کرتی ہے؟"

اس کا ٹوٹا ہوا لہجہ جس کے اندر کہیں ایک نامعلوم سی بے بسی تھی۔ اگر کوئی دوسرا فرد سن لیتا تو شاید اسے اپنے کانوں پر یقین نہیں آتا کہ یہ وہی شینا ہے۔ جس کی مغرور اٹھی ہوئی گردن کبھی نیچے نہیں ہوتی' جس کے لہجے کا تناؤ کبھی کم نہیں ہوتا۔

وہ کبھی اس طرح بھی بات کر سکتی ہے۔ لیکن سچ تو یہ ہے کہ شینا اب تھک چکی تھی۔ اسے لگتا کہ وہ ہمیشہ آذر کے پیچھے بھاگتی رہے گی اور آذر کبھی اس کے ہاتھ نہیں آئے گا۔

وہ جو دیوتاؤں جیسا حسن رکھتا ہے۔ وہ واقعی دیوتا ہے۔ بے خبر اور انجان وہ جانتا ہی نہیں کہ اس کے پاؤں لہولہان ہو چکے ہیں۔

"میں تمہیں ایک خوش خبری دینا چاہتا تھا لیکن تم اتنا برا منہ بنا کر بیٹھی ہو کہ میرا بھی دل نہیں چاہ رہا کہ وہ خوشی کی خبر تمہیں سناؤں۔"

"بتاؤ۔" شینا کی آنکھوں میں بہت سارے دیے جل اٹھے۔ اب خوشی کی ساری خبریں تو ایک خبر سے ہی منسوب تھیں۔ "بتاؤ نا آذر!"

"ممی راضی ہو گئی ہیں۔ پندرہ بیس دنوں میں کراچی آ جائیں گی۔"

"آذر! صحیح کہہ رہے ہو نا؟" اس کی آواز خوشی سے بوجھل ہو گئی۔

"تم سے جھوٹ کیوں بولوں گا؟ ساری دنیا سے جھوٹ بول سکتا ہوں شینا! مگر تم سے نہیں۔ میں خود بہت پریشان ہو گیا تھا۔ ایک طرف تم تھیں' دوسری طرف ممی کی ضد کہ نہیں مجھے تو تمہاری شادی خاندان ہی میں کرنی ہے۔ خاندان کی لڑکیاں دیکھی بھالی ہوتی ہیں اور شادی تو بس جان پہچان میں ہی ہونی چاہیے۔ ہمارے پاکستان میں تو اولاد کی ڈیوٹی ہے کہ وہ زندگی کے کسی معاملے میں پیرنٹس کی بات سنیں یا نہیں' مگر شادی تو انہیں ان کی مرضی سے ہی کرنی ہے' بڑی ہی عجیب بات ہے۔"

"اچھا! اب تو غصہ نہیں ہونا۔ اب تو تمہاری ممی مان گئی ہیں نا۔" شینا کو یوں لگ رہا تھا۔ جیسے کوئی بھاری بوجھ اس کے سینے سے سرک گیا ہو وہ بوجھ جس کی وجہ سے اس کو سانس لینا بھی مشکل ہو گئی تھی۔

"تم نے اتنا کچھ کر لیا آذر! اور میں بدگمان ہو رہی تھی۔ مجھے لگتا تھا کہ تم کچھ نہیں کر رہے ہو۔ پتا نہیں محبت میں اتنی جلدی بدگمانی کی دھند کیوں آ جاتی ہے۔"

www.Paksociety.com

www.Paksociety.com

"اس لیے کہ لڑکیاں بے وقوف ہوتی ہیں۔" اس نے چڑایا۔

"کوئی بھی نہیں۔" شہنا نے اپنی چھوٹی سی مغرور ناک سکوڑی۔ "مرد زیادہ بے وقوف ہوتا ہے۔"

"نہیں۔" آذر نے سنجیدگی سے کہا۔ "اب کوئی بھی بے وقوف نہیں رہا۔" محبت میں بھی لوگ نفع نقصان سب پہلے طے کر لیتے ہیں۔ ہر چیز طے شدہ ہو گئی ہے۔ کیا ایسا نہیں ہے؟" آذر نے اس کی آنکھوں میں جھانکا۔

"مجھے نہیں پتا۔" شہنا نے نظریں چرائیں۔ یہ تو حقیقت تھی، جب وہ پہلے پہل اس کی طرف متوجہ ہوئی تھی تو اس کے پیچھے آذر کی وجاہت اور شخصیت تھی۔ اور اس کا اسٹائل جو کسی کو بھی پاگل بنانے کے لیے کافی تھا... اور آج آذر کہہ رہا تھا کہ محبت میں بھی ہر چیز طے شدہ ہو گئی ہے۔

"ہوتی ہو گی بھئی۔" شہنا نے کاندھے اچکا کر دل میں سوچا۔ "مگر مجھے تو سب ہی کچھ مل رہا ہے۔ ایک لڑکی کو جو کچھ چاہیے ہوتا ہے۔ وہ سب کچھ۔" اس نے آذر کے چہرے پر فخر سے نگاہ ڈالتے ہوئے خود سے کہا تھا۔

☼ ☼ ☼

فائز نے گاڑی سے باہر نکلتے ہوئے کالر جھٹکے، بارش اب کافی تیز ہو گئی تھی اور اس بارش میں بھی اسے کافی سارے کام مکمل کرنے تھے۔ آج دو جگہ اس کا انٹرویو تھا اور اس کی فائز کو فکر نہیں تھی۔ اس کی تعلیمی قابلیت، اس کا خود پر اعتماد، سب باتیں اس کے حق میں تھیں۔

"تو بات یہ ہے۔" اس نے چلتے ہوئے خود کلامی کی۔ "کہ جاب مجھے مل سکتی ہے۔ بشرطیکہ کسی کی اسٹوپڈ قسم کی سفارش نہ ہو۔"

صبح امی نے بھی نماز کے بعد اس کے لیے بہت دعائیں کی تھیں۔ دعائیں کرنے کے بعد وہ رونے لگی تھیں۔ بہت کم ایسا ہوتا تھا کہ وہ فائز کے سامنے آنسو بہاتیں وہ اس کے سامنے خود کو مضبوط اور بہادر رکھا کرتیں۔ حتیٰ کہ اپنی بیماری کے بارے میں بھی منہ سے اف نہیں کرتیں کہ اس کا الجھا اور پریشان ذہن مزید ڈسٹرب نہ ہو۔ خود ہی فائز کو ان کا چہرہ دیکھ کر اندازہ ہو جاتا تو دوسری بات تھی۔

"اب آپ کیوں رو رہی ہیں؟" فائز نے ان کے دونوں ہاتھ تھامے تھے۔ "اب تو اچھا وقت آنے والا ہے۔"

"ہاں اللہ کا کرم ہے۔" عابدہ نے اپنی آنکھیں رگڑی تھیں۔

"زویا کو بتایا تھا؟"

"ہاں! اسے بھی میں نے دعا کرنے پر لگا دیا ہے، حالانکہ مجھے اس کی ضرورت نہیں تھی۔ مجھے پتا ہے۔ صرف آپ اکیلی ہی اتنی دعا مانگ لیں گی کہ میرے لیے کافی ہے۔"

"تمہارا تو دماغ خراب ہے۔" عابدہ نے مصنوعی غصے سے کہا۔ "اور یہ بات بھی طے ہے کہ اگر آج تمہاری جاب ہو جاتی ہے تو اس میں سب سے زیادہ حصہ زویا کا ہو گا۔"

"واہ واہ... یہ تو فاؤل ہے۔"

"کوئی فاؤل نہیں... تمہیں پتا نہیں ہے، جوانی کی عبادت اور دعائیں زیادہ قبول ہوتی ہیں۔"

"ماما!" فائز نے ان کے کندھے پر اپنے ہاتھ پھیلائے... جب اسے زیادہ پیار آتا تو وہ انہیں ماما ہی کہتا تھا۔

"آپ نے جس طرح میری تربیت کی ہے، اس سے مجھے لگتا ہے کہ صرف دو لوگوں کی دعائیں میرے ساتھ نہیں ہوں گی بلکہ بہت سارے لوگ ہوں گے۔ کیونکہ میں نے کبھی بھی کسی کے ساتھ برا نہیں کیا۔"

"یہ بات تو میں بھول ہی گئی تھی۔" انہوں نے مسکرا کر کہا تھا۔

اس کے علاوہ وہاں اور بہت سارے لوگ بیٹھے ہوئے تھے۔ مستقبل کی خوش امیدیوں سے بندھے ہوئے، خواب دیکھتے ہوئے لوگ اور خواب تو وہ بھی دیکھ ہی رہا تھا اس دن سے، حالانکہ اسے بہت اچھی طرح پتا تھا کہ ان خوابوں کو پورا ہونے میں بڑا عرصہ لگے گا، اس لیے کہ اس کے پاس گزرے وقت کے تلخ تجربے تھے۔ وہ تلخ تجربے جو نہ چاہتے ہوئے بھی یاد آجاتے ہیں۔

زویا نے کہا تھا۔ "فائز میں تمہیں وہ سب کچھ بھلا دوں گی۔ گزرا وقت، گزرے وقت کی بری یادیں، لوگوں کے تلخ رویے۔"

"اور میں بھولنا نہیں چاہتا۔" فائز نے سوچا۔ "ان چیزوں سے میں نے اپنے لیے مثبت راہیں تلاش کی ہیں۔ ان غموں سے میں نے زندگی گزارنے کا سلیقہ سیکھا ہے۔ ان چیزوں سے میں نے حالات سے لڑنا سیکھا ہے، تو جب فائز! اتنا کچھ سیکھا ہے تو آج بھی مایوس نہیں ہونا۔ اگر جاب نہیں ملتی تو اس سے بھی کچھ سیکھ لینا۔" فائز نے خود ہی دل کو سمجھایا۔

اس نے سوچ لیا تھا ابھی تو ایک لمبا سفر باقی ہے۔ جس کے بعد منزل آئے گی۔ زندگی کے بہت سارے تجربوں میں ایک آج کا تجربہ بھی سہی کہ آپ خالی ہاتھ بغیر کسی رشوت، سفارش کے جاب کے لیے پہنچ جائیں اور آپ کو جاب مل بھی جائے۔

ہے تو ناقابل یقین سی بات... لیکن شاید اتنی بھی نہیں... اس نے باہر نکل کر تازہ ہوا میں گہری سانس لیتے ہوئے سوچا۔

زندگی غیر متوقع طور پر اگر کچھ لیتی ہے تو بہت دفعہ اس سے زیادہ نواز بھی دیتی ہے۔ گزرے وقت کی جدوجہد میں اس کی بقا کے لیے۔

ایک وقت ایسا بھی آتا ہے۔ جب خوشی کو آپ خوشی کی طرح لینا چاہتے ہیں۔ اور سہما ہوا دل خوش نہیں ہو پاتا۔ ان ہی متضاد کیفیت میں گھر کر اس نے زویا کو فون کر دیا شاید وہ اپنی باتوں سے اسے سنبھال لے۔ اس کے دل کو حوصلہ دے سکے۔

زویا نے ساری خبر بڑے سکون سے سنی۔

"ہاں ٹھیک ہے۔" اس نے نارمل لہجے میں کہا۔ "تمہیں یہ جاب ملنی ہی تھی۔"

"ایک تم اور دوسری امی دونوں کو ہر بات کی پہلے ہی خبر ہوتی ہے ______" اس نے چڑ کر کہا۔

زویا اس کے لہجے پر ہنس پڑی۔

"بے وقوف! سامنے کی بات ہے۔ تم اپنا اکیڈمک ریکارڈ تو دیکھو اور پھر فائز! تمہارے اندر بھی اتنی خوبیاں ہیں۔"

"یہ خوبیاں صرف تم کو ہی نظر آتی ہیں۔"

"کیا کہہ سکتی ہوں۔ سوائے اس کے کہ یہ تو میری خوش قسمتی ہے۔" زویا نے شرارت سے کہا۔

"نہ جانے کون کس کی خوش قسمتی ہے۔ ویسے تم لوگوں نے علی سے میرے بارے میں بات کر لی ہے نا؟"

"ہاں بھئی! امی نے کی تھی پھر علی نے مجھ سے پوچھا۔"

"زویا! تم لوگوں میں بہت دوستی ہے ناں۔"

"ہاں! ہم دو ہی تو بہن بھائی ہیں۔ اب کیا اس میں بھی دشمنی کر لیتے۔"

"بات دوستی، دشمنی کی نہیں ہے زویا! انسان کے پاس رشتے موجود ہونے چاہئیں۔ جن سے آپ دوستی یا دشمنی کا رشتہ بنا سکیں۔ لاتعلقی بہت اذیت دیتی ہے۔ جب ہم لوگ اس گھر میں آئے تھے زویا! تب میں اتنا بڑا نہیں تھا۔ میں لوگوں کو اور رویوں کو اتنا نہیں جان سکتا تھا کہ وہ لوگ جو کل تک ہمارے بہت اپنے تھے، وہ ہم سے ایک دم لاتعلق کیسے ہو گئے۔ انہوں نے ہمیں اپنے گھر میں بھی رکھا۔ میری ماں کی جو واحد خواہش تھی انہوں نے اسے بھی پورا کیا۔ یعنی میری تعلیم اور اس کے اخراجات لیکن یہ سب کچھ بہت لاتعلقی کے دائرے میں رہا اور یہ دائرہ آج بھی ہے۔"

"جو ہوتا ہے فائز! وہ اچھے کے لیے ہی ہوتا ہے۔" زویا نے ہمدردی سے کہا۔ "تمہارے اوپر کسی کا کوئی قرض نہیں ہے۔ آپ پیسوں کا قرض ادا کر سکتے ہیں، محبتوں اور رویوں کا قرض نہیں ادا کر سکتے اور جو چیز تمہارے خاندان نے تمہیں نہیں دی تم بھی اسے ادا نہیں کرنا۔"

www.Paksociety.com

www.Paksociety.com

"یہاں کسی کو ضرورت بھی نہیں ہے۔ بڑے لوگوں کے دل پتھر کی طرح ہوتے ہیں۔"

"ایسا نہیں ہو گا۔ تم دیکھنا تو سہی۔ اچھی تعلیمی قابلیت، اچھی جاب اور شریف لڑکا۔ آج کل کے دور میں بڑی بات ہے۔" زویا نے اس کا ذہن بٹایا۔

"مثلاً" کتنی بڑی بات ہے۔" فائز نے مذاق کیا۔

"کیا بدتمیزی ہے۔"

"میں نے تو ایک سیدھا سا سوال کیا ہے..... بدتمیزی کی کیا بات ہے۔" وہ مستقل شرارت کے موڈ میں تھا۔

"اچھا بس چپ کر جاؤ۔ میں فون بند کر رہی ہوں۔"

"بات تو سنو!" فائز نے اسے روکنا چاہا۔ مگر زویا فون بند کر چکی تھی۔

وہ ہمیشہ اسی طرح اس کی دل جوئی کر کے ساری باتیں بھلانے پر مجبور کر دیتی تھی پتا نہیں۔ بعض لوگوں کی باتوں میں ہی سحر ہوتا ہے۔ یا جن سے محبت کی جاتی ہے۔ ان کی ساری باتیں ہی اتنی خوب صورت لگتی ہیں۔

فائز نے سوچتے ہوئے گاڑی اسٹارٹ کی۔ بڑی مامی نے تین چار کام کیے تھے۔ جن کی وجہ سے گاڑی کی اجازت ملی تھی۔ اسی میں اس نے انٹرویو بھی نمٹا دیا تھا اور اس نے سوچ لیا تھا کہ جب اپائنمنٹ لیٹر ہاتھ آئے گا، تب گھر میں بتائے گا۔ پتا نہیں کیوں لیکن اسے گھبراہٹ ہو رہی تھی۔ اسے علم تھا کہ بڑے ماموں واثق کے لیے تین دفعہ کوشش کر چکے تھے کہ اس کی جاب کسی اچھی ملٹی نیشنل کمپنی میں ہو جائے لیکن ابھی تک ایسا کچھ ہو نہیں پایا تھا اور جب سے شینا والی بات ہوئی تھی، بڑے ماموں اس سے ویسے ہی ناراض تھے حتیٰ کہ سلام کا جواب بھی وہ منہ کے بجائے سر ہلا کر دیتے تھے اور اب یہ نئی بات۔

وہ بڑے ماموں کی عزت بھی کرتا تھا اور ان کا احترام بھی۔ کچھ بھی تھا انہوں نے اس کی پڑھائی کے اخراجات برداشت کیے تھے اور فائز نہیں چاہتا تھا کہ اس کے کسی بھی عمل سے ان کو تکلیف پہنچے۔

☆ ☆ ☆

اور جس دن اس کے ہاتھ میں اپائنمنٹ لیٹر آیا۔ وہ امی کو بتانے کے بعد سیدھا بڑے ماموں کے پاس ہی گیا تھا۔

اس وقت سب لوگ شام کی چائے پی رہے تھے۔ وہ اس طرح کبھی ان سب لوگوں کے سامنے نہیں گیا تھا۔ نہ کبھی وقت نے مہلت دی، نہ حالات نے۔ آج صرف وقت بدلا تھا، حالات وہی تھے۔ سب نے حیرت سے فائز کو آتے دیکھا اور چپ ہو گئے۔

ساریہ جلدی سے اپنی کرسی سے اٹھی اور فائز کے آگے کرسی رکھی۔

"نہیں! ٹھیک ہے۔" فائز نے اسے ہاتھ کے اشارے سے منع کیا۔ اس نے لیٹر بڑے ماموں کے سامنے رکھ دیا۔ ان کے منہ میں اس وقت پائپ دبا ہوا تھا۔ ایک نظر انہوں نے لیٹر پر ڈالی۔ ایک لمحے کے لیے ان کے چہرے پر حیرت نظر آئی۔ پھر انہوں نے اپنے تاثرات چھپا لیے۔

"بہت مبارک ہو!" انہوں نے اٹھ کر اس کا کندھا تھپکا۔

فائز کو احساس ہوا اس وقت یہ بھی بہت تھا اس کے لیے۔

وہاں بیٹھے سب لوگ اچک اچک کر پڑھنے کی کوشش کر رہے تھے کہ آخر ایسی کیا بات ہوئی کہ انہیں کھڑے ہو کر مبارک دینا پڑی۔

ثنا نے بھی حیرت سے سارا منظر دیکھا۔ اسے پتا تھا کہ اس کا باپ جتنے بڑے عہدے پر ہے، وہ ایسے ہی کسی چھوٹی سی بات کے لیے نہیں کھڑا ہوا ہو گا اور فائز کی کتنی ہی بڑی بات ہو، وہ اس کے لیے کسی اہمیت کی حامل نہیں تھی۔ وہ وہیں بیٹھی پاؤں جھلاتی رہی۔

"چلو اچھا ہے۔" چھوٹی مامی نے لمبی سانس لی۔ "بے چارے کی جاب ہو گئی۔"

صرف جاب نہیں ہوئی امی!" ساریہ نے دور جاتے ہوئے فائز کو دیکھا۔ "بہت اچھی جاب ہوئی ہے۔ جس کمپنی میں فائز گیا ہے وہاں اسے بنگلہ، گاڑی، سارے الاؤنسز ملیں گے۔"

"سب بکواس ہے۔ کیا پرائم منسٹر لگ گیا ہے۔" چھوٹی مامی کو ذرا جو یقین آیا ہو۔

"یہ بات نہیں ہے امی! اب دنیا بڑی بدل گئی ہے۔ ہر چیز ایجوکیشن پر ہے۔"

"اچھا، تو کس وقت پڑھتا تھا، نہ کبھی کالج، نہ یونیورسٹی۔"

"امی!" ساریہ اکتا گئی۔ "آپ اتنی جرح کس لیے کر رہی ہیں، اپنی آنکھوں سے ثبوت دیکھ تو لیا ہے۔ ہمارے بھائی اس طرح نہیں پڑھ سکتے تو اس کا یہ مطلب یہ کہاں سے نکلتا ہے کہ فائز بھی پڑھ نہیں پایا ہو گا؟" ساریہ نے چڑ کر کہا۔ اس وقت تو وہ خاموش ہو گئیں۔ لیکن جب کچن میں گئیں اور عابدہ کو کام کرتے دیکھا تو ان کی زبان خاموش نہیں رہ سکی۔

"عابدہ! اب تمہیں کیا ضرورت ہے اتنا کام کرنے کی۔"

"کیوں چھوٹی بھابھی؟" عابدہ کی سمجھ میں خاک بھی نہیں آیا کہ آج اتنی مہربانی کس لیے کہ کام سے منع کیا جا رہا ہے۔

"اب زیادہ معصوم نہ بنو۔ اب تو فائز کو بڑا عہدہ مل گیا ہے۔"

"ہاں بھابھی! سب اللہ کا کرم ہے۔ اس کی عطا ہے۔" انہوں نے خوشی سے کہا۔ "لیکن اس کا کام سے کیا تعلق ہے۔ آپ تو جانتی ہیں یہاں سب کو میرے ہاتھ کا کھانا چاہیے۔ بھائی جان کو تو بالکل بھی کسی اور کے ہاتھ کا پکا ہوا پسند نہیں۔ اور خود مجھے بھی عادت ہو گئی ہے۔ اپنے بچوں کے لیے خود اپنے ہاتھ سے بنانے کی۔" وہ مسکرائیں۔

"اچھا اچھا!" چھوٹی بھابھی نے منہ ہی منہ میں بڑبڑا کر آہستہ سے کہا۔ "کتنی میٹھی میٹھی باتیں کر رہی ہے، مجال ہے جو کانوں کان خبر کی ہو۔ جیسے ہم منع ہی تو کر دیتے۔"

"چھوٹی بھابھی! آپ کو کچھ چاہیے؟" وہ سمجھیں ان سے کچھ کہا ہے۔

"نہیں بھئی۔" وہ تنک گئیں۔

"پتا نہیں، سب کو کیا ہوا ہے، کوئی صحیح طریقے سے بات ہی نہیں کر رہا ہے۔ کیا کوئی نیا حساب کھلنے کو ہے۔" ان کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے۔

فائز نے تو کہا تھا کہ امی! اب آنکھوں میں آنسو نہیں آنے چاہئیں۔ یہ آنکھیں بہت رو چکی ہیں۔ اب وہ اپنے پیارے بیٹے کو کیا بتائیں کہ آنکھوں اور آنسوؤں کا کوئی بہت پرانا رشتہ ہے۔ آنکھیں آنسوؤں سے کبھی خالی ہی نہیں ہو پاتیں۔ انہیں رات کا واقعہ یاد آ گیا۔

رات کو اچھی خاصی سردی تھی اور وہ شاید کوئی خواب دیکھ رہی تھیں۔ چاروں طرف پھیلا صحرا اور سر پر تپتی دھوپ۔ ان کے پاؤں لہولہان تھے اور حلق میں پیاس سے کانٹے سے اگ آئے تھے۔ دو گھونٹ پانی، صرف دو گھونٹ انہیں چاہیے تھا، جس سے ان کا حلق گیلا ہو جائے اور وہ مرنے سے بچ جائیں۔

ان کے ہونٹ ہلے، لیکن منہ سے آواز نہیں نکل سکی اور اگر نکلی تو اتنی آہستہ کہ شاید ان کے کان بھی نہیں سن سکے۔

لیکن فوراً ہی خواب کا یہ حصہ ختم ہو گیا۔ اب ان کے سامنے کوئی اور ہی خوب صورت دنیا تھی۔ کوئی ایسی دنیا جس کا صرف تصور ہی کیا جا سکتا ہے۔ خوب صورت حسین وادیاں، بہتے جھرنے، فلک بوس حسین چوٹیاں، دودھ کی طرح سفید بہتا پانی۔

خواب دیکھتے دیکھتے کب وہ گہری نیند کی وادیوں میں اتر گئیں انہیں کچھ پتا ہی نہیں چلا۔

صبح فجر کی نماز کے وقت آنکھ کھلی تو سب سے پہلی نگاہ ان کی سرہانے پر بیٹھے فائز پر گئی، قریب ہی طشتری سے ڈھکا پانی کا گلاس موجود تھا۔ ان کو اٹھتا دیکھ کر فائز ان کے قریب آ گیا۔

"رات کو کیا ہو گیا تھا؟"

"کچھ نہیں..... بتاؤں گی، مگر تم کیا رات سے یہیں

www.Paksociety.com

www.Paksociety.com

بیٹھے ہوئے ہو؟"

"تو کیا کرتا امی!" فائز نے سادگی سے کہا۔ "میں سونے کے لیے لیٹ گیا تھا' آپ نے پانی مانگا' میں فوراً ہی لے کر پہنچا' مگر آپ بے خبر سو رہی تھیں اور آپ کے چہرے پر اتنا سکون تھا کہ مجھے اٹھانے کی ہمت ہی نہیں ہوئی' میں پانی لے کر بیٹھا رہا کہ آپ کی آنکھ کھلے تو آپ کو دوں۔"

"فائز..." وہ اسے دیکھتی رہ گئیں۔ ماں کے لیے محبت کی وہ کہانی جو اولیاء نے لکھی تھی' جنتی بچی بن ذکریا کی ماں خوش نصیب تھیں۔

باہر موذن کی اللہ اکبر کی خوش بیاں آواز تھی۔ صبح کا پھیلتا مدھم اجالا اور کہیں بہت اندر سے نکلی دعا کی آواز۔

"اللہ تمہیں ہمیشہ خوش رکھے فائز! دنیا و آخرت دونوں میں فلاح پاؤ۔ ایک ماں کے پاس اس سے زیادہ تمہیں دینے کے لیے کچھ نہیں ہے۔"

☼ ☼ ☼

باہر سردیوں کی شام کی دھند پھیلی ہوئی تھی۔ اتفاق تھا کہ گھر میں آج کوئی بھی نہیں تھا۔ بڑے ماموں گالف کلب گئے ہوئے تھے۔ امی اور چچی جان کا پروگرام بھی کافی لمبا تھا۔ فائز اور پھپھو جس ڈاکٹر کے پاس گئے تھے وہاں سے تین گھنٹے کے بعد ہی واپسی ممکن تھی۔

آذر نے کتنی دفعہ کہا تھا کہ شینا مجھے کبھی گھر بلاؤ' اس وقت جب کوئی نہ ہو' ایک دفعہ گھر سے مانوس ہو جاؤں گا تو پھر گھر کے لوگوں سے بھی ہو جاؤں گا۔" شینا کی صرف اتنی بات سمجھ میں آئی کہ وہ گھر آنا چاہتا ہے۔ وہ اس کا گھر دیکھنا چاہتا ہے۔ اور آج اچھا موقع تھا۔

اس نے آذر کو فون کر دیا۔ اس سے ملے بہت دن بھی تو ہو گئے تھے۔ اس سے باتیں کیے ہوئے' اس کو دیکھے ہوئے' شینا فون کرنے کے بعد تیار ہونے چلی گئی' آج اس کو پہلی دفعہ گھر آنا تھا اور وہ بہت اچھا تیار ہونا چاہتی تھی۔ آذر نے کہہ دیا تھا کہ شاید اس کی مما کے آنے میں ایک ہفتہ رہ گیا ہے۔ اس بات کو کہہ کر اس نے گزری ساری تکلیفوں کا ازالہ کر دیا تھا۔

وہ ساری تکلیفیں جو اس نے محبت میں اٹھائی تھیں۔ وہ ان میں سے کچھ بھی نہیں بھولی تھی لیکن اب جیسے سارے جلتے زخموں کو سکون آ گیا تھا۔

صرف دس بارہ روز کی ہی تو بات رہ گئی تھی۔

شینا نے جلدی جلدی بالوں سے رولرز نکالتے ہوئے آخری بار اپنا جائزہ لیا۔ آئینہ کہہ رہا تھا' وہ بہت اچھی لگ رہی ہے۔ آذر کو اس پر بلیک کلر اچھا لگتا تھا' سو اس نے اسی کلر کا سوٹ پہنا تھا۔ وہ اپنی تیاریوں میں اتنی محو تھی کہ وہ خوف بھی دل سے نکل گیا کہ اگر کوئی آجائے گا تو وہ کیا جواب دے گی۔

"یہی ہو گا نا' پاپا غصہ ہوں گے۔ تو پاپا سے کہہ دوں گی' آپ سے ملنے کے لیے آیا تھا۔ اب پاپا کو اپنی اولاد پر اتنا اعتماد تو کرنا ہو گا اور آذر اتنا زبردست بندہ ہے کہ وہ اس کو ناپسند کر ہی نہیں سکتے۔"

وہ سوچتی رہی اور شام ڈھلتی رہی۔ لیکن آذر نہیں آیا۔

ایسی کیا بات ہو گئی۔ وہ جلے پیر کی بلی کی طرح گھر میں گھومتی رہی۔ فون بھی نہیں کر سکتی تھی۔ آذر چڑ جاتا تھا۔ وہ کہتا تھا میں غلام نہیں ہوں شینا کہ جس وقت کوئی حکم دے اور میں حاضر۔

پھر بھی اس نے ہمت کر کے ایک گھنٹے بعد فون کر لیا۔ لیکن فون آف جا رہا تھا۔ اس کا دل گھبرانے لگا۔

"کیا بات ہو گئی۔" وہ جنونیوں کی طرح نمبر پریس کرنے لگی اور ہر بار ایک سرد مہر آواز نے اس کا استقبال کیا۔

"آپ کا مطلوبہ نمبر بند جا رہا ہے۔" وہ بری طرح جھنجلا گئی۔ اس نے فون دیوار پر دے مارا۔ فون کھل گیا اور اس کی بیٹری دور جا گری۔

بہت دیر بعد ذہن کچھ سوچنے کے قابل ہوا تو دیوار پر مارا ہوا فون اس نے بیٹھ کر سمیٹا۔

"اگر وہ فون کرے گا تو اسی پر کرے گا۔" سم لگاتے

ہی آذر کا فون آ گیا۔ وہ اس طرح غصہ نہیں ہوتا تھا لیکن اس وقت غصے میں تھا۔

"میں خود اتنا پریشان تھا اور تم ہو کہ فون بند کر کے رکھا ہوا ہے۔ مسئلہ کیا ہے آخر؟"

"وہ' وہ۔" اپنی کوئی غلطی نہ ہوتے ہوئے بھی وہ ہکلا گئی۔ "تم آئے کیوں نہیں؟"

"میں آ ہی تو رہا تھا۔" اس نے جھنجلا کر کہا۔ "مگر مجھ سے ایک ایکسیڈنٹ ہو گیا تھا۔ وہی بھگت رہا ہوں۔"

شینا کے پاس بولنے کے لیے کچھ رہا ہی نہیں۔ وہ خاموش ہو گئی۔

"حد ہو گئی۔" اس نے اپنے آپ کو دل میں ڈانٹا۔ "سب ٹھیک کہتے ہیں۔ میں بہت جذباتی ہوں۔ ایک لمحے کو بھی کوئی بات نہیں سوچتی ہوں۔"

"اچھا! پھر کب آؤ گے؟" اس نے ڈرتے ڈرتے پوچھا۔

"ہاں۔" آذر کا موڈ ایک دم خوش گوار ہو گیا۔ "یہ تو تم بتاؤ گی۔ کب آؤں؟"

"دو شادیاں ہیں جن میں سے ایک شادی پر تو سب لوگ ضرور جائیں گے۔ بس اس دن آ جاؤ۔"

"چلو ٹھیک ہے۔"

"قسمیح سے گاڑی چلانا۔ میں تمہیں بتا نہیں سکتی آذر! کہ آج کیا ہوا۔" اس کے لہجے میں آزردگی گھل گئی۔

"مجھے پتا ہے شینا! میں جانتا ہوں' تم نے میرا بہت انتظار کیا ہو گا۔ لیکن کبھی مجبوری بھی ہو جاتی ہے نا۔"

"محبت مجبوری کو کب سمجھتی ہے۔" شینا نے دل میں سوچا۔

اس ڈیڑھ گھنٹے میں کتنے ہی خیالات آئے تھے۔ جن کے متعلق سوچ کر بھی یوں لگتا تھا جیسے دم نکل جائے گا۔ محبت میں بے وفائی کا دھڑکا تو ہمیشہ ساتھ ساتھ رہتا ہے۔"

اور صرف دو دن بعد جب وہ اس سارے واقعے کو سوچنے بیٹھی تو اسے ہنسی آ گئی۔

"حد ہو گئی بدگمانی کی۔" اس نے دل میں سوچا۔ صرف ایک گھنٹے میں دل نے کیا کچھ نہیں سوچ لیا تھا۔ حالانکہ ایک گھنٹے میں کوئی کیسے بدل کر سکتا ہے۔

"تم کیوں ہنس رہی ہو۔" ساریہ نے اسے بغور دیکھا۔

"کچھ نہیں۔ تم بتاؤ کیا کر رہی تھیں؟" اس نے بات پلٹ دی۔

"کچھ خاص نہیں۔ شادی میں پہننے کے کپڑے سلیکٹ کر رہی تھی۔ تم نے کیا سوچا ہے کیا پہنو گی؟" اس نے کپڑے پلٹتے ہوئے پوچھا۔

"کچھ بھی۔" اس نے ساریہ کو ٹالا۔ "تم تیاری کرو' تمہارے تو سسرال والے بھی ہوں گے۔"

"ہوں۔" ساریہ کے چہرے پر شرمیلی مسکان ٹھہر گئی۔

شینا نے بغور اسے دیکھا۔ وہ کوئی خاص خوب صورت نہیں تھی۔ لیکن شرم و حیا کے امتزاج نے اس کے چہرے کو بڑی پیاری سی چمک دی تھی۔

"پتا نہیں ایسی چمک میرے چہرے پر کب آئے گی۔ شاید پندرہ یا بیس دن بعد۔" اس نے انگلیوں پر حساب لگایا۔

☼ ☼ ☼

"آپ لوگ چلے جائیں۔ میں ڈرائیور کے ساتھ آ جاؤں گی۔" فائز کی جاب کے بعد بڑے ماموں نے ڈرائیور رکھ لیا تھا۔

"امی! آپ ہر بات کو اتنا ایشو نہ بنایا کریں۔ میں کوئی ننھی بچی نہیں ہوں۔ آ جاؤں گی۔" اس نے بدتمیزی سے کہا تو بڑی بھابھی خاموش ہو گئیں۔ وہ اولاد کے آگے اسی طرح کمزور پڑ جاتی تھیں اور شینا اس کے منہ کون لگتا ابھی ان کا اتنا دماغ نہیں خراب ہوا تھا۔

"سب امجد صاحب کا کیا دھرا ہے۔ سر پر چڑھا رکھا ہے اولاد کو۔ یہی وجہ ہے کہ اب کسی کے کہنے میں نہیں ہے۔" وہ بڑبڑاتی ہوئی باہر چلی گئیں۔ اگر امجد صاحب اسلام آباد نہیں گئے ہوتے تو ابھی ان کی ان

www.Paksociety.com

www.Paksociety.com

سے جھڑپ ہو جاتی۔

✲ ✲ ✲

آج چار دن ہو گئے تھے۔ یہ وہ گھر نہیں تھا۔ جسے گھر کہا جا سکتا۔ شاید کوئی آسیب زدہ مسکن تھا یا پھر وہ جگہ جہاں بھوتوں کا قیام ہوتا ہے۔

اس معاشرے میں بہت سارے بھوت ہوتے ہیں، جو وقت پڑنے پر اپنے مکروہ چہروں اور لمبے لمبے ناخنوں کے ساتھ حملہ آور ہوتے ہیں۔

گھر میں کوئی ایک دوسرے سے بات نہیں کرتا تھا۔ سب لوگ بہت آہستہ آہستہ چلتے۔ آہستہ آواز میں بات کرتے یوں لگتا جیسے یہ میت کا گھر ہو۔ اداس اور سوگوار صرف وہی گھر نہیں ہوتے جہاں کسی کی موت ہو گئی ہو۔

بہت سے لوگ جیتے جی بھی مر جاتے ہیں جیسے شہنا کے ساتھ ہوا۔

"اے اللہ! اسی طرح تو یہ سناٹا ٹوٹے۔ کوئی تو زندگی کی نوید لے کر آئے۔" ساریہ دل ہی دل میں دعا مانگتی۔

"لیکن دعائیں کیسے قبول ہوں۔ دعاؤں کی قبولیت کا راستہ تو ہم نے خود اپنے اعمالوں سے بند کر دیا ہے۔ اب نہ کوئی روزن ہے نہ امید کا کوئی در ہے۔" ساریہ نے آنکھیں بند کر لیں۔ جیسے ہی اس نے آنکھیں بند کیں، ویسے ہی کوئی فلم تو اترے آنکھوں کے سامنے چلنے لگی۔

کیمرے کی لائٹس، مائیک پکڑے ہوئے رپورٹر، ان کے تیز تیز سوالات، نیم بے ہوش شہنا اور ٹی وی میں کرائم سین میں چلنے والی رپورٹ۔

"متمول اور با اثر خاندان کی لڑکی نے آشنا کے ساتھ مل کر گھر میں ڈکیتی کروائی۔ ملزم آذر تقریباً" ستر تولے سونا لے کر فرار۔"

پتا نہیں اور کب تک یہ ڈرامہ چلتا کہ امجد صاحب نے فوراً" اپنا اثر و رسوخ استعمال کر کے یہ ساری رپورٹس بند کروائیں۔۔۔۔

مگر جو ہونا تھا، وہ تو ہو چکا تھا۔

سونا بھی گیا۔ سونے جیسی عزت بھی چلی گئی۔ حالانکہ دیکھا جاتا تو چور نے، ملزم نے یا آشنا، جو بھی نام دیا جائے، اس نے ایک احسان تو کم از کم کیا ہی تھا۔ اگر سمجھا جاتا، یہ ساریہ کا خیال تھا، ورنہ وہ گھر جہاں اس کو دن رات ہاتھ اٹھا کر اور دامن پھیلا کر بددعائیں دی جاتی ہوں، وہاں ایسی بات کہنا جوئے شیر لانے کے مترادف تھا۔

لیکن اس نے ایک دن دل کڑا کر کے کہہ ہی دیا تھا۔

"تائی امی! شکر کریں۔ کم از کم شہنا کی عزت تو محفوظ رہ گئی۔" لیکن انہوں نے اس کے لتے لے لیے۔

"کون سی عزت کی بات کرتی ہو بی بی! سارے زمانے میں ڈنکے بج گئے۔ ہم کسی کو منہ دکھانے کے قابل نہیں رہے اللہ سمجھے گا ان میڈیا والوں سے۔ آدھے گھنٹے میں تہلکہ مچا دیا۔ وہ تو میں دعا دیتی ہوں فائز کو کہ اس نے کتنی عقل مندی سے کام لے کر سارے واقعے کو خود سنبھالا ورنہ ان ٹی وی والوں کا بس چلتا تو وہ تو شہنا کی بھی تصویریں چلوا دیتے۔"

فائز کے ذکر پر ساریہ کو یاد آیا۔ وہ اس واقعہ کے بعد بالکل چپ ہو گیا تھا۔ بات تو وہ پہلے بھی کم کرتا تھا لیکن جاب ملنے کے بعد جو اس میں ایک خوشگوار تبدیلی آئی تھی، وہ تبدیلی بھی کھو گئی تھی۔

"پتا نہیں۔ ہم لوگوں کو اور کیا کیا کچھ کھونا ہے۔" اس نے گہری سانس لے کر سوچا۔

شہنا دس دن تک ہسپتال میں رہی وہ جو زندگی بھر لاڈلی رہی تھی۔ اس کو جتنی سزا مل رہی تھی اور مل چکی تھی۔ اس سے زیادہ اور کیا ہو سکتا تھا۔

ساریہ نے شہنا کو بغور دیکھتے ہوئے سوچا۔ اس کے چہرے پر ابھی بھی زردی ہی ثبت تھی۔

"شہنا! تمہارے لیے جوس لے کر آؤں؟"

"نہیں۔" شہنا نے نفی میں سر ہلایا۔ وہ سر کے اشارے سے ہی جواب دیتی تھی۔

جانے وقت کا وہ کون سا لمحہ ہوتا ہے، جب انسان

www.Paksociety.com

اپنی آواز بھی سننا نہیں چاہتا۔

دیوار کے اس پار دیکھنا نہیں چاہتا۔

اور پھر دنیا دیوار کے دوسری طرف رہ جاتی ہے اور آپ بالکل اکیلے رہ جاتے ہیں۔

یہ وہ ساری باتیں تھیں جو زویا نے فائز کی اس کزن کے حوالے سے سوچی تھیں جس کی وجہ سے فائز پریشان تھا ویسے بھی یہ وہی لڑکی تھی جس کی وجہ سے وہ ہمیشہ پریشان رہتا تھا۔ اس نے ایک دفعہ بہت پوچھنے پر زویا کو بتایا تھا۔

"اس کی زبان سے لفظ ادا نہیں ہوتے، کوئی زہر جیسی چیز ہوتی ہے۔"

آج بھی پریشانی کا باعث وہی لڑکی تھی۔ بس اس کی نوعیت بدل گئی تھی۔ زویا نے اسے پر سکون رہنے کا کہا تو وہ چڑ گیا۔

"اپنے گھر کے حالات سے لاتعلق نہیں رہ سکتے زویا!"

"میں نے لاتعلق ہونے کا کب کہا ہے۔" زویا جھنجلا گئی۔ "لیکن تم بلاوجہ شہنا کی اتنی ٹینشن نہیں لو۔"

"ہر چیز اختیار میں کب ہوتی ہے۔ تم یقین نہیں کرو گی زویا! کہ گھر کے حالات بڑے عجیب ہو گئے ہیں۔ میں نے ان لوگوں کے رویے کی وجہ سے کبھی اس گھر کو اپنا نہیں سمجھا۔۔۔۔ لیکن اب بڑی عجیب بات ہو گئی ہے۔" فائز کے چہرے پر شکنوں کا جال پھیلا ہوا تھا۔

"بڑے ماموں اس وقت اسلام آباد میں تھے جب یہ سارے حالات ہوئے۔ پھر بہت ساری چیزوں کو فیس کرنا پڑا۔ انہیں سنبھالنا پڑا۔"

"پھر یہ تو اچھی بات ہے نا۔" زویا نے نا سمجھی سے کہا۔

فائز نے پھر چڑ کر کہا۔ "یہ تو مجھے بھی پتا ہے کہ اچھی بات ہے۔"

"مسئلہ کیا ہے فائز!" اب کے زویا نے نرمی سے کہا۔

"مسئلہ کچھ بھی نہیں ہے۔ لیکن سب لوگوں کے رویے بدل گئے ہیں اور میں اس تبدیلی کو قبول نہیں کر پا رہا ہوں۔ آپ بچپن سے ایک چیز، ایک رویے کے عادی ہو جاتے ہیں۔ اس تکلیف اور دکھ میں بھی آپ جینے کا کوئی نہ کوئی بہانہ ڈھونڈ ہی لیتے ہیں۔ زندگی کسی نہ کسی طرح چل ہی پڑتی ہے۔ مجھے لگتا ہے جیسے یہ کسی اور کے لیے۔"

"مگر فائز یہ بھی تو تم ہی ہو۔"

"نہیں! یہ میں نہیں ہوں۔ یہ میرا عہدہ ہو سکتا ہے مگر میں نہیں۔ میں تو وہ تھا، ایک کمزور تنہا، اداس لڑکا، جس کی ماں ہر بات صرف اس لیے برداشت کرتی تھی تاکہ اس کے بیٹے کی پڑھائی جاری رہے۔"

زویا نے اسے بولنے دیا۔ تلخ حالات کے کتنے کڑوے گھونٹ ہوتے ہیں جنہیں آدمی پیتا رہتا ہے اور پھر پتا ہی نہیں چلتا کہ وہ ساری چیزیں کب زہر بن جاتی ہیں۔

اس کی آنکھوں کی اداسی اتنی گہری تھی کہ زویا نے کچھ بھی سمجھانے کا ارادہ ترک کر دیا۔

"اچھا چلو آؤ فائز! کھانا کھا لو۔۔۔۔ امی نے آج کوفتے بنائے ہیں۔ علی کو بہت پسند تھے۔"

"اچھی بات یہ ہے کہ کھانے کے معاملے میں میری اور علی کی پسند بہت ملتی ہے، ورنہ پتا نہیں میرا کیا حال ہوتا۔"

"اچھا، اب زیادہ مظلوم نہیں بنو۔ آ جاؤ!"

فائز نے گہری سانس لے کر چاروں طرف دیکھا۔

یہ وہ گھر تھا جہاں وہ اس وقت بھی تازہ ہوا میں سانس لے سکتا تھا جب ہر طرف بہت گھٹن تھی اندھیرا تھا اور اب جبکہ تازہ ہوا بھی تھی بہت سارے در بھی کھلے ہوئے تھے اور شاید کہیں روشنی بھی منتظر تھی تو اب وہ دل ہی نہیں رہا جو اب ان باتوں سے بہل جاتا یا خوش ہوتا۔ وہ دکھ جو اپنوں سے ملتا ہے، وہ غم سارے دکھ جو اکیلے اٹھاتے ہوئے ہوتے ہیں اور ان بہت سگے رشتوں سے جنہیں دنیا نے کوئی نہ کوئی نام دیا ہوتا ہے، وہ کیسے بھولے جا سکتے ہیں وہ ساری چیزیں جو زندگی

www.Paksociety.com

کے ساتھ چلتی ہیں اور اندر تک آدمی کو مار دیتی ہیں۔

فائز بہت دیر تک سوچتا رہا۔ کھانا کھا کر اسے گھر جانا تھا اور گھر جانے کو اس کا دل نہیں چاہ رہا تھا۔

اسے گھبراہٹ ہونے لگی تھی۔ وہ لوگوں کے بدلے ہوئے رویے قبول نہیں کرپا رہا تھا۔ وہ جو کچھ بھی تھا، اس کا ماضی تھا اور اسے بہت اچھا سمجھو تا کرنا بھی آگیا تھا پھر!

پھر وقت نے صفحہ کیوں پلٹ دیا کیا کہیں کوئی نیاز خم ہے یا پھر؟ فائز بہت دیر تک سوچتا رہا۔

ہاں اس کی ماں بہت خوش تھی۔ صرف یہی ایک اچھا پہلو تھا ان ساری باتوں کا اور وہ چاہتا تھا کہ صرف یہی ایک بات اس کا دل سوچ لے۔ ماں کی خوشی کے لیے تو وہ کچھ بھی کر سکتا تھا۔ وہ سچ مچ اپنی جان بھی دے سکتا تھا۔ ان ہونٹوں کی مسکراہٹ کے لیے۔ اس چہرے کی خوشی کے لیے جو اسے دنیا میں سب سے زیادہ عزیز تھا۔

مگر زندگی میں سب ہی کچھ کہاں آسان ہوتا ہے۔ زندگی کی بہت ساری مشقتیں جھیل کر بہت ساری تکلیفیں اٹھا کر بھی اگر دل خوش نہیں ہے تو کیا فائدہ اس ساری بھاگ دوڑ کا۔

فائز کے رگ و پے میں جیسے تھکن اور اداسی نے پنجے گاڑ دیے تھے۔ وہ جس وقت کمزور تھا تب اس نے ہتھیار نہیں ڈالے تھے۔

لیکن اب جیسے کوئی چیز اسے خوف زدہ کر رہی تھی۔ کسی آنے والے خطرے سے آگاہی جو انسانی جبلّت ہے۔ وہ سب کچھ جو ہونا ہوتا ہے اور جسے کوئی روک نہیں سکتا۔

✲ ✲ ✲

گاڑی لاک کرتے ہوئے اس نے یونہی لان کی طرف نگاہ اٹھائی وہاں شہنا بیٹھی ہوئی تھی۔ کسی گہری سوچ میں گم۔ صرف دو دن پہلے ہی فائز کو شہنا سے آذر کے سلسلے میں بات کرنی پڑی تھی۔ پولیس کو کچھ معلومات درکار تھیں۔

اور فائز کو اس سے بات کرکے پہلی دفعہ اچھا لگا تھا۔ وہ نہیں بدلی تھی۔ اس کا رویہ آج بھی فائز کے لیے تلخی اور حقارت لیے ہوئے تھا۔ کیونکہ وہ بڑے ماموں کی چہیتی اولاد تھی، جن کا آج بھی کہنا تھا کہ۔

"ٹھیک ہے۔ بچوں سے غلطی ہو جاتی ہے اور جتنی دولت بھی گئی۔ وہ اس کے سر کا صدقہ۔"

اور اس دن فائز نے تلخی سے سوچا تھا کہ "پھر انسان کیوں نہ مغرور ہو۔ ایسے لوگوں پر تو پھر سب ہی کچھ سجتا ہے۔ ادائے دلبری سے لے کر انداز خود سری تک۔"

لیکن بس ایک غلطی تو وقت اور زمانہ کر ہی رہا تھا کہ زمانے کو اس بات کا احساس نہ تھا کہ بچوں سے غلطیاں ہو جاتی ہیں اور یہ کوئی اتنی بڑی بات نہیں۔

✲ ✲ ✲

بڑی مامی مستقل ڈپریشن کی مریضہ بن گئی تھیں۔ راتوں کو جاگ جاگ کر ان کی صحت تک گر گئی تھی۔ رشتے اب آتے نہیں تھے اور جو آتے تھے، ظاہری بات تھی، وہ اس طرح کے نہیں ہوتے تھے کہ جن کے متعلق سوچا بھی جاسکے۔

گھر والوں نے معاف کر دیا تھا۔ مگر زمانہ گھر والے نہیں ہوتے۔ دنیا کے اپنے حساب کتاب ہوتے ہیں۔ اپنے سبق ہوتے ہیں، جن میں سب سے پہلا باب یہی ہوتا ہے کہ کبھی کسی کی غلطی معاف نہیں کرنی۔ سزا دینی ہے اور بھرپور دینی ہے۔

اب جانے کون سزا میں تھا اور کون جزا میں۔ شہنا کو دیکھ کر تو ساریہ کو لگتا کہ اس کے سوا سب ہی سزا کے کٹہرے میں کھڑے ہیں۔

"اللہ جانے بعض لوگ اتنے بے حس کس طرح ہو جاتے ہیں۔ بے حسی شاید ہمارا قومی مزاج بن گئی ہے۔ اس لیے ہمیں اپنے بدصورت رویوں کا احساس ہی نہیں ہو پاتا۔"

ساریہ نے ذکیہ بیگم کو دوائی کھلاتے ہوئے سوچا۔ رات سے ان کا بی پی ہائی تھا۔ جب ذرا ان کی طبیعت ٹھیک ہوتی، وہ پھر سے وہی قصہ لے کر بیٹھ جاتیں۔

ابھی انہوں نے آدھی بات ہی کہی تھی کہ فائز اندر داخل ہوا۔ وہ آفس جانے سے پہلے ان کی خیریت ہی معلوم کرنے آیا تھا۔

اس کے جانے کے بعد وہ ایک دم سیدھی ہو کر بیٹھ گئیں۔

"او! بالکل سامنے کی بات تھی اور سمجھ میں ہی نہیں آئی۔" انہوں نے ماتھے پر ہاتھ مارتے ہوئے کہا۔

"کون سی سامنے کی بات؟" ساریہ نے اچنبھے سے چاروں طرف دیکھا۔

"ارے فائز والی بات۔" وہ تھوڑا سا مسکرائیں۔

"فائز والی کون سی بات؟" وہ اب بھی کچھ نہ سمجھی۔

"تم نے فائز کو دیکھا ہے؟ ماشاء اللہ کیا رنگ روپ نکالا ہے اور پھر اتنی اچھی پوسٹ۔ گھر کا لڑکا، ہمارے احسانوں تلے دبا ہوا۔ شہنا کو کسی بات کا طعنہ بھی نہیں دے سکتا۔" بڑی مامی نے بیٹھے بٹھائے سارا پلان ترتیب دے لیا۔

غنیمت تھا کہ ساریہ کرسی پر بیٹھی ہوئی تھی۔ اگر کھڑی ہوتی تو ضرور گر جاتی۔ اس سے زیادہ بے تکی بات کا وہ تصور بھی نہیں کر سکتی تھی۔

شہنا اور اس کا رویّہ کسی سے بھی ڈھکا چھپا نہیں تھا۔ وہ خود کو ابھی بھی کسی شہزادی سے کم تصور نہیں کرتی تھی۔ یہاں صرف ہلکی سی دراڑ پڑی تھی۔ باقی کچھ نہیں بدلا تھا۔ اور ساریہ کے خیال میں فائز بہت اچھا لڑکا تھا۔

لیکن یہ ساری باتیں۔ صرف وہ سوچ ہی سکتی تھی۔ گھر میں جن کا حکم چلتا تھا ان ہی کا چلتا تھا۔ یعنی امجد صاحب کا۔ باقی کسی کو دم مارنے کی مجال نہیں تھی۔

✲ ✲ ✲

فائز اس دن گھر میں داخل ہوا تو اسے غیر معمولی چہل پہل کا احساس ہوا۔ وہ گھر جس میں یوں لگتا تھا کہ کسی آسیب نے قبضہ جما لیا ہے، وہ گھر آج تھوڑا بہت اپنے اندر بدلاؤ لیے ہوئے تھا۔ فائز کو بڑا اچھا لگا۔

"گھر کو گھر کی طرح ہی لگنا چاہیے، ہنستا مسکراتا۔" وہ کمرے میں پہنچا تو عابدہ لپک کر اس کے قریب آ گئیں۔

"فائز!" ان کی آواز میں خوشی کا بھرپور تاثر تھا۔ "تمہیں پتا ہے، آج کیا ہوا؟"

"مجھے کیسے پتا ہو سکتا ہے؟ میں ابھی آفس سے آیا ہوں۔" اس نے کوٹ ہینگر کرتے ہوئے سادگی سے کہا۔ "ویسے جو بھی بات ہے۔ وہ کوئی بڑی بات ہے۔"

"بہت بڑی بات فائز! ہم تو کبھی سوچ بھی نہیں سکتے تھے۔ اس بات کا۔" وہ بہت خوش تھیں۔

"میں کسی کو نہیں جانتا میں آپ کو جانتا ہوں۔ آپ کیوں خوش ہیں؟"

"میں کیوں خوش نہ ہوں بیٹا! تم نے دیکھا، اللہ نے کیسا دن دکھایا ہے۔ جو لوگ کل تک ہم لوگوں کو کچھ سمجھتے ہی نہیں تھے، آج وہ شہنا کا رشتہ لے کر آئے ہیں۔ یہ کوئی چھوٹی بات نہیں ہے۔"

فائز کا ہینگر کرتا ہوا ہاتھ ایک دم رک گیا۔

"امی! کیا ہو گیا ہے، کیسی باتیں کر رہی ہیں۔"

"صحیح کہہ رہی ہوں۔ آج میری بھابھی خود چل کر یہاں تک آئیں انہوں نے تمہارے لیے بات کی ہے۔ میں کس منہ سے اللہ کا شکر ادا کروں۔"

"امی!" فائز کو اب حالات کی سنگینی کا اندازہ ہوا "آپ کو پتا ہے آپ کیا کہہ رہی ہیں؟ آپ بہت خوش ہیں اتنی خوش کہ زویا کو بھول گئیں؟" اس نے ماں کے جگمگاتے چہرے کو ایک دم تاریک پڑتے دیکھا۔

"بیٹا! میں بالکل بھول گئی انسان کو اپنی اوقات سے زیادہ ملے تو وہ یوں ہی ہر بات بھول جاتا ہے۔" ان کا لہجہ شکست خوردہ تھا۔

"امی! آپ بھی نا بس ساری زندگی معصوم ہی رہیے گا۔"

"مجھے بڑے بھیا کو جواب دینا ہے فائز!"

"امی! جواب آپ کو پتا ہے..... اور شہنا کے لیے رشتوں کی کوئی کمی تھوڑی ہے۔ پتا نہیں بڑے ماموں نے یہ بات کس طرح کرلی۔ ایک دفعہ شہنا سے بھی

www.Paksociety.com

پوچھ لیتے تو انہیں اپنی لاڈلی بیٹی کا بھی جواب پتا چل جاتا' کیا وہ شینا کو جانتے نہیں ہیں۔ ان محترمہ کا دماغ ساتویں آسمان سے ذرا ہی نیچے رہتا ہے ان کا گزارا ہم جیسے لوگوں کے ساتھ کہاں۔"

"نہیں نہیں۔" عابدہ نے نفی میں سر ہلایا۔ "اب وہ بدل گئی ہے۔"

"میں نے بھی اسے دیکھا ہے اور مجھے بھی پتا ہے کہ وہ کتنا بدل گئی ہے امی! شینا جیسے لوگ کبھی نہیں بدلتے۔ امی آپ کو پتا ہے نا۔ غرور یا تکبر اللہ تعالیٰ کی صفت ہے' اس کی شان ہے۔ کسی بندے پر زیبا نہیں کہ یہ دو صفات اس کے اندر ہوں اور جو انہیں اختیار کرتا ہے' پھر اسے ہر چیز کے لیے تیار رہنا چاہیے۔"

"تم کس قسم کی باتیں کر رہے ہو۔ تم نے تو کبھی ایسی باتیں نہیں کیں۔" وہ حیران تھیں۔

"کبھی ایسے حالات بھی تو نہیں سامنے آئے۔" فائز نے تلخی سے کہا۔

رات تک فائز کے انکار کی خبر سارے گھر میں پھیل چکی تھی۔

"یہ کیسے ہو سکتا ہے۔"

سب ہی لوگ بے یقین تھے حتیٰ کہ خود شینا بھی ششدر رہ گئی تھی۔

اس کے اشاروں پر چلنے والوں کو آج اتنی طاقت مل گئی تھی۔ ان کو اتنی جرات ہو گئی تھی۔ غصے نے جیسے اسے آتش جوالہ بنا دیا۔ وہ شخص جس نے محبت کے نام پر فریب دیا۔ دھوکا دیا اور پھر یوں غائب ہو گیا' جیسے کبھی اس کا وجود ہی نہ رہا ہو' اس پہ تو اس کا کوئی زور نہیں چل سکا۔

لیکن جو شخص دسترس میں تھا' اسے وہ بہت اچھے طریقے سے بتا سکتی تھی کہ شینا کون ہے اور کیا کر سکتی ہے۔

اور اس دن اپنی گزری ہوئی زندگی میں اس نے پہلی مرتبہ فائز کو غور سے دیکھا۔ اس میں اچانک کون سی ایسی خصوصیات پیدا ہو گئی تھیں کہ اس نے ایک دن میں انکار کہلوا دیا۔

آج دو دن گزرنے کے باوجود بھی اسے یوں لگ رہا تھا کہ یہ بالکل جھوٹی خبر ہے اور ابھی کوئی بھی آ کر کہہ دے گا کہ

"شینا! فائز کی تو سمجھو' لاٹری ہی کھل گئی ہے۔ ان ماں بیٹے کو تو اپنی خوش قسمتی کا یقین ہی نہیں آ رہا۔ سب فائز کی قسمت پر رشک کر رہے ہیں۔"

لیکن ایسا کچھ بھی نہیں ہوا۔ ہاں ساریہ کی امی ضرور ہاتھ مل کر رہ گئیں۔

"کاش! میرا کوئی بیٹا اس قابل ہوتا تو اتنی دولت مند حسین لڑکی کو اپنی بہو بنا لیتی اور ایک ان لوگوں کو دیکھو گھر آئی قسمت کا دروازہ خود اپنے ہاتھوں بند کر رہے ہیں۔" "عابدہ! فائز نے کیوں منع کیا ہے؟" انہوں نے عابدہ سے پوچھا تھا۔

"وہ کسی اور کو پسند کرتا ہے' اس لیے۔" وہ بے بسی سے بولیں اور اس سے آگے کا جملہ وہ دل میں سوچ کر رہ گئیں' جو فائز نے تلخ لہجے میں کہا تھا کہ۔

"اگر شینا دنیا کی آخری لڑکی ہوتی امی! تب بھی میں اس سے شادی نہیں کرتا۔"

اب اتنے سخت جواب کے بعد باقی کیا بچ گیا تھا کہ وہ فائز سے کچھ کہتیں اور اس جواب کے بعد یہ ہوا کہ گھر کا ماحول جو پہلے ہی تلخ تھا۔ اب تلخ ترین ہو گیا۔ فضا میں ایسا زہر گھلا ہوا تھا کہ سانس لینا بھی مشکل لگتا تھا۔

☼ ☼ ☼

اس دن پھر کوئی رشتے والے آئے ہوئے تھے۔ دولت مند تو تھے مگر نہ لڑکا کسی کو پسند آیا اور نہ ہی خاندان۔ عجیب سے لوگ تھے۔

ان لوگوں کے جانے کے بعد شینا کی امی کو پھر دورہ پڑ گیا۔ انہوں نے کمرے میں رکھی ساری آرائشی چیزیں توڑ دیں۔

"کیا ہو گیا ہے بڑی بھابھی کو۔" عابدہ تھر تھر کانپ رہی تھیں۔

"تمہارا کیا ہوا بھگت رہے ہیں۔" چھوٹی بھابھی نے بے رحمی سے کہا۔

"مگر میں نے کیا کر دیا ہے۔"

"ماشاء اللہ لوگ سب کچھ کہہ کر اور کر کے بھی معصوم بن جاتے ہیں۔ آئے دن کے ان ہنگاموں' فساد سے جان عذاب میں آ گئی ہے۔ میرے بچوں کی پڑھائی اس ماحول کی وجہ سے اور خراب ہو رہی ہے' بلکہ ایک پڑھائی ہی کیا۔ سب ہی کچھ داؤ پر لگ گیا۔ اور یہ صرف تم دونوں ماں بیٹے کی احسان فراموشی کی وجہ سے ہے۔ فائز میاں نے ساری زندگی یہاں کا کھایا' ماموں کے پیسے سے ساری تعلیم مکمل کی سوچو تو کم احسان نہیں ہیں اور اس احسان کو اتارنے کا وقت آیا تو تم دونوں نے ہی آنکھیں ماتھے پر رکھ لیں۔" وہ برس پڑیں۔

"ایسی باتیں نہیں کریں چھوٹی بھابھی!" عابدہ رو پڑیں۔

"ایسی باتیں کرنے پر تم لوگوں نے ہی مجبور کیا ہے۔ یہ تو آج وقت ہی ایسا آ پڑا ہے کہ بڑی بھابھی اور بھیا کو تم لوگوں کے سامنے سوال کرنا پڑا ورنہ فائز میاں کس دنیا میں اور کن خیالوں میں ہیں اور ابھی تو کچھ نہیں ہوا' جب بڑے بھیا واپس پاکستان آئیں گے اور انہیں پتا چلے گا کہ۔" فائز کو آتا دیکھ کر انہوں نے بات ادھوری چھوڑ دی۔

"چچی جان! آپ کو کچھ اور کہنا ہے تو بتا دیجیے۔ میں تو شاید کچھ دیر اور سن لیتا۔ لیکن شاید میری ماں برداشت نہیں کر سکتی۔" غصے کی زیادتی سے اس کا چہرہ سرخ ہو رہا تھا۔

فائز کی آنکھیں اتنی لہو رنگ ہو رہی تھیں کہ عابدہ کو بھی اس کی آنکھوں میں دیکھنے سے خوف آ گیا۔ انہوں نے ایک دم گڑبڑا کر اس پر سے نظریں ہٹائیں۔

"فائز! کمرے میں آؤ۔" انہوں نے نظریں ملائے بغیر فائز سے کہا۔

کمرے میں اتنا سکوت تھا' اتنی خاموشی جیسے اب قیامت تک یہاں پر کوئی آواز نہیں ابھرے گی۔

اور قیامت ہوتی بھی کیسی ہے آج کسی نے احسان فراموشی کا طعنہ دے کر دل کو اندر تک سے زخمی کر دیا تھا۔ ان کو لگ رہا تھا جیسے اندر کچھ بھی باقی نہیں بچا' صرف ایک خلا ہے' یہاں سے وہاں تک۔

"فائز!" عابدہ کی آواز میں ایسی ٹھہرا دینے والی کیفیت تھی کہ فائز کے منہ سے کوئی آواز نہیں نکل سکی ورنہ وہ ان کو تسلی دینا چاہتا تھا۔ انہیں بتانا چاہتا تھا۔

کہ جو کچھ چھوٹی مامی نے کہا۔ وہ سب غلط ہے۔ اس نے اور اس کی ماں نے بھی ممکن حد تک اس احسان کی ادائی میں اپنا حصہ ڈالا ہے۔ جو انہیں گھر میں رکھ کر کیا گیا اور احسان کے بدلے زندگی نہیں مانگی جاتی۔

"فائز! شینا سے شادی کر لو۔"

یہ لہجہ' یہ آواز... اس آواز میں سب کچھ تھا... حکم' التجا' مان اور یہ یقین کہ جو بات کہی ہے' وہ رد نہیں کی جائے گی۔ عابدہ نے کرسی کی پشت کو بہت مضبوطی سے تھاما ہوا تھا۔ اتنی مضبوطی سے کہ ان کی انگلیاں سفید پڑ گئی تھیں۔

"فائز! کیا جواب ہے؟"

فائز نے اپنا جھکا ہوا سر اٹھایا۔ اپنے سامنے کھڑی ہوئی ماں کو دیکھا۔ اس کے سر کے سارے بال سفید ہو گئے تھے۔ وقت بہت بے رحمی سے دونوں پر ہی گزرا تھا۔ وقت نے دونوں کو ہی نوازا تھا۔ وہ جوان تھا۔ اس نے اپنے آپ کو پھر جوڑ لیا تھا۔

لیکن اس کے سامنے جو کھڑا تھا' وہ اس کے لیے بے رحم وقت نہیں بننا چاہتا تھا۔ وقت جو صرف دکھ ہے' غم ہے' اذیت ہے' اسے اچھی یاد بننا تھا' اچھا وقت بننا تھا۔

فائز چپ چاپ کھڑا ان کے جھکے ہوئے سفید بالوں والے سر کو دیکھتا رہا پھر اس نے اس تھکے ہوئے اداس وجود کو بازوؤں میں تھام لیا۔

"آپ جو چاہیں گی اور جس طرح چاہیں گی وہی ہو گا۔" اس کی آنکھوں میں بار بار دھند چھا رہی تھی۔ مگر اس کا لہجہ مضبوط اور ہموار تھا۔

اس نے ایک دم ہی ساری خواہشوں سے دست برداری اختیار کر لی تھی اور خوابوں سے دامن چھڑا لیا تھا۔ اندر بے شک بہت کچھ ٹوٹا تھا۔ لیکن ایک سکون

کا احساس تو تھا کہ اس نے مایوس نہیں کیا۔ درد کا احساس بے شک رہ جائے گا، مگر درد بھی زندگی میں بڑے کام آتے ہیں۔ انہیں سنبھال کر رکھ لینا چاہیے۔

فائز نے سوچنے کو بہت کچھ سوچا لیکن وہ اداسی جو کہیں اندر رہ گئی تھی۔ اس نے شاید ساری عمر اس کا یوں ہی ساتھ دینا تھا۔ کبھی اس کو اکیلا نہیں چھوڑنا تھا۔

"نہ جانے زندگی اب کس ڈھنگ سے گزرے۔" اس نے ہونٹ کاٹتے ہوئے سوچا۔ "اتنی لمبی زندگی اور ایک ناپسندیدہ وجود جس نے ہر قدم پر توہین کی ہو۔ جس کا ہر لفظ حقارت میں ڈوبا ہوا ہو۔ وہ کیسے اس کے ساتھ زندگی کو گزار پائے گا۔"

☼ ☼ ☼

بعد کے سارے مرحلے میں اس نے کیسے طے کیے، وہ کچھ نہیں جانتا تھا۔

جس شام اس نے زویا سے آخری ملاقات کی اس دن اسے پتا چلا کہ صرف زندہ انسان ہی سانس نہیں لیتے، مرجانے والے لوگ بھی سانس لیا کرتے ہیں۔

☼ ☼ ☼

انہوں نے صبح اٹھ کر گھر والوں کو فائز کے فیصلے سے آگاہ کرنا چاہا مگر وہاں سارے ہی لوگ ناراض بیٹھے تھے۔ کسی نے ان کے سلام کا جواب دیا نہ ان کی طرف نگاہ اٹھائی۔

کسی کے چہرے پر ان کے لیے ایک مسکراہٹ بھی نہیں تھی۔

عابدہ کا دل جیسے اندر تک ٹوٹ گیا۔ یہ کیسے لوگ تھے زندگی میں پہلی دفعہ انہوں نے اپنی مرضی سے کوئی کام کیا تھا۔ صرف اس لیے کہ پہلی بار ان کے بیٹے کی آنکھوں نے کوئی خواب دیکھا تھا۔

اور وہ اتنی ظالم ماں تھیں کہ انہوں نے سارے خواب اس کی آنکھوں سے نوچ کر صرف اس احسان کا بدلہ اتارنا چاہا تھا، جو جانے احسان تھا بھی یا نہیں۔ دل اتنا برا ہو گیا کہ انہوں نے اپنے لب سی لیے۔

"جب بھائی جان آجائیں گے۔ تب ہی بات ہو گی۔ ابھی دل کو تھوڑی اذیت اور برداشت کرنے دو۔" وہ خود اذیتی سے سوچ کر رہ جاتیں۔

اس وقت بھی وہ چائے بنا رہی تھیں، جب شینا کچن میں داخل ہوئی۔

"میرے لیے بھی چائے بنا دیجیے گا۔" اس کی آواز میں اتنی تلخی تھی کہ کبھی شکوہ نہ کرتے لب بھی بول اٹھے۔

"شینا! آگے پیچھے بھی کچھ لگتا ہے۔ یا میں اس ایک لفظ پھپھو سے بھی گئی؟"

"مجھے نفرت ہے سارے رشتوں سے۔" اس نے ایک ایک لفظ چبا کر کہا۔ "اور آپ کو میں کیوں پھپھو کہوں، جو کچھ آپ نے کیا ہے کیا وہ کافی نہیں ہے؟"

"شینا! میں نے ایسا کچھ نہیں کیا ہے۔" وہ اس کی آنکھوں میں امنڈتی دیوانگی سے خوفزدہ ہو گئیں۔

"واقعی! کہاں کچھ کیا ہے، صرف میرے ماں باپ کے منہ پر تھپڑ ہی تو مارا ہے۔" وہ اپنا زہر ڈھیرے ڈھیرے ان پر انڈیل رہی تھی۔

"شینا بیٹا! تم میری بات تو سنو۔" وہ ان کی بھتیجی تھی۔ ان کا خون وہ اس کے دکھ سے ناواقف تو نہ تھیں کہ وقت ہی ایسا آپڑا تھا، ورنہ وہ بھی جانتی تھیں کہ اس نے کس درجہ فائز کی زندگی کو زہر بنا رکھا تھا اور اگر آج وہ جھنجلائی ہوئی تھی۔ تو اس کا مطلب تھا کہ کہیں نہ کہیں برف پگھلی تھی۔

جن کے آئینے صاف ہوتے ہیں، انہیں ہر چیز ہی شفاف نظر آتی ہے۔

وہ سمجھ رہی تھیں کہ برف پگھلی ہے انہیں خبر نہیں تھی۔ کہ وہاں صرف احساس برتری ہے اور اب جبکہ فائز نے انکار کیا تھا۔ تو صرف ایک زخم خوردہ انا رہ گئی تھی۔

اسی وقت فائز بھی اندر آیا۔

"امی! میرے سر میں بہت درد ہو رہا ہے۔ ایک کپ چائے مل جائے گی۔" اس نے شینا کو دیکھا نہیں تھا یا دیکھا تو نظر انداز کر دیا۔

شینا دل ہی دل میں بل کھا کر رہ گئی۔ ایک نے دل توڑا تھا۔ دوسرے نے انا کو سولی پر ٹانگ دیا تھا۔ ایک کھو چکا تھا اور دوسرے پر سے اختیار کھونے کا اس کا کوئی ارادہ نہیں تھا۔ اس نے سلگتی ہوئی نظر فائز پر ڈالی اور ٹھٹک گئی۔

اس کے چہرے پر حزن کی گہری تہہ تھی، جس نے اس کے پورے وجود کو اداسی کے پیکر میں بدل دیا تھا۔

"ابھی سے کیوں فائز صاحب۔" اس نے بے رحمی سے دل میں سوچا۔ "ایک دفعہ وقت کی گرفت میرے ہاتھ میں آجائے، پھر میں تم سے اس انکار کا بدلہ لوں گی۔" اسے پتا تھا اس کا باپ کبھی اس کی کہی ہوئی کوئی بات نہیں ٹالتا تھا، اتنے بڑے حادثے نے اسے توڑا ضرور تھا مگر اس کی شان اور رعونت میں کوئی فرق نہیں ڈالا تھا۔

وہ اپنے باپ کے لیے ہمیشہ ہی خوش قسمتی کا ستارہ رہی تھی۔ اس کی پیدائش کے بعد ہی دولت نے اس کے گھر کا راستہ دیکھا تھا۔

یہی وجہ تھی کہ اگر آج امجد صاحب نے سب بھلا دیا تھا تو باقی لوگوں کا بھی یہی فرض تھا کہ انہیں بھی اس واقعے کو بھول جانا چاہیے۔

دنیا میں آپ کسی پر اپنی مرضی نہیں ٹھونس سکتے مگر اس کسی میں اس گھر میں رہنے والے اس فرد کو اپنی مرضی کا اختیار نہیں تھا جنہوں نے کبھی نظریں اٹھا کر بات نہیں کی، آج وہ سر کس طرح اٹھا سکتے ہیں اور اگر انہوں نے سر اٹھانے کی ہمت کر ہی لی تھی۔ تو اسے بہت اچھی طرح سر جھکانا بھی آتا تھا۔

☼ ☼ ☼

زویا نے بہت دفعہ نمبر ملایا، مگر ہر دفعہ فائز نے اس کا نمبر کاٹ دیا۔ وہ رونا نہیں چاہتی تھی۔ مگر آنسوؤں پر اختیار ہی کب ہوتا ہے۔ وہ جانتی تھی اس نے جس شخص سے محبت کی ہے۔ وہ اتنا اچھا تو تھا کہ سارے ظلم سارے ستم اپنے اوپر سہہ لے گا مگر کسی اور کو اس کی وجہ سے کوئی تکلیف پہنچے، یہ اسے کبھی گوارا نہ ہو گا۔ اس نے کہا تھا۔

"زویا! تمہیں دکھ دینے کا میں کیسے سوچ سکتا ہوں۔ یہ تو بالکل ایسی بات ہے جیسے میں نے — آپ کو اذیت دی ہو۔ خود کو سولی پر چڑھایا ہو مگر وقت ہی ایسا پڑ جائے۔ تو کوئی کیا کرے۔"

صحیح بات ہے وقت ہی ایسا پڑ جائے تو کوئی کیا کرے۔ آنسو آنکھوں میں آتے تھے۔ مگر وجہ سمجھ میں نہیں آتی تھی۔ رویا تو بے وفائی پر جاتا ہے۔

مگر وہ ایک درد کی ٹیس جو پتا نہیں کیوں وہ سب کچھ یاد دلاتی جاتی، جو اسے بھولنا تھا۔ محبت کا وہی مقام جہاں مڑ کر دیکھنے پر پتھر کے ہو جانے کی شرط ہے، حالانکہ محبت کے مقدر میں پتھر ہی پتھر ہوتے ہیں۔ چاہے وہ نظر آئیں یا نہیں خود اس نے بھی کب سوچا تھا۔ لیکن شاید تقدیر اسی کا نام ہے سارے فیصلے تو طے شدہ ہوتے ہیں، ہمیں تو صرف راضی و برضا رہنا ہے، ان فیصلوں پر جو اوپر ہو چکے ہوتے ہیں۔

اس نے بے دردی سے رخساروں کو رگڑا۔

"بس بھی کر دو یار! اب اور کتنا؟ کیا میری آنکھیں مفت کی مل گئی ہیں۔" اس نے تلخی سے کہا۔

"زویا!" امی تہجد کے لیے وضو کرنے اٹھی تھیں۔

"اکیلے میں کس سے باتیں کر رہی ہو؟"

"کسی سے نہیں۔" اس نے ہونٹ کاٹے۔

"سو جاؤ رات سونے کے لیے ہوتی ہے۔" انہوں نے پیار سے گھرکا۔

"سونے کے لیے یا رونے والوں کا پردہ رکھنے کے لیے۔ رات نہیں ہوتی تو کس طرح رویا جاتا۔"

"امی! دل بہت گھبرا رہا ہے۔"

"ہو جاتا ہے اس طرح بھی کبھی۔ پریشان نہ ہو۔" امی نے اس کا ماتھا چوما۔ "آؤ میرے ساتھ۔ تہجد کی نماز پڑھ لو اور دعا مانگو سکون مل جائے گا۔"

"امی! سکون مل جائے گا؟" اس نے بے یقینی سے انہیں دیکھا۔

"ہاں بالکل! اس میں کوئی شک ہے ہی نہیں۔"

www.Paksociety.com

نماز پڑھ کر زویا بہت دیر تک خالی الذہن بیٹھی رہی۔ دعا کے لیے ہاتھ پھیلے ہوئے تھے اور دل میں کوئی دعا نہیں تھی۔

"ایسا نہیں ہونا چاہیے۔ اللہ میاں جی!" اس نے ماں کی نظر بچا کر جلدی سے آنسو پونچھے۔ "جب میں زندہ ہوں تو مجھے زندگی کا مقصد بھی عطا کر۔ میں تیرے حکم پر راضی ہوں۔ تو مجھے اپنی رضا عطا کر دے۔" اور جیسے اس کے اندر سے کسی نے کہا۔

"جب راضی ہو گئے تو رضا بھی مل جائے گی۔" اگر یہ جملہ اس کو سکون دے سکتا تھا تو اس بندے کو بھی دے سکتا تھا جو اسی کی طرح بے چین ہو گا۔

مقدر' نصیب بڑی عجیب چیزیں ہیں۔ آپ ان پر سر بھی جھکا دیں تب بھی دل کے اپنے تقاضے ہی ہوتے ہیں لاکھ بہلاؤ' سمجھاؤ' نہ بہلتا ہے نہ سمجھتا ہے۔

اس نے فائز کو ایس ایم ایس کیا۔ وہ جاگ ہی رہا تھا جب ٹون نے اسے اپنی طرف متوجہ کیا۔ آج کتنے دنوں کے بعد اس کا میسج آیا تھا۔ فون تو اس نے اٹھانا ہی چھوڑ دیا تھا۔

ہر دفعہ اس کی آواز سنتے ہی اس کا ارادہ کمزور پڑنے لگتا۔ دل چاہتا سب کچھ بھلا دیا جائے۔ یہ دنیا اور اس دنیا کے احسان۔ اس کا وقت تو آئے بغیر ہی گزر گیا تھا۔ جب اس نے سوچا کہ اب وقت سے اپنا حصہ طلب کرنا ہے تو وقت نے ایک بے رحم حریف جیسا سلوک کر کے وہیں کھڑا کر دیا۔

اور اب کچھ باقی نہیں رہا تھا نہ کہیں کوئی مقابلہ' نہ کہیں کوئی وکٹری اسٹینڈ منتظر۔ اب کس لیے بھاگا جائے اور کیوں؟ دل کے اندر جو کچھ مر جاتا ہے اس کا مداوا پھر نہیں ہوتا۔ فائز نے دکھتے سر کو دونوں ہاتھوں میں دبا لیا۔

"ایک واقعہ جس سے میرا کوئی تعلق نہیں تھا۔ کن لوگوں کی غلطی تھی۔ یہ سب کچھ کس کی ذمہ داری تھی اور کس کے حصے میں خسارہ آیا اور وہ بھی اتنے تھوڑے سے وقت میں۔"

☼ ☼ ☼

آج بڑے ماموں واپس آ گئے تھے اور انہیں یہ خبر بھی پہنچ گئی تھی کہ فائز نے شینا سے شادی سے انکار کر دیا ہے بڑی بھابھی' چھوٹی بھابھی' سب لوگ اس گول میز کانفرنس کا حصہ تھے جس میں ان دونوں کے خلاف زہر اگلا گیا۔

"دیکھ لیا نا! میں نہ کہتی تھی کہ ہم آستین میں سانپ پال رہے ہیں۔ دیکھو تو ذرا بھی شرم نہیں آئی۔ پہلی دفعہ ہی کچھ مانگا تھا۔ میں اب ان ماں بیٹے کو ایک منٹ اس گھر میں برداشت نہیں کروں گی۔ شینا کو بھی اپنی پھپھو کے انکار سے بہت دکھ پہنچا ہے۔"

ایسے تناؤ والے ماحول میں جب جملوں میں آپس میں کوئی ربط نہیں تھا۔ انہوں نے شینا کا موقف بڑے سبھاؤ سے پہنچا دیا۔

شینا نے رات کو ہی ان سے کہا تھا۔

"میری شادی فائز سے ہی ہو گی۔ مجھے اس سے اپنی توہین کا بدلہ لینا ہے۔ جو ایک شخص نے میرے ساتھ کر لیا' وہی کافی ہے۔ اب دنیا کے کسی اور فرد کو یہ اجازت نہیں دوں گی۔"

ساریہ نے اس کی آنکھوں سے جھلکتی نیم دیوانگی کو دیکھا اور سوچا تھا۔

بعض لوگوں پر سے حادثے بس گزر جاتے ہیں۔ وہ ان میں کوئی تبدیلی نہیں لا پاتے۔ آج بھی لہجے میں وہی رعونت ہے' وہی تلخی اور حقارت۔ ایک دفعہ تو دل سے اللہ سے معافی مانگی ہوتی۔ ان لوگوں سے معافی مانگی ہوتی۔ جنہیں آج بھی انسانوں کے کٹہرے میں نہیں کھڑا کیا جا رہا۔

"مجھے پتا ہے کیا کرنا ہے۔ کیا نہیں۔" بڑے ماموں کھڑے ہو گئے۔ "عابدہ کو میرے پاس بھیجو۔ میں جانتا ہوں' آج تک اس نے کبھی میری کوئی بات نہیں ٹالی۔ اسے ماننا ہی ہو گا اور نہیں تو میرے پاس دوسرے بھی راستے ہیں۔" آخری جملے تک ان کے لہجے میں بھی رعونت آ چکی تھی۔

"جاؤ! عابدہ کو بھیجو کمرے میں۔"

عابدہ نے بریانی دم پر رکھتے ہوئے آنچ کم کی۔ گھر میں بہت عجیب سرد مہری سی خاموشی چھائی ہوئی تھی اور اس پر ٹھہرا ہوا سناٹا۔

"شاید سارے محل نما گھروں کے یہی طور طریقے ہوتے ہوں یا میں ہی آج تک مانوس نہ ہو سکی۔" انہوں نے دل گرفتی سے سوچا۔

فائز کو بخار آ گیا تھا۔ اسے ڈاکٹر کے پاس لے کر جانا تھا۔ بڑے بھیا کو خوش خبری سنانی تھی۔ انہیں اور گھر والوں کو بتانا تھا کہ وہ احسان فراموش نہیں ہیں۔ ان سے جو طلب کیا گیا تھا۔ وہ انہوں نے پورا کر دیا ہے چاہے اس کے لیے وہ اور ان کے بیٹے کو حد درجہ اذیت کا سامنا ہی کیوں نہ کرنا پڑا ہو' آج پھر ایک بیٹے نے رسم اسماعیل نبھادی ہے۔

انہیں وہ رات یاد آئی ..... پانی کا گلاس اور فائز کا انکار کرنا پھر اپنی دعا جو انہوں نے بڑے صدق دل سے کی تھی۔ پھر وہ کیوں قبول نہیں ہوئی۔ وہ کیسے عرش سے واپس آ گئی۔

"یہ تو تمہارے اپنے ہاتھ میں تھا عابدہ! تھوڑی سی ہمت کر لیتیں۔" اندر کوئی بولا تھا۔

"نہیں کر سکتی تھی ہمت۔" انہوں نے آنسو پیے۔

"قرض کندھوں پر ہوں۔ احساس کی شدت نے ہمت سلب کر لی ہو تو کیسے کھڑا ہوا جا سکتا ہے محبتوں کی اور ان محبتوں سے وابستہ رشتوں کی اپنی مجبوریاں ہوتی ہیں پھر مصلحتیں رہ جاتی ہیں۔ مجبوریاں رہ جاتی ہیں۔ ہمت کو ان میں سے نکلنا پڑتا ہے۔ جس طرح آج میں ہمت کو اس دروازے پر چھوڑ کر ...... اپنے دل سے نکال کر اندر جا رہی ہوں۔"

☼ ☼ ☼

زندگی بڑی پرسکون گزر رہی ہے۔ ایک زندگی میں انسان کو جس جس چیز کی چاہ ہو سکتی ہے وہ سب ان کے پاس موجود ہے۔

دو خوب صورت پیارے پوتے' ایک نٹ کھٹ سی پوتی' جان چھڑکنے والا بیٹا اور بیٹیوں کی طرح خیال رکھنے والی بہو زویا۔

زندگی بہت کچھ لیتی ہے تو بہت کچھ جانے انجانے میں دے بھی دیتی ہے بعض دفعہ ہم خود کو بھی دھوکا دے لیتے ہیں اور دوسروں کو بھی بہلا لیتے ہیں۔ مگر اس دل تک جس کی رسائی ہے' وہ تو سب کچھ جاننے والوں میں سے ہے۔ وہی ایک لمحے کو' ایک پل کو اتنی طاقت

www.Paksociety.com

عطا کر دیتا ہے۔ جس کا گمان بھی بندے کو نہیں ہوتا۔

جس وقت انہوں نے کمرے میں قدم رکھا تھا' بڑے بھیا اپنی سب سے چھوٹی بیٹی سونیا کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے۔ وہ اتنی چھوٹی بھی نہیں تھی۔ مگر بالکل شمینا کے نقش قدم پر چل رہی تھی۔ وہی ضد اور مزاج میں خود سری۔

اس وقت بھی وہ دو دفعہ اسے کمرے سے باہر جانے کا کہہ چکے تھے' مگر اس کی ایک ہی رٹ تھی۔

"پاپا! میری اس باربی کے شوز خراب ہو گئے ہیں۔ بالکل بھی میچنگ کے نہیں ہیں۔ آپ مجھے دوسری باربی لا دیں۔ جس کے میچنگ شوز ہوں۔"

"ہاں ہاں! ٹھیک ہے جاؤ۔" پھر وہ عابدہ کی طرف متوجہ ہوئے۔ ان کے سر پر ہاتھ رکھا اور پتا نہیں کیوں ان کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ ہاتھ بھر کے فاصلے کو عمر بھر چلنا پڑتا ہے' ڈھونڈنا پڑتا ہے اور پھر بھی کھونے والے کھو جاتے ہیں اور ان کھونے والے رشتوں کو بچانے کے لیے پھول کا خون کرنا پڑتا ہے۔

"آنسوؤں کو بے وقت آنکھوں میں نہیں آنا چاہیے۔ انسان کا سارا بھرم ختم ہو جاتا ہے۔" انہوں نے اپنے آپ کو ڈانٹا لیکن آنسوؤں پر کس کا اختیار ہوتا ہے۔ دل کو کون سمجھا سکتا ہے۔ جو ان کے آنسو اور دل سمجھ جاتا۔

"عابدہ! میں تمہارے جذبات سمجھتا ہوں۔ ساری زندگی تم نے کبھی ہماری کوئی بات نہیں ٹالی' ہمیشہ ہمارے ہر حکم پر سر جھکایا۔" بڑے بھیا نے کہنا شروع کیا۔ "لیکن اولاد ہی ناخلف ہو جائے' نافرمان ہو جائے تو ماں باپ کچھ نہیں کر سکتے۔ فائز سے مجھے بھی ایسی امید نہیں تھی۔ اب نتیجہ کی ساری ذمہ داری فائز کی ہے۔ تم اسے چھوڑ دو۔"

"بڑے بھیا!" عابدہ نے ان کی غلط فہمی دور کرنا چاہی۔ انہیں بتانا چاہا کہ وہ فائز کے متعلق ساری باتیں غلط کر رہے ہیں۔

لیکن تقدیر مسکرا رہی تھی۔ اپنا کام کر رہی تھی۔

"ہم نے تمہاری ذمہ داری پہلے بھی اٹھائی ہے۔ اب بھی اٹھا لیں گے فائز سے کہو' یہ گھر چھوڑ کر جائے۔ چار دن میں دماغ ٹھکانے پر آ جائے گا۔"

"بھیا؟" وہ دنگ رہ گئیں۔

"میں جانتا ہوں۔ تمہارے لیے یہ مشکل ہو گا۔ لیکن بہت سارے والدین ہوتے ہیں' جو اپنی خوشی سے اپنی اولاد کو درگاہوں پر' مزاروں پر چھوڑ جاتے ہیں۔ اللہ کی راہ میں دے دیتے ہیں۔ تمہیں بھی اپنا دل ایسے ہی مضبوط کرنا ہو گا۔ اپنے دل کو سمجھا لینا کہ تم نے اپنا بیٹا اللہ کی راہ میں دے دیا۔ اسے بھول جانا۔" وہ درجہ ظالم ہو گئے تھے۔

مگر کوئی کیسے بھول سکتا ہے۔ کیسے جان سکتا ہے۔ زندگی کہاں پر پلٹتی ہے اور کس طرح چھین لی جاتی ہے۔ جو کچھ اور جو وقت ابھی ان کے درمیان سے گزرا تھا' وہ وقت کبھی واپس نہیں آ سکتا تھا۔ ہر چیز جیسے گول گول گھوم رہی تھی۔

جس قدر سونیا نے اپنی باربی کے شوز کے لیے شور کیا تھا۔ کسی نے اپنی زندگی کے لیے اس کا آدھا جملہ بھی نہیں کہا تھا۔

زندگی جو بڑی بے رحم ہے۔ وہ رشتے جو محبت اور قربانی کی آنچ پر جوڑ کر رکھتے ہیں' جو اثاثہ ہوتے ہیں' لیکن پھر کسی دن پلٹ کر دیکھو۔ کیا کمایا۔ تو کچھ نہیں۔ کچھ بھی نہیں ہوتا۔ آپ اکیلے اور تنہا ہی کھڑے ہوتے ہیں۔ وہ جوڑ کر رکھے ہوئے رشتے سب کھوئے ہوتے ہیں۔ جو زخم لگ گیا تھا' اسے اب کوئی مندمل نہیں کر سکتا تھا۔

اور جس محبت کو دہلیز پر چھوڑا تھا' وہ ایک دم اٹھ کر دامن سے لپٹ گئی۔ دل تک آ گئی۔

کچھ پل' لمحے' ساعت' وسیلہ بن جاتے ہیں۔ روشنی بن جاتے ہیں کچھ فیصلوں کے لیے جو یوں ہی یوں ہی سہی۔ انہوں نے بھائی کے فیصلہ کو تسلیم کر لیا تھا صرف ایک ترمیم کے ساتھ کہ انہوں نے بھی ہمیشہ کے لیے وہ گھر چھوڑ دیا تھا۔

☆

عتیقہ محمد بیگ

دیوار

"یہ دیوار میرے بچو! تم لوگ گرا دینا.... یہ دیوار اس گھر کی زمین پر نہیں کھڑی ہوئی۔ یہ دیوار میرے دل پر برسوں سے کھڑی ہے.... اور مجھ پر ہنستی رہی ہے.... کہ میں اس کو گرانے میں کامیاب نہیں ہو سکی.... میرے بچو! تم دونوں ہی میرا خاندان ہو.... مجھ سے وعدہ کرو.... کہ تم دونوں آپس میں شادی کر کے اس گھر کی

www.Paksociety.com

دیوار کو گرا دو گے اور میرے دل کے ٹکڑوں کو آپس میں ملا دو گے۔ وعدہ کرو مجھ سے۔"

حیات بی بی نے لرزتی آواز میں اپنی پوتی حنا اور اپنے پوتے سعد سے وعدہ لیا۔ دونوں ایک دوسرے کو تکنے لگے۔ ان دونوں کے دل ایک دوسرے کے لیے دھڑکتے تھے، مگر ایک دوسرے سے انہوں نے کبھی اظہار نہیں کیا تھا۔ کرتے کیسے، بے چارے دونوں کی مائیں ایک دوسرے کے خون کی پیاسی تھیں۔

اظہر اور مظہر حیات بی بی کی آنکھ کے تارے تھے۔ اظہر بڑا اور مظہر ان کا چھوٹا بیٹا تھا دونوں میں بہت پیار تھا، مگر دونوں کی شادی کے بعد گھر کا سکون درہم برہم ہو گیا۔ اظہر کی بیوی روبینہ سے ناہید جلتی تھی۔ ناہید چھوٹی بہو تھی، اس لیے حیات بی بی ہر کام روبینہ سے پوچھ کر سرانجام دیتی تھیں ناہید کو برا لگتا تھا یہ روبینہ کا گھر پر راج اس لیے تھا کہ وہ پہلے اس گھر میں آئی تھی۔ مگر ناہید نے اس بات کو دل میں بٹھا کر اظہر اور مظہر میں ایسی پھوٹ ڈالی کہ دونوں ایک دوسرے سے جھگڑ پڑے اور گھر کے صحن میں دیوار کھڑی ہو گئی۔ حیات بی بی نے لاکھ اپنے بیٹوں کو سمجھایا، مگر روبینہ اور ناہید کے درمیان جو کڑواہٹ پیدا ہو گئی تھی، اس کی وجہ سے انہوں نے ماں کی بات نہ سنی..... اور بوڑھی حیات بی بی کٹ کر رہ گئیں۔

دس دن وہ اظہر کے پاس گزارتیں اور دس دن مظہر کے پاس۔ دونوں نے ماں کو بے گھر کر کے اپنی اپنی بیویوں کو گھر بخش دیا تھا۔ حیات بی بی نے روبینہ اور ناہید کے دل صاف کرنے کی ہزار کوششیں کیں مگر دونوں نے ایک نہ سنی۔ روبینہ کے نزدیک وہ درست تھی اور ناہید کے خیال میں وہ حق پر تھی۔ روبینہ کو اللہ نے بیٹے سے نوازا تھا۔ اور ناہید کے گھر میں خدا نے چاند سی بیٹی دی۔ یہ حیات بی بی کی دعاؤں کا نتیجہ تھا۔ وہ ناہید کے گھر میں بیٹی دیکھنا چاہتی تھیں تاکہ وہ ناہید کی بیٹی حنا اور روبینہ کے بیٹے سعد کی شادی کروا سکیں اور اس طرح اپنے گھر کی دیوار کو گرا سکیں۔

سعد اور حنا ایک اسکول میں پڑھتے تھے۔ سعد، حنا سے تین سال بڑا تھا۔ دادی کے کہنے پر وہ حنا کا اسکول میں خیال رکھتا۔ حنا بھی سعد کو اپنا سمجھتی اور پھر بڑھتی عمر کے ساتھ ایک خاموش محبت کا دریا ان کے وجود میں امڈنے لگا۔

حیات بی بی کو سردی کی وجہ سے نمونیا ہو گیا۔ کچھ ہی دنوں میں نمونیا بگڑ گیا اور ان کی حالت کافی خراب ہو گئی۔ اپنی آخری سانسوں میں وہ حسرت بھری نظروں سے دیوار کو دیکھ کر ان دونوں سے وعدہ مانگ رہی تھیں۔

سعد نے دادی کا ہاتھ تھام لیا اور پیار سے بولا۔

"دادی جان! آپ ٹھیک ہو جائیں گی۔ آپ فکر مت کریں۔ یہ دیوار گر جائے گی۔ آپ جو چاہتی ہیں ویسا ہی ہو گا۔"

حیات بی بی نے ایک لمبی آہ بھر کر اپنا کانپتا ہوا ہاتھ اس کے سر پر رکھا اور حنا کی طرف دیکھا۔ اس کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔

"میری چاند سی پوتی! کیوں رو رہی ہے۔ سعد تجھے خوشیاں ہی خوشیاں دے گا۔"

حیات بی بی نے حنا کا ہاتھ سعد کے ہاتھ میں دے کر پیار سے کہا تھا۔ حنا نے مضبوطی سے سعد کا ہاتھ تھام لیا۔ وہ سعد کو احساس دلانا چاہتی تھی کہ وہ بھی اس سے محبت کرتی ہے۔ سعد مطمئن سا ہو گیا۔ اس سے پہلے کہ وہ دادی کو تسلی دیتے، حیات بی بی اللہ کو پیاری ہو گئیں۔ حنا نے پھوٹ پھوٹ کر رونا شروع کر دیا۔

اظہر اور مظہر اپنے رشتہ دار کے قل شریف کے پر گئے ہوئے تھے۔ حنا اور سعد نے ایک دوسرے سے وعدہ کیا کہ وہ اپنی دادی۔ کی خواہش پوری کریں اور پھر سے اس خاندان کو ایک کر دیں گے۔

حیات بی بی دنیا سے چلی گئیں، مگر اپنے گھر کی حفاظت کے لیے دو سپاہی پیچھے چھوڑ گئیں۔

✲ ✲ ✲

تین سال گزر چکے تھے۔ دونوں بھائیوں کے درمیان خلیج بدستور تھی۔

"یہ چھت پر کیا لے کر گئی تھیں؟" حنا سیڑھیاں اتر رہی تھی جب اس کے ہاتھ میں خالی پلیٹ دیکھ کر ناہید نے غصے سے پوچھا۔

"کچھ نہیں..... چڑیوں کو چاول ڈالنے گئی تھی۔" اس نے مسکرا کر جواب دیا۔

"اچھی طرح سے جانتی ہوں..... تم بریانی اس خبیث، نکمے انسان کو دے کر آئی ہو۔" ناہید نے غصے سے کہا۔ حنا مسکرا کر بولی۔

"اماں! اس کا مطلب ہے کہ میں بھی خبیث اور نکمی ہوں، اس لیے کہ جو خون اس کی رگوں میں دوڑ رہا ہے شاید وہ میری رگوں میں بھی دوڑ رہا ہے۔"

"شاید..... یہ تمہارا شاید سے کیا مطلب ہے؟"

"اوہ اماں! منہ سے نکل گیا۔ آپ ایک بات کو پکڑ کر نہ بیٹھ جایا کریں۔"

حنا ماں کے پاس چارپائی پر آ بیٹھی۔

"اچھا! زیادہ باتیں نہ بنایا کر..... اور ایک بات اچھی طرح سمجھ لے..... اس کا خواب اپنے دل سے نکال دے..... یہ ان ماں بیٹے کی چال ہے۔ وہ تجھے اپنے گھر لے جا کر تجھ پر ظلم کر کے میرا دل دکھائیں گے۔"

ناہید نے جان بوجھ کر اونچی آواز میں کہا تھا تاکہ اس کی آواز دیوار کے اس پار تک پہنچ جائے ناہید کی آواز کے فوراً بعد ایک برتن کے گرنے کی آواز سنائی دی۔ ناہید کے لبوں پر مسکراہٹ بکھر گئی۔

"اماں! خدا کے لیے اسٹار پلس مت دیکھا کرو۔ کتنی شیطانی حرکتیں کرنے لگی ہو۔" حنا نے روتی صورت بنا کر کہا تو وہ ہنستے ہوئے بولی۔

"دل خوش ہو گیا۔ جا جلدی سے بریانی پلیٹ میں ڈال کر لا۔ اب کھانے میں مزا آئے گا۔"

حنا افسردگی سے اٹھی اور کچن میں جا گھسی۔ اس کا دل بجھ گیا تھا۔ روبینہ تائی اس کے پہلے سے خلاف ہیں۔ اماں کی بات پر مزید خلاف ہو جائیں گی تو وہ گھر کی دیوار کو کیسے گرا سکے گی۔

✲ ✲ ✲

"جا دفع ہو جا ان ماں بیٹی کے پاس۔ نہ تو اس لڑکی کو شرم ہے اور نہ تجھے۔ غیر محرم کو کیسے بریانی دے کر گئی ہے۔ قیامت کی نشانی ہے۔" روبینہ ہنڈیا پر ڈوئی مار مار کر اپنا غصہ نکال رہی تھی وہ ابھی کھانا تیار کر رہی تھی کہ سعد بریانی کی پلیٹ پکڑے باورچی خانے میں داخل ہوا تھا اور وہیں میں ٹیبل پر بیٹھ کر اطمینان سے کھانے لگا۔

"اماں! کسی کو بریانی دینا قیامت کی نشانی ہے کیا؟ وہ میرے چچا کی بیٹی ہے۔ بریانی کیا..... گلاب جامن بھی دے سکتی ہے۔" سعد اطمینان سے بریانی سے انصاف کرتے ہوئے بولا۔

"سعد اس کو مت کھا۔ ان ماں بیٹی نے نہ جانے کیا پڑھ کر پھونکا ہو گا۔ یا اللہ! اس لڑکے کو کیسے سمجھاؤں کہ وہ کم بخت محبت کا جال پھینک کر اس گھر میں آنا چاہتی ہے اور تجھے اپنے بس میں کر کے مجھے اس گھر سے نکال دینا چاہتی ہے۔"

"اماں! میری شادی کے بعد یہ گھر بہو کا ہی تو ہونا ہے۔" سعد نے ہنسی دبا کر جملہ پھینکا۔ روبینہ جل گئی۔ اس نے فوراً دل پر ہاتھ رکھ لیا۔

"کیا بول رہا ہے؟ ہائے! تعویذ کا اثر اتنی جلدی ہو گیا..... ابھی تو پوری پلیٹ بھی تو نے نہیں چاٹی۔"

روبینہ نے کھانا پکانا چھوڑ دیا اور نل پر جا کر وضو کرنے لگی تاکہ سعد پر دم کر کے اس جادو کا اثر اتار سکے۔

"اماں! ابا کے لیے کھانا تیار کریں..... میں مذاق کر رہا ہوں۔" اس نے ماں کا پیلا چہرہ دیکھ کر جلدی سے کہا۔

"کھانا بھی بن جائے گا۔" روبینہ نے منہ میں کچھ پڑھ کر سعد پر پھونکا۔

"اماں! یہ کیا کر رہی ہیں؟" سعد ہنس کر بولا۔

"آیت الکرسی پڑھ کر پھونکی ہے..... اس کے تعویذ کے وار کے لیے کافی ہے۔" وہ مطمئن ہو کر بولی، اور پھر اس کے لب ہلنے لگے۔

"اماں! چچی کبھی مجھ پر تعویذ نہیں کروا سکتیں۔ میں ان کے بیٹے جیسا ہوں۔" سعد نے ماں کو اپنے پاس

www.Paksociety.com

بٹھایا اور ان کا ہاتھ تھام لیا۔
”نہیں، تو صرف میرا بیٹا ہے۔ صرف میرا۔“ روبینہ نے سعد کو سینے سے لگالیا۔ اس کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے تھے۔
”اماں! آپ کا بیٹا آپ کے پاس ہے..... اور حنا بھی“۔ اس کے لہجے میں شرارت تھی۔ روبینہ تنک کر بولی۔
”بس! مجھے میرا بیٹا چاہیے، کوئی حنا وینا نہیں۔“
”اف اماں! وینا بھی نہیں چاہیے....؟ وینا ملک..... جس کو ہمارا میڈیا ہر گھنٹے بعد نیوز میں دکھا رہا ہے“ آپ کو وہ نہیں چاہیے؟“ سعد نے ہنستے ہنستے ماں کے حنا وینا ۔ کہنے پر پوچھا۔
روبینہ کانوں کو ہاتھ لگا کر منہ میں استغفار پڑھنے لگی۔

✵ ✵ ✵

حنا اگلی صبح یونیورسٹی میں سعد کا بے صبری سے انتظار کر رہی تھی۔
”تم آج اتنی دیر سے کیوں آئے؟“ حنا نے سعد کو یونیورسٹی کے گیٹ سے اندر داخل ہوتے دیکھا تو اس کی طرف لپکی۔
”بس..... ابھی پورا سانس بحال نہیں ہوا کہ تم نے کلاس لینا شروع کردی۔“
”پورا آدھا گھنٹہ لیٹ ہو۔“ حنا نے گھڑی دکھا کر کہا۔
”یار! راستے میں کرینہ کپور مل گئی تھی۔ اس کا سیف علی خان سے جھگڑا ہو رہا تھا کہ وہ شاہد کپور کے پاس جانا چاہتی ہے، مگر وہ اسے جانے نہیں دے رہا۔ بس کرینہ کپور کی مدد کرتے کرتے دیر ہوگئی۔“ اس نے مسکرا کر کینٹین کا رخ کیا۔
”دوسروں کی کہانی کو چھوڑو..... اپنی کہانی کا کیا بنے گا؟“
”یار! ہماری کہانی تو ہمارے ہاتھ میں ہے..... چلو بھاگ چلتے ہیں۔“ اس نے ہنس کر کینٹین میں کرسی پر قبضہ جما کر جواب دیا۔
”نہیں میں بھاگ نہیں سکتی۔“ وہ کرسی پر بیٹھتے ہوئے بولی۔ وہ مسکرایا۔
”کیوں تمہارے پاس مضبوط ۔ شوز نہیں ہیں کیا؟“
”نہیں مضبوط شوز تو ہیں، مگر میں تمہاری طرح دودھ نہیں پیتی۔“ حنا نے منہ بنا کر کہا۔
”واہ..... واہ..... کیا بات کی..... مزا آگیا..... اسی بات پر چائے ہو جائے؟“ سعد نے مسکرا کر پوچھا۔
”ہاں! مگر میں وزیراعظم کی طرح چائے پیوں گی۔ سموسے، شامی کباب، چپس، بسکٹ، چاکلیٹ وغیرہ وغیرہ سب منگوالو۔“ اس نے اکڑ کر کہا۔
”توبہ، توبہ۔ اماں سچ ہی کہہ رہی تھیں کہ تم مجھے کھا جاؤ گی اور میری ہڈیاں اس گھر میں دفن کرکے اکیلے اس گھر پر راج کرو گی۔“ سعد نے دونوں ہاتھ جوڑ کر کہا۔
حنا ہنس پڑی پھر اس کی آنکھوں میں نمی تیر گئی۔ وہ لرزتی آواز سے بولی۔
”دادی یاد آگئی تھیں..... آخری سانسوں میں انہوں نے میرا ہاتھ تمہارے ہاتھوں میں سونپا تھا اور وہ دیوار گرانے کی کتنی خواہش مند تھیں۔“ وہ بولتے بولتے خاموش ہوگئی۔
”تم فکر مت کرو۔ سب ٹھیک ہو جائے گا۔“
”کیسے؟“ اس کی آواز لرز رہی تھی..... اس کو اپنی ماں کی نفرت روبینہ تائی کے لیے صاف صاف نظر آتی تھی۔
”یار! اللہ ہے ناں..... بس اللہ تعالیٰ ہمارے لیے کچھ نہ کچھ کریں گے۔“ اس نے پیار سے اس کا ہاتھ تھام کر کہا۔
”اچھا..... اچھا، زیادہ رومانٹک ہیرو مت بنو اور چائے کا آرڈر دے کر آؤ۔“ اس نے آہستگی سے ہاتھ چھڑواتے ہوئے کہا تو سعد مسکراتے ہوئے چائے کا آرڈر دینے کے لیے اٹھ گیا۔

✵ ✵ ✵

”مجھے آفتاب سے شادی نہیں کرنی..... پلیز اماں! خدا کے لیے مجھ سے بار بار اس کے متعلق بات نہ کریں۔“ آفتاب، ناہید کی دوست ثریا کا بیٹا تھا۔
”کیوں نہیں کرنی؟ میں نے ثریا سے ہاں کردی ہے۔ یہ شادی ضرور ہوگی..... تیرا باپ بھی رضامند ہے۔ وہ شام کو گھر آرہے ہیں۔“
حنا نے حیرت سے ماں کو دیکھا اور گھبرا کر بولی۔ ”بابا بھی رضامند ہوگئے ہیں؟“
”ہاں! انہوں نے ہاں کی ہے، اس لیے تو بات پکی کی ہے۔“ ناہید نے مطمئن ہو کر جواب دیا۔
”نہیں..... بابا مجھ سے پوچھے بغیر ایسا نہیں کرسکتے۔“ وہ رونے لگی۔
”اس ذلیل کے لیے آنسو مت بہاؤ۔ وہ لوگ تمہاری ماں کے دشمن ہیں۔ تم ان کے ساتھ رہنا چاہتی ہو.....؟ یا خدا! یہ کیسی اولاد تو نے مجھے بخشی ہے۔“ ناہید نے چیخ کر اپنا سر پکڑ لیا۔
”اماں! وہ ہمارے دشمن نہیں، ہمارے اپنے ہیں۔“ اس نے روتے روتے جواب دیا اور اٹھ کھڑی ہوئی۔
”کہاں جارہی ہو، اس نکمے کو خبر دینے؟“ ناہید نے غصے سے پوچھا۔
”ہاں!“ وہ چیخ کر بولی اور کمرے سے باہر نکل گئی۔
”اس نکمے کو بتا دینا کہ ہم اس کی اور اس کی ماں کی چالاکیوں میں نہیں پھنسنے والے ہیں..... یہ شادی ہو کر رہے گی..... روبینہ کی چال میں کامیاب نہیں ہونے دوں گی۔“ وہ ماں کی تیز آواز پہ روتے روتے چھت کی سیڑھیاں چڑھنے لگی جہاں سعد افسردہ سا پہلے سے کھڑا تھا۔
”سعد..... تم!“ وہ روتے ہوئے بولی۔ سعد نے ایک پیار بھری نظر اس پر ڈالی اور افسردگی سے بولا۔
”حنا! میں یہ شادی نہیں ہونے دوں گا۔“
”سعد! پلیز کچھ کرو، ورنہ اماں میری شادی آفتاب سے کردیں گی۔“
”حنا! میں کیا کرسکتا ہوں۔ مجھے کوئی راستہ نظر

مشہور و مزاح نگار اور شاعر

انشاء جی کی خوبصورت تحریریں،

کارٹونوں سے مزین
آفسٹ طباعت، مضبوط جلد، خوبصورت گرد پوش

کتاب کا نام		قیمت
آوارہ گرد کی ڈائری	سفرنامہ	450/-
دنیا گول ہے	سفرنامہ	450/-
ابن بطوطہ کے تعاقب میں	سفرنامہ	450/-
چلتے ہو تو چین کو چلیے	سفرنامہ	275/-
نگری نگری پھرا مسافر	سفرنامہ	225/-
خمار گندم	طنز و مزاح	225/-
اردو کی آخری کتاب	طنز و مزاح	225/-
اس بستی کے کوچے میں	مجموعہ کلام	300/-
چاند نگر	مجموعہ کلام	225/-
دل وحشی	مجموعہ کلام	225/-
اندھا کنواں	ایڈگر ایلن پو/ابن انشاء	200/-
لاکھوں کا شہر	او ہنری/ابن انشاء	120/-
باتیں انشاء جی کی	طنز و مزاح	400/-
آپ سے کیا پردہ	طنز و مزاح	400/-

مکتبہ عمران ڈائجسٹ
37، اردو بازار، کراچی

نہیں آتا۔ تم میرے خاندان کی عزت ہو..... کیسے چچا کو رسوا کر دوں۔ کیسے انہیں اس دنیا میں ذلیل کروا دوں؟ میں اپنی جان تو دے سکتا ہوں مگر خاندان کی عزت سے نہیں کھیل سکتا۔"

"پلیز سعد! مجھے یہاں سے لے جاؤ۔" وہ رونے لگی۔ وہ بھی افسردہ تھا۔

روبینہ نے اپنے بیٹے کی تمام باتیں سن لیں۔ وہ بھی چھت پر آ پہنچی اور چیخ چیخ کر ناہید کو پکارنے لگی۔

"اپنی مکار بیٹی کو یہاں سے لے جاؤ یہ میرے بیٹے کی جان لے رہی ہے۔"

روبینہ کے پکارنے پر ناہید بھی غصے سے چھت پر آ گئی اور خفگی سے بولی۔

"میری بیٹی کی شادی ہونے والی ہے اس لیے تمہارا بیٹا مرنے کا ڈرامہ رچا رہا ہے۔ تاکہ تم دونوں کی سازش کامیاب ہو جائے۔"

دونوں اپنے اپنے بچوں کو چھت سے اتار کر لے آئیں۔ اظہر اور مظہر اپنے اپنے گھر پر موجود نہ تھے۔ روبینہ اور ناہید نے اپنے بچوں کے ارمانوں کو ان سے چھپایا ہوا تھا کہ کہیں خون کے رشتے جوش میں نہ آ جائیں۔

☼ ☼ ☼

حنا کا رشتہ طے کرنے کے بعد آفتاب کی ماں ثریا نے ایک چھوٹی سی منگنی کرنے کی خواہش ظاہر کی۔ مظہر کی مرضی نہ تھی مگر ناہید نے روبینہ اور سعد کو جلانے کے لیے اسے منا لیا۔

سعد مایوس تھا۔ منگنی کے تمام انتظامات کیے جا چکے تھے۔

جس دن منگنی تھی۔ اسی صبح مظہر کو کسی نے اطلاع دی کہ آفتاب پہلے سے شادی شدہ اور دو بچوں کا باپ ہے۔ وہ پیسوں کی لالچ میں حنا سے شادی کر رہا ہے کہ وہ ان کی اکلوتی اولاد ہے۔"

مظہر کو یہ بات برداشت نہ ہوئی اور اس کو دل کا دورہ پڑ گیا۔ حنا باپ کو گرتا دیکھ کر چیخ اٹھی ناہید بھی رونے لگی۔

سعد اور اظہر نے مظہر کے گھر پر رونے کی آوازیں سنیں تو دونوں بھاگے چلے آئے۔

اظہر اور سعد نے مظہر کو سنبھال کر ہسپتال پہنچایا۔ منظر ناہید کی آنکھوں میں بس سا گیا۔ اس کی آنکھوں سے آنسو نہیں تھم رہے تھے۔ روبینہ تسبیح پڑھ رہی تھی۔ اس نے ہمیشہ روبینہ کو برا سمجھا تھا مگر آج اسے سمجھ آ رہا تھا کہ حیات بی بی اس سے مشورہ پہلے اس لیے کرتی تھیں کہ وہ اس گھر میں پہلے بیاہ کر آئی تھی، سو وہ گھر کے تمام طور طریقوں سے اچھی طرح واقف تھی۔ روبینہ نے ناہید سے بات نہ کی۔ وہ حنا کو تسلیاں دیتی رہی۔ ناہید کے ذہن میں جھکڑ چل رہے تھے۔ خدانخواستہ مظہر کو کچھ ہو جائے تو وہ تنہا اپنی بیٹی کے ساتھ کیسے رہ پائے گی۔ آفتاب کا ڈراؤنا چہرہ اسے سبق دے گیا کہ دنیا لالچی اور مکار لوگوں سے بھری پڑی ہے اور وہ اپنی بے جا انا میں ایک مکار شخص کو گھر کے بیٹے پر ترجیح دے رہی تھی۔ وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

تھوڑی دیر میں ڈاکٹر ایمرجنسی روم سے نکلا۔

"اظہر صاحب کون ہیں؟ پلیز! آپ اندر آ جائیں۔ آپ کے بھائی صاحب ملنا چاہتے ہیں۔" ڈاکٹر نے اظہر سے کہا تھا۔ روبینہ لرزتی آواز میں بولی۔

"ڈاکٹر صاحب! مجھے اپنے شوہر سے ملنا ہے۔ کیا میں.....؟" اس نے بات ادھوری چھوڑ دی اور رونے لگی۔

ڈاکٹر صاحب نے سنجیدگی سے کہا۔ "ہاں ضرور! مگر ان کے سامنے پلیز افسردہ ہو کر مت جائیں۔ انہیں دل کا ہلکا سا اٹیک ہوا ہے۔ انہیں پریشانیوں سے دور رکھنا ہو گا۔"

"جی..... ضرور۔" سعد نے کہا۔

اظہر صاحب روبینہ کے ساتھ کمرے میں چلے آئے۔

"بھائی جان مجھے معاف کر دیں..... پتا نہیں..... میری زندگی کتنی باقی رہ گئی ہے۔ اس لیے میں نے سوچا

کہ میں معافی مانگ لوں۔ میں اپنی جگہ غلط تھا۔" مظہر نے کہا تو اظہر نے اس کا ہاتھ تھام لیا اور پیار سے بولے۔

"اللہ تمہیں میری عمر دے..... بس آرام کرو، زیادہ باتیں مت کرو..... گھر چلو، پھر ڈھیر ساری باتیں کرتے ہیں۔" مظہر مسکرا دیا۔

ناہید مظہر کو مسکراتا دیکھ کر مطمئن سی ہوئی۔ مظہر پر سکون دکھائی دے رہا تھا۔ بارہ بج چکے تھے۔ کمرے میں کھڑی نرس نے مسکرا کر کہا۔

"آپ سب کو نیا سال مبارک ہو..... اور مسٹر مظہر! میری دعا ہے کہ آپ جلد صحت یاب ہو کر گھر چلے جائیں۔" وہ مظہر کو گلوکوز لگا رہی تھی۔

اظہر صاحب مسکرا کر بولے۔ "نئے سال کے آغاز میں ہی گلوکوز چل رہا ہے..... صحت ہی صحت ہو جائے گی..... کیوں مظہر؟..... بچپن میں بھی تم مجھ سے موٹے تھے۔"

"بھائی صاحب مجھے معاف کر دیں۔ یہ سب میرا کیا دھرا ہے۔ مظہر تو ہمیشہ آپ کی عزت کرتے تھے۔ میں نے ہی....."

"اوہو..... خبردار! گھر کی بہویں گھر کی باتیں یوں باہر نہیں کرتیں۔" نرس کے چلے جانے پر اظہر نے نصیحت کرتے ہوئے اس کے سر پر ہاتھ رکھا۔

مظہر مسکرا کر بولا۔ "بھائی صاحب! بچوں کو بلوائیں..... دونوں کی سانسیں اٹک رہی ہوں گی۔"

ناہید خوشی خوشی باہر آئی اور روبینہ کے گلے سے لگ گئی۔ روبینہ نے بھی اس کو بانہوں کے حصار میں لے لیا۔

"بھابھی! مجھے معاف کر دیں۔ مجھے حسد کی آگ نے جلا دیا تھا۔ کتنے سال تک میں لڑتی جھگڑتی رہی اور اس کی کوئی وجہ بھی نہ تھی مجھ سے بہت سی غلطیاں ہوئیں۔ پلیز! مجھے معاف کر دیں۔" ناہید رونے لگی۔

"بس! اللہ کا شکر ہے کہ تمہیں عقل آ گئی، ورنہ یوں ہی سال گزرتے رہتے اور ہم ختم ہو جاتے۔ اک شرط پر تمہیں معاف کر دوں گی..... اگر تم حنا کا رشتہ مجھے دے دو۔" روبینہ نے حنا کو دیکھ کر کہا تھا۔ خوشی میں حنا کی آنکھوں سے آنسو نکل آئے تھے۔ سعد بھی خدا کا لاکھ لاکھ شکر ادا کرنے لگا کہ دونوں کی ماؤں نے نئے سال پر اپنا کئی سال پرانا جھگڑا — ختم کر دیا..... دونوں کے چہرے خوشی سے چمکنے لگے کہ ان کی دادی کی خواہش پوری ہو جائے گی اور وہ دیوار گر جائے گی جو ان کے دل پر کھڑی تھی۔

☼ ☼ ☼

سعد اور حنا صحن میں بیٹھے چائے پی رہے تھے۔ روبینہ اور ناہید بازار گئی ہوئی تھیں۔ دل ایک ہو گئے تو گھر کی ہنڈیا بھی ایک ہو گئی۔ دونوں صبح صبح گھر کے سامان کے لیے نکلی ہوئی تھیں۔

حنا نے چائے کا گھونٹ بھر کر کہا..... "دادی دیکھ رہی ہوں گی ہم لوگوں کو اور اس گھر کو بھی دیوار گر گئی اور صحن کتنا پیارا لگنے لگا ہے، کھلا کھلا۔ میں سوچ رہی ہوں یہاں پر پھولوں کے گملے سجاؤں۔"

"جی نہیں..... دادی جان نے یہ دیوار اس لیے گرانے کا سوچا تھا کہ ہمارے بچوں کو کھیلنے کے لیے کھلا صحن ملے گا اور تم گملے سجانے کی بات کر رہی ہو۔" وہ مسکرایا۔ حنا بھی مسکرانے لگی۔

"دو بچے آسانی سے کھیل لیں گے..... فکر مت کرو۔"

"اچھا جی..... دادی نے مجھ سے اک اور وعدہ بھی لیا تھا کہ یہ خاندان مجھے بڑھانا ہے۔" سعد نے قہقہہ لگا کر کہا تو حنا جھینپ گئی۔ اس کے آنگن میں خوشیوں کا ڈیرا تھا۔ حیات بی بی نے اسے آخری لمحے میں سعد کا ہاتھ تھما کر کہا تھا۔

"زندگی کا سفر خوشی سے طے ہو سکتا ہے..... اگر ایک دوسرے کو سمجھ لیا جائے تو کبھی کسی گھر میں دیوار کھڑی نہیں ہو گی۔"

☼

www.Paksociety.com

مہوش افتخار

ضبطِ عشق

مکمل ناول

صاف شفاف سڑک پر مناسب اسپیڈ سے گاڑی آگے بڑھاتے ہوئے وہ اس وقت خاصے خوش گوار موڈ میں تھا۔ چہرے سے ٹکراتے ہوئے ہوا کے جھونکوں میں در آنے والی ٹھنڈک، موسم کے بدل جانے کی اطلاع دے رہی تھی۔ گرمی نے تو اسے اچھا خاصا بے زار کردیا تھا۔ اس پہ مستزاد عالم کی غیر موجودگی، وہ صرف گھر اور یونیورسٹی تک محدود ہو کر رہ گیا تھا۔

مگر آج موسم کی خوشگواری کو محسوس کرتے ہوئے وہ شام میں سو کر اٹھنے کے بعد نہا دھو کر، لانگ ڈرائیو اور تھوڑی بہت شاپنگ کے ارادے سے نکل کھڑا ہوا تھا۔

اپنے دھیان میں سبک رفتاری سے ڈرائیو کرتے وہ مارکیٹ پہنچنے ہی والا تھا جب اس کا فون بج اٹھا۔

"کیا کر رہا تھا یار من؟" اس کی ہیلو کے جواب میں دوسری طرف سے عالم کی زندگی سے بھرپور آواز سنائی دی تو بے اختیار اس کے لب مسکرا دیے۔

"فی الحال تو ڈرائیو کر رہا ہوں۔"

"کہاں جا رہا ہے؟"

"شاپنگ کرنے۔" اس کی جرح کے جواب میں وہ مسکرا کر بولا۔

"میرے لیے کیا خریدے گا؟" دوسری جانب صاحب شاید کچھ زیادہ ہی فرصت میں تھے۔

www.Paksociety.com

www.Paksociety.com

"کچھ نہیں۔ میرے پاس فالتو پیسے نہیں ہیں۔" اپنی مسکراہٹ دبائے وہ دوبدو گویا ہوا تو عالم مصنوعی خفگی سے بولا۔

"کنجوس اعظم! کم از کم دل رکھنے کو ہی کہہ دیتا کہ تو میرے لیے مارک اینڈ اسپنسر کی شرٹ، ساچی کا والٹ اور سی کو کی گھڑی خریدنے والا ہے۔"

"واہ! کیا کہنے ہیں جناب کے.... میرا باپ حرام نہیں کمارہا جو میں تیرا دل رکھنے کو یہ سب کہتا پھروں۔"

"حرام نہ سہی لیکن کچھ کم بھی نہیں کمارہا ہے۔ وہ الگ بات ہے کہ تو ایک انتہائی بے مروت اور بد اخلاق شخص واقع ہوا ہے۔" دوسری جانب سے جل کر کہا گیا تو وہ بے اختیار ہنس دیا۔

"تھینکس فار یور کامپلیمنٹس، لیکن کیا یہ ہی اول فول بکنے کے لیے فون کیا ہے؟" اس نے احتیاط سے موڑ کاٹتے ہوئے گاڑی پارکنگ ایریا میں داخل کی۔

"نہیں بلکہ یہ بتانے کے لیے کہ مجھے یہاں ایک ڈیڑھ ہفتہ اور لگ جائے گا۔" عالم اب کے سنجیدگی سے گویا ہوا۔

"لیکن تو تو کہہ رہا تھا کہ کام مکمل ہو گیا ہے۔" گاڑی مناسب جگہ پہ پارک کرتے ہوئے اس نے اگنیشن میں سے چابی نکالی۔

"ہو تو گیا ہے، لیکن ایک، دو چھوٹے موٹے مسئلے ہیں جنہیں نپٹانا ابھی باقی ہے۔" عالم کے والد غیاث علی الیکشن میں کھڑے ہو رہے تھے۔ لہٰذا اسی سلسلے میں آج کل وہ سب اپنے گاؤں گئے ہوئے تھے۔ جہاں ان کی تیاریاں اور مصروفیات اپنے عروج پر تھیں۔ حالانکہ اس علاقے کی نشستوں کے نتائج بنا کسی مقابلے کے بھی سب کو ازبر تھے۔

"چل پھر اگر کوئی اور ضروری بات نہیں تو میں فون بند کرتا ہوں، مجھے دیر ہو رہی ہے۔"

"ہاں تو جا اور صرف اپنے لیے شاپنگ کر۔" وہ "اپنے" پہ زور دیتے ہوئے بولا تو شاہ نواز نے ہنستے ہوئے رابطہ منقطع کر دیا۔

گاڑی لاک کر کے وہ اپنے دھیان میں چلتا داخلی سیڑھیوں کی جانب چلا آیا۔ مین ڈور دھکیل کر وہ ابھی اندر داخل ہوا ہی تھا جب پاس سے گزر کر باہر جاتے ایک جوڑے پہ اسے ایک جانے پہچانے چہرے کا گمان ہوا تھا۔

ٹھٹک کر رکتے ہوئے اس نے بے یقینی سے پلٹ کر پیچھے دیکھا تھا اور گویا ساکت رہ گیا تھا۔ اس سے محض چند قدم کے فاصلے پہ وہ مکروہ چہرہ کھڑا تھا جسے وہ پورے پانچ سال بعد آج دیکھ رہا تھا اور جسے پہچاننے میں اسے محض ایک لمحہ لگا تھا۔

یہ وہ ہنسی تھی جس سے اسے اس دنیا میں سب سے زیادہ نفرت تھی۔ جو نہ صرف اس کی زندگی بلکہ اس کا دل، اس کا سکون ہر چیز برباد کرنے کی ذمہ دار تھی۔

اس کے لبوں پر کھلتی مسکراہٹ شاہ نواز کے تن بدن میں چنگاریاں سی بھر گئی تھیں۔ بے اختیار اسے اپنے خون کی گردش تیز اور مٹھیاں بھنچتی محسوس ہوئی تھیں اور اس سے پہلے کہ وہ دروازہ کھول کر باہر نکلتے شاہ نواز نے تیزی سے پلٹ کر گلاس ڈور کے ہینڈل پہ اپنا ہاتھ رکھ دیا تھا۔

"یہ کیا بدتمیزی ہے؟" اس کے ساتھ موجود مرد نے تیز لہجے میں کہتے ہوئے اپنے سامنے کھڑے اس اونچے لمبے نوجوان کو گھورا تھا جو اسے مکمل طور پہ نظر انداز کیے اس کی بیوی کو گھور رہا تھا۔

اس کی اس اچانک حرکت پہ مقابل نے بھی غصے سے تیوری چڑھائے اپنی نظریں اٹھائی تھیں اور پھر گویا پلکیں جھپکنا بھول گئی تھی۔

"شاہ نواز!" اس کے چہرے کی سراسیمگی اور لبوں کی بے آواز جنبش شاہ نواز سے پوشیدہ نہ رہ سکی تھی۔ بے اختیار اس کے ہاتھ کپکپائے تھے اور ان میں پکڑے شاپنگ بیگز چھوٹ کر زمین پہ آگرے تھے۔

"کون ہے یہ زرمین؟" اس کے ساتھ موجود مرد

نے تیزی سے اس کے قریب آتے ہوئے سخت نظروں سے نواز کی جانب دیکھا تھا جس نے ایک نفرت بھری تیز نگاہ ان دونوں پہ ڈالتے ہوئے اپنے قدموں میں لڑھک آنے والے پیپسی کے کین کو پوری طاقت سے ٹھوکر ماری تھی۔ اگلے ہی لمحے کین اڑتا ہوا سامنے دیوار کے ساتھ ٹکرانے کے بعد زوردار آواز سے پھٹا تھا۔

بے اختیار زرمین کی چیخ وہاں موجود دیگر لوگوں کی چیخوں میں مدغم ہوئی تھی، مگر وہ اس سارے ہنگامے سے بے نیاز پلٹ کر باہر نکلتا چلا گیا تھا۔

☼ ☼ ☼

سڑک پہ بے مقصد گاڑی دوڑاتے اسے نہ جانے کتنے گھنٹے گزر چکے تھے، مگر اس کے اندر جلتی آگ کسی طور ٹھنڈی ہونے کا نام نہیں لے رہی تھی۔

کاش! کاش کہ اس وقت اس کے پاس بھری ہوئی پسٹل ہوتی تو وہ ایک لمحے کی تاخیر کیے بنا اسے اس کے وجود پر خالی کر دیتا۔ جو نہ صرف اس کی بلکہ اور بھی بہت سے لوگوں کی مجرم تھی اور جسے سسک سسک کر مرتے دیکھنا اس کی اولین خواہش تھی۔

مگر وائے ری قسمت کہ وہ اسے نظر بھی آئی تو کس انداز میں۔ اس کے لبوں کی مسکراہٹ اس کی خوش حال اور پرسکون زندگی کی غماز تھی، جبکہ وہ آج بھی اپنی ادھوری ذات کو مکمل کرنے اور دل میں پھیلے سناٹے کو دور کرنے کے جتن کر رہا تھا۔ قدرت کی اس ناانصافی پہ اس کے اندر احساس زیاں بہت شدت سے جاگا تھا۔

اس سارے کھیل میں اس نے بنا کسی خطا کے بہت کڑی سزا جھیلی تھی۔ لیکن کیا واقعی اس نے بنا کسی خطا کے سزا جھیلی تھی؟ ضمیر کی آواز سنسناتے ہوئے کوڑے کی مانند اس کے وجود پر برسی تو اذیت کی ایک تیز لہر نے اسے سرتاپا بھگو دیا۔

بے اختیار ہی اس کا پاؤں پوری طاقت سے بریک پہ آپڑا تھا اور گاڑی نے بری طرح چرچرا کر شدید جھٹکا کھایا تھا۔ کوئی اور وقت ہوتا تو بیچ سڑک پہ اس کی یہ بے احتیاطی زبردست تصادم کا باعث بن سکتی تھی، مگر رات کے اس پہر وہاں ہر سو سناٹے اور تاریکی کا راج تھا، جس میں اس کی سسکیاں سننے والا دور تک کوئی نہ تھا۔

☼ ☼ ☼

"السلام علیکم پاپا!" رائنہ نے جھک کر اخبار پڑھتے حیات احمد کا چہرہ چوما۔

"وعلیکم السلام! کیسی ہے پاپا کی جان؟" انہوں نے اخبار فولڈ کرتے ہوئے اپنی لاڈلی کی طرف دیکھا جو ان کے دائیں جانب کرسی سنبھال چکی تھی۔

"بالکل ٹھیک، آپ سنائیں کیسا رہا ٹور؟"

"فرسٹ کلاس، کیسی جا رہی ہے یونیورسٹی؟" اس

www.Paksociety.com

www.Paksociety.com

کے سادہ سے چہرے پر نگاہیں جمائے انہوں نے شفقت سے پوچھا۔

"بہت اچھی' ان فیکٹ ہماری تو کلاسز بھی شروع ہوچکی ہیں۔" وہ ان کے لیے جوس ڈالتے ہوئے بولی۔

حیات احمد پچھلے ایک ہفتے سے بزنس کے سلسلے میں جاپان گئے ہوئے تھے اور ان کی غیر موجودگی میں رائنہ کی ایم اے انگلش کی کلاسز شروع ہوگئی تھیں۔ اسی لیے انہوں نے پہلا سوال اس کی یونیورسٹی کے متعلق ہی پوچھا تھا۔

"امی! ناشتا!" اس نے اپنے لیے جوس ڈالتے ہوئے' عافیہ بیگم کو پکارا جو کچن میں مجید کے ساتھ ناشتا بنوانے میں مصروف تھیں۔

"لا رہی ہوں۔"

"میں نے آج پراٹھا اور چیز آملیٹ بنوایا ہے۔ اطمینان سے ناشتا کرکے جاؤ۔" عافیہ ڈائننگ روم میں چلی آئیں۔

"زبردست بھئی' پھر تو مزا آجائے گا۔" جواب رائنہ کے بجائے حیات صاحب کی جانب سے موصول ہوا تھا دونوں گردن موڑ کر ان کی طرف دیکھنے لگیں۔

"آپ کو کیوں مزا آجائے گا؟" ان کی بات کا مطلب سمجھنے کے باوجود عافیہ بیگم نے اپنی مسکراہٹ دباتے ہوئے سنجیدگی سے پوچھا۔

"پراٹھا اور چیز آملیٹ جو بنا ہے۔" انہوں نے معصومیت سے جواب دیا تو رائنہ کے لب بے اختیار مسکرا دیے۔

حیات صاحب ہارٹ پیشنٹ تھے اور جانتے تھے کہ عافیہ بیگم ان کے پرہیز کا کتنی سختی سے دھیان رکھتی ہیں۔ اس کے باوجود ان کے بھولپن کی ایکٹنگ اس وقت دیکھنے سے تعلق رکھتی تھی۔

"پراٹھا اور چیز آملیٹ' وہ بھی ہارٹ پیشنٹ کے لیے؟ کیا کہنے ہیں آپ کے حیات صاحب!" وہ طنزیہ مسکراہٹ لبوں پہ سجائے گویا ہوئیں تو حیات صاحب لجاجت سے بولے۔

"یار! ایک دن کی تو چھٹی دے دو۔"

"لیکن اس طرح آپ کا پرہیز....."

"بھاڑ میں گیا پرہیز! جاپان میں کیا کم پرہیز ہوا ہے۔" انہوں نے جھنجلا کر عافیہ کی بات کاٹی تو رائنہ کے ساتھ ساتھ عافیہ بیگم بھی ہنس پڑیں۔

"ٹھیک ہے' لیکن صرف آج کے لیے۔" وہ مجید کے ہاتھ سے چیزیں لے کر ٹیبل پر رکھتی ہوئی بولیں۔

"تھینک یو مائی ڈیر۔" انہوں نے جھٹ پٹ ایک پراٹھا اپنی پلیٹ میں منتقل کیا تو ان کی اس درجہ بے صبری پہ وہ دونوں پہلے انہیں اور پھر ایک دوسرے کو دیکھ کر ہنس پڑیں۔

✵ ✵ ✵

اس کی آنکھ کھلی تو گھڑی صبح کے ساڑھے آٹھ بجا رہی تھی۔ اک گہری سانس لیتے ہوئے وہ سیدھا ہوا تو دایاں ہاتھ بے اختیاری کے عالم میں دکھتی کنپٹیوں پہ جا ٹھہرا۔ جو اس کے ذہنی تناؤ اور کشمکش کا نتیجہ تھیں۔

دو دن گزر چکے تھے' اس اتفاقی ٹکراؤ کو' مگر وہ خود کو اب تک سنبھال نہ پایا تھا۔ اس کے شب و روز جیسے ایک ہی نقطے پر منجمد ہو کر رہ گئے تھے' جبکہ دل کے زخم ایک بار پھر لو دینے لگے تھے۔ پچھلے دو دن سے وہ خود کو اپنے کمرے میں مقید کیے ہوئے تھا۔ جہاں وہ تھا اور سود و زیاں کے وہی پرانے کھاتے۔

اب بھی اس کی آنکھ اذانوں سے تھوڑی دیر پیشتر لگی تھی اور اب جو وہ اچانک بے دار ہوا تو سر میں بے تحاشا درد تھا۔

آنکھیں موندے سر کو دباتا وہ عجیب خالی الذہنی کے عالم میں تھا' جب سائیڈ ٹیبل پہ پڑا موبائل اچانک بج اٹھا۔

"ہیلو!" بنا نمبر دیکھے اس نے کال اٹینڈ کرتے ہوئے فون کان سے لگایا تو دوسری جانب سے نگہت بیگم کی پر شفقت آواز اس کے تنے ہوئے اعصاب کو ایک لمحے کے لیے پر سکون کر گئی۔

"کیسے ہو بیٹا؟"

"میں ٹھیک ہوں امی! آپ کیسی ہیں؟" اٹھ کر بیٹھتے ہوئے اس نے آواز میں بشاشت پیدا کرنے کی کوشش کی۔

"میں تو ٹھیک ہوں' لیکن مجھے تمہاری طبیعت ٹھیک نہیں لگ رہی۔" اگلے ہی پل وہ تشویش سے بولیں تو شاہ نواز کے لبوں پہ اک پھیکی سی مسکراہٹ آن ٹھہری۔ بھلا ماں کے دل کو بھی دھوکا دیا جا سکتا ہے۔

"جی وہ ہلکا سا زکام ہو گیا ہے۔" وہ بوجھل دل کا بوجھ چاہ کر بھی ہلکا نہ کر پایا تھا۔ جانتا تھا کہ اگر انہیں اصل بات کا علم ہو گیا تو وہ اس کی جانب سے از حد فکر مند ہو جائیں گی' جو وہ کسی طور نہیں چاہتا تھا۔

"مجھے پتا تھا تم احتیاط نہیں کرو گے ــــ اسی لیے آج صبح صبح فون کیا تھا کہ موسم بدل رہا ہے' اپنا دھیان رکھو' مگر وہی ہوا' اب وہاں اکیلے بیمار پڑے رہو گے۔"

ان کے لہجے میں پریشانی کے ساتھ ساتھ غصہ بھی در آیا تو شاہ نواز انہیں مطمئن کرنے کو قصداً" ہلکے پھلکے لہجے میں بولا۔

"امی! میں اکیلا کہاں ہوں' رشید ہے نا میرے ساتھ۔"

"کیا کہنے بیٹا تمہارے' وہ کسی قابل ہوتا تو مجھے فکر کس بات کی تھی۔ لیکن تم ذرا اسے فون دو' میں خود اسے سمجھاتی ہوں۔"

اور بے چارے رشید کی متوقع درگت کا خیال اس کے لبوں پر نہ چاہتے ہوئے بھی دھیمی سی مسکراہٹ بکھیر گیا۔

"امی! آپ چھوڑیں' میں خود اسے سمجھا لوں گا۔"

"تم کیا سمجھاؤ گے' تمہیں تو خود کچھ پتا نہیں۔" نگہت ڈپٹ کر بولیں تو وہ اک گہری سانس لیتا رشید کو آواز دینے لگا۔

اس کی آمد پہ موبائل اس کے حوالے کرتا وہ خود اٹھ کر باتھ روم کی جانب بڑھ گیا۔ ماں سے ہونے والی چند لمحوں کی گفتگو نے نہ چاہتے ہوئے بھی اس کا دھیان بٹا دیا تھا۔ اور چونکہ وہ اپنا دھیان اب بٹا ہوا ہی رہنے دینا چاہتا تھا' اس لیے یونیورسٹی جانے کے ارادے سے تیاری کرنے لگا' جہاں آج اس کی پہلی کلاس گیارہ بجے تھی۔

✵ ✵ ✵

"صاحب جی! آپ کہاں جا رہے ہیں؟" رشید' نگہت بیگم کی ہدایت کے پیش نظر اس کا ناشتا ٹرے میں سجائے کمرے میں داخل ہوا تو سامنے شاہ نواز کو تیار دیکھ کر قدرے حیرت سے پوچھ بیٹھا۔

"یونیورسٹی۔" وہ مصروف سے انداز میں بولا۔

"لیکن جی آپ کی تو طبیعت خراب ہے۔" وہ اپنے سابقہ انداز میں بولا تو شاہ نواز فائل میں لگے پیپرز درست کرتے ہوئے لاپروائی سے گویا ہوا۔

"او یار' میں بالکل ٹھیک ہوں۔"

"میں نے بھی بیگم صاحبہ کو یہ ہی کہا تھا' لیکن انہوں نے میری بے خبری پہ مجھے خوب ڈانٹا' ساتھ ہی ساتھ مجھے نکما اور کام چور بھی کہا۔"

وہ منہ لٹکائے بولا تو بے اختیار شاہ نواز مسکرا دیا۔ وہ بے چارے رشید کا دکھ اچھی طرح سے سمجھ سکتا تھا۔ جسے سچ کی پاداش میں اچھی خاصی ڈانٹ سننا پڑ گئی تھی۔

"اوہو' یہ تو امی نے بہت زیادتی کی' تم تو خاصے ایفیشنٹ ہو بھئی۔" وہ اپنی مسکراہٹ دبائے کاؤچ پہ آ بیٹھا تو رشید کا چہرہ کھل اٹھا۔

رشید کو چند ایک ضروری ہدایت دیتا وہ یونیورسٹی کے لیے نکلا تو رش کے باعث خاصا لیٹ ہو گیا۔

لمبے لمبے ڈگ بھرتا وہ اپنے دھیان میں آگے بڑھ رہا تھا جب دور لائبریری کی مین سیڑھیوں پہ موجود بہت سے لوگوں کے درمیان اسے کسی چہرے کا گمان ہوا تھا۔ اور اس کی سانس ایک پل کے لیے گویا ساکت ہو گئی تھی۔

تیزی سے ڈوبتے ابھرتے دل کے ساتھ اس نے آنکھیں جھپکتے ہوئے اپنے خیال کی تصدیق چاہی تھی

www.Paksociety.com

کہ بیچ میں پانچ سالوں کی گرد تھی۔ مگر اب اس بھیڑ میں وہ چہرہ کہیں نظر نہ آرہا تھا۔

اگلے ہی لمحے وہ دیوانہ وار مین بلڈنگ کی جانب دوڑ پڑا تھا۔ اس کی حالت محض چند لمحوں میں اس پیاسے کی سی ہوگئی تھی جسے ایک لمبی مسافت کے بعد صحرا میں اچانک نخلستان نظر آگیا ہو۔

تو کیا اس کی جدائی اس کے ذہن پر اس حد تک اثر انداز ہوچکی تھی کہ اسے اب اس کے الوژن نظر آنے لگے تھے؟ کیا شاہ نواز کی زندگی کا انجام یوں ہی کسی کی محبت میں ٹھوکریں کھاتے ہوئے مرجانا تھا؟

☼ ☼ ☼

وہ تینوں لان میں بیٹھی شام کی چائے سے لطف اندوز ہورہی تھیں، جب معاً گیٹ سے اندر داخل ہوتی شخصیت کو دیکھ کر رطابہ خوش گوار حیرت کے زیر اثر اپنی جگہ سے اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔

"شاہ نواز بھائی آپ!" اگلے ہی لمحے وہ دوڑ کر آنے والے کے سینے سے جا لگی تھی، جبکہ نگہت اور سیما جن کی پشت گیٹ کی جانب تھی، حیرت سے پلٹ کر اسے دیکھتی اپنی جگہ سے اٹھ کھڑی ہوئی تھیں۔

"السلام علیکم! رطابہ کو بازو کے گھیرے میں لیے وہ ماں اور بھابھی کے پاس چلا آیا تو نگہت بیگم آگے بڑھ کر بیٹے کا سر چومتے ہوئے بولیں۔

"وعلیکم السلام! اپنے آنے کی اطلاع تو دیتے۔"

"اگر پروگرام بنا کر آتا تو ضرور دیتا۔ وہ تو یونیورسٹی میں اگلے تین دن کے لیے ہڑتال کی کال دی گئی تھی۔ اس لیے میں گھر چلا آیا۔"

وہ پہلے سے سوچا گیا جواب دیتے ہوئے کرسی پر گر سا گیا۔ اپنے اندر کے شور اور باہر کی تنہائی سے گھبرا کر بھاگ آنے والے کو آخر کوئی تو بہانہ بنانا تھا۔

"وہی میں بھی سوچ رہی تھی کہ ابھی پرسوں تو تمہاری بات ہوئی تھی۔ تب تک تو تمہارا ایسا کوئی پروگرام نہیں تھا۔ ویسے اب طبیعت کیسی ہے؟" انہوں نے اس کے مقابل کرسی سنبھالتے ہوئے پوچھا۔

"ٹھیک ہے۔" وہ آہستگی سے گویا ہوا تو رطابہ اس کے برابر کرسی گھسیٹ کر بیٹھتے ہوئے بولی۔

"مجھے تو ٹھیک نہیں لگ رہے۔ اچھے خاصے ویک (کمزور) ہورہے ہیں۔ کیوں امی؟" اس نے سامنے بیٹھی نگہت بیگم سے تائید چاہی تو وہ بغور اس کی جانب دیکھتے بولیں۔

"رطابہ ٹھیک کہہ رہی ہے بیٹا۔ تم اتنے کمزور کیوں ہورہے ہو؟" ان کے چہرے اور لہجے میں یک لخت پریشانی سی در آئی۔

"اچھا مجھے تو محسوس نہیں ہوا۔" وہ قصداً مسکرا کر بولا تو نگہت بیگم اسے ڈپٹتے ہوئے بولیں۔

"کیسے محسوس نہیں ہوا؟ اپنے حلقے دیکھو۔ یوں لگ رہا ہے جیسے کتنے دنوں سے سوئے نہیں۔"

"شاید لیٹ نائٹ تک پڑھتا رہتا ہوں، اس لیے۔" اس نے اپنے انداز میں زبردستی کی بشاشت اور بے نیازی پیدا کرتے ہوئے کہا۔

"بھاڑ میں گئی ایسی پڑھائی۔ کتنا کہا تھا کہ اپنے آغا جی کو جوائن کرلو۔ مگر تم نے تو ہماری کوئی بھی بات نہ سننے کی جیسے قسم کھا رکھی ہے۔"

ان کی پریشانی ناراضی میں ڈھلنے لگی تو اک پھیکی سی مسکراہٹ شاہ نواز کے لبوں کا احاطہ کرگئی۔ جسے دیکھ کر رطابہ بے اختیار ماں کو ٹوک گئی۔

"پلیز امی! فی الحال یہ ٹاپک رہنے دیں۔"

"کیسے رہنے دوں، دل جلتا ہے میرا اب، بیٹے کی اس دوری پہ۔ اس سزا پہ جو یہ خود کو اور ہمیں دے رہا ہے۔"

نہ چاہتے ہوئے بھی ان کا گلا رندھ گیا تو شاہ نواز اٹھ کر ان کے قدموں میں آبیٹھا۔ وہ جانتا تھا اس سارے قصے میں سب سے زیادہ دکھ اور تکلیف اس کی ماں اٹھا رہی تھی، وہ بھی بنا کسی قصور کے۔

"امی پلیز! آپ مت روئیں۔ آپ کے یہ آنسو میرا رہا سہا سکون بھی چھین لیتے ہیں۔" ان کے گھٹنوں پہ ہاتھ رکھے اس نے التجائیہ انداز میں کہا تو نگہت بیگم

کے آنسو ان کا چہرہ بھگونے لگے۔

"اور تمہاری یہ دربدری کس طرح میرا سکون تار تار کررہی ہے۔ کبھی یہ سوچا ہے تم نے؟" انہوں نے بھرائے ہوئے لہجے میں سوال کیا تو شاہ نواز نظریں چرا گیا۔

"میں مانتی ہوں بیٹا کہ تمہارے لیے اسے بھلانا ممکن نہیں، مگر پھر بھی میری التجا ہے کہ تم اپنی بند مٹھی کھول کر گزرے ہوئے وقت کو جانے دو۔ اسے اپنی جان کا روگ مت بناؤ میرے بچے!" بے اختیار ان کا ہاتھ اس کے سر پہ آن ٹھہرا تو وہ کتنی ہی دیر خالی خالی نظروں سے ماں کا چہرہ تکتا رہا۔ اور پھر آہستگی سے اثبات میں سر ہلاتا اٹھ کر اندر کی جانب بڑھ گیا۔

ملا تھا ہجر کے رستے میں صبح کی مانند
بچھڑ گیا تھا مسافر سے رات ہونے تک

میں اس کو بھولنا چاہوں تو کیا کروں آخر
وہ مجھ میں زندہ ہے میری ذات ہونے تک

☼ ☼ ☼

انگلش ڈپارٹمنٹ میں آج صبح سے خاصی گہما گہمی تھی اور اس کی وجہ وہ تقریری مقابلہ تھا جس کی تیاری کافی دنوں سے کی جارہی تھی۔ موضوع تھا۔

"آج کی محبت ایک آفاقی جذبہ یا صرف خواہش نفسانی"۔

رائنہ نے بھی اس مقابلے میں حصہ لے رکھا تھا، اسے موضوع کی مخالفت میں بولنا تھا۔ اس لیے وہ اور تانیہ، سبین اور شفق کے ساتھ جو ان کی کلاس فیلوز ہونے کے ساتھ ساتھ اب فرینڈز بھی بن چکی تھیں، آڈیٹوریم میں چلی آئی تھیں۔ جہاں اسٹوڈنٹس کی کافی تعداد پہلے سے جمع ہوچکی تھی۔

"یار رائنہ! تم اتنے لوگوں کے سامنے بول لوگی؟" اسٹیج کی طرف جاتے ہوئے شفق نے طائرانہ نظروں سے ہال کا جائزہ لیا جو مختلف ڈپارٹمنٹس کے اسٹوڈنٹس سے بھرا ہوا تھا۔

"کیوں نہیں۔ میں کوئی پہلی بار اسپیچ تو نہیں کرنے لگی۔" وہ عام سے لہجے میں بنا کسی گھبراہٹ کے بولی تو شفق نے اسے ٹوک دیا۔

"مگر مائی ڈیر! یہ اسکول یا کالج نہیں بلکہ یونیورسٹی کا آڈیٹوریم ہے، جہاں لڑکیوں سے زیادہ تعداد لڑکوں کی ہے اور اگر وہ ایک بار کسی بات پہ ہوٹنگ شروع کردیں نا تو اچھے اچھوں کے چھکے چھوٹ جاتے ہیں۔"

"اور نہیں تو کیا، اوپر سے جب یہ محبت کے بخیے ادھیڑے گی تو وہ اسے اچھی طرح سے رگڑیں گے۔"

تانیہ طنزیہ نظروں سے اس کی جانب دیکھتے ہوئے بولی۔ اسے پہلے دن سے رائنہ کی رائے سے اختلاف تھا جو آج کی محبت تو کیا سرے سے محبت کے وجود سے ہی انکاری تھی۔

"ہونہہ! دنیاوی محبت ہے ہی اسی قابل کہ اس کے بخیے ادھیڑے جائیں۔"

وہ پلٹ کے یک لخت انتہائی سرد لہجے میں بولی۔ اس کی آنکھوں سے چھلکتا تنفر اور لہجے کی سختی ایک پل کو ان تینوں کو حیرت میں مبتلا کرگئی۔

"تمہیں نہیں لگتا تمہاری رائے بہت Blunt ہے۔"

چند لمحوں کی خاموشی کے بعد شفق نے رسان سے کہا تو رائنہ گہری سانس لیتی خود پہ قابو پاتے ہوئے نرمی سے بولی۔

"آئی ایم سوری، اگر تم لوگوں کو ایسا لگا، مگر یقین مانو یہ ہی حقیقت ہے۔"

"فار گاڈ سیک یار! تم لوگ یہاں اس کا مورال بڑھانے کے لیے آئے ہو یا آپس میں بحث کرنے کے لیے؟" سبین نے بے اختیار انہیں ٹوکا تو وہ تینوں مسکرا دیں۔

"یہ پریکٹس تھی، اب یہ خاصی حد تک فارم میں آچکی ہے۔"

تانیہ نے اس کی پیٹھ ٹھونکی تو وہ ہنستی ہوئی سر منصور کی جانب چلی آئی جو مقابلے میں شریک تمام اسٹوڈنٹس کو بیک اسٹیج جانے کے لیے کہہ رہے تھے۔

www.Paksociety.com

وی سی صاحب اور ججز کی آمد پہ مقابلہ شروع ہوا تو تمام حاضرین محفل کا دھیان مقررین کی جانب مبذول ہوگیا۔ چونکہ موضوع دلچسپ بھی تھا اور اسٹوڈنٹس کا من پسند بھی' اس لیے ٹیچرز کے ساتھ ساتھ وہ سب بھی خاصے غور سے مباحثے کو سنتے ہوئے کہیں داد دے رہے تھے تو کہیں ہوٹ کر رہے تھے۔

ایسے میں جب رائنہ کی باری آئی تو نہ چاہتے ہوئے بھی ان تینوں کے دل کی دھڑکنیں تیز ہوگئیں۔ مگر اس کا پراعتماد انداز خوب صورت لہجہ اور مضبوط دلائل جلد ہی ان حاضرین محفل کو بھی اسے داد دینے پر مجبور کر گئے جو شروع میں اس کے بعض اختلافی پوائنٹس پہ ہوٹنگ کر رہے تھے۔

خدا خدا کرکے مباحثہ ختم ہوا تو رزلٹ اناؤنس کیا گیا اور جب رائنہ حیات کا نام سیکنڈ پوزیشن کے لیے پکارا گیا تو ان تینوں کے ساتھ ساتھ باقی تمام کلاس فیلوز کے درمیان بھی خوشی کی لہر دوڑ گئی۔

"یار رائنہ! آج تو تمہاری طرف ٹریٹ بنتی ہے۔"

وہ اپنی ٹرافی اور سرٹیفکیٹ اٹھائے ان تینوں کی معیت میں ہال سے باہر آئی تو اس کی کلاس کی سب ہی لڑکیاں اس کے سر ہو گئیں۔

"شیور وائے ناٹ۔" وہ خوش دلی سے ان سب کو لیے کینٹین کی جانب چلی آئی۔ جہاں سب کی پسند پہ برگر زار کولڈ ڈرنکس کا آرڈر دیا گیا۔

"ویسے آج یونیورسٹی کے سارے لڑکے تم سے خاصے نالاں ہوں گے۔" عتیقہ نے مسکراتے ہوئے کہا تو رائنہ بھی مسکرا دی۔

"تم لڑکوں کی بات کر رہی ہو' یہاں تو میری اپنی فرینڈ مجھ سے خاصی نالاں ہے۔" اس نے ساتھ بیٹھی تانیہ کی جانب اشارہ کیا جو کولڈ ڈرنک کا سپ لیتے ہوئے دھیمے سے مسکرائی تھی۔

"ویسے یار! میں نے کبھی نہیں سوچا تھا کہ میں کبھی محبت کی ہار کو یوں ہنسی خوشی سیلیبریٹ کروں گی۔" عتیقہ نے مسکراتے ہوئے کہا تو تانیہ رائنہ کو گھورتے ہوئے بولی۔

"یہ سب اس فتنی کا پھیلایا ہوا شر ہے۔"

"محترمہ! یہ شر اس شر سے بہت بہتر ہے جو آج کی نام نہاد محبت پھیلا رہی ہے۔"

رائنہ طنزیہ انداز میں مسکراتے ہوئے بولی۔ مگر اس سے پہلے کہ تانیہ کچھ کہتی ان کے دائیں جانب والی ٹیبل پہ بیٹھے لڑکوں میں سے ایک نے رائنہ کو مخاطب کرکے ان سب کو ورطۂ حیرت میں ڈال دیا۔

"ایکسکیوزمی مس!"

"جی۔" رائنہ اگر حیران بھی تھی تب بھی اس کی حیرت اس کے چہرے سے قطعاً عیاں نہ تھی۔

"آپ محبت کے اتنے خلاف کیوں ہیں؟" وہ اتنے نارمل انداز میں گویا ہوا جیسے برسوں کی شناسائی ہو۔ اس کا سوال نہ چاہتے ہوئے بھی ان سب کی حیرت کو دوچند کر گیا۔ جسے اس لڑکے سمیت اس کے دوستوں نے بھی جی بھر کے انجوائے کیا۔ کیونکہ ان سب کے لبوں پر بڑی جان دار مسکراہٹ آن ٹھہری تھی۔

"آپ جیسوں کی وجہ سے۔" رائنہ لمحے کا توقف کیے بنا' مسکرا کر کاٹ دار لہجے میں بولی تو ٹیبل پر موجود سب ہی لڑکیوں کی حیرت بے ساختہ ہنسی میں تبدیل ہو گئی' جبکہ مقابل چند لمحے اسے حیرت زدہ نگاہوں سے تکنے کے بعد اپنی خفت مٹانے کو تیزی سے منہ پھیر گیا۔

✲ ✲ ✲

"السلام علیکم۔"

ٹریک سوٹ میں ملبوس شاہ نواز نے ڈائننگ روم میں داخل ہوتے ہوئے تمام حاضرین محفل کو سلام کیا تو سب ہی ایک لحظے کو اس کی طرف متوجہ ہو گئے۔ مگر وہ بنا کسی کی طرف دیکھے رطابہ کے برابر کرسی گھسیٹ کر بیٹھ گیا۔

"وعلیکم السلام' کیسے ہو برخوردار؟" شاہ زمان نے بغور بیٹے کی جانب دیکھا' جسے گھر آئے دوسرا دن تھا' مگر وہ آج اس کی صورت دیکھ رہے تھے۔

"ٹھیک۔" وہ ایک لفظ میں انہیں جواب دیتا رطابہ کے ہاتھ سے جوس کا گلاس لے کر لبوں سے لگا گیا۔

نگہت بیگم فہمائشی نظروں سے اسے دیکھ کر رہ گئیں' جبکہ زمان صاحب کا دل اس کی اس درجہ بیگانگی پہ تاسف سے بھر گیا۔ مگر وہ ہمیشہ کی طرح بنا کچھ ظاہر کیے ایک بار پھر سامنے رکھے ناشتے کی جانب متوجہ ہو گئے۔

"تمہاری یونیورسٹی کب کھل رہی ہے؟" چند لمحوں کی خاموشی کے بعد شہباز نے قصداً ماحول کے بوجھل پن کو دور کرنے کی کوشش کرتے ہوئے پوچھا۔

"کل۔" اس نے بوائل انڈا چھیلتے ہوئے جواب دیا۔

"میں نے تو اسے کہہ دیا ہے' مزید خوار ہونے کی ضرورت نہیں۔ سیدھے طریقے سے اپنا بزنس جوائن کرے۔"

نگہت بیگم اک کڑی نظر اس کے چہرے پر ڈالتے ہوئے بولیں تو زمان صاحب کے ساتھ ساتھ شہباز کی نظریں بھی بے اختیار اس کی جانب اٹھ گئیں۔ جو بے تاثر چہرے کے ساتھ کانٹے اور چھری سے انڈے کے ٹکڑے کرنے میں مصروف تھا۔ یوں جیسے اس سے اہم کام فی الوقت اور کوئی نہ ہو۔

"ساتھ ہی امی! آپ اس کے لیے لڑکی بھی دیکھنا شروع کریں۔ بیوی آئے گی تو محترم خود ہی نکلنا سیکھ جائیں گے۔"

سیما نے گود میں بیٹھی اریبہ کو سیری لیک کھلاتے ہوئے مشورہ دیا۔

"بالکل ٹھیک کہہ رہی ہو' اس لڑکے نے ہمیں جتنا پریشان کرنا تھا کر لیا۔ اب اس کی یہ من مانیاں میں مزید برداشت نہیں کروں گی۔"

اس کی بے نیازی ان کے غصے کو ہوا دے رہی تھی۔ جبکہ شاہ نواز کے لبوں پہ نہ چاہتے ہوئے بھی تلخ مسکراہٹ آن ٹھہری تھی۔

"کاش! میں نے من کی مانی ہوتی تو آج یہ بے سکونی اور ویرانی میرا مقدر نہ بنتی۔"

زہریلی سوچیں ایک بار پھر اس کی ذات کا احاطہ کرنے لگیں تو اس نے غیر محسوس انداز میں ناشتے سے ہاتھ کھینچ لیا۔ جبکہ دوسری جانب نگہت بیگم اس کی کیفیت سے بے نیاز زمان صاحب سے مخاطب تھیں۔

"آپ ایسا کریں' آج ہی نثار بھائی سے بات کریں۔ مجھے ان کی گل رخ بہت پسند ہے۔"

انہوں نے اپنے رشتے کے دیور کا حوالہ دیا تو شاہ نواز کا ضبط جواب دے گیا۔

"آپ لوگ میری خاموشی کا ناجائز فائدہ مت اٹھائیں تو بہتر ہوگا۔" وہ دھیمے مگر انتہائی سرد لہجے میں گویا ہوا تو نگہت غصے سے اس کی جانب پلٹیں۔

"اور تم جو پچھلے پانچ سال سے ہمارے پیار' ہماری نرمی اور ہماری خاموشی کا ناجائز فائدہ اٹھا رہے ہو وہ؟"

"اگر آپ کو ایسا لگتا ہے کہ میں پچھلے پانچ سالوں سے آپ کے پیار اور آپ کی نرمی کا ناجائز فائدہ اٹھا رہا ہوں تو میں اس کے لیے معذرت خواہ ہوں' مگر اس سب کے بدلے میں آپ لوگ ایک بار پھر میری زندگی کے فیصلے اپنے ہاتھوں میں لیں گے۔ یہ آپ سب کی بھول ہے۔"

دوٹوک اور واضح الفاظ میں اپنی بات مکمل کرتا وہ اٹھ کر کمرے سے نکلتا چلا گیا تو سب ہی افراد خانہ اسے دکھ سے دیکھ کر رہ گئے۔

✲ ✲ ✲

اپنے کمرے کا دروازہ زوردار آواز سے بند کرتے ہوئے وہ لمبے لمبے ڈگ بھرتا سائیڈ ٹیبل کی جانب چلا آیا۔ جس کی دراز میں پڑی سگریٹ وہ شاذونادر ہی پیا کرتا تھا۔

سگریٹ جلا کر وہ کھڑکی میں آکھڑا ہوا تو نظریں بے اختیار آسمان کی وسعتوں سے جا ٹکرائیں۔

پتا نہیں کاتب تقدیر نے اس کے لیے کیسی سزا مقرر کی تھی کہ روح کی جلن اور دل کی وحشت ختم ہونے کا نام ہی نہ لیتی تھی۔ کتنی ہی بار اس نے خود سے عہد کیا تھا کہ اب وہ اپنے والدین کے لیے دکھ کا باعث نہ بنے

گا۔ مگر ہر بار وہ نہ چاہتے ہوئے بھی ان سے تلخ ہو جاتا تھا۔ اور ایسی ہر تلخ کلامی کے بعد پچھتاوا اور شرمندگی اس کے دامن سے آن لپٹتی تھی جو اس کی ذہنی اذیت میں اضافہ کر دیتی تھی۔ ایسے میں اسے خود پر بے طرح غصہ آتا جو ماضی کے گرداب میں پھنس کر اپنے حال کو برباد کر رہا تھا۔ مگر وہ اپنی جگہ مجبور تھا، بے حد مجبور!

اسے آج بھی اس منحوس شام کا ہر کٹیلا لمحہ یاد تھا، جب اس کی معصوم محبت کے چہرے پر بے یقینی اور وحشت نے پنجے اس طرح سے پنجے گاڑے تھے کہ اس کی آنکھوں سے بہتے آنسو تک منجمد ہو گئے تھے اور اس کا وجود بھربھری ریت کی مانند بکھر کر زمین پہ آگرا تھا۔

ایسے میں وہ ان اپنوں پر دوبارہ کبھی کیونکر اعتبار کر سکتا تھا۔ جنہوں نے اس پل اس کی ہر فریاد، ہر التجا رد کرتے ہوئے اپنے کان بند کر لیے تھے، یہ جانتے ہوئے بھی کہ ان دونوں کا اس سارے قصے میں کوئی قصور نہ تھا۔

اس روز اس کے آغا جی نے بڑی بے حسی سے اپنے بیٹے کو اپنی انا اور اپنی ضد پہ سے وار کر کے ایک جانب پھینک دیا تھا۔ اور اب جبکہ اس کے اندر خوشی اور امید کی کوئی رمق باقی نہ رہی تھی تو اسے زندگی سے دور کرنے والے، یہ چاہتے تھے کہ وہ ایک مرتبہ پھر وہ ہی شاہ نواز بن جائے جس کے لبوں سے مسکراہٹ جُدا ہونے کا نام نہ لیتی تھی اور جو اپنے ماں، باپ پہ جان چھڑکتا تھا۔ مگر کاش کہ اس کا اپنا آپ اس کے بس میں ہوتا تو شاید وہ یہ بھی کر گزرتا، مگر وہ تو جیسے خود پر سے ہر اختیار کھو بیٹھا تھا۔

اس کے اندر اور باہر فقط ایک ہی شخص کے اختیار کا موسم تھا۔ جس کا وہ گناہ گار تھا اور جسے بھلانے سے وہ خود کو قاصر پاتا تھا۔

رانجھا رانجھا کردی وے میں آپے رانجھا ہوئی
رانجھا رانجھا صدونی مینوں ہیر نہ آکھے کوئی

بے خودی کے عالم میں شعر اس کے لبوں سے ادا ہوا تو وہ جیسے خود میں لوٹ آیا۔ سوچوں کے گرداب میں پھنسے اسے بہت دیر ہو چلی تھی۔ مگر اسے احساس تک نہ ہوا تھا۔

تب ہی سائیڈ ٹیبل پر رکھا اس کا موبائل بج اٹھا۔ بے زار سے انداز میں اس نے ہاتھ بڑھا کر موبائل اٹھاتے ہوئے اسکرین پر نگاہ ڈالی، جہاں عالم کا نام جگمگا رہا تھا۔

"شاباش ہے تجھ پہ! میں تو یہاں الیکشن کے جھمیلوں میں مصروف ہوں۔ لیکن تو کہاں غائب ہے جو ایک فون تک کرنے کی زحمت نہیں کی؟"

اس کی ہیلو کے جواب میں دوسری طرف سے عالم کی ناراض سی آواز سنائی دی تو وہ حقیقتاً" شرمندہ ہو گیا۔

"آئی ایم سوری یار۔ بس کافی دنوں سے طبیعت ٹھیک نہیں تھی۔ اس لیے ہمت ہی نہیں ہو سکی۔"

"کیوں، خیر تھی کیا ہوا؟" وہ پریشانی سے گویا ہوا تو شاہ نواز تھکے تھکے سے لہجے میں بولا۔

"یوں ہی ہلکا سا فلو ہو گیا تھا۔"

"فلو ہو گیا تھا یا قنوطیت کچھ زیادہ بڑھ گئی تھی؟" دوسری جانب بھی عالم تھا، اس کا دم ساز، اس کا غم خوار، شاہ نواز بے اختیار اک گہری سانس کھینچ کر رہ گیا۔

"جب سب پتا ہے تو پھر کیوں پوچھتا ہے؟"

"یہ ہی تو میں کہتا ہوں جب کچھ بھی چھپا نہیں تو پردے کیوں ڈالتا ہے؟" وہ دوبدو گویا ہوا تو شاہ نواز کے لبوں پہ اک تلخ مسکراہٹ آن ٹھہری۔

"بھرم رکھنے کے لیے۔"

"اپنوں میں بھلا کیسا بھرم میرے یار۔" وہ ہمیشہ کی طرح خلوص سے بولا۔

"اور اگر اپنوں نے ہی رہزن کا کردار نبھایا ہو تو؟"

"تو انہیں معاف کر کے ایک موقع اور ضرور دینا چاہیے۔" شاہ نواز کی یہ الجھی گفتگو عالم کو اس کی بے چینی کا پتا دے گئی تھی۔ جب ہی وہ اس کا دھیان بٹانے کو قصداً" بات پلٹتے ہوئے بولا۔

"اچھا چھوڑ یہ بے کار کی باتیں، یہ بتا کلاسز کیسی جا رہی ہیں؟"

"پتا نہیں۔ میں تو خود پچھلے تین دن سے گھر آیا بیٹھا ہوں۔" بیڈ کی پشت سے ٹیک لگائے وہ آہستگی سے بولا تو عالم کی پیشانی شکن آلود ہو گئی۔ ضرور کوئی بات ہوئی تھی، جو وہ سب کچھ چھوڑ چھاڑ کے وہاں سے چلا آیا تھا۔ وگرنہ اپنی پڑھائی کے معاملے میں لاپروائی اس نے کبھی بھی نہ برتی تھی۔

اپنے بل بوتے پہ لائف میں سیٹلمنٹ اس کی اولین ترجیح تھی۔ جب ہی اس نے کسی بھی حالت میں کبھی اپنی پڑھائی کو نظر انداز نہیں کیا تھا۔

"تو کوئٹہ میں ہے؟" اچھنبے سے پوچھتے ہوئے اس نے جیسے تصدیق چاہی۔

"ہاں۔" اور اس کا جواب عالم کو پریشان کر گیا۔

"ایک بات پوچھوں؟" چند لمحوں کے توقف کے بعد عالم نے متفکر لہجے میں پوچھا تو اس کا انداز شاہ نواز کے لبوں پہ اک پھیکی سی مسکراہٹ بکھیر گیا۔ وہ جان گیا تھا کہ اب اس سے کچھ بھی چھپانا فضول تھا۔

"یہ ہی کہ وہاں کیا ہوا تھا؟" عالم کے دل میں سر اٹھاتا سوال از خود نواز کی زبان پہ در آیا۔ دوستی پر خلوص اور سچی ہو تو اس کا تعلق دل سے جڑ جاتا ہے۔ اور اس چیز کا احساس انہیں بارہا ہوا تھا۔ باوجود اس کے کہ ان کی دوستی کو کوئی بہت زیادہ عرصہ نہیں بلکہ محض ساڑھے پانچ سال ہوئے تھے۔

"ہاں۔" وہ بنا کسی جھجک کے بولا تو شاہ نواز اک گہری سانس لیتا سیدھا ہو بیٹھا۔ وہ خود بھی اس بوجھ سے نجات حاصل کرنے کا شدت سے خواہاں تھا۔

"چند دن پیشتر میرا ٹکراؤ زرمین اور اس کے شوہر سے ہوا تھا۔" وہ بوجھل لہجے میں بولا تو ایک لمحے کے لیے عالم بھی چپ سا ہو گیا۔ گو کہ یہ کوئی اتنی انہونی بات نہ تھی کہ جس کا وقوع پذیر ہونا اسے مبتلائے حیرت کر جاتا، مگر شاہ نواز کی اذیت کا احساس اسے ایک پل کے لیے خاموش کروا گیا تھا۔

"دیکھ یار! جب وہ زندہ ہے اور اس ملک میں بھی ہے، تو پھر یوں سرِ راہ ٹکرا جانا کوئی اتنے تعجب کی بات تو نہیں۔"

چند لمحوں کے توقف کے بعد وہ ٹھہرے ہوئے لہجے میں بولا تو شاہ نواز تلخی سے مسکرا دیا۔

"ٹھیک کہا، لیکن اس کا اطمینان، اس کی خوشی اور اس کی آسودگی تو تعجب کی بات ہے نا! یقین مان جس دن سے میں نے اسے یوں ہنستے مسکراتے دیکھا ہے، میرا اپنی دعاؤں پر سے یقین اٹھ گیا ہے۔ میں تو سمجھے بیٹھا تھا کہ میری تڑپ اور میری بربادی اس کا گھر بھی کبھی آباد نہ ہونے دے گی۔ لیکن یار وہ تو مجھ سے میری آخری خوش فہمی بھی چھین لے گئی۔ اب بتا میں اپنے جلتے دل پہ تسلی کے کون سے پھاہے رکھوں؟ قسمت نے میرے ساتھ بہت ناانصافی کی ہے یار بہت ناانصافی!"

بولتے بولتے آخر میں اس کا لہجہ بھرا گیا تو عالم کا دل اپنے دوست کی اس درجہ تکلیف پہ دکھ سے بھر گیا۔ مگر وہ محض اس کی ہمت بندھانے کو مضبوط لہجے میں بولا۔

"یار برے کے ساتھ ہمیشہ برا اور اچھے کے ساتھ ہمیشہ اچھا ہو، ایسا کبھی نہیں ہوتا۔ ذرا اپنے ارد گرد نظر دوڑا، تجھے زیادہ تر برائی، آسودگی کی گود میں عیش کرتی اور اچھائی دھکے کھاتی نظر آئے گی۔ مگر اس کا یہ مطلب نہیں کہ ہم اپنی دعاؤں پر یقین کرنا چھوڑ دیں۔ تو اپنا معاملہ اللہ پہ چھوڑ دے یار! وہ خود ہی تیرے جلتے دل کی تسلی کا سامان کر دے گا۔"

"وہ ایسا کبھی نہیں کرے گا یار، کیونکہ میں خود بھی کسی کا مجرم ہوں اور جب اس کی ذات انصاف کرتی ہے نا تو پھر ذرہ برابر کسی کی حق تلفی نہیں ہونے دیتی، جبکہ میری جانب تو کسی کا بہت حساب نکلتا ہے۔"

وہ رندھی ہوئی آواز میں بمشکل اپنی بات مکمل کر پایا تھا۔

"لیکن تو یہ مت بھول کہ وہ دلوں اور نیتوں کے بھید بھی جانتا ہے۔ وہ جانتا ہے کہ تو اس وقت کتنا مجبور تھا اور آج بھی تیرے دل میں کتنا پچھتاوا ہے۔ ندامت کے آنسو بڑے سے بڑا گناہ دھو ڈالتے ہیں۔ نواز! پھر تو کیوں اس کی رحمت سے مایوس ہوتا ہے۔"

وہ اس کی تسلی کو نہایت رسان سے بولا تو شاہ نواز کا

www.Paksociety.com

www.Paksociety.com

مضطرب دل قدرے ٹھہر سا گیا۔

"دعا کر عالم! کہ وہ مجھے اس سے معافی مانگنے کا صرف ایک موقع دے دے۔"

"نہ صرف موقع دے بلکہ اسے تجھے معاف کرنے کا حوصلہ بھی دے۔ دعا ہمیشہ پوری کرتے ہیں یار من!" وہ اس کی آواز میں قدرے بہتری محسوس کرتے ہوئے خود بھی ہلکا ہو گیا تھا۔

"آمین اور تجھے اللہ تعالیٰ بہت سی خوشیوں اور بہت سے بچوں سے نوازے۔" وہ مسکراتے ہوئے بولا تو عالم قہقہہ لگا کے ہنس پڑا۔

"یہ کی نا مزے کی بات۔ اب یہ بتا واپسی کا کیا پروگرام ہے؟"

"کل کی ٹکٹ کنفرم کرواتا ہوں۔" دل کا بوجھ کیا کم ہوا تھا' وہ واقعی خود کو پہلے سے بہت بہتر محسوس کر رہا تھا۔

☼ ☼ ☼

"اچھا امی! میں جا رہا ہوں۔" نگہت بیگم نے جوں ہی سلام پھیرا' منتظر کھڑا شاہ نواز ان کے قریب چلا آیا۔ مگر وہ بنا اس کی جانب دیکھے خفگی سے منہ پھیر گئیں۔

"پلیز امی! مجھے معاف کر دیں۔" ان کے نزدیک بیٹھتے ہوئے اس نے نرمی سے ان کا گھٹنا تھام لیا۔

"میں جانتا ہوں کہ میں نے آپ کا بہت دل دکھایا ہے۔ مگر یقین جانیں کہ اس کے بعد میں خود بھی ایک پل سکون سے نہیں رہ سکا۔ آپ کی اور رطابہ کی ذات کشش کا وہ واحد مرکز ہے جو مجھے اس گھر کی جانب کھینچتی ہے۔ ورنہ میری ذات کے گرد تو سناٹوں کی ایسی اونچی فصلیں کھڑی ہیں کہ میں خود اپنے آپ سے ملنے کے لیے ترس گیا ہوں۔ ایسے میں کسی نئے رشتے میں بندھ کر میں ایک اور زندگی برباد کرنے کا متحمل نہیں ہو سکتا۔ میں اپنے ضمیر پہ ایک نیا بوجھ نہیں لاد سکتا امی! آپ پلیز میری بے بسی' میری مجبوری کو سمجھنے کی کوشش کریں۔"

آنکھوں میں درد کا سمندر لیے وہ لاچار سے لہجے میں بولتا چلا گیا تو نگہت بیگم کے لیے مزید اپنی ناراضی قائم رکھنا دشوار ہو گیا۔

"میں سمجھ سکتی ہوں میرے بچے! لیکن میں تمہاری زندگی کو ان سناٹوں کے سپرد کرنے کا حوصلہ خود میں کہاں سے لاؤں؟ کیسے تمہیں برباد ہونے کے لیے تنہا چھوڑ دوں؟"

اس کی جانب چہرہ موڑتے ہوئے وہ بھرائے ہوئے لہجے میں بولیں۔ تو نہ چاہتے ہوئے بھی نواز کی زبان پر شکوہ در آیا۔

"ویسے ہی امی! جیسے آج سے پانچ سال پہلے چھوڑا تھا۔" ان کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے وہ آہستگی سے بولا تو نگہت بیگم کی سانس جیسے رک سی گئی۔ اگلے ہی پل ان کی پتھرائی ہوئی آنکھوں سے آنسو قطرہ قطرہ ان کے چہرے پہ بہنے لگے تو تاسف اور شرمندگی نے ایک بار پھر شاہ نواز کا احاطہ کر لیا۔

"پلیز امی! مجھے معاف کر دیں۔ میری باتوں کو دیوانے کی بڑ سمجھ کے نظر انداز کر دیا کریں۔" ان کا ہاتھ تھامے وہ ملتجی انداز میں گویا ہوا۔

"نہیں بیٹا! معاف تو تم ہمیں کر دو کہ ہم نے حقیقتاً" تمہاری فرماں برداری کی بہت کڑی سزا دی ہے تمہیں۔"

آنسوؤں کے درمیان وہ نادم سے لہجے میں گویا ہوئیں۔

"مت روئیں امی! پلیز مت روئیں' کسی کا کوئی قصور نہیں۔ فقط میری قسمت تھی جو مجھے دغا دے گئی۔"

اس کا اپنا ضبط جواب گیا تھا۔ آنسو تیزی سے اس کا چہرہ بھگوتے نگہت بیگم کے بالوں میں جذب ہو رہے تھے۔

"اگر اسے قسمت کا لکھا مانتے ہو بیٹا تو اپنے آنا کی کو معاف کر دو۔ تمہاری حالت' تمہاری دوری انہیں کس طرح پل پل تڑپاتی ہے' یہ تم نہیں' میں جانتی ہوں۔ وہ منہ سے چاہے نہ کہیں' لیکن اندر ہی اندر اپنے جذباتی فیصلے پہ کس قدر پچھتاوا ہے' یہ مجھے

ہے۔"

اس کے سینے سے سر اٹھائے وہ بے اختیاری کے عالم میں گویا ہوئیں تو شاہ نواز کے لب بھینچ سے گئے۔

بھلا اس سے بڑھ کر زمان صاحب کی تکلیف سے اور کون واقف تھا۔ جن کی پیاسی نگاہیں ہمہ وقت اس کا احاطہ کیے رکھتی تھیں۔ جو اس سے بات کرنے کے بہانے ڈھونڈتے تھے اور جب وہ خاموشی سے آگے بڑھ جاتا تو درد کس طرح ان کے پورے وجود سے مترشح ہونے لگتا تھا وہ اچھی طرح سے جانتا تھا۔

ان کا سر چومتا وہ آہستگی سے اٹھ کھڑا ہوا۔

"میرے لیے بہت دعا کیجیے گا' اللہ حافظ۔" وہ پلٹ کر کمرے سے نکلتا چلا گیا تھا اور پیچھے نگہت کتنی ہی دیر اپنے شوہر کے لیے معافی اور اپنے بیٹے کے لیے سکون طلب کرتی رہی تھیں۔

☼ ☼ ☼

غیاث علی کی حویلی میں آج صبح سے رونق اپنے عروج پر تھی۔ خوشی کے شادیانے دور سے ہی آنے والوں کو متوجہ کر رہے تھے۔ وقفے وقفے سے فضا میں گونجتی ہوائی فائرنگ کی آواز ان کی جیت کا اعلان کر رہی تھی۔ حویلی کا گیٹ آنے والوں کے لیے پورا کھول دیا گیا تھا وسیع و عریض صحن میں شامیانے لگا کر پورے گاؤں کے لیے کھانے کا بندوبست کیا گیا تھا۔ ساتھ ہی ساتھ سب ہی کو مٹھائی اور جوڑے بھی دیے جا رہے تھے۔

مستعد ملازم بخوبی سارا انتظام سنبھالے ہوئے تھے۔ مگر پھر بھی شائستہ بیگم ہر چیز پہ کڑی نگاہ رکھے ہوئے تھیں۔ ابھی بھی وہ ڈائننگ روم سے محض ملازمت کو چند ضروری ہدایات دینے کے لیے باہر آئی تھیں۔ جب سکھاں تیز قدموں سے چلتی ان کے پاس چلی آئی۔

"بڑی بی بی! آپ کو چھوٹے صاحب باہر بلا رہے ہیں۔"

اس نے ہاتھ سے صحن کے دوسری جانب اشارہ کیا تو وہ دوپٹہ سنبھالتی زنان خانے سے باہر چلی آئیں۔ جہاں عالم کے ساتھ شاہ نواز کو کھڑا دیکھ کر ان کے لبوں پہ خیر مقدمی مسکراہٹ در آئی۔

"السلام علیکم آنٹی!"

"وعلیکم السلام بیٹا' کیسے ہو؟" انہوں نے اس کی پیٹھ دھیرے سے تھپتھپائی۔

"اللہ کا شکر ہے آنٹی! آپ سنائیں؟"

"اماں! اس کی کسی بات کا جواب دینے کی ضرورت نہیں۔ بجائے اس کے کہ یہ یہاں ہفتہ پہلے پہنچ کر میرا کچھ ہاتھ بٹاتا' یہ آج آ رہا ہے مہمانوں کی طرح۔"

عالم اسے گھورتے ہوئے بولا تو شائستہ بیگم کی مسکراہٹ گہری ہو گئی۔

"عالم ٹھیک کہہ رہا ہے بیٹا! تمہیں تو یہاں کافی دن پہلے آ جانا چاہیے تھا۔"

"آپ کا گلہ سر آنکھوں پہ آنٹی! لیکن میں کیا کرتا یونیورسٹی سے چھٹی ہی نہیں مل رہی تھی۔"

عالم اسے ساتھ لیے مردانے میں بنے وسیع ڈرائنگ روم میں چلا آیا۔ جہاں فیروز بھائی سے ملنے کے بعد وہ سیدھا غیاث علی کی جانب آیا جو صوفے پہ بیٹھے چند حضرات سے محو گفتگو تھے۔

"وعلیکم السلام! کیسے ہو بیٹا!" محبت سے جواب دیتے وہ اٹھ کر اس سے بغل گیر ہو گئے۔

"آپ کو کامیابی مبارک ہو بابا جان۔"

"خیر مبارک بیٹا' لیکن میں تم سے سخت ناراض ہوں۔" اس سے علیحدہ ہوتے ہوئے انہوں نے خفگی سے اس کی جانب دیکھا تو شاہ نواز ان کا مطلب سمجھتے ہوئے مسکرا دیا۔

"اور میں اپنی کوتاہی پہ سخت شرمندہ ہوں۔"

"چلو اگر یہ بات ہے تو پھر معاف کر دیتے ہیں' لیکن میں نے اب تمہیں ہفتہ' ڈیڑھ سے پہلے واپس نہیں جانے دینا۔" انہوں نے انگلی اٹھاتے ہوئے کہا۔

"چل بھئی تیری تو گرفتاری کے آرڈر آ گئے۔"

تھوڑی دیر مزید ادھر ادھر کی باتوں کے بعد غیاث علی ایک بار پھر اپنے مہمانوں کی جانب متوجہ ہوئے تو عالم

www.Paksociety.com

اسے ساتھ لیے دوسری جانب لگے صوفوں پر آ بیٹھا۔ انہیں نشست سنبھالتے دیکھ کر اللہ دتہ فوراً" دونوں کے لیے فریش جوس لیے چلا آیا۔

"تو بھی نا ایک کمینی چیز ہے۔" شاہ نواز گلاس لیتے ہوئے بولا۔

"اور اپنے بارے میں کیا خیال ہے؟" عالم نے مسکراتے ہوئے بھنویں اچکائیں۔

"تجھ سے بہت بہتر... یہ... یہ کون ہے؟" نواز نے اپنے دھیان میں اردگرد کا جائزہ لیا تو فیروز بھائی کے ساتھ کھڑے شخص کو دیکھ کر اپنی بات مکمل کرنا بھول گیا۔

"کون؟" عالم نے بھی بے اختیار اس کی نظروں کے تعاقب میں دیکھا۔

"وہ... وہ جو فیروز بھائی کے ساتھ کھڑا ہے۔" آن واحد میں اس کے چہرے پر بے چینی در آئی تھی۔

"وہ فیروز بھائی کا دوست ہے' یا ور۔" اس نے ایک نظر فیروز کے ساتھ کھڑے شخص پہ ڈالتے ہوئے نواز کی طرف دیکھا۔

"یار! اس دن یہ ہی تو تھا زرمین کے ساتھ۔" وہ گردن موڑ کر عالم کی جانب دیکھتے ہوئے بولا تو وہ ٹھٹک سا گیا۔

"کیا تجھے اچھی طرح یاد ہے کہ اس دن زرمین کے ساتھ یہ ہی آدمی تھا؟" اس نے عجیب سے لہجے میں استفسار کیا تو نواز کی نظریں ایک بار پھر اس شخص کی طرف اٹھ گئیں۔

"ہاں یار! بالکل یہ ہی تھا۔" وہ بغور اس کا جائزہ لیتے ہوئے عالم کی جانب پلٹا۔ جس کے چہرے پر یکایک نمودار ہونے والی مسکراہٹ اسے حیرت میں مبتلا کر گئی۔

"تجھے گلہ تھا نا کہ تیری دعاؤں اور تڑپ کو شنوائی نہیں ملی؟" اس کی حیرت کو نظر انداز کیے عالم نے مسکراتے ہوئے پوچھا تو نواز الجھ سا گیا۔

"ہاں لیکن..."

"بس اب اور کچھ مت پوچھ۔" عالم نے اسے بے اختیار ٹوک دیا۔ "اور صرف سامنے دیکھ جہاں تیرے رب کا انصاف مجسم حالت میں کھڑا ہے۔ یہ وہ شخص ہے نواز! جس کی خاطر زرمین نے بہت سے لوگوں کو زندہ درگور کر ڈالا تھا۔ مگر جس کے نصیب میں اللہ نے ایک زانی' شرابی اور جواری انسان لکھ کر اس کی محبت کو ہی اس کی سزا کا سامان بنا ڈالا ہے۔"

شاہ نواز کو اپنے رب سے کیے شکوے یاد آگئے تھے۔ وہ زرمین کے مسکراتے لبوں اور میک اپ سے لتھڑے چہرے کو اس کی خوش گوار زندگی سے منسوب کر بیٹھا تھا۔ مگر ظاہر اور باطن ایک ہو' ایسا ہمیشہ نہیں ہوا کرتا۔

ساکت بیٹھے شاہ نواز کو بے اختیار اپنی آنکھیں جلتی محسوس ہوئی تھیں۔ بے شک اس کے ہاں دیر ہے لیکن اندھیر نہیں۔ مگر خاک کا یہ پتلا حقیقتاً "بڑا جلد باز اور کم ظرف واقع ہوا ہے۔

☼ ☼ ☼

"رائنہ! میں اور ساجدہ بازار جارہے ہیں۔ تم کو کچھ منگوانا تو نہیں بیٹا؟" عافیہ بیگم نے کمپیوٹر پہ مصروف رائنہ کے قریب آتے ہوئے پوچھا۔

"نہیں امی! لیکن آپ لوگوں نے کیا خریداری کرنی ہے؟" اس نے اسکرین سے نظریں ہٹاتے ہوئے ماں کی جانب دیکھا جو نکلنے کے لیے تیار تھیں۔

"ساجدہ نے وقار کی شادی میں جو دینا دلانا ہے اس کی شاپنگ کرنی ہے۔" انہوں نے اپنی دیورانی کا حوالہ دیا جو آج کل اپنے بھانجے کی شادی کی تیاریوں میں مصروف تھیں۔

"اس کا مطلب ہے آپ کی واپسی دیر سے ہوگی۔"

"ہاں ڈیڑھ دو گھنٹے تو لگ ہی جائیں گے۔" وہ اپنی شال درست کرتے ہوئے بولیں۔

"آپ جاتے ہوئے اس نجیب سے کہہ جایئے گا کہ گیٹ سے ملنے کی کوشش نہ کرے۔" اس نے چوکیدار کا نام لیا جو نظر بچا کے غائب ہو جانے میں ماہر تھا۔

عافیہ باہر چلی آئیں' جہاں کریم گاڑی نکالے ان کا منتظر تھا۔

بازار میں مختلف دکانوں پہ خریداری کرتے انہیں کافی دیر ہو چکی تھی۔ آخر میں دولہا کے لیے گھڑی خریدنے کے ارادے سے وہ دونوں گھڑیوں کے شوروم میں چلی آئی تھیں۔ جب اچانک ساجدہ کچھ یاد آنے پر پاس رکھے شاپرز کھنگالتے ہوئے بولیں۔

"بھابھی! مردانہ سوٹوں والا شاپر آپ کے پاس ہے؟"

"نہیں۔ وہ تو تمہارے ہاتھ میں تھا۔" انہوں نے ایک نظر اپنے پاس موجود شاپنگ بیگز پہ ڈالی۔

"مجھے لگتا ہے وہ بریزا کی دکان پر رہ گیا ہے۔" وہ پریشانی سے بولیں تو عافیہ اک گہری سانس لے کر رہ گئیں۔

"اب؟"

"آپ بیٹھیں میں دیکھ کر آتی ہوں۔" وہ سب کچھ چھوڑ چھاڑ عجلت میں باہر کی جانب لپکیں تو اس درجہ لاپروائی پہ وہ کوفت سے سرہلاتی سامنے رکھی گھڑیوں کی طرف متوجہ ہو گئیں۔

"جینٹس گھڑیوں کی نئی کلیکشن دکھایئے گا۔" کوئی ان کے دائیں جانب تھوڑے فاصلے پہ کرسی سنبھالتے ہوئے بولا تو عافیہ کا سامنے پڑے باکس کی طرف بڑھتا ہاتھ رک سا گیا۔ یہ آواز اور یہ لہجہ انہیں بے اختیار کسی کی یاد دلا گیا تھا۔

نہ چاہتے ہوئے بھی ان کی نظریں ہاتھ میں پکڑی گھڑی پہ مرکوز نہ رہ سکی تھیں اور وہ جو کرسی قدرے ترچھی کیے بیٹھی تھیں۔ پلٹ کر دائیں جانب دیکھنے پر مجبور ہو گئی تھیں۔ جہاں موجود چہرہ ان کے گمان میں ہونے کے باوجود انہیں ساکت کر گیا تھا۔

ان کے یوں پلٹ کر دیکھنے پہ مقابل نے بھی نظریں اٹھائی تھیں۔ اور اس کا پورا وجود گویا زلزلے کی زد میں آگیا تھا۔ ہاتھ میں پکڑی قیمتی گھڑی اک بے اختیاری کے عالم میں چھوٹ کر شوکیس پہ گری تھی۔

"بی کیئر فل پلیز!" سیلز مین کی تلخ اور قدرے بلند آواز جہاں اسے ہوش میں لے آئی تھی وہیں عافیہ بیگم ایک جھٹکے سے چہرہ موڑتی ہاتھ میں پکڑا کیس واپس رکھتی اٹھ کھڑی ہوئی تھیں۔

"آئی آئی ایم رئیلی ویری سوری!" بوکھلا کر اس نے اپنے سامنے دیکھا تھا جہاں گھڑی کے شیشے پہ باریک سی لکیر دیکھ کر اسے ڈھیروں شرمندگی نے آن گھیرا تھا۔

"سوری سے کیا ہوگا۔ یہ دیکھیے کتنا نقصان ہو گیا۔" سیلز مین نے غصے سے گھڑی اٹھا کر اس کے سامنے کی۔

"میں نے کہا نا آئی ایم سوری! آپ کا جو بھی نقصان ہوا ہے' میں بھرنے کے لیے تیار ہوں۔" جھنجلا کر کہتے ہوئے اس نے اپنے بائیں جانب دیکھا تھا جہاں پڑی خالی کرسی ایک پل کے لیے اس کا سانس بند کر گئی تھی۔

"وہ زیادہ دور نہیں گئی ہوں گی۔" ایک جھٹکے سے اٹھتے ہوئے اس نے سوچا تھا۔ "آپ پلیز پہلے چل کر منیجر صاحب سے ملیے۔" اس کے چہرے کو مشکوک نظروں سے دیکھتے ہوئے سیلز مین نے فوراً ــــ سے پیشتر منیجر کو آواز دے ڈالی تھی۔

"پلیز سر! ذرا یہاں آیئے گا۔"

ان کے پیچھے بھاگ کر ان کے قدموں سے لپٹ جانے کی خواہش' خواہش ہی رہ گئی تھی۔ اپنی اس درجہ بدنصیبی پر آنسوؤں نے لمحوں میں اس کا چہرہ بھگو ڈالا تھا۔

☼ ☼ ☼

ڈور بیل کی آواز پہ شاہ نواز نے اٹھ کر دروازہ کھولا تو شہباز اور رطابہ کو دیکھ کر ایک لمحے کے لیے حیران رہ گیا۔

"آپ؟"

"جی ہم! کیسا لگا سرپرائز؟" شہباز مسکراتے ہوئے اس کے گلے سے آلگا تو وہ بھی ہنس دیا۔

"بہت اچھا۔" بھائی سے الگ ہوتے ہوئے اس نے مسکراتی ہوئی رطابہ کو ساتھ لگاتے ہوئے پیار کیا۔

www.Paksociety.com

"لیکن یہ بتائیں کہ یہ اچانک پروگرام کیسے بنا؟" آگے بڑھ کر سامان اندر رکھتے ہوئے اس نے دروازہ بند کیا۔

"بس یار! یہاں ایک پارٹی سے ملنا تھا اور یہ محترمہ ویسے ہی ساتھ ہو لیں۔" وہ تینوں آگے پیچھے چلتے لاؤنج میں چلے آئے۔

"ہاں تو میری چھٹیاں تھیں میں کیوں نہ آتی۔"

"یہ رشید کہاں ہے؟" اس نے شاہ نواز کی جانب دیکھا۔

"بازار گیا ہے۔"

"اس کا مطلب ہے ہمیں چائے بھی بنا لاؤں۔" وہ آگے بڑھتے ہوئے بولی تو وہ دونوں اسے دیکھتے ہوئے مسکرا دیے۔

"اور سناؤ پڑھائی کیسی جا رہی ہے؟"

شہباز شاہ نواز کی طرف متوجہ ہوا تو بے اختیار چونک گیا۔ اس کے چہرے پہ اطمینان کے جو رنگ اس نے بڑے عرصے کے بعد دیکھے تھے۔

"بالکل ٹھیک۔" وہ دھیمی سی مسکراہٹ لیے گویا ہوا تو شہباز کی حیرت دوچند ہو گئی۔ مگر وہ کچھ بھی ظاہر کیے بنا نارمل لہجے میں بولا۔

"عالم گاؤں سے واپس آ گیا؟"

"نہیں۔ تین چار دن تک آنے والا ہے۔"

"آگے اس کا کیا ارادہ ہے؟" شہباز نے سگریٹ سلگاتے ہوئے پوچھا۔

"امپورٹ ایکسپورٹ کا بزنس اسٹارٹ کرنے کا پلان ہے۔"

"اور تمہارا؟" اس نے ایک بار پھر گہری نظروں سے اس کا جائزہ لیا۔

"فی الحال تو ایم فل کمپلیٹ کرنے کا ارادہ ہے۔" شاہ نواز نے سرسری سے لہجے میں جواب دیا۔

"تو تم اس کے ساتھ پارٹنر شپ کیوں نہیں کر لیتے؟"

"فورس تو وہ بھی بہت کر رہا ہے، لیکن میں نہیں چاہتا کہ ہماری اتنی پرخلوص دوستی کسی بزنس پارٹنر شپ کی وجہ سے خراب ہو جائے۔"

"یہ کیا بات ہوئی؟ انسان کو خود پہ بھروسا ہونا چاہیے یار!" وہ سگریٹ ایش ٹرے میں جھاڑتے ہوئے بولا۔

"خود پہ تو انسان کو بھروسا ہوتا ہی ہے بھائی! لیکن وقت کب اور کہاں آپ کی آزمائش کا سامان کر ڈالے، کسی کو کیا پتا۔" وہ گلاس ونڈو سے باہر نگاہیں جمائے دھیمے لہجے میں بولا تو شہباز اک گہری سانس لے کر رہ گیا۔

"دیکھو یار! میں نے بھی تو کسی کی بے وفائی کا دکھ جھیلا ہے۔ لیکن یوں ایک شخص کے پیچھے خود پہ ہر خوشی حرام کر لینا کہاں کی عقل مندی ہے؟"

"یہ ہی تو فرق ہے بھائی! آپ نے بے وفائی جھیلی ہے۔ میں نے بے وفائی کی ہے۔"

تلخ مسکراہٹ لبوں پہ سجائے وہ زور دیتے ہوئے بولا تو شہباز جھنجلا سا گیا۔

"وجہ چاہے کچھ بھی ہو، بے وفائی، بے وفائی ہوتی ہے، جس کے حق میں کوئی تاویل نہیں دی جا سکتی۔"

اس کی بات کاٹتے ہوئے وہ قطعی لہجے میں بولا تو شہباز اسے غصے سے دیکھنے لگا۔

"یعنی اپنی اس سو کالڈ بے وفائی کی خاطر تم نہ صرف اپنی زندگی برباد کرنے کی ٹھانے بیٹھے ہو بلکہ اپنے ماں باپ کو بھی اذیت دینے پہ تلے ہوئے ہو، واہ! کیا کہنے ہیں تمہارے۔"

وہ طنزیہ لہجے میں بولا تو شاہ نواز اک گہری سانس لے کر رہ گیا۔

"مجھ جیسے کمزور انسان میں اتنی ہمت کہاں بھائی کہ خود کو اس بے وفائی کی سزا دے سکوں۔ ہاں لیکن رکھی پہ دھرے بوجھ میں کمی کے لیے کوشاں ضرور ہوں۔ آپ بھی دعا کریں کہ اللہ نے جہاں میرے گرتے حوصلوں کو اک نیا سنبھالا دیا ہے، وہیں وہ میری کوششوں کو بار آور کرنے کی بھی کوئی سبیل بنا دے۔"

بات کرتے کرتے آخر میں اس نے اس کا ہاتھ تھام کے جیسے استدعا کی تو شہباز کے غصے کی جگہ الجھن نے لے لی۔

"کیسا سنبھالا؟" اس نے بغور شاہ نواز کے چہرے کو دیکھا۔

"وقت آنے پر بتاؤں گا۔" وہ آہستگی سے بولا تو شہباز نے چاہنے کے باوجود مزید کچھ پوچھنا مناسب نہ سمجھا۔

☼ ☼ ☼

"السلام علیکم!" لاؤنج کا دروازہ کھول کر ساجدہ اور عافیہ اندر داخل ہوئیں تو کتابوں میں سر دیے بیٹھی رائنہ اٹھ کھڑی ہوئی۔

"وعلیکم السلام! کیسی ہو بیٹا؟" انہوں نے ہاتھ میں پکڑے شاپنگ بیگز صوفے پر رکھتے ہوئے اسے خود سے لگایا۔ جبکہ عافیہ سامان کے ساتھ ساتھ خود بھی صوفے پر گر سی گئیں۔

"رائنہ! بیٹا پانی پلاؤ۔" وہ عجیب نڈھال سے انداز میں بولیں تو رائنہ چونک کر ان کی جانب دیکھنے لگی۔

"کیا بات ہے امی! آپ کی طبیعت تو ٹھیک ہے؟" وہ تیزی سے ان کے نزدیک چلی آئی۔

"ہاں ٹھیک ہے۔ بس ذرا تھکاوٹ سی ہو گئی ہے۔"

وہ زبردستی کی بشاشت لہجے میں پیدا کرتے ہوئے سیدھی ہو بیٹھیں۔ مبادا ساجدہ ان کی بات کا برا نہ مان جائیں۔ مگر نہ جانے کیوں رائنہ کو ان کا لہجہ ان کے چہرے کا ساتھ دیتا نہ لگ رہا تھا۔ جس پہ زردی کے ساتھ ساتھ عجیب سے تاثرات رقم تھے۔ مگر ساجدہ بیگم کے سامنے مزید کچھ پوچھنا اس نے مناسب نہ سمجھا تھا۔ اسی لیے خاموشی سے پانی لینے اندر کی جانب بڑھ گئی تھی۔

☼ ☼ ☼

شہباز دو دن رکنے کے بعد کوئٹہ واپس چلا گیا تھا، جبکہ رطابہ کو شاہ نواز نے روک لیا تھا۔ اس کی تنہائی کے خیال سے شاہ نواز نے رشید کی بیوی ہاجرہ کو کچھ دنوں کے لیے جہلم سے بلوا لیا تھا۔ جس کے بعد گھر میں خاصی رونق ہو گئی تھی۔

ابھی بھی وہ یونیورسٹی سے لوٹا تو رطابہ، ہاجرہ کو ساتھ لگائے کچن میں مصروف تھی۔ جس کے باعث پورا گھر اشتہا انگیز خوشبوؤں سے مہک رہا تھا، جبکہ رشید کو اس نے پورے فلیٹ کی تفصیلی صفائی پہ لگایا ہوا تھا۔ جس کی وجہ سے اس کی حالت خاصی ابتر ہو رہی تھی۔

"کیوں بھئی رشید! کیسا لگ رہا ہے کام کرنا؟" وہ فریش ہو کر لاؤنج میں چلا آیا، جہاں رشید صاحب بیٹھے کشن کورز تبدیل کر رہے تھے۔

"آپ کو مذاق سوجھ رہا ہے صاحب جی! یہاں رطابہ بی بی نے کام کروا کروا کے میرا برا حشر کر دیا ہے جی۔" وہ منہ بسورے بولا تو شاہ نواز کے لبوں پہ مسکراہٹ دوڑ گئی۔ جبکہ اس کے لیے ٹھنڈا جوس لاتی رطابہ بلند آواز میں بولی۔

"تمہارا تو اس سے بھی برا حشر ہونا چاہیے۔ جو حالت تم نے گھر کی کر رکھی ہے اس کے بعد تو تمہیں سر کے بل کھڑا کروا کے صفائی کروانی چاہیے، تاکہ تمہیں سزا بھی ملے اور آئندہ کے لیے سبق بھی۔" وہ ہاتھ میں پکڑے ٹرے سینٹر ٹیبل پر رکھتی شاہ نواز کے برابر بیٹھ گئی تو وہ بے اختیار ہنس پڑا۔

"ویسے سوچو طابی، رشید کیسا لگے گا الٹا کھڑے ہو کر ویکیوم لگاتا ہوا؟" وہ ایک نظر رشید کے سوجے ہوئے منہ پر ڈالتا شرارت سے رطابہ سے مخاطب ہوا تو نہ صرف رطابہ بلکہ رشید خود بھی ہنس پڑا۔

"آپ بھی نا بھائی! لے کے ساری ڈانٹ کا اثر زائل کر دیا۔" وہ مسکراتے ہوئے گلاس میں جوس ڈالنے لگی تو رشید دانت نکوستے ہوئے بولا۔

"بی بی جی! باقی کا کام کل نہ کر لیں۔"

"جی نہیں... کل کے لیے اور بھی بہت سے کام ہیں۔" وہ ایک گلاس رشید کی جانب بڑھاتے ہوئی بولی تو وہ منہ بناتا خاموشی سے گلاس تھام گیا۔

"جاؤ جا کے دیکھو، ہاجرہ نے کھانا لگایا ہے کہ نہیں۔" اس نے خالی گلاس ٹرے میں رکھتے ہوئے

www.Paksociety.com

www.Paksociety.com

ٹرے اٹھا کر رشید کے حوالے کی۔

"بھائی! کھانے کے بعد میرا سامنے والی آنٹی اور ان کی بیٹی کے ساتھ بازار کا پروگرام ہے۔ اس لیے آپ پیسے دے کر سونے جائیے گا۔" اس نے اطلاع کے ساتھ ساتھ فرمائش بھی جاری رکھی تو شاہ نواز مسکرا دیا۔

"تم نے اتنی جلدی دوستی بھی گانٹھ لی؟"

"اور نہیں تو کیا' آپ کی طرح تھوڑی کہ پانچ سال میں صرف ایک ہی دوست بنایا ہے۔" وہ منہ بناتے ہوئے بولی۔ "ویسے اس بار مجھے عالم بھائی سے ملوائیے گا ضرور۔" گو کہ وہ سال میں ایک آدھ چکر یہاں کا ضرور لگاتی تھی۔ مگر اتفاق تھا کہ کبھی عالم سے ملاقات نہ ہو سکی تھی۔ نگہت البتہ عالم سے دو' تین بار مل چکی تھیں۔

"او کے ملوا دوں گا۔ اب اٹھو! مجھے بھوک لگ رہی ہے۔" وہ اس کا ہاتھ تھامے اٹھ کھڑا ہوا تو رطابہ دل ہی دل میں اپنے رب کا شکر ادا کرتی شاہ نواز کے ساتھ ڈائننگ ٹیبل پر چلی آئی۔

گو کہ شاہ نواز کے رویے میں در آنے والی تبدیلی کو اس نے پہلے ہی روز محسوس کر لیا تھا۔ مگر اسے یوں بے ساختہ ہنستے مسکراتے اور باتیں کرتا دیکھ کر وہ اندر تک سرشار ہو چلی تھی۔

تبدیلی کے اس محرک کے بارے میں جاننے کی البتہ اس نے کوئی کوشش نہ کی تھی کہ اس کے لیے فی الوقت یہ ہی بہت تھا کہ اس کا بھائی ڈپریشن کے ایک لمبے دور کے بعد خود کو سنبھالنے میں کامیاب ہو گیا تھا۔ اور وہ اسے کرید کر پھر سے پرانی الجھنوں میں نہیں الجھانا چاہتی تھی۔

"او کے بھائی میں جا رہی ہوں۔" وہ کھانے کے بعد تیار ہو کے اس کے کمرے میں آئی۔

"تم لوگ جاؤ گے کس طرح؟" نواز نے بٹوے میں سے پانچ ہزار کے دو نوٹ نکال کر اس کی طرف بڑھائے۔

"شمائلہ کی گاڑی میں۔" اس نے پیسے پکڑتے ہوئے انصاری صاحب کی بیٹی کا حوالہ دیا تو وہ اثبات میں سر ہلاتا سونے کے لیے دراز ہو گیا۔

✡ ✡ ✡

"امی! آپ ٹیلر کا کام ختم کر لیں۔ میں اور رطابہ جب تک سامنے سے ہو کر آتے ہیں۔" شمائلہ نے سڑک کے اس پار موجود بڑے سے سپر اسٹور کی جانب اشارہ کیا تو مسز انصاری اثبات میں سر ہلاتی آگے بڑھ گئیں' جبکہ وہ دونوں سڑک پار کرتی امریکن طرز پہ بنے اس وسیع و عریض اسٹور میں چلی آئیں۔

"یہاں تمہیں میک اپ سے لے کر بیگز' جیولری' ڈیکوریشن پیسز اور ہاؤس ہولڈ آئٹمز تک ہر چیز ملے گی۔ اب بتاؤ' کس طرف چلیں؟" شمائلہ نے رطابہ کی جانب دیکھا تو وہ پُرسوچ انداز میں بولی۔

"میرے خیال میں ان کے لیے پرفیوم ٹھیک رہے گا' اس لیے کاسمیٹکس اینڈ پرفیومز۔" والے سیکشن کی طرف چلو۔

کل شاہ نواز کی سالگرہ تھی۔ اس لیے رطابہ آج خاص طور پہ اس کے لیے گفٹ لینے بازار آئی تھی۔ اس سے پہلے وہ ایک مشہور بیکری پہ جا کے اس کے لیے کیک کا آرڈر بھی دے آئی تھی۔

شمائلہ کے ہمراہ چلتی ہوئی وہ مطلوبہ سائیڈ پہ چلی آئی تو وہ اسے ایک علیحدہ بنے کارنر کی جانب لے آئی۔

"یہ جینٹس کارنر ہے' تم یہاں سے پرفیوم سلیکٹ کرو' میں جب تک اپنی چند ایک چیزیں خرید کر واپس آتی ہوں۔" وہ پرس میں سے شاپنگ لسٹ نکال کر دیکھنے لگی تو رطابہ اثبات میں سر ہلاتی سامنے لگے ڈھیروں ٹیسٹرز کی جانب متوجہ ہو گئی۔

"ہم تیرے جیسے کنجوس نہیں یار من! اس لیے جو چاہیے فٹافٹ بول' میں صرف تیرے گفٹ کی خاطر گھر جانے کے بجائے سیدھا بازار آیا ہوں۔"

وہ جو کوئی بھی تھا خاصی خوب صورت آواز کا مالک تھا۔ جب ہی نہ چاہتے ہوئے بھی ایک پل کے لیے رطابہ کا سارا دھیان اس آواز کی جانب مبذول ہو گیا تھا۔

"اوہ! کیا کہنے ہیں جناب کے۔"

اب کی بار آواز کے ساتھ ساتھ اس کی دھیمی سی ہنسی بھی رطابہ کے کان میں پڑی تو وہ غیر محسوس انداز میں اپنا رخ پھیر گئی۔ جہاں اس سے تھوڑے فاصلے پہ کاٹن کے کڑکڑاتے وائٹ شلوار سوٹ میں دراز قامت شخص قدرے ترچھا کھڑا موبائل پہ محو گفتگو تھا۔

"چل پھر اگر تو میری پسند پہ راضی ہے تو یوں ہی سہی۔ میں نے تو لا لے! تجھے بڑا اچھا موقع دیا تھا۔" وہ مسکراتے ہوئے رطابہ کی جانب پیٹھ موڑ کے اپنے پیچھے لگے ریک کا جائزہ لینے لگا تو وہ بھی سر جھٹکتی اپنے کام میں مصروف ہو گئی۔

اسے ایک پرفیوم پسند آیا تو وہ سیلزمین کو اس کا نام بتا کر خود کاؤنٹر کی جانب چل دی۔ مگر ابھی چند قدم ہی آگے بڑھ پائی تھی کہ اچانک اس کے دائیں طرف بنے ریکس کے پیچھے سے ایک ننھا سا وجود بھاگتا ہوا آ کر اس کی ٹانگوں سے ٹکرانے کے بعد نیچے گر کے رونے لگا۔

"اوئے اوئے! سوری بیٹا' رونا نہیں۔" اگلے ہی لمحے وہ ہاتھ میں پکڑے شاپرز نیچے رکھتے ہوئے دو زانو جھک کر روتے ہوئے بچے کو پیار کرنے لگی۔ تو اپنے دھیان میں اس طرف متوجہ ہونے والا عالم قدرے چونک کر اس لڑکی کو دیکھنے لگا جو ارد گرد کی پروا کیے بنا زمین پر بیٹھی اس چھوٹے سے بچے کو انتہائی نرمی سے چپ کروانے میں مصروف تھی۔

"چوٹ تو نہیں لگی؟" اس کے گھٹنوں کو مسلتے ہوئے اس نے پیار سے پوچھا تو نہ چاہتے ہوئے بھی عالم کے لبوں پہ دھیمی سی مسکراہٹ آن ٹھہری۔

بے اختیار اس کی نظروں نے سامنے موجود صبیح چہرے کا تفصیلی جائزہ لیا تھا جو اپنی لٹ کان کے پیچھے اڑستی اس بچے کو گود میں اٹھائے خود بھی اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔

بچے کے گال کو چومتے ہوئے اس نے متلاشی نظروں سے یقیناً اس کی ماں کو تلاشنا چاہا تھا۔

"اچھا آئس کریم کھاؤ گے؟" اپنے مقصد میں ناکامی پر وہ ایک بار پھر بچے سے مخاطب ہوئی تھی۔ جو اس مزے دار آفر پہ اپنا رونا بھول بھال کے زور و شور سے اثبات میں سر ہلاتا عالم کی مسکراہٹ گہری کر گیا تھا۔

"چلو پھر چل کے آئس کریم کھاتے ہیں۔ لیکن آپ اب رونا نہیں' او کے؟" وہ نیچے پڑا سامان چھوڑ چھاڑ اپنی دھن میں آگے بڑھ گئی تو عالم اس بے خبر حسینہ کی عقل پہ عش عش کرتا تیزی سے اس کے سامان کی طرف چلا آیا۔

"ایکسکیوز می مس!" اپنے دھیان میں آگے بڑھتی رطابہ کو یک بارگی وہی خوب صورت آواز اپنے بے حد قریب سنائی دی تو وہ بے اختیار پلٹ کر اپنے پیچھے دیکھنے لگی۔ جہاں وہی دراز قد اجنبی اپنی تمام تر وجاہت لیے اس سے چند قدموں کے فاصلے پہ کھڑا تھا۔

"جی!" وہ قدرے حیران سی گویا ہوئی تو عالم نے ہاتھ میں پکڑے شاپنگ بیگز اس کے سامنے کر دیے۔

"یہ غالباً" آپ کے ہیں۔" وہ شائستگی سے بولا تو رطابہ کے چہرے پر خفت کے ساتھ ساتھ تشکر کے رنگ بھی نمایاں ہو گئے۔

"جی۔" شرمندہ سی اس نے ہاتھ بڑھا کر بیگز تھام لیے۔ "تھینک یو ویری مچ۔"

"مائی پلیژر' بائے دا وے آپ کا بیٹا کیوٹ ہے۔" اپنی شرارت چھپائے وہ مسکرا کر بولا تو رطابہ کی آنکھیں پھیل سی گئیں۔

"یہ میرا بیٹا نہیں ہے۔" وہ بمشکل تمام اپنی ناگواری پہ قابو پاتے ہوئے بولی۔ تو عالم کے لیے اپنی ہنسی ضبط کرنا مشکل ہو گیا۔ لیکن چہرے کے تاثرات اس نے سنجیدہ ہی رکھے۔

"پھر کس کا ہے؟"

"پتا نہیں۔" وہ ریں ریں کرتے بچے کو چپ کرواتے ہوئے بولی تو عالم مصنوعی حیرت سے بھنویں اچکا گیا۔

www.Paksociety.com

www.Paksociety.com

"جی؟" اور رطابہ کا دل چاہا کہ زمین پھٹے اور وہ اس میں سما جائے۔

"مم... میرا مطلب ہے کہ یہ بچہ اچانک مجھ سے ٹکرا کر گر پڑا تھا۔ میں اس کی مدر کو ہی ڈھونڈ رہی ہوں۔"

مقابل کے لبوں پہ لحظہ بہ لحظہ گہری ہوتی مسکراہٹ اسے مزید خفیف کر گئی تھی۔

"او، آئی سی!" اس کے چہرے کے تاثرات دیکھتے ہوئے عالم نے اسے مزید تنگ کرنے کا ارادہ موقوف کردیا۔

"آپ ایسا کریں کہ مینیجر کے آفس میں..." اس سے پہلے کہ وہ بات مکمل کرتا بچہ ایک قریب آتی عورت کو دیکھ کر مما مما پکارتا ہمکنے لگا۔

"او میرے اللہ! تیرا شکر ہے۔" آنے والی نے تیزی سے آگے بڑھتے ہوئے بچے کو رطابہ سے لیتے ہوئے سینے سے لگالیا۔

"معذرت کے ساتھ، لیکن محترمہ! حد ہوتی ہے لاپروائی کی۔ اگر یہ بھلی خاتون آپ کے بچے کو نہ سنبھالتیں تو نہ جانے یہ ننھی سی جان کس مشکل میں گرفتار ہوجاتی۔"

پیشانی پہ بل سجائے وہ غصے سے بولا تو وہ خاتون اچھی خاصی شرمندہ ہوگئیں۔

اسی اثنا میں سامنے سے شمائلہ چلی آئی تو وہ اس کی جانب متوجہ ہوئی۔

"فارغ ہوگئیں؟" شمائلہ نے قریب آتے ہوئے پوچھا۔

"ہاں بس ایک منٹ" وہ عجلت میں کہتی پیچھے پلٹی۔ مگر وہاں اس اجنبی کو نہ پاکر نہ جانے کیوں دل میں امڈتے مایوسی کے احساس کو روک نہ سکی۔

✡ ✡ ✡

رات کے کھانے کے بعد رائنہ نے حسب معمول گرین ٹی تیار کی۔ حیات احمد کو ان کا کپ لاؤنج میں دینے کے بعد وہ اپنا اور عافیہ بیگم کا کپ ٹرے میں رکھے ان کے کمرے میں چلی آئی۔ جہاں وہ بیڈ کی پشت سے ٹیک لگائے بالکل چپ چاپ سی بیٹھی تھیں۔

"کیا بات ہے امی! آپ آج پاپا کے پاس لاؤنج میں کیوں نہیں بیٹھیں؟"

ان کے مقابل بیٹھتے ہوئے اس نے ہاتھ میں پکڑی ٹرے بیڈ پہ رکھی۔

"بس یوں ہی سر میں درد تھا، اس لیے میں یہاں آگئی۔" سیدھی ہوتے ہوئے انہوں نے کپ اٹھالیا۔

"کیا بات ہے امی! آپ جب سے بازار سے آئی ہیں بہت چپ چپ سی ہیں۔ خیر تو ہے؟" گہری نظروں سے ان کی جانب دیکھتے ہوئے رائنہ نے اپنی سوچ کو زبان دی۔ ان کا یہ کھویا کھویا سا انداز اسے تشویش میں مبتلا کررہا تھا۔

"خیر ہی ہے، بس تھکاوٹ کافی ہوگئی ہے۔" وہ بوجھل سے لہجے میں گویا ہوئیں تو رائنہ انہیں دیکھ کر رہ گئی۔ کچھ تو ہوا ہے۔

"رائنہ!"

"جی۔" اس نے نظریں اٹھاتے ہوئے ان کی جانب دیکھا جن کے چہرے پر عجیب کشمکش کے سے تاثرات تھے۔

"وہ... وہ اپنے پاپا کو چائے دے دی تھی؟" چند سیکنڈ کے توقف کے بعد انہوں نے آہستگی سے پوچھا تو رائنہ اک گہری سانس لے کر رہ گئی۔ یہ بات تو طے تھی کہ وہ آخری وقت پہ بات بدل گئی تھیں۔ مگر وہ ایسا کیوں کررہی تھیں، یہ اس کی سمجھ سے بالاتر تھا۔

"امی پلیز! مجھے سچ سچ بتائیں بازار میں کیا ہوا تھا؟" ہاتھ میں پکڑا کپ ٹرے میں رکھتے ہوئے اس نے دوٹوک الفاظ میں پوچھا۔

"کہا تو ہے کچھ نہیں۔"

وہ یک لخت درشتی سے بولیں تو رائنہ خفا نظروں سے انہیں دیکھتی ایک جھٹکے سے اٹھ کر کمرے سے باہر نکل گئی۔ جبکہ پیچھے عافیہ بے اختیار سر تھام کر رہ گئیں۔

✡ ✡ ✡

رطابہ آج صبح سے ہاجرہ اور رشید کو ساتھ لگائے شام کے ساتھ ساتھ رات کے لیے شان دار سے ڈنر کی تیاریوں میں بھی مصروف تھی۔ مگر دوپہر کو اس نے نہ تو کوئی اہتمام کیا تھا اور نہ ہی نواز کو صبح وش کیا تھا۔ نواز بھی بنا کچھ جتائے خاموشی سے صبح یونیورسٹی چلا گیا تھا اور واپسی پر کھانا کھا کے حسب معمول لیٹ گیا تھا۔ مگر اب جو وہ سو کر اٹھا تو لاؤنج میں کیا گیا اہتمام اسے خوش گوار سی حیرت میں مبتلا کر گیا تھا۔

"ہیپی برتھ ڈے مائی ڈیئر برادر!" رطابہ مسکراتے ہوئے اس کے سینے سے آلگی تو وہ بے اختیار مسکرا دیا۔

"تھینک یو سویٹ ہارٹ، میں تو سمجھا تھا بھول گئیں۔"

"پہلے کبھی بھولی ہوں جو اس بار بھولتی۔" وہ اسے جتاتے ہوئے بولی تو نواز اسے تنگ کرنے کو کندھے اچکا گیا۔

"میں سمجھا شاید تمہیں ہر بار امی یاد دلاتی ہوں۔"

"بھائی!" اس نے خفگی سے اسے گھورا تو نواز نے ہنستے ہوئے اسے اپنے بازو کے حلقے میں لے لیا۔

"یہ آپ کے لیے۔" رطابہ نے ہاتھ میں پکڑا گفٹ اس کی جانب بڑھایا۔

"تھینک یو۔" وہ گفٹ لیے اس کے ساتھ صوفے پر آبیٹھا۔ "میرے پیسوں سے لیا ہے؟"

وہ گفٹ کھولتے ہوئے معصومیت سے بولا تو رطابہ نے بے اختیار اس کے بازو پہ ایک مکا جڑ دیا۔ جس پہ شاہ نواز کے ساتھ ساتھ ہاجرہ اور رشید بھی ہنس دیے۔

"سالگرہ مبارک ہو صاحب جی!" ان دونوں نے اسے مبارک باد دی۔

"خیر مبارک! چلو بھئی اب چائے لگاؤ۔" وہ پرفیوم کا ہلکا سا اسپرے بوتل کے ڈھکن میں کرکے چیک کرنے لگا۔

"بیوٹی فل! تھینکس اگین سویٹی۔" وہ رطابہ کی جانب پلٹا۔

"یو آر ویلکم بھائی! چلیں اب چل کے کیک کاٹیں۔" وہ اس کا ہاتھ تھامے اٹھ کھڑی ہوئی تو نواز اس کے ساتھ چلتا ڈائننگ ٹیبل تک چلا آیا۔ جہاں رطابہ نے کافی کچھ بنا کے سجا رکھا تھا۔

ماچس ہاتھ میں پکڑے وہ جھک کر کیک پہ لگی موم بتیاں جلانے میں مصروف تھی۔ جب معاً ڈور بیل کی آواز اسے بدمزا کر گئی۔

"یہ اس وقت کون آگیا۔ جاؤ رشید جا کے دیکھو۔" اس کے کہنے پہ رشید باہر کی جانب بڑھ گیا۔

"السلام علیکم!" دروازہ کھلنے کے بعد رشید کی پرجوش سی آواز سنائی دی تو رطابہ نے بے اختیار نواز کی جانب دیکھا جو لاعلمی سے کندھے اچکاتا کرسی سے اٹھ کھڑا ہوا۔

"کہاں ہے یار من؟" اچانک ایک جانی پہچانی سی آواز رطابہ کی سماعتوں سے ٹکرائی تو مارے حیرت کے اس کی آنکھیں پھیل سی گئیں۔ جبکہ نواز مسکراتا ہوا تیز قدموں سے باہر نکل گیا۔ جس کے بعد گالیوں، قہقہوں اور کوسنوں کے درمیان آنے والی ہستی لاؤنج میں داخل ہوئی تھی اور اسے یوں ڈائننگ ٹیبل کے پاس بت بنا کھڑا دیکھ کر خود بھی ایک پل کے لیے حیران کھڑی رہ گئی تھی۔

"جھجکنے کی کوئی بات نہیں یار! یہ رطابہ ہے۔" اس کے یوں ٹھٹک کر رک جانے پہ ساتھ چلتے نواز نے تعارف کروایا تو وہ اپنی حیرت پہ قابو پاتا آگے بڑھ آیا۔

"اور طابی! یہ رہے تمہارے عالم بھائی، جن سے ملنے کا تمہیں بے حد اشتیاق تھا۔" شاہ نواز اپنے فری اینڈ فرینک انداز میں بولا تو رطابہ کا چہرہ خفت کے مارے گلابی پڑ گیا۔ جبکہ عالم کے لبوں پہ محظوظ سی مسکراہٹ آن ٹھہری۔

"السلام علیکم!" رطابہ نے آہستگی سے سلام کیا۔

"وعلیکم السلام۔ کیسی ہیں آپ؟" اس نے شائستگی سے سوال کیا۔

"الحمدللہ... آپ کیسے ہیں؟" اس نے جواباً مزاج پرسی کی۔

"بہت اچھا۔" اس کی جانب دیکھتے ہوئے وہ

www.Paksociety.com

www.Paksociety.com

قدرے معنی خیزی سے گویا ہوا تو ایک پل کے لیے رطابہ گڑبڑا سی گئی۔

"چلیں بھائی! کیک کاٹیں۔" اگلے ہی لمحے وہ شاہ نواز سے مخاطب ہوتی تو عالم اپنی مسکراہٹ دبائے ٹیبل کے قریب چلا آیا جہاں تالیوں کے درمیان شاہ نواز نے کیک کاٹا اور پھر ایک بہت خوب صورت سی شام اور شان دار سا ڈنر کر کے جب عالم اپنے گھر لوٹا تو رطابہ شاہ زمان کا خیال نہایت چپکے سے اپنے ہمراہ لیے چلا آیا۔

✡ ✡ ✡

پچھلے دو دنوں سے رائنہ، عافیہ بیگم سے مکمل طور پہ ناراض تھی اور وہ چاہ کر بھی اسے منا نہ سکی تھیں جس پہ نہ چاہتے ہوئے بھی رائنہ کو تشویش ہونے لگی تھی کہ وہ تو اس کی ذرا سی بھی ناراضی برداشت نہیں کر سکتی تھیں۔ کجا کہ دو دن۔

ان کا یہ بے لچک انداز سرکیف اسے یہ باور کروا گیا تھا کہ اس مرتبہ اس کی یہ جذباتی بلیک میلنگ اس کے کسی کام نہیں آنے والی کیونکہ وہ اسے کچھ نہیں بتانے والی تھیں۔ اور یہی بات سوچتے ہوئے اس نے اپنی خود ساختہ ناراضگی ختم کرنے کا ارادہ کیا تھا کہ وہ انہیں مزید پریشان نہیں کرنا چاہتی تھی اور اسی لیے آج شام کی چائے کے ساتھ اس نے ایک، دو لوازمات اپنے ہاتھوں سے تیار کیے تھے۔ جنہیں ٹرے میں سجائے وہ لاؤنج میں چلی آئی تھی، جہاں عافیہ ٹی وی آن کیے اکیلی بیٹھی تھیں۔

"یہ دیکھیں مام! میں نے آج کیا بنایا ہے۔" وہ جب بہت موڈ میں ہوتی تو انہیں اسی طرح پکارتی تھی۔ مگر آج ان کی شکایتی نظریں خود پہ مرکوز پا کر وہ شرمندہ سی مسکرا دی تھی۔

"اچھا بابا! آئی ایم سوری!" ٹرے سینٹر ٹیبل پر رکھ کر وہ ان کے قریب بیٹھتے ہوئے ان کے گلے میں جھول گئی تھی۔

"ہو گیا اپنی غلطی کا احساس؟" چہرہ موڑے انہوں نے خفگی سے اس کی جانب دیکھا تھا۔

"وہ تو کل ہی ہو گیا تھا۔" مسکراہٹ دبائے وہ معصومیت سے گویا ہوئی تو عافیہ اسے گھورنے لگیں۔ مگر جونہی اس نے آگے بڑھ کر ان کا چہرہ چوما، ان کے لیے اپنی ناراضی کو برقرار رکھنا مشکل ہو گیا۔ اگلے ہی لمحے انہوں نے مسکراتے ہوئے اس کا سر اپنے شانے سے لگا لیا۔

"لاؤ دکھاؤ کیا بنایا ہے تم نے۔" آگے کو جھکتے ہوئے انہوں نے ٹیبل کا جائزہ لیا۔ جہاں سجا گرما گرم "پزا" اور "چکن ونگز" اس بات کا ثبوت تھے کہ اس نے محض ان کی خاطر ساری دوپہر کچن میں گزاری ہے۔

"میری بچی!" انہوں نے بے اختیار اسے خود سے لگا لیا۔ "کیا ضرورت تھی اتنی محنت کی؟"

"آپ کو منانا جو تھا۔" وہ ایک بار پھر شرارت سے گویا ہوئی۔ "اچھا اب کھا کر بتائیں کیسا بنا ہے۔" ان سے الگ ہوتے ہوئے اس نے پزا کا ٹکڑا کاٹ کر پلیٹ ان کی جانب بڑھائی۔ مگر اس سے پہلے کہ وہ اسے چکھتیں، مجید "کارڈلیس" لیے اندر چلا آیا۔

"چھوٹی بی بی! آپ کی سہیلی کا فون ہے۔" اس نے فون رائنہ کی جانب بڑھاتے ہوئے اطلاع دی تو اس نے ہاتھ صاف کر کے فون تھام لیا۔ مگر جونہی اس نے "ہیلو" کہا دوسری جانب سے آتی آواز لمحوں میں اس کا چہرہ فق کر گئی۔

"ک... کون؟" ڈوبتے دل کے ساتھ اس نے بمشکل تمام اپنے خدشے کی جیسے تصدیق چاہی تھی۔

اور جیسے ہی دوسری طرف سے اس کے سوال کا جواب دیا گیا، اس کی پھٹی پھٹی بے یقین سی نگاہیں ماں کے چہرے پر آ ٹکیں۔ جو آنکھوں میں الجھن اور پریشانی لیے اسے ہی دیکھ رہی تھیں۔

اسے یوں متوحش نگاہوں سے اپنی جانب تکتا پا کر انہوں نے تیزی سے آگے بڑھ کر فون اس کے ہاتھ سے لیتے ہوئے کان سے لگا لیا۔

"ہیلو!" وہ قدرے سختی سے گویا ہوئیں۔ مگر جونہی دوسری جانب سے آتی آواز ان کی سماعتوں سے ٹکرائی

وہ بے اختیار لب بھینچ کر رہ گئیں۔

"دوبارہ یہاں فون مت کرنا!" انتہائی سرد لہجے میں کہتے ہوئے انہوں نے لائن کاٹ دی اور بلند آواز میں مجید کو پکارنے لگیں۔

"جی بیگم صاحبہ!" وہ حیران سا اندر چلا آیا۔

"جا کے یہ نمبر نوٹ کرو اور فون کی تار نکال دو۔ دوبارہ اس نمبر سے اگر کال آئے تو ریسیو مت کرنا۔" انہوں نے اسے ہدایت کے ساتھ ساتھ تاکید بھی جاری کی تو حیران پریشان سا مجید اثبات میں سر ہلاتا الٹے پاؤں باہر نکل گیا۔

"امی! یہ یہاں...؟" رائنہ کے اعصاب تو اس اچانک افتاد سے جیسے جھنجھنا اٹھے تھے۔ "جانتی ہوں۔ اس دن بازار میں دیکھا تھا میں نے۔"

وہ پژمردگی سے گویا ہوئیں تو رائنہ بے اختیار اپنا سر تھام کر رہ گئی۔ عافیہ بیگم کی پریشانی، خاموشی ہر بات کا اسے از خود جواب مل گیا تھا اور اب وہ جیسے خود گنگ سی ہو چلی تھی۔

قسمت کیوں ہر بار ان کا سکون درہم برہم کرنے پہ تلی رہتی تھی اس کی سمجھ سے باہر تھا۔

✡ ✡ ✡

رطابہ تقریباً" ایک ڈیڑھ ہفتہ اسلام آباد میں گزارنے کے بعد آج واپس چلی گئی تھی کہ دو دن بعد اس کی کلاسز شروع ہونے والی تھیں۔ اس دوران عالم کی اس سے ایک دو بار اور ملاقات ہوئی تھی اور ان سرسری سی ملاقاتوں میں ہی وہ اسے اپنے دل کے اس حد تک قریب محسوس ہوئی تھی کہ آج جب اسے اس کی واپسی کی اطلاع ملی تھی تو وہ اپنے اندر پھیلتی اداسی کو محسوس کرتے ہوئے خود بھی حیران رہ گیا تھا۔

اس میں کوئی شک نہ تھا کہ اس روز اس چھوٹے سے بچے میں مگن وہ معصوم سی لڑکی اسے نہ چاہتے ہوئے بھی اپنی جانب متوجہ ہونے پر مجبور کر گئی تھی۔ مگر شاید وہ اسے ایک آدھ دن میں بھول جاتا اگر جو وہ اگلے ہی روز اس سے ایک یکسر مختلف حوالے سے نہ آن ٹکراتی۔

اس شام عالم کو اس پیاری سی لڑکی کے محبت بھرے دل کی ایک اور جھلک دیکھنے کو ملی تھی جو صرف اور صرف اس کے بھائی کے لیے تھی اور نجانے کیوں اسے یہ احساس ہوا تھا کہ یہ لڑکی اپنی ذات سے منسلک سب ہی رشتوں کے لیے اتنی ہی پر خلوص اور محبت کرنے والی ثابت ہو گی جتنی کہ وہ اپنے بھائی کے لیے تھی، جس سے کہ اس کا خون کا رشتہ تھا یا اس بچے کے لیے، جسے وہ جانتی تک نہ تھی۔

اور اتنی اچھی لڑکی کو کھونا اس کے نزدیک سراسر حماقت تھی۔ مگر اپنے دل کی خواہش لبوں پہ لانے سے پہلے وہ خود کو اپنے پیروں پر کھڑا کرنا چاہتا تھا، تاکہ دنیا داری کا ہر تقاضا پورا ہو جائے اور کوئی چھوٹی سی بات بھی وجہ انکار نہ بن سکے۔ مگر کاش یہ زندگی ہمارے تابع ہو سکتی اور اس کی جھولی میں موجود ہر لمحہ ہمارا مطیع۔ اے کاش!

✡ ✡ ✡

قسمت کا کیسا بھیانک مذاق تھا کہ جس ہستی کے بغیر کبھی اس کا سانس لینا ناممکن تھا آج وہی ہستی اس کے نزدیک مشکل میں شمار ہو رہی تھی۔ جس کا سامنا وہ کسی طور نہیں کرنا چاہتی تھی۔ پتا نہیں یہ دنیا بھی کبھی اتنی چھوٹی کیوں پڑنے لگتی ہے کہ کسی پناہ گاہ کا حصول دشوار ہی نہیں بلکہ ناممکن سا لگنے لگتا ہے۔

کتنی مشکل سے زندگی کو گھسیٹ کر انہوں نے دوبارہ پرانی ڈگر پر ڈالا تھا کہ اب یہ اچانک...

"اوہ! آئی۔ آئی ایم رئیلی ویری سوری!" سوچوں میں ڈوبی وہ جوں ہی دائیں جانب مڑی، سامنے سے آتے بندے سے بری طرح ٹکرا گئی اور چونکہ وہ جانتی تھی کہ قصور اس کی بے دھیانی کا ہے، اس لیے بے ساختہ معذرت کرتے ہوئے نیچے جھک کر مقابل کے ہاتھ سے گر جانے والی فائل اور پیپرز سمیٹنے لگی۔

"اٹس او کے۔ میں اٹھا لیتا ہوں۔" رسان سے کہتا وہ خود بھی جھک کر اس کی مدد کرنے لگا تھا۔ لیکن فائل

www.Paksociety.com

www.Paksociety.com

کور چونکہ رائنہ کے ہاتھ میں تھا اس لیے وہ خاموشی سے اِدھر اُدھر بکھرے کاغذ اٹھا کر اپنے بائیں ہاتھ میں پکڑی کتاب میں ڈالنے لگا۔ جب معاً اس کی جھکی نظروں کے سامنے، موم سے تراشیدہ لمبی انگلیوں کے درمیان ان کا ئینوی بلیو کلر کا فائل کور آگیا۔

"یہ لیجیے۔" سبک ہوا سا لہجہ اس کی نظروں کے ارتکاز کو بکھیر گیا تو وہ لمحے بھر کی اس خیانت پہ جزبز ہوتا فائل تھام گیا۔

"تھینک یو۔" سپاٹ لہجے میں کہتا اگلے ہی پل وہ اٹھ کھڑا ہوا تھا اور تب ہی مقابل بیٹھی رائنہ نے اپنی جگہ سے اٹھتے ہوئے پہلی بار سامنے کھڑے شخص کے چہرے پر نگاہ ڈالی تھی۔ عین اسی لمحے شاہ نواز کی نظریں بھی اس کی طرف اٹھی تھیں اور دونوں کی نظروں میں گویا ہفت آسمان گھوم گئے تھے۔

نواز کے ہاتھ میں پکڑی فائل، کتابیں اور موبائل سب ہی چھوٹ کر ایک ساتھ زمین بوس ہوا تھا اور رائنہ کی تو کاٹو تو بدن میں لہو نہیں والی کیفیت تھی۔ اس کا وجود ایک جھٹکے سے زماں و مکاں کی قید سے آزاد ہو کر خلا میں معلق ہو گیا تھا۔ جہاں نہ پیروں تلے زمین تھی اور نہ سر پہ آسمان۔ یہ بے سرو سامانی کی کیفیت اسی کی عطا کردہ تھی جو کبھی اس کی زندگی تھا۔ مگر جس نے اسے حقیقتاً "زندہ در گور کر ڈالا تھا۔

دیکھتے ہی دیکھتے رائنہ کے پورے وجود میں چنگاریاں سی اڑنے لگی تھیں۔ جن کے شعلوں کی لپک سامنے کھڑے شاہ نواز کو اپنے دامن تک آتی محسوس ہوئی تھی۔ اس میں کوئی شک نہ تھا کہ وہ سامنے کھڑی اس معصوم لڑکی کا گناہ گار تھا۔ مگر گزشتہ پانچ سال سے جلتی نگاہیں، اس کے روشنیاں بکھیرتے چہرے سے ہٹنے سے انکاری ہو گئی تھیں۔ جہاں اس کے لیے سوائے شدید نفرت کے دوسرا کوئی تاثر نہ تھا۔

جبکہ رائنہ کے لیے اس کی خود پہ جمی نگاہیں گھن کا باعث تھیں، جنہیں مزید برداشت کرنا اس کے بس میں نہ رہا تو اس نے نفرت سے چہرہ موڑتے ہوئے، زمین پر تھوک دیا اور اگلے ہی لمحے لمبے لمبے ڈگ بھرتی اس کے برابر سے نکلتی چلی گئی۔ یہ دیکھے بنا کہ پیچھے کھڑے نواز کا پورا وجود اس کی نفرت سے نیلا پڑ گیا تھا۔ بے اختیار اس کی کپکپاتی انگلیاں اپنی پیشانی سے مس ہوئی تھیں جو یک لخت اسے گیلی ہوتی محسوس ہوئی تھی۔ مگر وہاں سوائے ٹھنڈک کے دوسرا کوئی تاثر نہ تھا۔

☼ ☼ ☼

رات کا تیسرا پہر اپنے اختتامی مراحل میں داخل ہو چکا تھا۔ ہر سو سناٹے اور تاریکی کی دبیز چادر پھیلی ہوئی تھی، جس کے تلے ہر ذی نفس نیند کی گہری آغوش میں تھا۔ سوائے ایک شاہ نواز کے جس کی تلاش اس قدر اچانک ختم ہو جائے گی۔ اس نے کبھی سوچا بھی نہ تھا۔ بے یقینی سی بے یقینی تھی۔ وجود پتھر کا اور آنکھیں جلتے جلتے راکھ کا ڈھیر ہو چکی تھیں، مگر رائنہ حیات کا چہرہ اور اس چہرے پہ چھائی انتہاؤں کو چھوتی نفرت ایک پل کے لیے بھی اس کے ذہن سے مٹنے کا نام نہیں لے رہی تھی۔

گزشتہ پانچ سالوں میں اس نے ہر لمحہ یہی دعا کی تھی کہ اللہ تعالیٰ اسے رائنہ سے ملنے کا ایک موقع دے دے تاکہ وہ اس سے اپنی غلطی کی معافی مانگ سکے، چاہے اسے اس کے پیروں میں ہی کیوں نہ گرنا پڑ جائے اور آج جب اس کی دعا مستجاب ہو کے اس کے سامنے آ کھڑی ہوئی تھی تو اسے احساس ہوا تھا کہ وہ تو ہمیشہ ادھوری دعا مانگتا رہا تھا۔

اس نے جب تک رائنہ کو نہیں دیکھا تھا، دل کی بے قراری بھی برداشت کی حد میں تھی۔ مگر اب جب سے دونوں کا سامنا ہوا تھا۔ دل کی تڑپ اس حد تک بڑھ گئی تھی کہ درد روح سے نکل کر اس کے سینے کے بائیں حصے اور بازو میں ٹیسیں دینے لگا تھا۔ جسے ضبط کرتے ہوئے وہ بے اختیار ایک پل کے لیے آنکھیں بھینچ گیا تھا۔

"ن، ن، نہیں مولا! اب، ابھی نہیں، ایک ایک بار اسے مجھے معاف کرنے کا حوصلہ دے دے۔" آنسو

اس کی بے بس آنکھوں سے نکل کر بڑی تیزی سے اس کا چہرہ بھگونے لگے تھے۔ جو تکلیف کی شدت سے اپنا رنگ بدلتا جا رہا تھا۔ اگلے ہی لمحے پسینے میں شرابور ہوتے جسم کی پوری طاقت لگاتے ہوئے اپنی جگہ سے اٹھ کر لڑکھڑاتے قدموں سے دروازے کی جانب بڑھا تھا۔ جسے کھول کر اس نے لاؤنج میں سوئے رشید کو اپنی پوری قوت صرف کرتے ہوئے پکارا تھا۔

"جی! جی صاحب جی!" ہڑبڑا کر اٹھتے ہوئے اس نے لاؤنج میں روشن نائٹ بلب کی روشنی میں نواز کے کمرے کی جانب دیکھا تھا۔ جہاں اسے دہلیز تھامے درد سے نڈھال ہوتا دیکھ کر وہ ایک جھٹکے سے اٹھ کر لائٹ جلاتا اس کی جانب بھاگا تھا۔

"صا...... صاحب آپ ٹھیک تو ہیں؟" تیزی سے اسے تھامتے ہوئے رشید نے اسے صوفے پر بٹھایا تھا۔

"ڈا..... ڈاکٹر شمس کو کال کرو۔" لب کاشتا وہ حوصلے سے بولا تھا اور بوکھلایا، گھبرایا سا رشید سرپٹ ٹیلی فون کی جانب بھاگا تھا۔ جہاں ڈاکٹر شمس کے ساتھ ساتھ اس نے عالم کو بھی فون کر کے فوراً" پہنچنے کے لیے کہا تھا۔

☼ ☼ ☼

دائیں ہاتھ کی مٹھی لبوں پہ جمائے، عالم کی متفکر نگاہیں نواز کے چہرے پر جمی تھیں جو دواؤں کے زیر اثر سو رہا تھا۔ چند گھنٹے پیشتر جب رشید نے اسے شاہ نواز کی طبیعت خرابی کے بارے میں اطلاع دی تھی تو اس کے وہم و گمان میں بھی نہ تھا کہ صورت حال اس قدر سنگین بھی ہو سکتی ہے اور جب ڈاکٹر شمس نے ہارٹ پرابلم بتاتے ہوئے اسے فوراً" سے پیشتر ہسپتال لے جانے کے لیے کہا، تو عالم کے تو گویا پیروں تلے زمین ہی نکل گئی تھی۔

اندھا دھند گاڑی دوڑاتے وہ اگلے دس منٹ میں قریبی ہسپتال کی ایمرجنسی میں تھا جہاں نواز کی حالت کے پیش نظر فوراً" ٹریٹمنٹ شروع کر دیا گیا تھا۔ گو کہ ڈاکٹرز نے "مائینر انجائنا اٹیک" بتاتے ہوئے اسے کافی تسلی دی تھی مگر پھر بھی وہ یہ سوچ کر ہی تھرا اٹھا تھا کہ اگر اسے پہنچنے میں دیر ہو جاتی یا نواز ہی درد کے باعث اپنے کمرے میں بے ہوش ہو جاتا تو؟

اور اس تو کے آگے اس کا دماغ جیسے ماؤف ہونے لگتا تھا۔ نواز کا چیک اپ ہو جانے کے بعد اس نے فوری طور پہ شہباز کو اطلاع دینی چاہی تھی۔ مگر نواز نے اسے سختی سے کوئٹہ فون کرنے سے منع کر دیا تھا اور چونکہ ڈاکٹرز نے اس کے درد کی وجہ، حد سے زیادہ بڑھا ہوا ذہنی دباؤ بتایا تھا۔ اس لیے عالم اس سے کسی بھی قسم کی بحث کرنے سے قاصر تھا۔ رشید کو بھی اس نے اپنے سامنے فون کروا کے منع کروایا تھا۔

ڈاکٹرز نے اس کی کنڈیشن دیکھتے ہوئے اسے اگلے چوبیس گھنٹے "انڈر آبزرویشن" رکھنے کا فیصلہ کرتے ہوئے روم میں شفٹ کر دیا تھا، جس کے بعد وہ تو دواؤں کے زیر اثر سو گیا تھا، مگر عالم اس وقت سے لے کر اب تک ایک ہی بات سوچے جا رہا تھا۔ آخر اچانک ایسا کیا ہوا تھا جو نواز کے لیے اس درجہ پریشانی کا باعث بنا تھا کہ وہ اس حال کو پہنچ گیا تھا۔ جب کہ گزشتہ دنوں وہ اس کے رویے میں در آنے والی مثبت تبدیلی کو بھی محسوس کر چکا تھا۔

"کہیں رائنہ سے متعلق کوئی بات، کوئی اطلاع تو اس تک نہیں پہنچی؟" سوچتے ہوئے اس کا ذہن اس نقطے پر آ کے ٹھہر سا گیا تو بے اختیار اس کی نظریں ایک بار پھر آنکھیں موندے نواز پہ جا ٹکیں، جس کے چہرے پر چھائی زردی اس کا دل تاسف سے بھر گئی تھی۔

☼ ☼ ☼

قطرہ قطرہ بھیگتی رات آج رائنہ کی ایک اور غلط فہمی دور کر گئی تھی۔

پانچ سال پہلے اسے گمان ہوا تھا کہ اب اس کی آنکھوں میں اس شخص کے نام کا کوئی آنسو باقی نہیں بچا۔ مگر آج وہ ایک بار پھر رو رہی تھی اور بے تحاشا رو

رہی تھی۔ کیوں؟ اسے معلوم نہ تھا۔ حالانکہ اب تو رونے کو بھی کچھ نہ بچا تھا۔

اس کی زندگی کی ہر خوشی تو وہ منحوس شام نگل گئی تھی، جس کے بعد اس نے اپنا سب کچھ گنوا دیا تھا۔ عزت، یقین، بھروسا، محبت، رشتے۔ ہر چیز کی تو اس نے خود قبر کھودی تھی۔ پھر بھلا آج یہ رونا کیا معنی رکھتا تھا؟ وہ بھی اس صورت میں جبکہ گزشتہ پانچ سالوں میں وہ خود پہ اور حالات پہ جی بھر کے آنسو بہا چکی تھی۔

اس نے ان پانچ سالوں میں بہت سے سبق پڑھے تھے اور اب وہ وقت آ گیا تھا جب اسے ان اسباق کے بل بوتے پہ حالات کا ڈٹ کر مقابلہ کرنا تھا۔ حیات احمد اور عافیہ بیگم سے اس نئی مصیبت کا ذکر کر کے وہ انہیں مزید پریشان نہیں کرنا چاہتی تھی۔ نہ ہی اسے اپنے تعلیمی سلسلے میں کسی قسم کی رکاوٹ قبول تھی۔ اپنے پاؤں پہ کھڑا ہونا اس کا واحد مقصد تھا جس میں ناکامی وہ کسی طور برداشت نہیں کر سکتی تھی۔

زرمین اور شاہ نواز یہ دونوں نام اس کے لیے قصہ پارینہ بن چکے تھے جنہیں وہ اپنی زندگی سے نہ صرف ہمیشہ کے لیے نکال چکی تھی۔ بلکہ ان پہ فاتحہ بھی پڑھ چکی تھی۔ پھر بھلا مردہ لوگوں سے کیا گھبرانا؟ بلکہ اسے تو انہیں اپنی کامیاب اور پرسکون زندگی کی جھلک دکھانی تھی۔ یہ جتانا تھا کہ وہ ان کے بنا بھی زندگی گزار سکتی ہے اور بہت اچھی گزار سکتی ہے۔ مگر اس کے لیے اسے سب سے پہلے اپنے رب اور اپنی قسمت سے نالاں ہونا چھوڑ کر منطقی انداز میں سوچنا ضروری تھا اور عقل کا یہی کہنا تھا کہ جب وہ تینوں ہی زندہ سلامت اس دنیا میں موجود ہیں تو پھر کبھی نہ کبھی کہیں نہ کہیں ان کا آپس میں ٹکرا جانا کچھ اتنا ناممکن بھی نہ تھا۔ اور اب چونکہ یہ ٹکراؤ ہو چکا تھا تو عقلمندی کا یہی تقاضا تھا کہ وہ ان پہ ان کی اوقات واضح کر دیتی۔ انہیں یہ حقیقت باور کروا دیتی کہ رائنہ حیات کے لیے ان کا ہونا یا نہ ہونا برابر ہے۔

☼ ☼ ☼

"بس یار! اور نہیں پیا جا رہا۔" شاہ نواز نے بمشکل تمام جوس کا آدھا گلاس ختم کرتے ہوئے کہا تو عالم نے ایک گہری سانس لیتے ہوئے گلاس سائیڈ ٹیبل پر رکھ دیا۔

"گھر سے فون تو نہیں آیا؟" سر پیچھے رکھے تکیے پر ٹکاتے ہوئے اس نے آہستگی سے عالم سے استفسار کیا۔

"فی الحال تو نہیں۔" وہ گہری نظروں سے اسے دیکھتے ہوئے بیڈ کے کنارے پر ٹک گیا۔

"تجھے مجھ پر کتنا اعتبار ہے نواز؟"

"کیا مطلب؟" وہ اس اچانک اور غیر متوقع سوال پہ چونک کر عالم کا چہرہ تکنے لگا جو آنکھوں میں سنجیدگی لیے اسے ہی دیکھ رہا تھا۔

"کیا میں تجھے اس قابل نہ لگا تھا کہ تو اپنی پریشانی مجھ سے شیئر کرتا یا پھر تیرے نزدیک ہماری دوستی ابھی اعتبار کی اس منزل پہ نہیں پہنچی جہاں ہم ایک دوسرے کے دکھ سکھ بانٹ سکیں؟"

چہرے پر دکھ کی گہری پرچھائیں لیے اس نے بوجھل سے لہجے میں پوچھا تو ساکت بیٹھا نواز بے اختیار اس کا ہاتھ تھام گیا۔

"تو نے یہ بات سوچی بھی کیسے عالم؟" حیرت اس کے چہرے سے ہی نہیں بلکہ اس کی آنکھوں سے بھی عیاں ہو رہی تھی، مگر وہ تیزی سے اس کا ہاتھ جھٹک گیا۔

"میں نے نہیں سوچی، تو نے مجھے سوچنے پر مجبور کیا ہے۔ اجنبیت کا یہ تلخ احساس تو نے میرے اندر انڈیلا ہے نواز! مجھے تجھ سے یہ امید نہیں تھی۔"

پیشانی پہ بل اور آنکھوں میں نمی لیے وہ اپنا سرخ پڑتا چہرہ دوسری جانب پھیر گیا تو تکیے کے سہارے نیم دراز نواز تیزی سے اٹھنے کی کوشش میں بے اختیار کراہ کر رہ گیا۔

"تجھے کون کہہ رہا ہے کہ اٹھ کر بیٹھ!" اپنا غصہ بھلائے عالم نے تیزی سے پلٹ کر اسے تھامتے ہوئے ڈپٹا تو وہ نڈھال سا تکیے پر سر گرا گیا۔

"تو جو مجھ سے ناراض ہو گیا ہے۔" وہ اس کے ہاتھ

پہ اپنا ہاتھ رکھتے ہوئے نقاہت سے بولا تو عالم بے اختیار ایک گہری سانس لے کر خاموش ہو گیا۔

"مجھ سے میری پریشانی کی وجہ نہیں پوچھے گا؟" اس کے تنے ہوئے نقوش پہ نگاہیں جمائے نواز نے محبت سے کہا۔

وجہ رائنہ ہے۔ آگے بتا۔" وہ اسے خفگی سے دیکھتے ہوئے بولا تو بے اختیار شاہ نواز کے لبوں پہ دھیمی سی مسکراہٹ آن ٹھہری۔ واقعی اچھا اور مخلص دوست اللہ پاک کی جانب سے دیے گئے تحفے کی مانند ہوا کرتا ہے اور وہ ان خوش نصیبوں میں سے ایک تھا جنہیں یہ نعمت عطا کی گئی تھی۔ لاشعوری طور پہ عالم کے ہاتھ پر اس کی گرفت مضبوط ہو گئی تھی۔

"صرف رائنہ نہیں بلکہ رائنہ سے ہونے والا ٹکراؤ ہے۔" وہ آہستگی سے بولا تو عالم اس انکشاف پہ حیرت زدہ سا رہ گیا۔

"کب؟ کہاں؟"

"کل یونیورسٹی میں۔ وہ شاید وہیں پڑھتی ہے۔"

اس نے پہلے سے بھی بڑا انکشاف کیا تو ساکت بیٹھا عالم گنگ سا ہو گیا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ مزید اس سے کیا پوچھے۔

"تجھے وہ پہلے کبھی نظر آئی؟" وہ چند لمحوں کے توقف کے بعد اپنی حیرت پہ قابو پانے کے قابل ہوا تھا۔

"نہیں۔" اور تب ہی نواز کے ذہن میں جھماکا سا ہوا تھا۔ جب دور لائبریری کی سیڑھیوں پہ اسے بہت سے چہروں کے درمیان، رائنہ کے چہرے کا گمان ہوا تھا اور وہ دیوانہ وار اس کی جانب دوڑ پڑا تھا۔

"شاید ہاں ایک بار دور سے اس کا گمان ہوا تو تھا۔"

"اور تو نے اسے اپنا الوژن سمجھا ہو گا۔" عالم نے اسے دیکھتے ہوئے کہا۔

"ہوں......" وہ دھیرے سے نظریں چرا گیا اور خاموشی ایک بار پھر ان کے درمیان آن ٹھہری۔

"پتا ہے عالم! میں نے اسے اس شام کے بعد کل دیکھا ہے۔ وہ اس شام بہت تکلیف میں تھی اور میں نے اس کے درد کو کم کرنے کے بجائے اسے اذیت کے نئے سمندر میں دھکیل دیا تھا اور جب اس کی وحشت زدہ بے یقین نظریں میری جانب اٹھی تھیں۔ تب مجھے بے اختیار اپنی دھڑکنوں میں ارتعاش برپا ہوتا محسوس ہوا تھا، اور کل، کل تو یار! یہ دل اس کی نفرت سہار ہی نہیں سکا۔"

غیر مرئی نقطے پہ نگاہیں جمائے وہ کرب آمیز لہجے میں بولا تو عالم مارے دکھ کے سختی سے لب بھینچ گیا۔

"ان گزرے سالوں میں اس کے حسن کی طرح اس کی نفرت بھی دو آتشہ ہو گئی ہے۔" وہ زخم خوردہ سا مسکرایا تو عالم کا ضبط جواب دے گیا۔

"خدا کے لیے نواز بس کر!" آنکھوں میں آنسو لیے اس نے بے اختیار اس کے ہاتھ پہ اپنا دوسرا ہاتھ رکھتے ہوئے ہلکا سا جھٹکا دیا۔ "تو یونیورسٹی چھوڑ دے۔ تو واپس چلا جا یار۔ پلیز واپس چلا جا۔"

"ابھی نہیں۔ ابھی تو میں نے اسے جی بھر کے دیکھا بھی نہیں یار! ابھی تو میں نے اس سے معافی بھی نہیں مانگی۔" نفی میں سر ہلاتے وہ حسرت زدہ سا بولا تو عالم بے اختیار چلا اٹھا۔

"تو مر جائے گا نواز!"

"اس سے دور چلا جاؤں گا تو مر جاؤں گا۔" خود اذیتی کی یہ کون سی منزل تھی، عالم سمجھنے سے قاصر تھا۔

"ٹھیک ہے۔ میں ابھی انکل کو فون کرتا ہوں کہ وہ تجھے یہاں سے آ کر لے جائیں۔" ایک جھٹکے سے ہاتھ چھڑاتا وہ فیصلہ کن انداز میں بولا تو شاہ نواز جیسے تڑپ کر سیدھا ہونے کی کوشش کرنے لگا۔

"اگر تو نے ایسا کیا عالم! تو میں ساری زندگی تیری شکل نہیں دیکھوں گا۔" اسے جیب سے موبائل نکالتا دیکھ کر وہ زور سے بولا تھا۔ مگر اگلے ہی لمحے تیز ہوتی دھڑکنوں نے اسے ہانپنے اور عالم کو اپنی جذباتی حرکت پر پچھتانے پہ مجبور کر دیا تھا۔

"اوکے، ریلیکس یار! میں کچھ نہیں کر رہا۔ تیرا جو جی میں آئے وہ کر۔" اس کے بازو کو تھامے وہ جھنجھلا کر بولا تو اپنی سانس بحال کرتا شاہ نواز دھیرے سے مسکرا دیا۔

www.Paksociety.com

www.Paksociety.com

"مجھے پتا تھا تُو ہر حال میں میرا ساتھ دے گا۔" اور عالم نے خفگی سے منہ پھیر لیا تھا۔

☼ ☼ ☼

"یار! ہمارے لیفٹ پہ دو ٹیبل چھوڑ کے، کھڑکی کے ساتھ والی کرسی پہ جو بندہ بیٹھا ہے۔ اسے ذرا ایک نظر دیکھنا۔"

شفق نے نگاہیں سامنے رکھے کافی کے کپ پہ جمائے ہوئے ان تینوں سے کہا تو رائنہ کا دل دھک سے رہ گیا۔ آخر کار کسی تیسرے کو بھی اس خاموش تعاقب کا احساس ہو ہی گیا تھا۔ بے اختیار نظریں چرائے اس نے اپنا کپ اٹھا کر لبوں سے لگا لیا تھا۔ جبکہ تانیہ اور سبین نے غیر محسوس انداز میں اب اپنے بائیں جانب دیکھا تھا۔

"وہ جو بک کھولے بیٹھا ہے۔" تانیہ نے تصدیق چاہی تھی۔

"ہاں وہی۔" شفق نے گھونٹ لیتے ہوئے جواب دیا تو رائنہ نے دھیرے سے گردن موڑتے ہوئے چور نظروں سے کھڑکی کی جانب دیکھا جہاں نواز ہاتھ میں کپ پکڑے نظریں کتاب پہ جمائے بیٹھا تھا۔ اگلے ہی پل لب بھینچتے اس نے رخ پھیر لیا تھا۔

"یار! بندہ تو جی بھر کے ہینڈسم ہے۔" سبین نے پُرشوق نگاہوں سے اس کا جائزہ لیتے ہوئے اپنا تجزیہ پیش کیا تو شفق دانت پیستے ہوئے بولی۔

"بہت گھور لیا اب منہ ادھر کرلو۔"

"خود ہی تو دیکھنے کے لیے کہا تھا۔" سبین منہ بناتے ہوئے سیدھی ہو بیٹھی۔

"ایک نظر کہا تھا۔" وہ اسے ڈپٹتے ہوئے بولی تو تانیہ مسکرا دی۔

"یار اس کا کوئی قصور نہیں، بندہ واقعی بے حد ہینڈسم ہے۔"

"اور یہ ہینڈسم پچھلے ایک ہفتے سے ہمیں فالو کر رہا ہے۔"

"کیا؟" شفق کے انکشاف پہ وہ دونوں ایک ساتھ بولیں تو وہ گڑبڑا کر اردگرد دیکھنے لگی۔

وہ چاروں اس وقت یونیورسٹی کیفے ٹیریا میں موجود تھیں۔ رائنہ بے اختیار لب کاٹ کر رہ گئی۔ اس ایک ہفتے میں وہ کرب کی کن منزلوں سے گزری تھی۔ یہ کوئی اس سے پوچھتا، جس کا ہر زخم نئے سرے سے لو دینے لگا تھا۔ مگر وہ خود پہ ضبط کے کڑے پہرے بٹھانے پر مجبور تھی۔ ہر چیز اپنے ہاتھوں برباد کرنے کے بعد اب یہ شخص کیا چاہتا تھا اس کی سمجھ سے باہر تھا۔

"خدا کے لیے آہستہ بولو جاہلو! وہ انہیں گھورتے ہوئے بولی تو وہ دونوں شرمندہ سی قدرے آگے کو جھک آئیں۔

"تمہیں کیسے پتا چلا؟" تانیہ نے اب کے آہستگی سے پوچھا۔

"بس یار ایسے ہی کچھ دن پیشتر محسوس ہوا تھا۔ جیسے یہ بندہ ہمارے اردگرد ہوتا ہے۔ گو کہ یہ ہر وقت ہمیں فالو نہیں کرتا۔ مگر نوٹ کرنا کہ دن میں ایک بار تو یہ ضرور ہی ہمارے آس پاس نظر آئے گا۔"

"لو! دن میں ایک بار تو ہمارے آس پاس کئی چہرے نظر آتے ہیں۔ تمہیں غلط فہمی ہوئی ہے۔" تانیہ سر جھٹکتے سیدھی ہو بیٹھی۔

"تم نے بھی ایسا محسوس کیا ہے رائنہ! جیسے یہ بندہ ہمیں فالو کرتا ہو؟" تانیہ نے خاموش بیٹھی رائنہ سے پوچھا۔

"میرے خیال میں ہمیں اس بات سے کوئی فرق نہیں پڑنا چاہیے کہ یہ شخص ہمیں فالو کرتا ہے یا نہیں۔" وہ بے زار سے لہجے میں گویا ہوئی تو سبین چمک کر بولی۔

"فرق کیسے نہیں پڑنا چاہیے۔ اتنا ہینڈسم بندہ اگر واقعی ہمیں فالو کر رہا ہے تو میں تو خوشی سے پاگل ہی ہو جاؤں گی۔" محض تصور ہی اس کی باچھیں کھلانے کے لیے کافی تھا۔

"تم اب بھی کوئی خاص صحیح الدماغ نہیں۔" شفق نے مسکراتے ہوئے شرارت سے کہا۔ "اور ویسے بھی تمہیں کیا کنفرمیشن ہوگی کہ وہ تمہارے پیچھے خوار ہو رہا

www.Paksociety.com

ہو گا۔ ہو سکتا ہے وہ میرے حسن جہاں سوز پہ دل ہار بیٹھا ہو۔" اس نے ایک ادا سے آنکھیں پٹپٹائیں تو سبین جل کر رہ گئی۔

"ہونہہ! یہ منہ اور مسور کی دال۔ تم رائنہ کا نام لو تو کوئی تک بھی بنے۔"

"ہاں ویسے بھی کہانیوں میں ہیرو ہمیشہ اسی لڑکی کی طرف متوجہ ہوتا ہے جو اسے لفٹ نہیں کرواتی۔" تانیہ نے رائنہ کی جانب دیکھتے ہوئے شرارت سے کہا تو وہ زہرخند سی مسکرا دی۔

"تمہیں کس نے کہا کہ یہ ہیرو ہے۔ ہو سکتا ہے یہ ولن ہو۔ وہ کہتے ہیں نا!

Dont judge things by their appearence (چیزوں کا ظاہر دیکھ کر فیصلہ نہ کرو)"

"چلو ہیرو ہے یا ولن، نظر تو بہرحال اب اس پہ رکھنی پڑے گی۔" تانیہ نے پُرسوچ انداز میں کہتے ہوئے ایک بار پھر چہرہ موڑ کر شاہ نواز کی جانب دیکھا تو رائنہ بے اختیار اک گہری سانس لے کر رہ گئی۔

☼ ☼ ☼

"سر! آپ کے لیے کسی یاور صاحب کی کال ہے۔" انٹرکام کی بیل پہ حیات احمد نے ریسیور اٹھا کر کان سے لگایا تو دوسری جانب سے ان کی سیکریٹری نے انہیں شائستگی سے مطلع کیا۔

"یاور؟ یہ کون ہے؟" ایک لحظے کو فائل پر سے نظریں اٹھاتے ہوئے انہوں نے ذہن پر زور دیا۔

"کس سلسلے میں بات کرنا چاہتے ہیں؟" کوشش کے باوجود کوئی چہرہ ان کے ذہن کی اسکرین پہ نمودار نہ ہو سکا تھا۔

"سر! وہ کہہ رہے ہیں، کوئی پرسنل میٹر ہے۔" نازش یقیناً پہلے ہی یہ سوال پوچھ چکی تھی جب ہی بنا کسی توقف کے بولی تھی۔ جبکہ حیات احمد کے چہرے پر الجھاؤ در آیا تھا۔

"اچھا آپ ملائیں۔" انٹرکام بند کرتے ہوئے وہ ہاتھ میں پکڑا قلم فائل پہ رکھ کر کرسی کی پشت سے ٹیک لگائے سیدھے ہو بیٹھے۔

چند سیکنڈ بعد فون کی بیل بجی تو انہوں نے آگے بڑھ کر ریسیور اٹھا لیا۔

"ہیلو!" بھاری مردانہ آواز ان کی سماعتوں سے ٹکرائی تو وہ اسے پہچاننے کی کوشش کرتے ہوئے شائستگی سے بولے۔

"معاف کیجیے گا میں نے آپ کو پہچانا نہیں۔"

"کمال ہے آپ نے مجھے نہیں پہچانا... پاپا!"

نہایت تمسخرانہ انداز میں کہا گیا تو حیات احمد کا پورا جسم سن سا ہو گیا۔ جبکہ دوسری جانب ان کی خاموشی کو محسوس کرتے ہوئے حظ اٹھایا گیا تھا۔

"آپ سے مجھے بے مروتی کی امید تو تھی۔ لیکن اس درجہ؟" وہ دھیرے سے ہنسا تو حیات احمد بے اختیار لب بھینچ کر رہ گئے۔ "خیر، میں یاور ملک بات کر رہا ہوں۔ آپ کا..."

"تمہاری جرأت کیسے ہوئی یہاں فون کرنے کی؟" آگے سننے کا ان میں حوصلہ نہ تھا۔ جب ہی بے اختیار دہاڑ اٹھے تھے۔

"اب لگ رہا ہے کہ آپ نے مجھے پہچان لیا۔" دوسری طرف سے وہ مسکراتے ہوئے لہجے میں بولا تھا۔

"اور جرأت کی بھی آپ نے خوب کہی۔ میں کتنا جری اور نڈر ہوں، یہ بھلا آپ سے بہتر اور کون جان سکتا ہے۔" وہ جس بات کا حوالہ دے رہا تھا۔ اسے محض سوچ کر ہی خون حیات احمد کی کنپٹیوں میں ٹھوکریں مارنے لگا تھا۔

"میرا مطلب ہے آپ کو ٹریس کرنا کوئی آسان کام تھوڑی تھا۔ یہ تو مجھ جیسا کوئی بہادر ہی کر سکتا تھا۔"

انہیں جتانے کے بعد وہ آخر میں خباثت سے بات بدل گیا تو حیات صاحب مٹھیاں بھینچ کر رہ گئے۔

"بکواس بند کرو اور کام کی بات کرو۔ کیوں فون کیا ہے یہاں؟"

"یہ بہتر سوال ہے اور کام کی بات یہ ہے کہ مجھے

آپ کی پراپرٹی میں سے اپنی بیوی کا شیئر چاہیے۔"

وہ بنا کسی ٹال مٹول کے دو ٹوک الفاظ میں بولا تو حیات احمد کے لبوں پہ بے اختیار اک طنزیہ مسکراہٹ آن ٹھہری۔

"اوہ! تو یہ بات ہے۔ بھئی مان گئے تم واقعی بہت بہادر ہو۔ اتنا عرصہ صبر کیا اوقات پہ آنے کے لیے۔ ورنہ میں تو شادی کے کچھ ہی دنوں بعد تمہاری طرف سے اس مطالبے کا منتظر تھا۔ خیر تمہاری اطلاع کے لیے عرض ہے کہ تمہاری بیوی کو میں اپنی تمام تر جائیداد سے عاق کر چکا ہوں۔ اس لیے دوبارہ مجھے ڈسٹرب کرنے کی غلطی مت کرنا۔"

پُرسکون انداز میں اپنی بات مکمل کرتے ہوئے وہ ریسیور رکھنے کو تھے جب اس کا دھمکی آمیز لہجہ انہیں ساکت کر گیا۔

"اور فون رکھنے کی غلطی آپ مت کیجیے گا۔ آپ ورثہ کو اپنی جائیداد سے عاق کر چکے ہیں یا نہیں۔ وہ میرا درد سر نہیں ہے مجھے پراپرٹی میں سے اس کا حصہ چاہیے اور بس! ورنہ گھی مجھے ٹیڑھی انگلیوں سے بھی نکالنا آتا ہے۔"

"تم مجھے دھمکی دے رہے ہو؟" ان کا چہرہ مارے غیظ و غضب کے سرخ پڑ گیا تھا۔

"فی الحال تو سمجھا رہا ہوں۔ ویسے بھی جن کی جوان بیٹیاں ان کے گھروں میں ہوں۔ انہیں اس درجہ اکڑ اور طنطنہ زیب نہیں دیتا۔"

وہ استہزائیہ انداز میں بولا تو حیات احمد کا دل تیزی سے ڈوب گیا۔ "اور مجھے یقین ہے کہ مجھے دوبارہ آپ کو سمجھانے کی ضرورت پیش نہیں آئے گی۔۔۔ پاپا!"

اس نے ایک بار پھر ان کی حالت سے لطف اٹھایا تھا اور حیات صاحب بے بسی سے اپنے لب کاٹ کر رہ گئے تھے۔ کیونکہ وہ اس کی کمینگی اور ذلالت دونوں سے بخوبی واقف تھے۔

☼ ☼ ☼

رات کا نجانے کون سا پہر تھا جب دھاڑ کی آواز سے دروازہ کھول کے کوئی اس کے کمرے میں داخل ہوا تھا اور گہری نیند سوئی رائنہ ایک جھٹکے سے اٹھ بیٹھی تھی۔

"کو، کون؟" اچانک بیداری کے باعث اس کا دل بری طرح دھڑک گیا۔

"رائنہ! جلدی اٹھو۔ تمہارے پاپا کی طبیعت ٹھیک نہیں۔"

عافیہ نے روہانسے لہجے میں کہتے ہوئے کمرے کی لائٹ جلائی تھی اور وہ ایک جھٹکے سے کمبل خود پہ سے ہٹاتی ان کے کمرے کی جانب بھاگی تھی جہاں حیات احمد کاؤچ پہ درد سے نڈھال نیم بے ہوشی کی حالت میں پڑے تھے۔

اگلے ہی لمحے وہ پلٹ کر تیزی سے باہر بھاگی تھی۔ چوکیدار کو با آواز بلند پکارتے ہوئے وہ دیوانہ وار ایک بار پھر اندر کی طرف دوڑی تھی۔

چوکیدار کی مدد سے حیات صاحب کو گاڑی میں ڈالنے کے بعد وہ عافیہ بیگم کو ساتھ لیے ہسپتال چلی آئی تھی جہاں ڈاکٹرز نے انہیں فوراً" سے پیشتر آئی سی یو میں داخل کر لیا تھا۔ ان کا بی پی بے حد شوٹ کر گیا تھا۔ جس کے باعث صورت حال خاصی پریشان کن تھی۔

باہر ان دونوں ماں بیٹی کے آنسو تھمنے کا نام نہیں لے رہے تھے گو کہ عافیہ کی ایک کال پہ ان کے دیور راشد اپنی بیوی ساجدہ کے ہمراہ دوڑے چلے آئے تھے۔ مگر ان دونوں کو یوں لگ رہا تھا جیسے وہ بھری دنیا میں تنہا رہ گئی ہوں، زندگی نے انہیں بہت بار اور بہت برا آزمایا تھا۔ مگر اب کی بار وہ انہیں جس دکھ سے دوچار کرنا چاہتی تھی، وہ اسے کسی طور قبول نہ تھا۔

اس کا ناتواں وجود کم از کم اس غم کا بوجھ نہیں سہار سکتا تھا۔ تب ہی اپنے رب کے حضور بے اختیار زمین پہ جھکتا چلا گیا تھا۔

سجدے میں سر گرائے وہ اپنے اللہ سے رو رو کے اپنے باپ کی زندگی مانگتی رہی تھی اور شاید یہ اس کی دعاؤں کا ہی اثر تھا جو محض چند گھنٹوں بعد ڈاکٹروں نے انہیں بہتری کی نوید سنائی تھی اور وہ کتنی ہی دیر اپنی ماں کے سینے سے لگی تشکر کے آنسو بہاتی چلی گئی تھی۔

☼ ☼ ☼

رائنہ کی غیر حاضری کو آج تیسرا دن تھا اور شاہ نواز کے لیے اپنے وسوسوں سے پیچھا چھڑانا ناممکن ہو چلا تھا۔ اس کے یونیورسٹی چھوڑ دینے کا دھڑکا اس کی راتوں کی نیند اڑا لے گیا تھا۔ بے چینی حد سے سوا ہونے لگی تو وہ تمام تر مصلحتیں بھلائے اس کی فرینڈز کے پاس چلا آیا تھا۔ جو اس کے یوں سامنے آ کھڑے ہونے پہ پہلے اسے اور پھر ایک دوسرے کو حیرت سے تکنے لگی تھیں۔

"جی؟" بالآخر تانیہ ہی تھی جو خود پہ قابو پانے کے قابل ہوئی تھی۔

"میرا نام شاہ نواز زمان ہے۔ میں ایم فل کا اسٹوڈنٹ ہوں۔" وہ اپنی عادت کے مطابق انتہائی شائستگی سے گویا ہوا تھا۔

"مجھے ایکچوئلی آپ کی فرینڈ رائنہ حیات کے بارے میں پوچھنا تھا کہ وہ کیوں نہیں آ رہیں۔ بٹ اونلی اف یو ڈونٹ مائنڈ۔" اس کے چہرے پر نگاہیں جمائے وہ اعتماد سے بولا تو اس درجہ اعتماد پہ وہ تینوں ایک پل کے لیے عش عش کر اٹھیں۔

"لیکن اگر میں کہوں کہ یس وی ڈو مائنڈ، کیونکہ ہم آپ کو نہیں جانتے تو۔۔۔؟" گلا کھنکھارتے ہوئے تانیہ نے بھی رسان سے جواب دیا تو وہ دھیمے سے مسکرا دیا اور مقابل بیٹھی سبین کا دل ڈول کر رہ گیا۔

"تو میں کہوں گا احتیاط اچھی چیز ہے۔۔۔ ایسا ہے مس کہ ہم دونوں ایک دوسرے کو جانتے ہیں کیونکہ ہم آپس میں رشتہ دار ہیں۔"

نواز ذہن میں ترتیب دیے ہوئے الفاظ کو دہراتے ہوئے بولا۔ "حیات انکل اور عافیہ آنٹی سمیت میں ان کی پوری فیملی سے بخوبی واقف ہوں اور وہ سب بھی مجھے اچھی طرح جانتے ہیں۔ لیکن چونکہ کچھ فیملی پرابلمز کی وجہ سے ہمارے خاندان ایک دوسرے سے نہیں ملتے۔ اس لیے آپ کے توسط سے پوچھنا چاہ رہا تھا کہ ان کے گھر میں سب خیر تو ہے؟"

وہ بنا کسی جھجک کے مضبوط لہجے میں گویا ہوا تھا اور ان تینوں کے منہ یہ ساری تفصیل سن کے، کھلے کے کھلے رہ گئے تھے۔ اس دن جب وہ تینوں اس شخص کے متعلق قیاس آرائی کر رہی تھیں تب رائنہ نے تو ایسا کوئی حوالہ نہیں دیا تھا۔ "لیکن پھر کوئی اتنی دیدہ دلیری سے اتنا بڑا جھوٹ کیوں بولے گا۔ وہ بھی انکل، آنٹی کا نام لے کر؟" سوچ کی پرچھائیاں تانیہ کے چہرے پر پھیلنے لگیں تو منتظر کھڑا نواز گہری سانس لیتے ہوئے بولا۔

"میرے خیال میں آپ کو میری بات کا یقین نہیں آ رہا۔"

"نہیں ایسی بات نہیں۔" وہ خود کو سنبھالتے ہوئے بولی۔

شفق کا دل چاہ رہا تھا کہ وہ اس سے پوچھے کہ جب آپ کا خاندان رائنہ کی فیملی سے قطع تعلق کر چکا ہے تو پھر آپ کس خوشی میں اس کا پیچھا لیے ہوئے ہیں اور اس کی غیر حاضری پہ پریشان ہوتے پھر رہے ہیں؟ لیکن ایک تو رائنہ اور اس کی دوستی محض چند ماہ پہ مشتمل تھی اور دوسرے مقابل نے ان سے فقط حال احوال دریافت کیا تھا۔ کوئی غلط یا رائنہ کے متعلق ذاتی بات نہ پوچھی تھی۔ اس لیے اس کے نزدیک سرسری سا جواب دینے میں کوئی مضائقہ نہ تھا۔

"ایکچوئلی رائنہ کے فادر پچھلے دو دن سے ہسپتال میں داخل ہیں۔ اس لیے وہ نہیں آ رہی۔" تانیہ کو تذبذب میں گھرا دیکھ کر وہ نرمی سے بولی تو شاہ نواز کے ساتھ ساتھ تانیہ کی نظریں بھی اس کی جانب اٹھ گئیں۔

"لیکن انکل کو کیا ہوا؟" بے اختیار اس کے لہجے اور چہرے پہ تفکر در آیا۔

"ہارٹ پرابلم۔" اس نے قصداً" اختصار سے کام لیا۔

"وہ کس ہسپتال میں ہیں؟" شاہ نواز نے پریشانی سے پوچھا تو ایک لحظے کو شفق خاموش ہو گئی۔

www.paksociety.com

"دیکھیں پلیز! اگر آپ رائنہ کی ناراضی کا سوچ کر پریشان ہو رہی ہیں تو میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ میں آپ کے لیے یا ان کے لیے کوئی پرابلم کھڑی کرنے کی نیت سے یہ سب نہیں پوچھ رہا۔ میں صرف ہاسپٹل جا کے ان کی عیادت کرنے کا خواہش مند ہوں اور بس۔"

وہ ملتجیانہ انداز میں گویا ہوا تو سامنے بیٹھی شفق شش و پنج میں پڑ گئی۔ نجانے ان لوگوں کا کیا مسئلہ تھا۔ لیکن ایک بات تو طے تھی کہ یہ شخص رائنہ کے لیے اپنے دل میں نرم گوشہ ضرور رکھتا تھا۔

"اسلام آباد ہسپتال۔" وہ دھیرے سے بولی تو بے اختیار شاہ نواز کے چہرے پر تشکر کا احساس چھلک آیا۔ جبکہ سبین اور تانیہ کی نظریں ایک دوسرے سے آن ٹکرائیں۔

"تھینک یو۔ تھینک یو سو مچ۔ بلیو می آپ کو، آپ کی فرینڈ کی نظر میں کبھی شرمندہ نہیں کرواؤں گا۔"

"تھینک یو۔" اس کی یقین دہانی شفق کو یک لخت ہلکا پھلکا سا کر گئی۔ بے اختیار اس کے لبوں پہ دھیمی سی مسکراہٹ آن ٹھہری۔ وہ پلٹ کر سیڑھیاں اترتا چلا گیا تو پریشان سی تانیہ، شفق کو متفکر نگاہوں سے دیکھتے ہوئے بولی۔

"تم نے اسے ہسپتال کا نام کیوں بتایا؟"

"کیونکہ یہ اتنی بڑی بات نہیں ہے۔" اس نے رسان سے جواب دیا۔

"اور اگر کوئی مسئلہ اٹھ کھڑا ہوا تو.....؟" سبین کی وہمی طبیعت اسے مطمئن نہ ہونے دے رہی تھی۔

"تب کی تب دیکھی جائے گی۔ لیکن فی الحال ایک مسئلہ تو حل ہوا۔" شفق نے سنجیدگی سے کہا تو سبین بے اختیار پوچھ بیٹھی۔

"کون سا؟"

"یہی کہ محترم نہ تو تمہارے پیچھے خوار ہو رہے تھے اور نہ ہی میرے حسن جہاں سوز کا شکار ہوئے تھے۔" بظاہر منہ لٹکائے وہ شرارت سے بولی تو وہ دونوں بھی ہنس پڑیں۔

☆ ☆ ☆

"ایکسکیوزمی!"

"جی!" ریسپشن پہ موجود لڑکی نے کمپیوٹر اسکرین پر سے نگاہیں ہٹاتے ہوئے عالم کی جانب دیکھا۔

"حیات احمد صاحب کس روم میں ہیں؟"

"روم نمبر فور لابی کراس کر کے سیدھے ہاتھ پہ چوتھا کمرہ۔" کمپیوٹر پہ چیک کرنے کے بعد اس نے راستہ سمجھایا تو عالم شکریہ ادا کرتا سامنے بنی طویل راہداری کی جانب بڑھ گیا۔ وہ یہاں نواز کے شدید اصرار پہ حیات احمد کی عیادت کے لیے آیا تھا۔ جن سے تعارف کا مرحلہ خاصا دشوار تھا۔

طے یہ پایا تھا کہ اگر تو وہ سو رہے ہوئے تو وہ خود کو ان کے دوست کا بیٹا بتائے گا۔ اگر جاگ رہے ہوئے اور کوئی خاتون ان کے پاس ہوئی تو وہ خود کو راشد صاحب کے دوست کا بیٹا بتائے گا اور اگر کوئی صاحب ان کے پاس ہوئے تو وہ خود کو رائنہ کے کلاس فیلو کی حیثیت سے متعارف کروائے گا اور اگر سب ہی ہوئے تو پھر اللہ مالک تھا۔ صورت حال تو ہر طرح سے ویسے بھی خاصی خطرناک تھی کہ وہ ان میں سے کسی کو بھی نہیں جانتا تھا۔ مگر واہ ری دوستی کہ وہ ایک نواز کی ضد کی خاطر پھول اٹھائے اس آکورڈ سچویشن میں پھنسنے کو آ پہنچا تھا۔

راہداری کے آخری سرے پر پہنچ کر اس نے ایک لحظے کو خود کو کمپوز کرتے ہوئے دائیں جانب دیکھا تھا اور گویا منجمد ہو گیا تھا۔ اس سے کافی فاصلے پر یاور ملک، ایک عورت اور ایک مرد سے بات کر رہا تھا۔ "یاور ملک اور یہاں.....؟" پریشانی سے سوچتے ہوئے وہ سرعت سے رخ موڑتا بائیں جانب قدم بڑھا گیا تھا۔

جب اسے یقین ہو گیا کہ وہ جا چکا ہو گا۔ اس نے ایک بار پھر پیچھے دیکھا تھا اور اسے وہاں نہ پا کر اک اطمینان بھری سانس لیتا پلٹ کر رخ موڑ گیا تھا۔ بے اختیار اس کی نظریں سامنے کی جانب اٹھی

تھیں۔ جہاں دور وہ خاتون اب راہداری میں رکھی کرسی پر بیٹھ گئی تھیں اور وہ مرد ان کے قریب کھڑا کچھ بول رہا تھا۔ یا شاید انہیں تسلی دے رہا تھا۔ کیونکہ عالم کو تو وہ روتی ہوئی محسوس ہوئی تھیں۔ مگر چونکہ اتنی دور سے کوئی حتمی بات کرنا ممکن نہ تھا۔ اس لیے چند لمحے کچھ سوچنے کے بعد وہ قدم اٹھاتا ان کی جانب چلا آیا تھا۔ اور نزدیک آنے پہ اس کے وہم کی تصدیق ہو گئی تھی۔

"پلیز بھابھی! آپ پریشان مت ہوں۔ وہ کچھ نہیں کر سکتا۔" اس مرد نے دھیمے لہجے میں اس روتی ہوئی خاتون کو تسلی دی تھی اور عالم بے اختیار چونک گیا تھا۔

وہ آدمی یقیناً" رائنہ کے چچا اور وہ خاتون رائنہ کی والدہ تھیں اور موضوع گفتگو یقینی طور پر یاور ملک تھا۔ جس کی موجودگی پہلی نظر میں ہی اسے ٹھٹکنے پر مجبور کر گئی تھی۔ معاملے کی تہہ تک پہنچنے کے لیے اس نے آن واحد میں اپنا ارادہ بدل لیا تھا۔

اگلے ہی لمحے وہ انجان بنا ان دونوں کے پاس سے گزرتے ہوئے قدرے فاصلے پر رکھی کرسیوں میں سے ایک پہ جا بیٹھا تھا۔ یوں جیسے کسی کا منتظر ہو۔

"نہیں راشد! وہ سب کچھ کر سکتا ہے۔ سب کچھ۔" اس کی موجودگی کے باعث وہ اپنی آواز دبا کے بولی تھیں۔ مگر چونکہ راہداری میں مکمل سناٹا تھا اس لیے عالم تک ان کی آواز اور اس میں پنہاں خوف دونوں باآسانی پہنچ گئے تھے۔

"اور مجھ میں مزید نقصان اٹھانے کا حوصلہ نہیں۔" آنسو ایک بار پھر ان کی آنکھوں سے بہہ نکلے تھے۔ "میں تو شکر کرتی ہوں کہ حیات سو رہے تھے اور رائنہ گھر پہ تھی ورنہ نجانے کیا ہو جاتا۔ تم پلیز کل ہی وکیل کو بلواؤ۔ میں اس عذاب کو مزید برداشت نہیں کر سکتی۔ آج اس شخص کو سامنے پا کے مجھ پہ کیا گزری ہے ہم سوچ بھی نہیں سکتے۔"

"میں آپ کی کیفیت سمجھ سکتا ہوں۔ لیکن ذرا حوصلے سے کام لیں۔ بھائی جان کی طبیعت ٹھیک ہو جائے تو وہ خود اس معاملے کو دیکھ لیں گے۔" رسان سے کہتے ہوئے انہوں نے ایک نظر عالم پہ ڈالی تھی جو جیب میں سے موبائل نکال کر خود کو مصروف اور بے نیاز ظاہر کرنے کی ایکٹنگ کر رہا تھا۔

"مجھے معلوم ہے کہ ان کا فیصلہ مجھ سے الگ نہ ہو گا۔ کل جب میرے بے حد اصرار پر انہوں نے مجھے اپنی پریشانی کی اصل وجہ بتائی تھی تو آن واحد میں، میں نے انہیں اپنا فیصلہ سنا دیا تھا۔ ہماری رائنہ ہماری کل کائنات ہے۔ اس کی جان، اس کی عزت سے بڑھ کر ہمارے لیے کچھ بھی نہیں۔" اپنے آنسو دوپٹے سے پونچھتے ہوئے انہوں نے واضح اور مضبوط لہجے میں کہا۔

رائنہ کے ذکر پہ عالم کا پورا جسم کان بن گیا۔ یقیناً" معاملہ خاصا گمبھیر تھا اور حیات احمد کی اچانک طبیعت خرابی کا باعث بھی۔

"لیکن بھابھی! یہ تو اس کے حوصلے بلند کرنے والی بات ہوئی ناکہ اس کا جب جی چاہے وہ ہمیں بلیک میل کرے اور اپنی منوا لے۔" ان کی بات پہ راشد صاحب بے اختیار جھنجھلا کر بولے تھے۔

"تم ٹھیک کہہ رہے ہو لیکن میں کسی طور کوئی خطرہ مول نہیں لے سکتی۔ چاہے بے شک ہمیں آدھی کے بجائے پوری جائیداد کیوں نہ اس کمینے کے حوالے کرنی پڑے۔ میں اپنی بچی پہ سے ہر چیز قربان کرنے کو تیار ہوں۔"

وہ قطعیت سے بولی تھیں اور عالم کی سمجھ میں بہت کچھ آ گیا تھا۔ یاور ملک کا اچانک ایبٹ آباد سے اٹھ کر اسلام آباد آ جانا اور یہاں آ کے طویل قیام کرنا، ہر چیز جیسے واضح ہو چلی تھی۔

"چلیں جیسے آپ مناسب سمجھیں، لیکن میں آپ کو ایک بات بتا دوں۔ یہ معاملے کا کوئی ٹھوس حل نہیں۔" راشد صاحب پیشانی پہ بل لیے گویا ہوئے تھے۔

"تو پھر تم ہی بتاؤ، ہم کیا کریں؟"

بے بسی کا احساس ان کے چہرے سے ہی نہیں بلکہ ان کے لہجے سے بھی عیاں ہو رہا تھا اور عالم کا دل چاہ رہا

www.Paksociety.com

تھا کہ وہ یاور جیسے ذلیل اور بزدل انسان کا منہ توڑ کر رکھ دے جو شرفاء کی عزتوں کو ان کی کمزوری بنا کے اپنی من مانیاں کرنے کا عادی تھا۔

"آپ زرمین کو جائیداد میں سے اس کا حصہ دیں یا نہ دیں۔ لیکن رائنہ کی شادی میں مزید تاخیر مت کریں۔" رسان سے کہتے ہوئے وہ ان کے برابر آبیٹھے تو عالم قصداً" کلائی پہ بندھی گھڑی پر نگاہ ڈالتا اٹھ کر راہداری میں ٹہلنے لگا۔

"رائنہ کی شادی......" عانیہ بیگم کے متفکر چہرے پر سے اک سایا سا گزر گیا، جسے عالم محسوس کیے بنا نہ رہ سکا۔ "لیکن وہ تو اس کے لیے کبھی تیار نہ ہوگی۔"

"اسے تیار ہونا پڑے گا بھابھی! بلکہ جب آپ اسے بھائی جان کی طبیعت خرابی کی اصل وجہ سے آگاہ کریں گی تو وہ خود ہی مان جائے گی۔ ایک بار اس کا مستقبل محفوظ ہو جائے پھر اس یاور ملک کو میں نے ناکوں چنے نہ چبوا دیے تو کہنا۔"

"لیکن راشد! اگر وہ مان بھی جائے تو بھی میں ایسا بندہ کہاں سے لاؤں جو میری معصوم بچی کی پاک دامنی، اس کی ذات پہ کوئی بھی سوال اٹھائے بنا اسے قبول کرنے کو تیار ہو۔ میں ایسا عالی ظرف کہاں سے ڈھونڈوں جو اس بے خطا کو کسی ناکردہ گناہ کی سزا نہ دے۔"

بات کرتے کرتے وہ دونوں ہاتھوں میں چہرہ چھپائے پھوٹ پھوٹ کر رو پڑیں تو عالم کا دل دکھ سے بھر گیا۔ زندگی واقعی کچھ لوگوں کے لیے بہت تلخ، بہت سخت رویہ اپنا لیتی ہے۔

بے اختیار ایک بوجھل سانس فضا کے سپرد کرتے ہوئے اس نے گہری نظروں سے اس روتی ہوئی بے بس ماں کی جانب دیکھا تھا اور اگلے ہی لمحے بھاری قدموں سے باہر کی طرف بڑھ گیا تھا۔

☼ ☼ ☼

"کیا بنا، سب ٹھیک تو ہے؟" عالم ہاسپٹل سے سیدھا شاہ نواز کے فلیٹ پر آیا تھا۔

رائنہ کے ذکر پہ اس کا پورا جسم کان بن گیا۔ یقیناً" معاملہ خاصا گمبھیر تھا اور حیات احمد کی اچانک طبیعت خرابی کا باعث بھی۔

"پتا نہیں، میں ان سے نہیں ملا۔" بوجھل لہجے میں کہتا وہ کاؤچ پر بیٹھ گیا۔

"تو پھر تو اتنی دیر سے کہاں تھا؟" اس کا انتظار یکایک غصے میں بدل گیا۔

"ہسپتال میں۔" وہ آہستگی سے بولا تو نواز کے چہرے پر الجھن کے آثار در آئے۔

"تو پھر تو ان سے ملا کیوں نہیں؟" تعجب سے استفسار کرتا وہ اس کے برابر آبیٹھا۔ تو عالم اک گہری سانس لیتا اس کی جانب دیکھنے لگا۔

"کیونکہ وہاں یاور ملک آیا ہوا تھا۔"

"یاور ملک!" وہ دھیرے سے بڑبڑایا۔ "تو بالآخر حیات انکل نے اسے قبول کر ہی لیا۔" سب کی زندگیاں سیٹ ہو گئی تھیں۔ بس ایک اسے ان سب نے مل کر تباہ کرنا تھا، سو کر لیا۔

"ہاں۔ اس نے تو وہاں ہونا ہی تھا۔ داماد جو ہوا۔" وہ تلخی سے مسکرا دیا۔

"داماد نہیں، بلیک میلر!" عالم نے دھیمے لہجے میں اس کی تصحیح کی تو وہ بے اختیار چونک کر اس کا چہرہ تکنے لگا۔

"کیا مطلب؟"

"مطلب یہ کہ انکل کی طبیعت خرابی کی وجہ یاور ملک ہے۔ جس نے نہ صرف جائیداد میں سے زرمین کا حصہ مانگا ہے بلکہ انکار کی صورت میں رائنہ کو نقصان پہنچانے کی دھمکی بھی دی ہے۔" عالم نے ساری حقیقت اس کے گوش گزار کی تو وہ حیرت زدہ سا اسے دیکھتے ہوئے بولا۔

"لیکن تجھے یہ سب کیسے پتا چلا؟" اور جواباً" عالم نے اسے پوری تفصیل کہہ سنائی۔

"میں صرف میں ذمے دار ہوں اس کی بربادی کا!" دونوں ہاتھوں میں سر گرائے وہ بھرائے ہوئے لہجے میں بڑبڑایا تو عالم کا ہاتھ بے اختیار اس کے شانے پر آن ٹھہرا۔

"ایسا مت کہہ یار! یہ سب شاید یونہی ہونا طے تھا۔"

"نہیں عالم! یہ سب یونہی ہونا طے نہیں، بلکہ طے کیا گیا تھا۔ اللہ نے ہمیشہ دو میں سے ایک راستے کا انتخاب اپنے بندوں پر چھوڑا ہے۔ پھر میں بھلا سارا الزام مقدر پہ ڈال کر خود کو کیسے بری الذمہ قرار دے سکتا ہوں۔" برستی آنکھوں کے ساتھ وہ پچھتاووں سے چور لہجے میں بولا تو عالم اک بوجھل سانس کھینچ کر رہ گیا۔

"خدا گواہ ہے کہ رائنہ کا اس سارے قصے میں کوئی قصور نہیں، مگر پھر بھی اگر اس کی ذات پہ انگلیاں اٹھائی جاتی ہیں تو بتا اس کا ذمے دار کون ہے؟ کون ہے جس کی بدولت آج اس کی ذات بند گلی میں آکھڑی ہوئی ہے یوں کہ خوشیوں کا کوئی روزن، کوئی دریچہ اس کے لیے وا ہونے کو تیار نہیں۔"

نواز نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے سوال اٹھایا تو عالم بے اختیار نظریں چرا گیا۔

"چپ کیوں ہے؟ بولتا کیوں نہیں کہ یہ میں ہوں جو اسے پوری دنیا کے سامنے ذلیل و رسوا کر گیا۔ اس کی محبت کو بے اعتبار کر کے بیچ چوراہے اس کی عزت......" ایک جھٹکے سے اٹھ کر اونچی آواز میں چلاتے ہوئے وہ یک لخت اپنا سینہ مسلنے لگا تو عالم نے تیزی سے اٹھ کر اسے تھام لیا۔

"خدا کا واسطہ ہے نواز! خود کو سنبھال!" زبردستی اسے کاؤچ پہ بٹھاتے ہوئے وہ خود بھی اس کے شانے پر بازو پھیلائے اس کے برابر بیٹھ گیا۔

"نہیں عالم! میں اب تب تک نہیں سنبھل سکتا جب تک اس کے لیے کچھ کر نہ لوں۔" نفی میں سر ہلاتے وہ ہانپتے ہوئے بولا۔

"تو کیا کر سکتا ہے یار؟" اس نے دکھ سے نواز کی جانب دیکھا۔

"کم از کم اپنے گناہ کا کفارہ ادا کرنے کی ایک کوشش تو کر ہی سکتا ہوں۔" اس نے اپنا سر کاؤچ کی بیک سے ٹکا دیا۔

"تو شاید ٹھیک کہہ رہا ہے۔ تجھے ایک کوشش تو ضرور کرنی چاہیے۔ کیا پتا وہ سب تجھے معاف کر کے قبول کر لیں۔" عالم کے دل میں یکایک امید کی نئی کرن جاگ اٹھی۔ "پھر ہم اس سلسلے میں کسی......"

"میں اس کے قابل کہاں یار۔" وہ اس کی بات کاٹتے ہوئے تلخی سے مسکرایا۔ "یہ باب اب کبھی نہیں کھل سکتا۔ ویسے بھی اس کے لیے تو کوئی بہت اچھا، بہت پیارا سا ساتھی ہونا چاہیے۔ جو اس کے سارے دکھ......"

بات کرتے کرتے اس کی نگاہ عالم پہ آٹھہری تو وہ ایک لحظے کو خاموش ہو گیا۔

"کیا ہوا؟" عالم نے بے اختیار اس کے شانے پر دباؤ ڈالا۔

"عالم! تو جانتا ہے ناں کہ میں دن رات اذیت کی کس بھٹی میں سلگ رہا ہوں؟" اس کے ہاتھ پہ اپنا ہاتھ رکھتے ہوئے وہ اچانک سیدھا ہو بیٹھا تو عالم اس غیر متوقع سوال پہ اسے حیرت سے تکنے لگا۔

"ہاں۔"

"تو مجھے اس دوزخ سے نکالنے کے لیے کس حد تک جا سکتا ہے یار؟" وہ اسے امید سے دیکھتے ہوئے گویا ہوا تو عالم بنا کسی پس و پیش کے مضبوط لہجے میں بولا۔

"جس حد تک تیری سوچ جا سکتی ہے۔"

"تو پھر تو مجھے رائنہ کے لیے اپنا رشتہ بھجوا دے۔"

"کیا؟" دو سو والٹ کا کرنٹ بھی اگر عالم کو لگتا تو اسے اتنا شدید جھٹکا نہ لگتا جتنا کہ شاہ نواز کی بات سن کر لگا تھا۔

"یہ، یہ کیا کہہ رہا ہے تو؟" پھٹی پھٹی بے یقین نگاہوں سے اس نے شاہ نواز کو یوں دیکھا جیسے وہ اپنا ذہنی توازن کھو بیٹھا ہو۔

"میں، میں بالکل ٹھیک کہہ رہا ہوں یار۔ تو نہ صرف اس کے ماضی بلکہ حال سے بھی بخوبی واقف ہے اور تیری اچھائیوں کا میں خود معترف ہوں۔ تم دونوں ایک دوسرے کے لیے ہر لحاظ سے بہترین

www.Paksociety.com

شریک حیات ثابت ہو گے۔" اس کا ہاتھ تھامے وہ دبے دبے جوش سے بولا تو عالم ایک جھٹکے سے اپنا ہاتھ چھڑاتا اٹھ کھڑا ہوا۔

"تو پاگل تو نہیں ہو گیا؟" اس کی حیرت دھیرے دھیرے غصے میں ڈھلنے لگی تھی۔ "میں..... بھلا میں کیسے رائنہ سے شادی کر سکتا ہوں؟"

"کیوں نہیں کر سکتا۔ آخر تجھے کبھی نہ کبھی کسی اچھی لڑکی سے شادی کرنی تو ہے۔ تو پھر وہ لڑکی رائنہ کیوں نہیں ہو سکتی؟" شاہ نواز نے اس کے غصے کو خاطر میں لائے بنا رسان سے پوچھا تو عالم جھنجلا اٹھا۔

"بس نہیں ہو سکتی!" وہ بھلا اسے اب کیسے سمجھاتا کہ اس نے وہ اچھی لڑکی ڈھونڈلی ہے۔

"دیکھ عالم! اگر تو یہ سمجھ رہا ہے کہ میں صرف رائنہ کی ذات اور اس کی خوشیوں کو مد نظر رکھ کر یہ بات کر رہا ہوں، تو تو بالکل غلط سوچ رہا ہے۔ میں تو یار! تیرے لیے وہ کو ہر چاہ رہا ہوں، جس کی میں خود صرف تمنا کر سکتا ہوں۔ اسے پا نہیں سکتا!" اٹھ کر اس کے مقابل کھڑے ہوتے ہوئے وہ حسرت زدہ لہجے میں بولا تو عالم اک گہری سانس لیتے ہوئے بولا۔

"میں تیرے خلوص پہ شک نہیں کر رہا شاہ نواز۔ لیکن تو یہ تو سوچ کہ میں اپنے دوست کی محبت پہ کیسے یہ ظلم ڈھا سکتا ہوں؟ میں سب کچھ جانتے بوجھتے کیسے اس لڑکی کو اپنا سکتا ہوں، جو میرے دوست کی ہر دعا میں شامل رہی ہو؟ نہیں یار! میں خود کو اتنے بڑے امتحان میں نہیں ڈال سکتا۔" وہ بے اختیار نفی میں سر ہلا گیا تو نواز اسے غصے سے گھورنے لگا۔

"نہیں کر سکتا تو پھر اتنے بڑے بڑے دعوے کیوں کیے تھے؟ میں نے کتنی امید سے تیری جانب ہاتھ بڑھایا تھا کہ تو مجھے اس برزخ سے نکال لے گا۔" بات کرتے کرتے اس کی آواز بھرا گئی تو وہ بے اختیار رخ موڑ گیا۔

"نواز پلیز! سمجھنے کی کوشش کر، اگر ایسا ہوا تو ہم ہمیشہ کے لیے ایک دوسرے سے چھوٹ جائیں گے۔" اس نے تیزی سے بڑھ کر نواز کا بازو تھاما۔

"نہیں بلکہ ہم ہمیشہ کے لیے ایک دوسرے کی دعاؤں میں شامل ہو جائیں گے!" اپنے بازو پہ رکھے عالم کے ہاتھ کو تھامتے ہوئے وہ اس کی جانب رخ پھیرتے ہوئے نرمی سے بولا۔ عالم اسے دیکھ کر رہ گیا۔

"تو کیوں خود پہ اتنا بڑا ظلم کرنے چلا ہے؟ کیوں ایک بار اسے اپنا حال دل نہیں سناتا؟..... بلکہ تو چھوڑ میں، میں خود بتاؤں گا رائنہ کو تیری تڑپ تیری دیوانگی کا عالم تو اس کی خوشی اور محبت کی خاطر خود کو اذیت کے کس صحرا میں دھکیلنے چلا ہے میں اسے بتاؤں گا۔" وہ خلوص سے بولا تو شاہ نواز دھیرے سے مسکرا دیا۔

"تجھے ایک بات بتاؤں عالم! محبت کی آبیاری چار چیزیں کرتی ہیں۔ اعتبار، عزت، وفا اور یقین۔ ان میں سے کوئی ایک چیز بھی اگر اسے ملنا بند ہو جائے نا تو یہ جذبہ کمزور پڑنے لگتا ہے۔ واہموں اور وسوسوں کا شکار ہو کے بے جان ہونے لگتا ہے۔ جبکہ میں نے تو رائنہ کی محبت کو اسی وقت ایک جھٹکے سے ان چاروں چیزوں سے محروم کر دیا تھا، جب اسے میرے ساتھ اور میری محبت کی سب سے زیادہ ضرورت تھی۔ اس لیے میرے یار! اب کوئی بھی حرف یقین اس کی نظروں میں مجھے سرخرو نہیں کر سکتا۔ اس دراڑ کو ختم نہیں کر سکتا جو اس کے دل کو ہمیشہ کے لیے دو ٹکڑوں میں تقسیم کر گئی ہے۔ ایسے میں، میں اس کے زخم کریدنے کے بجائے، کیوں نہ ان زخموں کے لیے مرہم تلاشنے کی کوشش کروں۔ کیوں نہ کوئی ایسا قدم اٹھاؤں کہ اس کی زندگی کی ہر تلخی ہمیشہ کے لیے دور ہو جائے۔"

"اور تیری محبت؟" عالم کے لہجے میں نمی اتر آئی۔

"اس کی سسکیاں بھی تب ہی تھمیں گی جب رائنہ آباد ہو گی۔ میرے نزدیک "محبت" میں پانا ہی سب کچھ نہیں ہے یار! بلکہ محبوب کی خوشی میں خوش رہنا اصل محبت ہے۔" وہ انتہائی سکون سے گویا ہوا تو عالم کی آنکھیں بھیگنے لگیں۔

"یہ محبت تو نہ ہوئی یہ تو "عشق" ہوا۔" عالم دھیرے سے بڑبڑایا۔

"نہیں ضبط عشق!" شاہ نواز آنکھوں میں نمی لیے ہولے سے مسکرایا تو عالم نے آگے بڑھ کر اسے سینے سے لگا لیا۔ وہ اگر آج شاہ نواز کو منع کر بھی دیتا تب بھی وہ اب اسے کبھی رطابہ کے لیے نہیں کہہ سکتا تھا اور جب رطابہ نہیں تو پھر کیوں نہ رائنہ ہی سہی۔ کم از کم اس طرح وہ دل کی نہ سہی، لیکن دوست کی نظروں میں تو سرخرو ہو سکتا تھا۔

اور یہی سوچ اسے خاموشی سے اپنے آنسو سمیٹنے پر مجبور کر گئی تھی۔

☼ ☼ ☼

"کیا؟ تمہارا دماغ تو نہیں خراب ہو گیا؟"

شائستہ بیگم کے مزاج کی تمام تر خوشگواری بھک سے اڑ گئی تھی۔ ہاتھ میں پکڑا چائے کا کپ سائیڈ ٹیبل پہ پٹختے ہوئے انہوں نے بے اختیار غیاث علی کی جانب دیکھا تھا جو خود بھی، یہ ساری تفصیل سننے کے بعد چپ کے چپ بیٹھے رہ گئے تھے۔

"اس میں دماغ خراب ہونے والی کون سی بات ہوئی؟"

عالم کی پیشانی پہ بل سے آن ٹھہرے وہ ساری فیملی اس وقت لاؤنج میں بیٹھی شام کی چائے سے لطف اندوز ہو رہی تھی۔ جو آج، عالم کی اسلام آباد سے اچانک آمد پر۔۔ نجانے کتنے دنوں بعد یوں مل کر پی جا رہی تھی۔ غیاث علی بھی لاہور سے کل رات ہی واپس آئے تھے، اس لیے گھر میں خاصی رونق تھی۔ باتوں کے دوران عالم نے رائنہ کا ذکر چھیڑ کر ان سب کو خاصا حیران کر دیا تھا، مگر جونہی اس نے ساری حقیقت ان سب کے گوش گزار کی، تمام حاضرین محفل کو گویا سانپ سونگھ گیا۔

ان کا رد عمل عالم کے لیے کسی اچھنبے کا باعث نہ تھا۔ وہ اس ری ایکشن کے لیے اس لمحے سے ہی تیار تھا جب اس نے نواز کے مشورے سے اپنے گھر والوں کو تمام تر حقیقت سے آگاہ کرنے کی ٹھانی تھی کہ بہرکیف اتنی بڑی بات کا چھپانا ان دونوں کے نزدیک سراسر ایک حماقت اور ایک انتہائی غلط بات تھی، جو آنے والے وقت میں رائنہ کے ساتھ ساتھ خود عالم کے لیے بھی بہت سی مشکلات کھڑی کر سکتی تھی اور ایسی ہر مشکل سے بچنے کے لیے سیدھا راستہ یہی تھا کہ وہ اپنے گھر والوں سے کوئی بھی بات نہ چھپاتا اور اس نے یہی کیا تھا، مگر شائستہ بیگم کے تیور دیکھ کر اس کے لیے یہ اندازہ لگانا مشکل نہ رہا تھا کہ ان سب کو قائل کرنا اتنا آسان بھی نہ تھا جتنا کہ وہ سمجھے ہوئے تھا۔ جب ہی بے اختیار اک گہری سانس لیتے ہوئے وہ اس محاذ پہ لڑنے کے لیے میدان میں اتر آیا تھا۔

"لیجیے! ابھی کوئی بات ہی نہیں ہوئی۔" شائستہ نے طنزیہ نظروں سے شوہر کی جانب دیکھا۔ "میں پوچھتی ہوں، دنیا کی ساری لڑکیاں مر گئی ہیں، جو تم اس لڑکی سے شادی کرنے چلے ہو؟" انہوں نے "اس" کو چبا کر ادا کرتے ہوئے کھا جانے والی نظروں سے بیٹے کو گھورا۔

"آپ کی اطلاع کے لیے عرض ہے کہ اس لڑکی میں ایسی کوئی برائی نہیں جو اس سے شادی نہ کی جائے۔" عالم نے بھی "اس" پہ زور دیتے ہوئے جواب دیا تو شائستہ بیگم استہزائیہ انداز میں مسکرا دیں۔

"اگر وہ اتنی ہی اچھی ہے تو شاہ نواز خود کیوں نہیں اسے اپنا لیتا؟ تمہارے گلے میں یہ ڈھول کیوں لٹکا رہا ہے؟"

"وہ اسے سو بار اپنا لیتا، اگر جو یہ ممکن ہوتا اور میں کوئی دودھ پیتا بچہ نہیں ہوں جو وہ مجھ سے جو چاہے کرواتا پھرے۔ میں نے یہ فیصلہ اپنی مرضی، اپنی خوشی سے کیا ہے۔ ہاں لیکن مجھ سے یہ غلطی ضرور ہوئی ہے کہ میں نے آپ سب کو، دھوکا دینے کے بجائے، پوری بات انتہائی ایمان داری اور سچائی سے یہ سوچ کر بتا دی کہ سچائی کو جاننا میرے والدین کا حق ہے، لیکن مجھے آپ سے اس درجہ تنگ نظری کی امید نہ تھی۔ آپ نے مجھے حقیقتاً "بہت مایوس کیا ہے اماں! بہت مایوس!"

بوجھل لہجے میں کہتا وہ شائستہ بیگم اور غیاث صاحب دونوں کو ایک پل کے لیے شرمندہ کر گیا۔

www.Paksociety.com

"میں تمہاری اس درجہ تابعداری کی قدر کرتا ہوں بیٹا! لیکن تم اپنی ماں کی فیلنگز کو بھی تو سمجھنے کی کوشش کرو۔ اس کے لیے ایک ایسی لڑکی کو قبول کرنا ......"

"کیسی لڑکی؟" عالم نے انتہائی سکون سے انہیں ٹوکا تو غیاث صاحب بے اختیار خاموش ہو گئے۔

"اس سارے قصے میں اگر آپ کو رائنہ کا کوئی قصور، اس کے کردار میں کوئی جھول نظر آیا ہو تو آپ مجھے بتائیں۔ بلکہ اگر آپ غیر جانب داری سے سوچیں تو اس بے چاری نے تو اس سارے قصے میں کھویا ہی کھویا ہے۔ غلطی اس کی بہن کی تھی مگر سزا اسے دی گئی اور آج تک دی جا رہی ہے۔ کیونکہ ہم جیسے اور آپ جیسے لوگ اسے اور اس کے ماں باپ کے ناکردہ گناہ کو بخشنے کے لیے تیار نہیں۔ جبکہ یاور ملک جیسے نام نہاد شریف انسان سے ہم بخوشی ملتے ہیں کیونکہ وہ ایک مرد ہے۔ اس کی خطا کو ہم بڑے ہلکے پھلکے انداز میں "لو میرج" کا نام دے کر مطمئن ہو جاتے ہیں۔ اور دوسری جانب اسی بات کو نقطہ اعتراض بنا کر ہم کسی بے گناہ کو سزا دینے سے پہلے اتنا بھی نہیں سوچتے کہ آیا اس سارے معاملے میں اس کا کوئی قصور ہے بھی کہ نہیں۔

اگر ایک فیملی کی کوئی لڑکی غلط قدم اٹھاتی ہے تو اس کی سزا خاندان کی باقی لڑکیوں کو کیوں دی جاتی ہے؟ یہ رکھے بنا کہ وہ خود کیسے کردار کی مالک ہیں۔ جبکہ وہی کام اگر کوئی لڑکا کرے تو اس کی ماں، بہنوں کو کیوں معتوب نہیں ٹھہرایا جاتا؟ کیوں ان کے کردار کو بھی ان کے بیٹے یا بھائی کے عمل کے حوالے سے نہیں جانچا جاتا؟"

وہ بولنے پہ آیا تو بولتا چلا گیا تھا اور وہاں بیٹھے سب لوگوں کے لبوں پہ چپ کی مہر لگ گئی تھی۔ وہ عالم کی کسی بھی بات کو جھٹلانے سے قاصر تھے۔

"عالم ٹھیک کہہ رہا ہے بابا! اگر وہ لڑکی اچھی ہے۔ اس کی فیملی اچھی ہے۔ تو میرے خیال میں ہمیں کسی گزری ہوئی بات کو ایشو نہیں بنانا چاہیے۔" چند لمحوں کی خاموشی کے بعد فیروز کی مستحکم آواز کمرے میں گونجی تو عالم آنکھوں میں خوش گوار حیرت لیے بھائی کو دیکھنے لگا۔

"اماں! بھلا نواز سے بڑھ کر بھی کوئی اس لڑکی کی اچھائی کی گواہی دے سکے گا۔ جو نہ صرف اس سے منسوب رہ چکا ہے بلکہ آج تک اپنے کیے پر پچھتا بھی رہا ہے۔ لیکن پھر بھی اگر آپ کہیں تو میں آپ کی تسلی کے لیے شاہ نواز کی والدہ سے آپ کی بات کروا دیتا ہوں۔ آپ ان سے رائنہ اور اس کی فیملی کے متعلق جو چاہیں پوچھ سکتی ہیں۔"

عالم نے رسان سے ماں کو جواب دیا، لیکن غیاث صاحب نفی میں سر ہلا گئے۔

"نہیں۔ اس کی ضرورت نہیں۔ بندوں کی اتنی پہچان تو میں بھی رکھتا ہوں کہ کھرے اور کھوٹے میں تمیز کر سکوں۔ مجھے شاہ نواز پر اعتبار ہے۔ تم مجھے اس لڑکی کے والد کا نام پتا بتاؤ۔ باقی کی معلومات میں خود کروا لوں گا۔"

"جی بہتر۔" ان کا جواب عالم کے ساتھ ساتھ سب ہی پہ ان کی نیم رضامندی ظاہر کر گیا تھا اور شائستہ بیگم خواہش کے باوجود مزید کچھ نہ کہہ سکی تھیں۔

☼ ☼ ☼

آنے والے دنوں میں غیاث صاحب نے حیات احمد اور ان کے خاندان کے بارے میں کیا معلومات کروائی تھیں اور کس سے کروائی تھیں۔ عالم کو بالکل علم نہ تھا اور نہ ہی اس نے دخل اندازی کی کوئی کوشش کی تھی۔ کیونکہ وہ چاہتا تھا کہ وہ اپنے طور پر اپنی اور شائستہ بیگم کی تسلی کروائیں کہ یہی ان سب کے حق میں بہتر تھا۔

البتہ جس روز غیاث صاحب نے اسے اپنی، شائستہ اور فیروز کی اس سلسلے میں اسلام آباد آمد کے متعلق مطلع کیا تھا، اس روز اس نے آخری بار اپنے دل کی ادھوری رہ جانے والی خواہش کو جی بھر کے سوچا تھا۔

وقت نے اسے عجیب سے دوراہے پر لا کھڑا کیا تھا۔ جہاں ایک طرف دل تھا اور دوسری طرف دوست! وہ اگر دوست کو انکار کر کے دل کی آواز پہ لبیک کہہ بھی دیتا تب بھی وہ پھر کبھی خود میں شاہ نواز کے سامنے رطابہ کے لیے دست سوال دراز کرنے کی ہمت نہ پا سکتا تھا اور اسی تلخ حقیقت نے اسے شاہ نواز کی مدد کرنے پر مجبور کر دیا تھا، جو فقط عالم کی فیملی کی آمد کا سن کر ہی بے طرح خوش ہو گیا تھا اور وہ کتنی ہی دیر محبت کے اس روپ کو حیرت زدہ سا دیکھے گیا تھا۔ جہاں چاہنے والے کے لیے اگر کچھ اہم تھا تو ایک اس کے محبوب کی خوشی اور اس کا سکون۔ باقی ہر چیز جیسے اس کے لیے بے معنی ہو چلی تھی۔ حتیٰ کہ اپنی زندگی بھی اور یہی عالم کو منظور نہ تھا۔

"نواز!"

"ہوں۔" اس نے اپنی پلیٹ سے نظریں ہٹاتے ہوئے مقابل بیٹھے عالم کی جانب دیکھا جو گہری نظروں سے اسی کو دیکھ رہا تھا۔

وہ دونوں آج ڈنر کرنے باہر آئے ہوئے تھے۔ جہاں باتوں کے دوران عالم نے اسے اماں، بابا اور فیروز بھائی کی آمد کے متعلق مطلع کیا تھا اور اس کی بے تحاشا خوشی دیکھ کر اس نے بہت دنوں سے اپنے دل و دماغ میں پنپتے ایک خیال کو زبان دینے کی ٹھانی تھی۔

"ایک بات تو اچھی طرح سمجھ لے۔ میں رائنہ سے تب ہی شادی کروں گا جب تو شادی کے لیے تیار ہو گا۔"

"کیا مطلب؟" اس کی آنکھوں میں الجھن در آئی۔

"مطلب یہ کہ تجھے بھی بہت جلد اپنے لیے ایک اچھا سا لائف پارٹنر تلاش کرنا ہو گا۔" عالم نے مکمل سنجیدگی سے جواب دیا تو شاہ نواز بے اختیار خاموش ہو گیا۔

"ٹھیک ہے اور کچھ؟" چند لمحوں کے توقف کے بعد وہ آہستگی سے بولا تو عالم کی بے یقین نگاہیں اس کے بے تاثر سے چہرے کو دیکھ کر رہ گئیں۔ سامنے بیٹھا بندہ محبت کے کس مقام پہ کھڑا تھا۔ عالم کے لیے حقیقتاً "اندازہ لگانا مشکل ہو گیا تھا۔

"اور یہ کہ تو مجھ سے کبھی قطع تعلق کرنے کی کوشش نہیں کرے گا۔" خود کو سنبھالتے ہوئے وہ اپنے سابقہ انداز میں بولا تھا، مگر اب کی بار شاہ نواز کے چہرے پر بے چینی نمودار ہو چلی تھی۔

"لیکن یار اگر......"

"اگر مگر کچھ نہیں۔ رائنہ کو اس بارے میں کچھ پتا نہیں چلے گا۔ تو اس طرف سے بے فکر رہ۔"

"او کے۔" اس نے تھک کر جیسے ہتھیار ڈال دیے تھے۔ "اب بس، یا کچھ اور بھی رہ گیا ہے منوانے کو؟" اس نے خفگی سے عالم کی جانب دیکھا تھا۔

"اور یہ کہ میری شادی کے بعد سب سے پہلی کال تو مجھے کرے گا۔" مسکراہٹ دبائے وہ شرارت سے گویا ہوا تھا اور نواز اسے گھور کر رہ گیا تھا۔

☼ ☼ ☼

حیات احمد نے اپنی صحت یابی کے بعد سب سے پہلا کام وکیل کو بلوا کر نئے سرے سے جائیداد کے کاغذات تیار کروانے کا کیا تھا اور چونکہ وہ نہیں چاہتے تھے کہ اس معاملے کی ذرا سی بھی بھنک رائنہ کے کان میں پڑے، اس لیے انہوں نے راشد سے کہہ کر تمام کام آفس میں ہی مکمل کروایا تھا، مگر آج وکیل صاحب نے انہیں چند ایک ضروری باتیں ڈسکس کرنے کے لیے اپنے چیمبر بلوایا تھا اور اسی سلسلے میں راشد انہیں خود لینے کے لیے آئے ہوئے تھے۔

چونکہ رائنہ نے ابھی تک یونیورسٹی سے چھٹی لے رکھی تھی، اس لیے اس موضوع پہ کوئی بھی بات کیے بنا وہ دونوں نکلنے کے لیے تیار کھڑے تھے جب ملازم نے مہمانوں کی آمد کا بتانے کے ساتھ ساتھ ایک وزٹنگ کارڈ بھی حیات صاحب کے ہاتھ میں تھما دیا۔

"ایم پی اے غیاث علی؟" انہوں نے الجھ کر ساتھ کھڑے بھائی کو دیکھا۔ جو خود بھی آنے والوں کا

www.Paksociety.com

www.Paksociety.com

تعارف سن کر حیران رہ گئے تھے۔

"میں تو انہیں نہیں جانتا۔ پھر یہ ہمارے گھر کیا لینے آئے ہیں؟" وہ حیران پریشان سے گویا ہوئے تھے۔

"اب یہ تو ان سے ملنے کے بعد ہی پتا چلے گا۔" راشد خود بھی خاصے الجھ سے گئے تھے۔

"کون کون ہے ان کے ساتھ؟" انہوں نے اب کے پاس کھڑے مجید سے پوچھا۔

"صاحب جی ایک مرد اور ایک خاتون۔" اور خاتون کی آمد کا سن کے وہ مزید شش و پنج میں مبتلا ہو گئے تھے، مگر چونکہ یہ وقت کسی بحث میں پڑنے کا نہیں تھا، اس لیے مجید کو عافیہ بیگم کو مطلع کرنے کا کہہ کر وہ خود راشد کو لیے ان کا استقبال کرنے پورچ میں چلے آئے تھے۔ جہاں انہیں دیکھتے ہی باوردی ڈرائیور نے آگے بڑھ کر گاڑی کے دروازے کھول دیے تھے۔

ان کے اترنے پر حیات صاحب اور راشد صاحب دونوں نے خوش دلی سے آنے والوں کا خیر مقدم کیا تھا۔ سرسری سے حال احوال کے بعد وہ انہیں لیے وسیع و عریض ڈرائنگ روم میں چلے آئے تھے۔ جہاں عافیہ بیگم پہلے سے ہی ان کی منتظر کھڑی تھیں۔

تھوڑی دیر ادھر ادھر کی باتوں کے بعد شائستہ بیگم نے اصل موضوع کی جانب پیش رفت کی تو ان تینوں کو گویا سانپ سونگھ گیا۔

"معاف کیجیے گا لیکن آپ نے میری بیٹی کو کہاں دیکھا؟" اپنی حیرت کو پس پشت ڈالتے ہوئے عافیہ نے مہذبانہ انداز میں دریافت کیا۔

"یونیورسٹی میں۔ میں وہاں ایک پروگرام میں شرکت کے لیے گئی تھی اور وہیں میں نے آپ کی بیٹی کو دیکھا تھا۔" شائستہ نے بیٹے کی ہدایت کے مطابق جواب دیا۔

"او اچھا!" عافیہ کے چہرے پر پھیکی سی مسکراہٹ در آئی۔ بے اختیار ان کی نظریں سامنے بیٹھے شوہر کی جانب اٹھی تھیں، جو خود بھی چہرے پر پژمردگی لیے بیٹھے تھے۔

"ایسا ہے غیاث صاحب!" چند لمحوں کے تذبذب کے بعد حیات احمد نے اپنے خشک لبوں پہ زبان پھیرتے ہوئے تمہید باندھی تھی۔ "آپ کا آنا سر آنکھوں پر، لیکن میری بیٹی کے ساتھ ایک بہت بڑا مس ہیپ ہو چکا ہے۔ میں چاہتا تو آپ سے یہ بات چھپا بھی سکتا تھا، لیکن میں نے زندگی میں کبھی کسی کو دھوکا نہیں دیا اور باوجود اس کے کہ مجھے معلوم ہے کہ میری بات سن کے آپ لوگ اپنا ارادہ بدل دیں گے۔ میں آپ سے کسی قسم کی کوئی غلط بیانی نہیں کرنا چاہتا۔"

وہ انتہائی ضبط سے گویا ہوئے تو باوجود کوشش کے عافیہ بیگم کی آنکھیں بھر آئیں، جنہیں سب سے چھپانے کو وہ بے اختیار نظریں جھکا گئیں، مگر پھر بھی ایک گھٹی گھٹی سی سسکی ساتھ بیٹھی شائستہ کو ان کی جانب متوجہ کر گئی۔

سر جھکائے آنسو پونچھتی اس بے بس ماں پہ انہیں بے اختیار ڈھیروں ترس آیا تھا جو بنا کسی جرم کے دنیا کے سامنے، محض اس وجہ سے سر جھکانے پر مجبور ہو گئی تھیں کہ وہ بیٹی کی ماں تھیں، ایک ایسی بیٹی جس کا اس سارے قصے میں کوئی قصور نہ تھا، مگر پھر بھی وہ معتوب ٹھہرا دی گئی تھی۔

"آپ کو کچھ کہنے کی ضرورت نہیں۔ ہم ہر بات سے واقف ہیں۔"

غیاث علی نے رسان سے کہا تو حیات احمد کے ساتھ ساتھ راشد صاحب بھی گنگ سے بیٹھے انہیں دیکھتے چلے گئے، جبکہ عافیہ بیگم کا جھکا سر تیزی سے اوپر کو اٹھا تھا۔ حیرت اور بے یقینی کا غلبہ اس قدر شدید تھا کہ ان کی آنکھیں برسنا تو کیا جھپکنا تک بھول گئی تھیں۔

"ہم نے آپ کے گھر آنے سے پہلے آپ لوگوں کے بارے میں پوری معلومات کروالی تھیں۔ آپ کی بیٹی کے ساتھ جو کچھ بھی ہوا اس میں اس کا کوئی قصور نہیں اور میں ایک فرد کے کیے کی سزا پورے خاندان کو دینے کا قائل نہیں۔ اس لیے آپ ہماری طرف سے بے فکر ہو جائیں کیونکہ ہم اپنا ارادہ بدلنے والوں میں سے نہیں۔"

اپنی بات مکمل کر کے وہ دھیمے سے مسکرائے تو حیات احمد کے لیے ان کی اچھائی پہ یقین کرنا مشکل ہو گیا۔

"معذرت کے ساتھ غیاث صاحب! لیکن میرے لیے آپ کی بات پہ یقین کرنا خاصا دشوار ہو رہا ہے۔ وہ بھی اس صورت میں جبکہ آپ کے بیٹے اور آپ کے خاندان کو رشتوں کی کوئی کمی نہیں۔"

الجھن بھری اک نظر ساکت بیٹھی عافیہ پہ ڈالتے ہوئے انہوں نے غیاث علی کی جانب دیکھا جن کی مسکراہٹ ان کی بات سن کے گہری ہو گئی تھی۔

"آپ کی صاف گوئی مجھے بے حد پسند آئی اور جی آپ نے بالکل درست کہا۔ ہمیں حقیقتاً رشتوں کی کوئی کمی نہیں، لیکن کیا کیجیے کہ ہماری بیگم کو آپ کی بیٹی کچھ اتنی پسند آئی کہ ہم آپ کی طرف آنے پر مجبور ہو گئے۔ باقی جہاں تک بات اعتبار کی ہے تو اس کے لیے میں یہی کہہ سکتا ہوں کہ جیسے پانچوں انگلیاں برابر نہیں ہوتیں، ویسے سب انسان اور ان کے سوچنے کا انداز بھی ایک جیسا نہیں ہوتا۔

ہم اللہ کے فضل سے پڑھے لکھے اور روشن خیال لوگ ہیں۔ ہمارے نزدیک آپ میں یا آپ کی بیٹی میں کوئی کمی نہیں۔ اس لیے ہم بلا جھجک آپ کے گھر چلے آئے ہیں۔ باقی اگر آپ کو ہماری بات مناسب لگے اور آپ کا دل ہم پہ یقین کرنے کو تیار ہو جائے تو ہم بخوشی بات آگے بڑھانے کو تیار ہیں۔ بصورت دیگر کوئی گلہ نہیں۔"

انہوں نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں اپنی بات مکمل کی تو راشد صاحب اثبات میں سر ہلاتے ہوئے بولے۔

"بالکل درست کہا آپ نے۔ سب ہی لوگ ایک سے نہیں ہوتے اور اس بات کا سب سے بڑا ثبوت آپ لوگوں کی یہاں موجودگی ہے۔ مجھے از حد خوشی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہماری بچی کی سچائی اور پاکیزگی پہ کوئی حرف نہیں آنے دیا اور آپ سے اچھے اور سلجھے ہوئے لوگوں سے ہمیں ملوایا۔ باقی ہم بیٹی والے ہیں۔ اپنی تسلی کے لیے ہمیں تھوڑا سا وقت درکار ہے اگر آپ برا نہ مانیں تو۔" انہوں نے ایک نظر بھائی پہ ڈالتے ہوئے کہا تو حیات احمد کے چہرے پر اطمینان در آیا۔

"کیوں نہیں، یہ تو آپ کا حق ہے بھائی صاحب!" جواب غیاث صاحب کے بجائے شائستہ بیگم کی جانب سے آیا تو وہ ممنون سے مسکرا دیے، جبکہ عافیہ کو تو اب تک اپنے کانوں پر یقین نہ آرہا تھا۔ یہ یکایک اللہ نے ان کے لیے اپنی رحمت کا کون سا در وا کر دیا تھا، ان کی سمجھ سے بالاتر تھا۔

"عافیہ! اگر آپ برا نہ مانیں تو تھوڑی دیر کے لیے رائنہ کو بلوا لیجیے۔" شائستہ بیگم نے دھیمے لہجے میں کہا تو وہ بے اختیار اثبات میں سر ہلاتی اندر کی جانب بڑھ گئیں۔

مجید اس دوران چائے تیار کر چکا تھا۔ اسے چند ایک ضروری ہدایات دیتی وہ تیز قدموں اور چمکتے چہرے کے ساتھ رائنہ کے کمرے میں چلی آئیں۔ جہاں وہ کتابیں پھیلائے پڑھنے میں مصروف تھی۔

"رائنہ! چھوڑو یہ سب کچھ اور فوراً منہ دھو کے آؤ۔" الماری کی طرف بڑھتے ہوئے انہوں نے تیزی سے اسے ہدایت جاری کی تو وہ حیرت سے انہیں دیکھتے ہوئے بولی۔

"لیکن کیوں؟"

"کیونکہ نیچے کچھ لوگ تمہیں دیکھنے کے لیے آئے ہیں۔" قصداً اس کی جانب پشت کیے وہ اس کے لٹکے ہوئے جوڑوں کو آگے پیچھے کرتے ہوئے عام سے لہجے میں بولیں تو رائنہ کی بے یقین نگاہیں ماں کی پشت پر جم کر رہ گئیں۔

"کیا؟ کیا کہا آپ نے؟" اس نے سرسراتے ہوئے لہجے میں استفسار کیا۔

"جو تم نے سنا۔" بنا اس کی طرف دیکھے وہ بلیک اور پنک جوڑا اتار کے سپاٹ چہرے اور بے تاثر لہجے میں جواب دیتی بیڈ پہ اس کے کپڑے پھیلانے لگیں تو

www.Paksociety.com

رائنہ کے لیے اپنے اشتعال پہ قابو پانا مشکل ہو گیا۔

"تو پھر آپ بھی سن لیں۔ میں کہیں نہیں جانے والی۔ کسی سے نہیں ملنے والی۔" وہ یک لخت چلا کر گستاخی سے بولی۔

"یہ تم کس لہجے میں بات کر رہی ہو۔ ہاں؟" غصے سے ہاتھ میں پکڑا دوپٹہ بیڈ پہ پٹختے ہوئے وہ لمبے لمبے ڈگ بھرتی اس کے قریب چلی آئیں۔

"ایک بات میری غور سے سن لو! نیچے آئے مہمانوں کے پاس تمہارا بیمار باپ تمہارا منتظر ہے۔ اب چاہے اس کی عزت رکھ لو یا بہن کی طرح روند کر چلتی بنو۔"

انگلی اٹھا کر سخت لہجے میں اپنی بات مکمل کر کے وہ کمرے سے نکلتی چلی گئیں۔ تو کتنے ہی خاموش آنسو اس کی پتھرائی آنکھوں سے نکل کر اس کے چہرے کو بھگو گئے۔

"السلام علیکم!" تقریباً" دس منٹ بعد وہ نظریں جھکائے عافیہ بیگم کی معیت میں ڈرائنگ روم میں داخل ہوئی تو چائے پیتے تمام حاضرین محفل کی نگاہیں اس کی جانب اٹھ گئیں اور اس تمام عرصے میں پہلی بار شائستہ بیگم کے لبوں پہ دل کی گہرائی سے بڑی خوب صورت سی مسکراہٹ آن ٹھہری۔

"وعلیکم السلام! ماشاء اللہ۔" انہوں نے بے اختیار اٹھ کر اس کی پیشانی چوم لی۔

"آؤ بیٹا! یہاں میرے پاس بیٹھو۔" اس کا مرمریں ہاتھ تھامے انہوں نے اسے اپنے پاس بٹھا لیا۔

"کیسی جا رہی ہے پڑھائی؟" انہوں نے بغور اس کی دودھیا رنگت میں گھلے حزن کو دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"جی اچھی۔" وہ بنا پلکیں اٹھائے آہستگی سے بولی۔ وہ اس وقت خود پہ اور اپنے آنسوؤں پہ کیسے بند باندھے بیٹھی تھی، یہ وہ جانتی تھی یا اس کا دل جو اس وقت شدید درد کی لپیٹ میں تھا۔

تھوڑی دیر مزید ادھر ادھر کی باتیں کرنے کے بعد وہ لوگ اٹھ کھڑے ہوئے تو رائنہ بھی اپنے کمرے میں چلی آئی، جس کا دروازہ بند کرتے ہی اس کا ضبط جواب دے گیا اور وہ وہیں دروازے سے پشت ٹکائے دونوں ہاتھوں میں چہرہ چھپا کر پھوٹ پھوٹ کے روتی چلی گئی۔

☆ ☆ ☆

"آپ لوگ میرے ساتھ ایسا بھی کر سکتے ہیں۔ مجھے اب تک یقین نہیں آ رہا۔" شدت گریہ کے باعث اس کی آنکھیں سوج چکی تھیں، مگر آنسو تھے کہ رکنے کا نام نہیں لے رہے تھے۔

"ابھی تم غصے میں ہو اس لیے تمہیں ایسا لگ رہا ہے۔ جب تم ٹھنڈے دل و دماغ سے سوچو گی تب تمہیں احساس ہو گا کہ ہم جو کچھ کرنا چاہ رہے ہیں تمہاری بہتری اور بھلائی کے لیے ہی کرنا چاہ رہے ہیں۔" عافیہ بیگم نے نرمی سے اس کا ہاتھ تھامتے ہوئے کہا مگر رائنہ نے تیزی سے ان کا ہاتھ جھٹک دیا۔

"بہتری؟ کس بہتری کی بات کر رہی ہیں آپ؟ وہ جو آپ لوگ میرے ساتھ ایک بار پہلے بھی کر چکے ہیں؟"

طنزیہ نظروں سے ان کی جانب دیکھتے ہوئے اس نے کٹیلے لہجے میں استفسار کیا تو عافیہ بیگم کے لبوں پہ پھیکی سی مسکراہٹ آن ٹھہری۔

"خواہش اور ارمان تو تب بھی تمہاری بہتری اور بھلائی کا ہی تھا بیٹا! لیکن کیا کرتے اپنے ہی راہ کھوٹی کر گئے۔" ان کا گلا رندھ گیا تو پشیمانی کا ہلکا سا احساس اسے نظریں چرانے پر مجبور کر گیا۔

"لیکن اگر تمہیں ایسا لگتا ہے کہ ہمارے فیصلے کی وجہ سے تمہیں تکلیف اٹھانی پڑی تو میں تم سے معافی مانگتی ہوں۔ تم ہمیں معاف کر دو بیٹا!" بات کرتے کرتے انہوں نے اس کے سامنے ہاتھ جوڑ دیے تو وہ تڑپ اٹھی۔

"یہ آپ کیا کر رہی ہیں امی!" اس نے تیزی سے ان کے بندھے ہوئے ہاتھ تھام لیے۔

"نہیں بیٹا! ہم واقعی تمہارے گناہ گار ہیں۔ ہماری وجہ سے تمہیں بہت کچھ جھیلنا......"

"پلیز امی! مجھے مزید شرمندہ مت کریں۔ میں نے آپ لوگوں کی وجہ سے کچھ نہیں جھیلا۔ آپ میری نہیں بلکہ میں آپ کی گناہ گار ہوں۔" ان کے ہاتھ تھامے وہ اپنی زبان درازی پہ رو پڑی تو عافیہ بیگم نے اسے سینے سے لگا لیا۔

"تم تو میرا فخر، میرا مان ہو میری جان! تمہیں تکلیف دینے کے بارے میں تو میں سوچ بھی نہیں سکتی۔ لیکن بیٹا! بعض دفعہ حالات اتنے ناگزیر ہو جاتے ہیں کہ انسان کو اپنے فیصلے بدلنے پڑتے ہیں۔ نہ صرف اپنے لیے بلکہ اپنی ذات سے منسلک رشتوں کے لیے بھی۔"

"کیا مطلب؟" اس نے آنسو صاف کرتے ہوئے سر اٹھایا۔ عافیہ بیگم کتنی ہی دیر خاموشی سے اسے دیکھتی رہیں اور پھر اک بوجھل سانس فضا کے سپرد کرتے ہوئے انہوں نے یاور ملک کے مطالبے سے لے کر اس کی دھمکی اور حیات صاحب کی طبیعت خرابی تک ہر بات اس کے گوش گزار کر دی اور وہ پھٹی پھٹی بے یقین نگاہوں سے انہیں دیکھے چلی گئی۔

"اس دن جب میں نے زرمین کو بازار میں دیکھا تھا، تو مجھے اس کے چہرے پر اک تڑپ، اک پیاس نظر آئی تھی۔ یوں جیسے اندھی خواہشوں کی طلب کے اس سفر نے اسے بھی سوائے تلخ حقیقتوں کے اور کچھ نہ دیا ہو اور فون پہ اس کی آنسوؤں بھری التجاؤں نے میرے اس وہم کو یقین میں بدل دیا تھا، لیکن یاور کے مطالبے نے میرے اس یقین کو ایک بار پھر متزلزل کر دیا۔ اس نے مجھے ایک بار پھر یہ سوچنے پر مجبور کر دیا کہ آیا میں نے ایک بیٹی کو پیدا کیا تھا یا ناگن کو جو نہ تو اپنے پیدا کرنے والوں کی بن سکتی ہے اور نہ ہی اپنے پیدا کردہ کی۔"

آنسوؤں کے درمیان وہ ٹوٹے ہوئے لہجے میں بولیں تو فق رنگت کے ساتھ انہیں چپ چپ سنتی رائنہ نے اپنے خشک پڑتے لبوں پر زبان پھیری۔

"آپ، آپ نے پاپا کو زرمین کے بارے میں بتایا؟"

"کیا بتاؤں؟ یہ کہ آپ کی لاڈلی بھی اپنے شوہر نامدار کے ساتھ اسی شہر میں موجود ہے اور شاید اس کے اس مطالبے میں برابر کی شریک! نہیں میں انہیں یہ بتا کر مزید اذیت سے دوچار نہیں کرنا چاہتی۔ زرمین کو جائیداد سے غرض ہے، اسے وہ مل جائے گی۔ باقی تم اللہ کی مہربانی سے اپنے گھر کی ہو جاؤ۔ ہمیں اور کچھ نہیں چاہیے۔"

اپنے آنسو صاف کرتے ہوئے انہوں نے اس کے سر پہ ہاتھ پھیرا تو بے بسی کی انتہا تیزی سے اس کی آنکھیں بھگو گئی۔

زرمین ایک بار پھر اسے یوں بے دست و پا کر جائے گی، اس نے کبھی خواب میں بھی نہ سوچا تھا، جبکہ دوسری جانب عافیہ اس کی خاموشی کو مثبت انداز میں لیتے ہوئے، دھیرے دھیرے اسے آج پیش آنے والے حیرت انگیز واقعے کے متعلق بتانے لگیں، جو ان کے نزدیک کسی معجزے سے کم نہ تھا۔

"اور تمہیں پتا ہے، ہمیں انہیں کچھ بھی بتانے کی ضرورت نہیں پڑی۔" انہوں نے خوشی سے کھنکتے لہجے میں کہا تو رائنہ کے لیے مزید اپنی خاموشی کو قائم رکھنا مشکل ہو گیا۔

"کیا مطلب؟" اس کے لیے یہ بات کسی طور قابل قبول نہ تھی کہ اس کے ماں باپ کسی سے کوئی غلط بیانی کرتے یا کوئی بات چھپاتے۔ جب ہی اس کے چہرے پر بے چینی اور پیشانی پہ بل سے آن ٹھہرے تھے۔

"مطلب یہ کہ وہ ہمارے بارے میں پوری معلومات کروا کے آئے تھے اور تمام حقیقت جاننے کے باوجود انہیں کسی بات پہ کوئی اعتراض نہیں۔" اس کے پریشان چہرے پر نگاہیں جمائے انہوں نے رسان سے جواب دیا تو رائنہ کے لیے ان پہ یقین کرنا ناممکن ہو گیا۔

"ایسا، ایسا کیسے ہو سکتا ہے؟" اضطراب کے باعث اس سے بات کرنا مشکل ہو گیا تھا۔

"یہی سوال ان سے تمہارے پاپا نے بھی کیا تھا اور جواباً" انہوں نے یہ کہہ کر ہمیں حیران کر دیا کہ وہ کسی ایک فرد کے کیے کی سزا پورے خاندان کو دینے کے

www.Paksociety.com

قائل نہیں اور چونکہ انہیں تمہارے یا ہمارے بارے میں کوئی غلط بات نہیں پتا چلی، اس لیے انہیں ماضی سے کوئی لینا دینا نہیں۔ پھر تم ہی بتاؤ بیٹا! بھلا ہم ایسی نعمت خداوندی کو ٹھکرانے کی فاش غلطی کیسے کر سکتے تھے؟"

انہوں نے پیار سے اس کے چہرے پر بکھری لٹیں کانوں کے پیچھے اڑستے ہوئے سوال کیا۔ یہ دیکھے بنا کہ ان کی بات سن کر اس کا اضطراب دوچند ہو گیا تھا۔

"امی! کہیں ان کا بیٹا کسی غلط عادت کا شکار تو نہیں؟ یا یہ لوگ خود کوئی فراڈ تو نہیں؟" وہ اپنوں کی ڈسی ہوئی تھی۔ غیروں سے اس درجہ اچھائی کی امید بھلا کیسے کر سکتی تھی۔

"ہم ان کی اچھائی کے قائل ضرور ہوئے ہیں بیٹا۔ لیکن اندھا یقین تو ہم کسی پر بھی نہیں کر سکتے۔ تم ہمارے جگر کا ٹکڑا ہو۔ اپنی تسلی کیے بغیر ہم کبھی بھی کوئی فیصلہ نہیں کریں گے، اس لیے تم کم از کم اس طرف سے بے فکر رہو۔"

انہوں نے آگے بڑھ کر اس کی سرد پیشانی چومتے ہوئے اپنی محبت کا یقین دلایا تو بے اختیار اس کا دل اپنے رب کو پکار بیٹھا۔

"یا اللہ! مجھے اور میرے ماں باپ کو کسی نئی آزمائش میں گرفتار ہونے سے بچا لینا۔ بے شک تو سب سے بڑا محافظ ہے۔"

☼ ☼ ☼

حالات نے یک لخت اسے اتنے عجیب سے موڑ پر لا کھڑا کیا تھا کہ وہ چاہ کر بھی یونیورسٹی نہ جا سکی تھی۔ اس دوران حیات صاحب اور راشد صاحب نے عالم اور اس کی فیملی کے متعلق تمام معلومات کروالی تھیں۔ جو ہر لحاظ سے مثبت اور اطمینان بخش ثابت ہوئی تھیں۔

اچھی طرح سے تسلی کر لینے کے بعد حیات صاحب نے غیاث علی سے ان کے گھر آنے کی اجازت طلب کی تھی۔ جہاں عالم سے روبرو ملنے کے بعد تو گویا ان کا ہر ابہام اپنے آپ دور ہو گیا تھا۔ اس پہ مستزاد ان کا رکھ رکھاؤ، گھر بار ہر چیز اتنی شان دار تھی کہ حیات احمد کے لیے انکار کرنا ناممکن ہو گیا تھا۔

بالآخر اثبات میں جواب دیتے ہوئے انہوں نے غیاث علی کو ان کی پوری فیملی سمیت ڈنر پہ انوائیٹ کیا تھا۔

ان کی خواہش تھی کہ رائنہ اور عالم ایک بار ایک دوسرے سے مل لیں۔ سو اسی بات کو سوچتے ہوئے انہوں نے کھانے کی دعوت دی تھی جس میں عالم کو بطور خاص مدعو کیا گیا تھا۔

اور اس دن پہلی بار عالم کے لیے نواز کو پوری روداد سنانا مشکل ہو گیا تھا۔ اپنا آپ اسے ایک عجیب سے بوجھ تلے دبتا محسوس ہوا تھا گو کہ وہ یہ سب کچھ شاہ نواز کے ہی ایما پر کر رہا تھا، مگر پھر بھی اپنے اور رائنہ کے رشتے کے حوالے سے بات چیت اسے اپنی ہی نظروں میں شرمندہ کیے دے رہی تھی اور اس بات کا احساس شاہ نواز کو بھی ہو گیا تھا۔ جب ہی اس نے اپنی واپسی کے فیصلے کو عملی جامہ پہنانے کا سوچ لیا تھا۔

عالم نے محض اس کی دوستی میں، اپنی زندگی کے سب سے بڑے فیصلے کا اختیار اسے سونپ کر جو مان اور محبت اسے بخشی تھی وہ شاید ایک بھائی بھی نہ دے سکتا تھا، سو اس کے اطمینان کو اگر اسے اپنی جان سے بھی گزرنا پڑتا تو وہ ہنس کر گزر جاتا۔ یہ تو پھر محض واپسی کا فیصلہ تھا۔ ہاں لیکن جانے سے پہلے آخری بار وہ ایک نظر رائنہ کو دیکھنا چاہتا تھا اور یہی خواہش لیے وہ اگلے دن یونیورسٹی آنے کے بعد گزشتہ ڈھائی ہفتوں کی طرح سیدھا انگلش ڈپارٹمنٹ چلا آیا تھا۔ لان میں اپنی مخصوص جگہ پہ درخت کے ساتھ ٹیک لگائے اس نے اپنی نگاہیں دور راہداری میں کھلتے پریولیس کے کلاس روم کے دروازے پہ ٹکا دی تھیں۔ جہاں تھرڈ پیریڈ کے ختم ہونے کے بعد اسٹوڈنٹس معمول کے مطابق باہر آنے لگے تھے۔

آنکھوں میں پیاس سموئے اس نے بڑی آس سے، روز کی طرح، اتنے بہت سے چہروں میں فقط ایک

چہرے کو تلاشنا چاہا تھا، جو خدا جانے آج بھی نظر آنے والا تھا یا نہیں۔

لیکن اسے اتفاق کہیں یا اس کے دل کی تڑپ، جو آج حد سے سوا تھی کہ تھوڑی ہی دیر بعد وہ اسے اپنی دوستوں کے ہمراہ باہر آتی دکھائی دی تھی اور وہاں موجود ہر وجود جیسے غائب ہو گیا تھا اور اس کے چہرے پر نگاہیں جمائے کھڑا شاہ نواز گویا خود سے بھی بیگانہ!

"اے وقت ٹھہر جا! یہ گھڑی پھر نصیب ہو نہ ہو۔" دیوانہ وار اس کے چہرے کو تکتے ہوئے اس کے دل نے تڑپ کر استدعا کی تھی اور منظر یک لخت دھندلا گیا تھا۔

ایک کے بعد ایک آنسو اس کے چہرے کو بھگونے لگے تھے مگر اسے سوائے لحظہ بہ لحظہ دور جاتی رائنہ کے دوسری کسی بات کا ہوش نہ تھا۔

وقت نے اس کے ساتھ کیسا عجیب کھیل کھیلا تھا کہ وہ جس کے بنا اس کی اپنی زندگی ادھوری تھی، آج وہ محض اس کی زندگی کے ادھورے پن کو دور کرنے کی خاطر، اسے بخوشی کسی اور کو سونپنے کے لیے تیار ہو گیا تھا۔ آج وہ ایک بار پھر زباں پر قفل لگائے اپنی متاع جاں سے دست بردار ہونے کے لیے تیار ہو گیا تھا۔ فرق صرف اتنا تھا کہ پہلے یہ زہر کا پیالا اسے زبردستی پلوایا گیا تھا، مگر آج اس نے، اسے خود اٹھا کر لبوں سے لگا لیا تھا۔

آہ کو چاہیے اک عمر اثر ہونے تک
کون جیتا ہے تیری زلف کے سر ہونے تک
ہم نے مانا کہ تغافل نہ کرو گے لیکن
خاک ہو جائیں گے ہم، تم کو خبر ہونے تک

☼ ☼ ☼

ڈور بیل کی آواز پہ رشید نے دروازہ کھولا تو عالم کو کھڑا دیکھ کے سلام کرتے ہوئے ایک طرف ہو گیا۔

"کیسے ہو رشید؟" وہ مسکراتے ہوئے اندر چلا آیا۔

"ٹھیک ہوں جی۔" وہ دروازہ بند کرتے ہوئے اس کے پیچھے چلتا لاؤنج میں چلا آیا۔

"لیکن تمہارا صاحب مجھے ٹھیک نہیں لگتا۔ کدھر ہے وہ؟" اس نے بھنویں اچکاتے ہوئے پوچھا۔

"وہ تو جی کوئٹہ چلے گئے ہیں۔" رشید نے اسے دیکھتے ہوئے جواب دیا تو عالم حیرت زدہ سا رہ گیا۔

"کوئٹہ؟ لیکن کب؟"

"رات کو جی بائے روڈ روانہ ہوئے ہیں۔"

"وہاں سب ٹھیک تو ہے؟" اس کے جواب نے عالم کی حیرت کو پریشانی میں بدل دیا تھا۔

"جی۔ وہاں تو خیریت ہے۔ صاحب کو کوئی اپنا ضروری کام تھا۔" رشید نے عام سے لہجے میں کہا تو عالم کے چہرے پر الجھن کے ساتھ ساتھ خفگی بھی در آئی۔

"ایسا بھی کون سا ضروری کام تھا جو اطلاع دینے کی بھی زحمت نہیں کی۔" غصے سے بڑبڑاتے ہوئے اس نے جیب سے موبائل نکال کر ایک بار پھر اس کا نمبر ملایا، مگر دوسری جانب سے "پاورڈ آف" کی ریکارڈنگ سن کے وہ تپ اٹھا۔

"ایک تو اس نے موبائل نجانے کیوں آف کر رکھا ہے۔" جھنجھلا کر کال ڈسکنیکٹ کرتے ہوئے وہ پاس پڑے کاؤچ پر بیٹھ گیا۔

"صاحب جی! آپ پریشان مت ہوں۔ وہ آپ کے لیے کاغذ چھوڑ گئے ہیں۔" رشید نے تیزی سے اسے مطلع کیا تو عالم کا ضبط جواب دے گیا۔

"تو پہلے بتانا تھا نا!" وہ غصے سے بولا تو رشید کان دبائے شاہ نواز کے کمرے کی جانب بڑھ گیا۔

پرچا اسے تھمانے کے بعد وہ خود خاموشی سے کچن میں جا گھسا جبکہ عالم نے تیزی سے تہہ شدہ کاغذ کھول لیا۔

"یار من!

میں واپس جا رہا ہوں۔ کیوں؟ یہ تو تُو بھی جانتا ہے اور میں بھی۔ تُو نے جو کچھ میرے لیے کیا ہے۔ میں اگر چاہوں، تب بھی اس کا بدل نہیں دے سکتا۔ تیری دوستی میرا مان، میرا فخر ہے اور اپنے غرور سے تعلق توڑنے کے بارے میں میں سوچ بھی نہیں سکتا، لیکن میں یہ بھی جانتا ہوں کہ تیرے لیے یہ سب کرنا کوئی

www.Paksociety.com

www.Paksociety.com

آسان کام نہیں اور میری موجودگی میں تو شاید اور بھی مشکل۔ اس لیے تیری اور اپنی یہ مشکل آسان کرنے کے لیے میں نے یہ قدم اٹھایا ہے۔

میری اس شہر میں موجودگی نہ تو ہماری دوستی کے لیے اور نہ ہی تیری آنے والی زندگی کے لیے مناسب ہے۔ سو زندگی کو کسی بھی تلخی سے بچانے کے لیے میں تجھ سے دور جا رہا ہوں' محض یہ سوچ کر کہ ہمارے درمیان آنے والا یہ فاصلہ دلوں میں آنے والے فاصلوں سے بدرجہا بہتر ہے۔

اللہ تعالیٰ تجھے اس نیکی کا اجر' زندگی میں بے شمار خوشیوں کی صورت عطا فرمائے۔ اتنی خوشیاں کہ ایک دن تجھے رائنہ سے سچی محبت ہو جائے۔ تم دونوں ہمیشہ میری دعاؤں کے حصار میں رہو گے۔ کوئٹہ پہنچنے پہ میں خود تجھ سے رابطہ کروں گا۔ تب تک اپنا بہت خیال رکھنا۔"

لفظوں سے چھلکتی عالم کی نظریں اس کے نام پہ آ کے ٹھہری گئیں۔ بے یقینی سے ہاتھ میں پکڑے کاغذ کو دیکھتے ہوئے اس نے ایک بار پھر اس مختصر سے پیغام کو پڑھا تھا مگر اس بار آخر میں لکھا اس کا نام دھندلا گیا تھا۔

☼ ☼ ☼

"عالم غیاث ولد غیاث علی' آپ نے رائنہ حیات بنت حیات احمد کو بعوض پانچ لاکھ روپے سکہ' رائج الوقت اپنے نکاح شرعی میں قبول کیا؟"

قاضی صاحب کے استفسار پہ عالم کا مضبوط اور بھاری لہجے میں کیا گیا اقرار' تیسری بار بھی' ساؤنڈ سسٹم کے ذریعے ڈریسنگ روم میں بیٹھی رائنہ تک پہنچا تو اس کے آنسوؤں میں تیزی آ گئی۔

"تو زرمین! تم ایک بار پھر میری زندگی کا فیصلہ کر گئیں۔ کل جب میں اپنی خوشی سے ایک نئی زندگی کا آغاز کرنا چاہتی تھی تو تم نے میری آنکھوں سے ان کا ہر خواب نوچ کر انہیں ویران کر دیا۔ میرے دل سے اس کی ہر خوشی چھین کر اسے کھنڈر بنا دیا اور آج جب اس کھنڈر کو آباد کرنے کی ہر خواہش دم توڑ چکی ہے تو تمہاری ذات ایک بار پھر میرے لیے امتحان کا باعث بن گئی۔

تم نے ایک بار پھر مجھے اپنا بویا کاٹنے پر مجبور کر دیا۔ خدا تمہیں کبھی کوئی خوشی نصیب نہ کرے۔ تم اپنی خود غرضی اور بے حسی کی سزا ہمیشہ بھگتو!"

عافیہ بیگم کے سینے سے لگ کر زار و قطار روتے ہوئے اس کے تڑپتے دل نے بے اختیار سسک کر اپنی ماں جائی کو کوسا تھا۔

اس بہن کو جس کی وجہ سے کل اس کی محبت اس سے چھن گئی تھی اور آج وہ ایک اجنبی سے بندھنے پر مجبور ہو گئی تھی۔ ایک ایسا شخص جسے رائنہ سے محبت تو دور انسیت تک نہ تھی' مگر پھر یہاں محبت کی ضرورت بھی کسے تھی۔ اس جذبے سے تو اس کا ایمان اس شام ہی اٹھ گیا تھا۔ جب اس کے دعوے دار نے اسے تنہا کر دیا تھا۔ سو جب جس پہ یقین اور مان تھا اس نے ہی ہاتھ جھٹکنے میں لمحہ نہ لگایا تھا تو یہاں تو ایسا کوئی مان کوئی یقین سرے سے موجود ہی نہ تھا اور اسی لیے اس رشتے سے اسے کوئی توقعات بھی نہ تھیں۔

ہاں لیکن ایک عزت کی تمنا ضرور تھی۔ اب دیکھنا یہ تھا کہ اس بار اس کی جھولی بھرنے والی تھی یا قسمت ایک بار پھر اس کی آزمائش کا سامان کرنے والی تھی۔

☼ ☼ ☼

رائنہ کو رخصت کروا کے اسلام آباد والے گھر کے بجائے حویلی لایا گیا تھا۔ جہاں اگلے دن غیاث صاحب نے شاندار ولیمہ کا اہتمام کر رکھا تھا' جس میں ملک کے نامور سیاست دانوں کے علاوہ بیورو کریٹس اور تاجروں کا ایک وسیع حلقہ شرکت کرنے والا تھا۔

حویلی میں رائنہ کا شاندار استقبال کیا گیا تھا۔ مختلف رسومات کے بعد اسے کمرے میں پہنچا دیا گیا تھا جبکہ عالم مردانے میں چلا آیا تھا۔ جہاں قریبی رشتے دار اور کزنز محفل سجائے بیٹھے تھے۔ ہنسی' مذاق' چھیڑ چھاڑ نے ماحول کی رونق میں اضافہ کر دیا تھا' مگر عالم کے دل کی کیفیت ہر گزرتے لمحے کے ساتھ عجیب ہوتی چلی جا رہی تھی۔

شاہ نواز کو گئے آج ڈیڑھ مہینہ ہونے کو تھا۔ اس دوران اس کی کئی کالز آئی تھیں مگر عالم نے اس کی کوئی کال اٹینڈ نہیں کی تھی۔ اسے نواز کے یوں خاموشی سے چلے جانے پہ ملال کے ساتھ ساتھ بے حد غصہ بھی تھا۔ جب ہی وہ اس سے کوئی بات نہیں کرنا چاہتا تھا' مگر مقابل بھی شاہ نواز تھا' جو اپنے دوست کی رگ رگ سے واقف تھا۔ اسی لیے بغیر برا مانے وہ روز اسے حال احوال اور اپنی نئی روٹین کے میسج کرتا رہتا تھا۔ غیاث علی اور فیروز سے بھی وہ مسلسل رابطے میں تھا۔ جس کی وجہ سے شادی کا پورا شیڈول اس کے علم میں تھا۔

آج صبح بھی اس کا دعاؤں سے بھرا بہت خوب صورت سا میسج عالم کو ملا تھا اور اس کا دل چاہا تھا کہ وہ اڑ کر جائے اور اسے اپنے ساتھ لے آئے۔ اپنی زندگی کے اس اہم ترین دن پہ اسے اپنے عزیز از جان دوست کی بے حد کمی محسوس ہو رہی تھی' جو محض اسے اور اس کی زندگی کو الجھنوں سے بچانے کے لیے اپنی ہر خواہش سے دستبردار ہو گیا تھا۔

کوئٹہ جا کے اس نے زمان صاحب کا بزنس جوائن کر لیا تھا اور ایسا کرنا اس کے لیے کتنا تکلیف دہ تھا۔ اس بات کا عالم کو بخوبی اندازہ تھا۔ اس نے عالم کے کہنے کے مطابق اپنی ماں کو اپنے لیے رشتہ ڈھونڈنے کی بھی اجازت دے دی تھی اور ایسا کرتے وقت وہ کرب کی کن انتہاؤں سے گزرا ہو گا' عالم کو اس حقیقت کا بھی اچھی طرح سے علم تھا اور آج جبکہ اس کے ہاتھوں تابوت میں آخری کیل ٹھکی تھی تو وہ عالم کیسے خوش ہو سکتا تھا؟

شاہ نواز چاہے کتنی ہی خوشی اور اطمینان کا اظہار کیوں نہ کرتا' عالم جانتا تھا کہ اس کے یار کا بیمار دل آج درد کی انتہاؤں پر تھا۔ وہ "ضبط عشق" کی کڑی منزل پہ تھا۔ پھر بھلا عالم کس طرح دل سے مسکرا سکتا تھا؟

وہ وہاں تنہائی کا زہر اپنے اندر اتار رہا تھا تو عالم کیسے ان رونقوں سے محظوظ ہو سکتا تھا۔ نہیں' وہ اتنا بے حس ہرگز نہیں تھا کہ اپنے دوست کے ان کہے دکھ کو محسوس نہ کر پاتا۔

خود میں چھڑی اس دوہری جنگ نے اسے اندر ہی اندر نڈھال کر کے رکھ دیا تھا' جس کی وجہ سے وہ کسی بھی رسم میں دل سے خوش نہ ہو سکا تھا۔ حتیٰ کہ اس نے اپنے پہلو میں بیٹھی رائنہ کو بھی ایک نظر دیکھنے کی کوشش نہ کی تھی اور اب بھی وہ اپنے کزنز کے درمیان بیٹھا مسلسل گم صم سا تھا۔ مگر کب تک؟

بالآخر جب شائستہ بیگم کے بلاوے پر وہ' فیروز اور اپنے کزنز کے ہمراہ' اندر چلا آیا' تو اس کی بہن اور بھابھی سمیت سب ہی خواتین نے اسے ایک بار پھر گھیر لیا اور ہنسی مذاق' نیگ کی بحث کے دوران کب اسے اس کے کمرے کے دروازے کے سامنے لا کھڑا کیا۔ اسے پتا ہی نہیں چلا۔

☼ ☼ ☼

دھیرے دھیرے بھیگتی رات اپنا نصف سے زیادہ سفر طے کر چکی تھی' مگر کھڑکی میں کھڑے شاہ نواز کی آنکھوں میں دور تک نیند کا شائبہ نہ تھا۔ غیر مرئی نقطے پہ نگاہیں جمائے اس کا دل آج صبح سے ہزاروں میل کی دوری پہ بھٹک رہا تھا۔ جہاں آج اس کی زندگی کی سب سے بڑی خواہش پوری ہونے جا رہی تھی۔

آج وہ ایک عرصے کے بعد اپنے اندر سکون کی گہری لہر اترتی محسوس کر رہا تھا۔ رائنہ کو محفوظ ہاتھوں میں سونپنے کے بعد پانچ سال سے جلتے الاؤ پہ' آج پہلی بار اسے پھوار سی برستی محسوس ہوئی تھی اور اسے یوں لگا تھا جیسے بالآخر رب کائنات کی بارگاہ میں اس کے آنسوؤں کو قبولیت عطا ہو گئی تھی۔ جبھی تو مولا نے اسے یہ دن دکھایا تھا۔ جب وہ ایک عرصے کے بعد اپنی محبت کے سامنے سر اٹھانے کے قابل ہوا تھا۔ خود سے نظریں ملانے کے لائق ہوا تھا ورنہ اپنے آپ سے نظریں چراتے چراتے وہ تو اب حقیقتاً "نڈھال ہو چلا تھا۔

(دوسری اور آخری قسط آئندہ ماہ)

www.paksociety.com

سائرہ عارف

میری صبح کا ستارہ

غریب گھرانے میں پیدا ہونے والی سارا کو اپنی خوب صورتی پر بہت غرور ہے۔ بچپن کا منگیتر جو خود خوب صورت ہونے کے محض غریب ہونے کی بنا پر ٹھکرا دیا۔ اگرچہ نواز اکرم کا پورا خاندان اور وہ خود معمولی شکل کے تھے۔ لیکن سارا نے پورے خاندان سے ٹکر لے کر ان سے شادی کر لی۔ لیکن کبھی نواز اکرم کو وہ مقام نہ دیا جس کے وہ مستحق تھے۔ انہیں اپنی بڑی بیٹی ماہین سے صرف اس لیے نفرت ہے کہ وہ شکل و صورت میں ددھیال پر پڑی ہے، جبکہ چھوٹی بیٹی میرب بالکل ان کا پرتو ہے۔ سارا علوی اور میرب ہر وقت ماہین کو اس کی کم صورتی کا احساس دلاتی رہتی ہیں۔ جس سے ماہین اپنے رنگ کے معاملے میں حساس ہو گئی ہے۔ دونوں بہنوں میں بالکل نہیں بنتی۔ اس کی واحد دوست رفعت اسے نت نئی رنگ گورا کرنے والی کریمیں لا کر دیتی ہے اور [illegible] ہو رہی ہے۔ [illegible] میں وہ نواز اکرم کے قریب ہے، لیکن ہر وقت کی تنقید اور رشتوں سے انکار نے اسے نفسیاتی طور پر تنہا کر ڈالا ہے۔ نواز اکرم کی بہن ثروت بھی اس سے محبت کرتی ہے، لیکن سارا علوی کے ناروا سلوک کے باعث بھائی کے گھر آنے سے کتراتی ہے۔

میرب کے لیے نواز اکرم کے دوست رضا اپنے بیٹے کا رشتہ دیتے ہیں تو میرب اسے ٹھکرا دیتی ہے۔ سارا کا ایک ذہنی طور پر کمزور بھائی شہزاد ہے۔ جس کی ذمہ داری ماں نے مرتے وقت سارا کے سپرد کی تھی۔ اسے آوارہ گردی کا اور مشورہ دینے کا شوق ہے۔ ماموں شہزاد کو ماہین سے خاصی انسیت ہے، جو دیگر لوگوں کی طرح انہیں ڈانٹنے کے بجائے ان کا خیال رکھتی ہے۔

ناولٹ

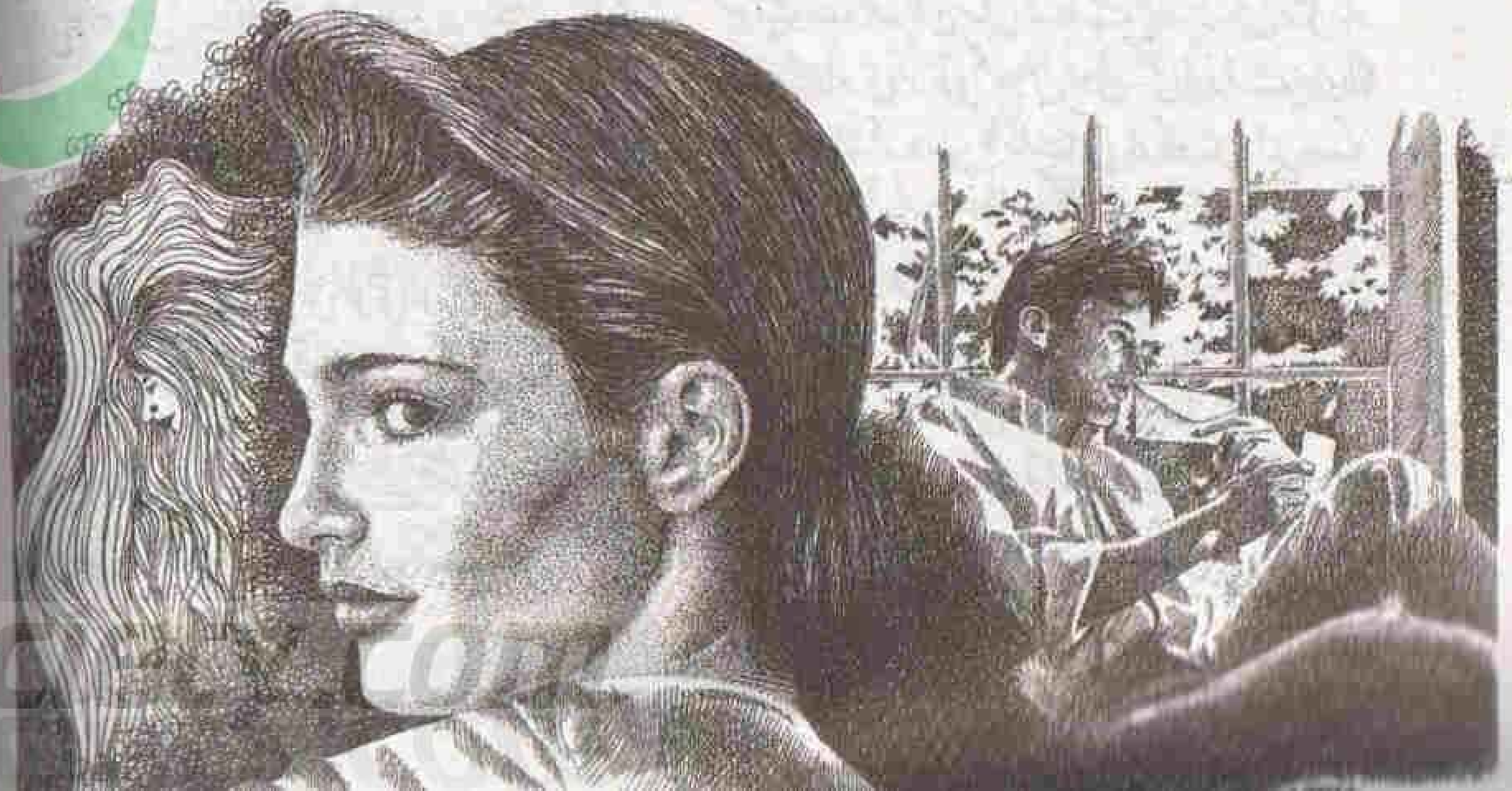

www.paksociety.com

فاخرہ کی اپنے شوہر ریاض کے انتقال کے بعد دنیا اندھیر ہو گئی۔ اسے چند ماہ تک اپنے بیٹے کاشف کا ہوش بھی نہیں رہتا۔ میکے والے اس موقع پر اسے تنہا چھوڑ دیتے ہیں، جس کا فائدہ اٹھاتے ہوئے ریاض کے بچپن کا دوست اقبال کاشف کو اپنی چکنی چپڑی باتوں سے متاثر کرلیتا ہے۔ حالات کی سنگینی کا احساس فاخرہ کو اس وقت ہوتا ہے جب کاشف ماں کو اقبال سے شادی کا مشورہ دیتا ہے۔ فاخرہ اسے احساس دلاتی ہے کہ وہ اقبال سے دُور رہے، لیکن کاشف اقبال انکل کے خلاف کچھ سننے کو تیار نہیں۔ بیٹے کو مجبور کرنے پر وہ اقبال سے عقدِ ثانی کرلیتی ہے۔

شادی کے فوراً بعد اقبال اچھائی کا لبادہ اتار پھینکتا ہے اور ماں بیٹے کی زندگی اجیرن کردیتا ہے۔ گھر کا پہیہ فاخرہ کی اسکول کی نوکری پر ہی چلتا ہے۔ ایک وقت آتا ہے کہ کاشف کو اپنا گھر چھوڑنا پڑتا ہے۔ وہ نواز اکرم کے یہاں بطور اکاؤنٹ کلرک کام کرتا ہے اور کبھی کبھار ہی ماں سے ملتا ہے اور ہر وقت فاخرہ کو علیحدگی کا مشورہ دیتا ہے۔ اس عمر میں بدنامی کا خوف انہیں ایسے فیصلے سے روکے ہوئے ہے۔ فاخرہ کے لیے اقبال کی غیر اخلاقی سرگرمیاں ناقابلِ برداشت ہیں۔

(اب آگے پڑھیے)

۱۰
دسویں اور آخری قسط

”نواز! تم ایک کمزور اور بزدل مرد ہو اور کمزور مرد کے کمزور فیصلے نہ صرف اس کی اپنی بلکہ اس کے گھر والوں کی زندگی بھی اجیرن کردیتے ہیں۔“

”ثروت تم!“ ثروت کے سفاک تجزیے پر نواز اکرم بے ساختہ چونکا تھا۔ آج پہلی بار ثروت نے اپنے بھائی کے رویے پر یوں کھل کر اظہار خیال کیا تھا۔

”سوری نواز! برا مت ماننا، مگر یہ حقیقت ہے کہ جس طرح سارا نے ماہین کے معاملے میں ہمیشہ کوتاہی برتی اور محض شکل و صورت کی بنا پر اس نے ہمیشہ بیٹی کو کسی ناپسندیدہ چیز کی طرح خود سے دور رکھا۔ اسی طرح تم بھی میرب کے معاملے میں اپنی ذمہ داری ایک باپ کی حیثیت سے نہیں نباہ سکے۔“

”میں نے کیا کمی دی ہے اس کو؟“

تم نے کبھی اس کو غلط کاموں اور باتوں سے نہیں روکا جو ایک باپ کی حیثیت سے تمہارا فرض تھا۔ اسے کبھی باپ بن کر نہیں دکھایا۔“

”ثروت! ایسا نہیں ہے، مجھے وہ بہت پیاری ہے۔ ماہین کی طرح۔ مگر وہ میری بات مانے تب نا۔“

”تم نے منوانے کی کوشش کی؟“ ثروت آج احتساب کے لیے پوری طرح تیار تھی۔

”وہ صرف سارا کی بات سنتی ہے۔“

”سارا نے کبھی بھی ماہین کو اپنی بیٹی نہیں سمجھا، اس کی کم صورتی کی بنا پر اسے کمتر سمجھا اور تم نے کبھی اس کے اس رویے پر روک ٹوک نہیں کی۔ اس نے میرب کی خوب صورتی کی بنا پر اس کی بے جا حمایت کی لیکن تم خاموش تماشائی بنے رہے۔“ ثروت نے گہرا سانس لے کر اسے دیکھا۔

”پھر اب کیا کروں ثروت!“ وہ بے بسی سے سر تھام کر بیٹھا تھا۔

”اب... بزدلی چھوڑو، ہمت پکڑو اور اپنے اندر قوت فیصلہ پیدا کرو۔“

”قوت فیصلہ، تم کیا سمجھتی ہو، میرب اور سارا میری بات مان لیں گی؟“

”کیوں نہیں مانیں گی بھئی۔ انہیں ماننا چاہیے اور تم میں منوانے کی طاقت ہونا چاہیے۔ کچھ فیصلوں میں سختی بھی کی جاتی ہے۔ تاکہ ان کا مطلوبہ رزلٹ حاصل ہوسکے۔“

”ثروت! میں سارا پر سختی نہیں کرسکتا ہوں۔“ نواز نے بے بسی سے سر جھکا لیا۔

”نواز! تمہاری اسی نرمی کا ناجائز فائدہ اٹھایا ہے سارا نے، مجھے غلط مت سمجھنا۔ مگر تمہاری تھوڑی سی سختی سے گھر کے معاملات سدھر سکتے تھے، اور اگر تم نے اب بھی اپنی روش نہ بدلی تو تمہاری بیٹی کا گھر مزید برباد ہوجائے گا۔ بڑی مشکل سے ابھی ماہین والا مسئلہ حل ہوا ہے تو میرب کا جھگڑا شروع ہوگیا ہے۔ اب ضروری نہیں کہ خوش قسمتی ہر بار تمہارے در پر دستک دے اور میرب کے لیے بھی کوئی دوسرا اچھا بندہ...“

”ثروت...“ نواز اکرم نے تڑپ کر اس کی بات کاٹی تھی۔

”اللہ نہ کرے، مگر جو حالات نظر آرہے ہیں، وہ اسی بربادی کی طرف اشارہ کررہے ہیں۔ عالیہ واسطی ہر بار اپنے بیٹے کو منا کر، سمجھا کر یہاں بھیج دیتی تھیں، مگر اس بار نہیں۔ وہ سب اگر اسی طرح اپنی ضد پر اڑے رہے تو سوچو کیا ہوگا۔ تم میرب سے سختی سے کہہ دو کہ اس نے پسند سے شادی کی ہے اور اسے اتنی جلدی تباہ کرنے کا اختیار اسے نہیں ہوگا۔“

”سارا ابھی تو...“

”اسے اس معاملے سے بالکل الگ کردو۔ وہی میرب کی پشت پناہی کررہی ہے۔ اسی کی شہ پر میرب اتنی اچھل کود کررہی ہے۔ تم میرب کے شوہر، سسرال والوں سے رابطہ کرکے ان کے خدشات دور کرو۔ تب ہی یہ پرابلم حل ہوگی۔ اور یاد رکھنا نواز! تمہاری اس وقت کی بزدلی، تمہاری بیٹی کے لیے عمر بھر کا عذاب بن جائے گی۔ ابھی جو فیصلہ اسے اچھا لگ رہا ہے، وہ فیصلہ چند ماہ یا چند سال بعد اس کے لیے عمر بھر کی پشیمانی اور دکھ بن جائے گا۔ بہتر ہوگا تم اب معاملات اپنے ہاتھ میں لو۔“

ثروت بے حد التجائیہ انداز میں کہہ رہی تھی۔ بلکہ ایک بار تو اس نے اس کے سامنے ہاتھ تک جوڑ دیے تھے۔

نواز اکرم نے خود کو عجیب سی بے بسی میں پھنسا محسوس کیا تھا۔ ثروت کی باتیں دل پر تو اثر کررہی تھیں، مگر ہمت کہاں سے لاتا۔

”نواز! یاد رکھنا، والدین کو بچوں کی اصلاح کے لیے بعض اوقات بڑے سخت فیصلے بھی تو کرنے پڑتے ہیں، تم بیٹی کے باپ ہو۔ خود جاکر آیان سے بات کرو۔ اسے اعتماد میں لو اور پھر اپنی بیٹی کو سمجھاؤ۔ عالیہ واسطی نے مجھ سے صاف صاف کہہ دیا ہے کہ میرب کو عقل دے کر سمجھا بجھا کر بھیج دیں۔ اگر وہ آجاتی ہے تو ٹھیک، ورنہ ہم اسے لینے نہیں آئیں گے اور اگر وہ علیحدہ ہونا چاہتی ہے تو اس کے لیے بھی ہم تیار ہیں۔“

”کیا...!“ نواز کا منہ کھلا رہ گیا تھا۔

”بالکل... اسی لیے تو کہہ رہی ہوں نواز! عقل و ہوش کرلو، بزدل بن کر تم نے جو خاموشی میرے لیے اختیار کی تھی وہی خاموشی اب میرب کی زندگی بھی برباد کرسکتی ہے۔“

ثروت نے بالآخر وہ بات، جو کئی برسوں سے اس کے دل میں ایک شکوے کی مانند سلگ رہی تھی، آج کہہ دی تھی، اور اس کی بات سن کر نواز نے بے ساختہ چونک کر اسے دیکھا تھا اور بہت دیر تک دیکھا تھا۔

☼ ☼ ☼

”آیان! تمہارے پاپا آج بہت ناراض ہورہے تھے کہ تم نے اپنی حرکتیں اب تک نہیں چھوڑی ہیں۔ تم کل رات کس لڑکی کے ساتھ تھے؟“

عالیہ واسطی نے اسے آفس جانے سے قبل ناشتے کی میز پر دھر لیا تھا، ورنہ تو وہ صبح کا نکلا رات کو آتا تھا اور تمام دن وہ اس سے بات کے انتظار میں اگلے روز خود بھی صبح صبح اپنے پروجیکٹ کے لیے نکل جاتی تھیں، مگر آج اتوار تھا تو انہیں اپنے آفس سے چھٹی تھی۔

”ماما! میں تو وہ اپنی ایک فرینڈ کے ساتھ...“

”یہ فرینڈ بازی کا چکر ختم نہیں ہوا تمہارا؟ تمہاری ان ہی چکر بازیوں نے تمہارا گھر برباد کردیا ہے اور تمہیں کوئی احساس ہی نہیں ہے۔“ عالیہ کو غصہ آگیا۔

www.Paksociety.com

www.Paksociety.com

"ماما۔۔۔! میرا گھر کسی چکر کی وجہ سے نہیں، بلکہ میرب کے چکروں کی وجہ سے برباد ہوا ہے۔ آپ کو پتا ہے پھر بھی۔" وہ الٹا ماں پر ناراض ہوا تھا۔

"تالی دونوں ہاتھوں سے بجتی ہے آیان! تم نے کون سا اسے اپنی محبت کا یقین دلایا ہے کبھی۔ اس وقت تم نے ہماری ہر بات کو جھٹلایا۔ اپنی منوائی، تب میرب نواز تمہیں دنیا کی واحد خوب صورت لڑکی لگتی تھی، جس کے بغیر تم زندہ نہیں رہ سکتے تھے۔ اب ہماری نیند اڑا کر ہمیں پریشان کر کے مزے سے گلچھرے اڑا رہے ہو۔ یہ کیا بات ہوئی۔"

عالیہ واسطی اس سے ہر بات کھل کر کرنا چاہتی تھیں۔ اپنے سرکل اور ملنے جلنے والوں کو وضاحتیں دے دے کر اب وہ تھک گئی تھیں۔

"ماما! غلطی ہو گئی مجھ سے۔ میں نے میرب کو سمجھا ہی نہیں۔ وہ اتنی ضدی اور خود سر ہو گی، یہ مجھے بھی اندازہ نہیں تھا۔"

"بیٹا! زندگی میں کسی شخص کو ہم سمجھ نہیں پاتے تو کیا اسے زندگی سے نکال دیتے ہیں۔ رشتوں اور اپنے سے جڑے انسانوں کو زندگی سے نکالنا اتنا آسان نہیں ہوتا، کچھ وقت انہیں سنبھلنے کے لیے اور بہتر ہونے کے لیے دینا چاہیے۔ تم میرب کو۔۔۔"

"ماما پلیز میں اس کا نام بھی سننا گوارا نہیں کرتا ہوں۔ وہ اپنی مرضی سے گئی ہے۔ اپنی مرضی سے ہی آئے گی اور مجھ سے یہ توقع نہ رکھیے کہ میں اسے لینے جاؤں گا۔" آیان نے یک دم غصے سے بھڑک کر کہا تھا۔

"پھر وہی بات، کچھ تو۔۔۔"

"ماما۔۔۔" اس نے چڑ کر ماں کی بات کاٹی۔ "آپ میری عادت کو اور مجھے اچھی طرح جانتی ہیں۔ میں نخرے برداشت کرنے والا نہیں ہوں، اور اس لڑکی کے تو میں نے بہت زیادہ نخرے برداشت کیے ہیں۔ سمجھتی کیا ہے خود کو۔ بہت ہو گیا۔ ہر روز اپنے میکے جا کر بیٹھ جاتی تھی، اور میں لینے جاتا تھا۔ ذرا ذرا سی بات پر منہ پھلا لیتا اور اوپر سے یہ بھی ڈیمانڈ کہ میں اسے مناؤں۔ مجھے نخرے دکھانے اور اپنی اہمیت جتانے والی عورتیں بہت بری لگتی ہیں۔"

"تو یہ سب تمہیں اس سے شادی سے قبل سوچنا چاہیے تھا نا۔"

"وہ شادی سے قبل ایسی نہیں تھی۔ میں اس کے نخروں کو ادائیں سمجھ کر نظر انداز کر دیتا تھا۔ پریشان ہو کر خود مجھے مناتی تھی۔ اسی لیے تو میں۔۔۔" وہ عجیب سے لہجے میں اپنی غلطی کا اعتراف کر رہا تھا۔ عالیہ کے دل کو کچھ ہوا۔ اکلوتا لاڈلا بیٹا شادی کے صرف ڈیڑھ ماہ بعد ہی کیسی تنہائی کی زندگی گزار رہا تھا۔ شادی شدہ ہو کر بھی اس کی زندگی میں کوئی رنگ کوئی خوشی نہ تھی۔

"بیٹا۔۔۔ میاں، بیوی کو ایک دوسرے کے ساتھ رہنا چاہیے، تاکہ وہ ایک دوسرے کو سمجھ سکیں۔ پرکھ سکیں۔ دوری تو کسی مسئلے کا حل نہیں ہے۔ انہوں نے پیار سے اسے سمجھایا۔

"جی ماما۔۔۔ لیکن صرف میرے اکیلے کی کوشش سے کیا ہوتا ہے۔ میرب تو مسئلے کو سلجھانا ہی نہیں چاہتی۔ شاید اسے یہ احساس ہو گیا ہے کہ اس نے جلد بازی میں اور جذبات میں آ کر مجھ سے شادی کا جو فیصلہ کیا تھا، وہ غلط تھا۔ اسی لیے تو اس نے ایک بار بھی مجھے فون نہیں کیا۔ سوری نہیں کیا۔ حتیٰ کہ آنے کے لیے بات تک نہیں کی۔ اور آپ اس لڑکی کی فیور کر رہی ہیں۔ چھوڑیں ماما۔ اگر اسے میری پروا نہیں ہے تو مجھے بھی اس کی پروا نہیں ہے۔ گو ٹو ہیل میرب۔"

وہ ناراضی سے کہہ کر باہر نکل گیا تھا اور عالیہ واسطی گم صم سی بیٹھی رہ گئی تھیں۔ گزرے ایک ماہ سے زائد عرصہ کا پل پل اس کی نظروں کے سامنے تھا جب انہیں یہ احساس ہوتا تھا کہ میرب زیادتی کر رہی ہے اور کئی بار وہ میرب کو ٹوکنا بھی چاہتی تھیں، مگر نئے دنوں کا احساس کر کے خاموش ہو جاتی تھیں۔ اس کا روزانہ ناشتے کے بعد میکے جانا اور پھر رات گئے واپس آنا بھی اسی معمول میں شامل تھا۔ کئی بار آیان نے اسے گھر میں رہنے کو کہا تھا، مگر وہ سسرال میں رہنا پسند ہی نہیں کرتی تھی۔ اسے تو اپنی ماں پیاری تھی۔ اور وہ ہر روز اس سے ملے بغیر سو نہیں پاتی تھی۔

"اور اب کیا وہ خود آ جائے گی۔ اس کی ماں بھی تو کچھ نہیں سمجھتی ہے۔ الٹا بیٹی کو شہہ دے رہی ہے کہ ناک سے لکیریں نکلوا کر میاں کے ساتھ جانا۔ توبہ توبہ شہناز بھابھی کے سامنے مجھے کتنی شرمندگی ہوئی تھی اور وہ بھی کیا مزے لے لے کر باتیں بتا رہی تھیں۔"

عالیہ کتنی ہی دیر افسوس سے بیٹھی رہ گئی تھیں۔ سُونا گھر آج انہیں زیادہ ہی کھل رہا تھا۔ روزانہ تو وہ اپنے آفس جاتی تھیں۔ دن کا آدھے سے زیادہ حصہ ان کا وہاں گزر جاتا تھا، مگر آج صبح سے ہی گھر کی بے رونقی اور اداسی انہیں پریشان کر رہی تھی۔

"سمجھ میں نہیں آتا کیا کروں۔" انہوں نے اپنی ٹھنڈی ٹھار کافی کا مگ اٹھایا۔ سکینہ اتوار کو چھٹی کرتی تھی، اسی لیے وہ گھر کا چھوٹا موٹا کام خود ہی کر لیتی تھیں۔ اسی پل فون کی بیل بجی تھی۔

"ارے یہ کس کا فون آ گیا۔" یہ کافی کا مگ کچن میں رکھ کر واپس آئیں۔ پی ٹی سی ایل نمبر بج رہا تھا۔

"دیکھ لو۔۔۔"

"ہیلو عالیہ بھابھی بول رہی ہیں؟"

"جی جی نواز بھائی۔ السلام علیکم!"

"وعلیکم السلام بھابھی! کیسی ہیں آپ؟ بھائی صاحب کیسے ہیں؟"

"بالکل ٹھیک، شکر اللہ کا۔ آپ بتائیں۔ بڑے دن کے بعد فون کیا آپ نے۔" نہ چاہتے ہوئے بھی گلہ ان کی زبان پر آ گیا تھا۔

"بھابھی جی۔۔۔ دراصل میں آپ لوگوں سے ملنے گھر آنا چاہتا ہوں۔ آیان بیٹا سے بھی گپ شپ ہو جائے گی۔ مل بیٹھ کر اس مسئلہ کا حل نکالیں گے تو یقیناً کچھ نہ کچھ حل نکل آئے گا۔" نواز اکرم نے کچھ ہچکچاتے ہوئے اپنا مدعا بیان کیا تھا۔ عالیہ نے چونک کر ریسیور کو دیکھا۔

"جی ضرور۔۔۔ آپ جب چاہیں، آ جائیں بھائی صاحب! آپ کا اپنا گھر ہے۔ اجازت اور اطلاع تو غیروں کو دی جاتی ہے۔"

عالیہ کو نواز اکرم کی اس بات نے خاصا پرجوش کر دیا تھا۔ ان کی طرف سے گفتگو کا مطلب تھا کہ وہ بہتر حل چاہتے ہیں۔

"جی شکریہ۔۔۔ خدا حافظ۔" فون رکھ کر عالیہ نے بے ساختہ ایک گہرا سانس لیا تھا کہ اس مسئلے کے حل کی امید تو نظر آئی تھی۔

☼ ☼ ☼

"ارے شہناز بھابھی! آپ بھی کمال کرتی ہیں۔ میری بیٹی کوئی گئی گزری معمولی لڑکی نہیں ہے۔ جو میں اسے خود سسرال چھوڑ کر آؤں گی۔ وہ میرب نواز ہے۔ اور اس کے لیے خود عالیہ کو بیٹے سمیت آنا ہو گا۔ میری تمام شرائط مان کر میرب کو لے جانا ہو گا۔ ورنہ بیٹی کی دو روٹیاں بھاری نہیں ہیں مجھ پر۔ بہت لاڈلی ہے میری بیٹی۔"

سارا نے فخر سے گردن اکڑائی تو ایک طنزیہ مسکراہٹ بے ساختہ ان کے لبوں پر پھیلی تھی۔

"ہائے سارا۔ تم کیا کہہ رہی ہو۔ وہ عالیہ تو کہتی ہے۔ نہ میں جاؤں گی، نہ میرا بیٹا۔ خود سارا اور نواز بیٹی کو میرے پاس چھوڑ کر جائیں گے تو یہ مسئلہ حل ہو گا۔ ورنہ میرے بیٹے کے لیے لڑکیوں کی کمی نہیں ہے۔"

"تو میری حور جیسی بیٹی کو کیا کمی ہے بھئی۔ آج بھی رشتوں کی لائن لگ جائے۔ سمجھتی کیا ہے عالیہ واسطی۔"

سارا کو غصہ دلانے کے لیے شہناز رضا کو زیادہ تردد نہیں کرنا پڑتا تھا۔ وہ بے حد خود پرست تھی اور ذرا سی میرب یا اس کے خلاف بات ہوتی تو وہ بھڑک جاتی تھی۔

"رضا بتا رہے تھے! نواز بھائی ان لوگوں سے خود

www.Paksociety.com

www.Paksociety.com

بات کریں گے۔"

"کیا! نواز! انہیں‘ نواز کیوں بات کریں گے ان لوگوں سے‘ انہیں اپنی بہو سے غرض ہوگی‘ اسے گھر لے جانا ہوگا تو وہ خود آئیں گے۔" سارا نے بڑے کروفر سے اس کی بات کی تردید کی تھی۔

"تو پھر آپ بہت انجان ہیں‘ آپ کو نہیں معلوم آج نواز بھائی ان سے میرب کے سلسلے میں کوئی بات کرنے ان کے گھر جائیں گے۔ یا شاید جا بھی چکے ہوں۔ خیر اچھی بات ہے۔ بیٹیوں کے ماں باپ کو اتنا سخت مزاج اور اکڑ نہیں دکھانی چاہیے۔ بیٹے والے ہمیشہ اونچے ہوتے ہیں۔"

شہناز نے در پردہ اسے بتایا۔ اور خود کو برتر ثابت کرنے کو یہ بات کہی تھی۔ کیونکہ یہ بات سارا علوی کی کمزوری تھی۔

"کم ظرف لوگ ہوتے ہیں وہ‘ جو شادی کے بعد بدل جاتے ہیں۔ شادی سے پہلے یہی بیٹے کی ماں میرے پاس چکر لگا کر اپنا سوال کر گئی تھی اور بڑی منت کرنے کے بعد ہاں کی تھی میں نے۔ بہت سے لائق فائق بیٹوں کی ماؤں کو جواب دے کر جو آج بھی شاید کسی امید‘ آس میں ہیں۔ خیر... میں نواز کا پتا کرتی ہوں۔ سوری بھابھی‘ خدا حافظ۔"

اس کے جواب نے یقیناً" شہناز کو سرتاپا جھلسا دیا ہوگا۔ اسی کے اوپر کھلم کھلا اس نے طنز کیا تھا‘ مگر ان کا جواب اب لمبی چوڑی بحث کو جنم دیتا۔ سو انہوں نے فوراً" سوری کہہ کر فون بند کر دیا تھا۔

"اب جلتی بھنتی رہے گی۔ جلے‘ کم بخت اکڑتی ہے کہ بیٹے کی ماں ہے۔ ہونہہ۔" سارا نے طنز سے سر جھٹکا اور اپنے سیل پر نواز کا نمبر ملانے لگی‘ مگر فون بند تھا۔

"کیا مصیبت ہے‘ یہ نواز کا فون آج آف کیوں مل رہا ہے۔ اس نے دو‘ تین بار ٹرائی کی‘ پھر آفس سے پوچھا۔

"میم‘ صاحب تو گھنٹہ بھر پہلے آفس سے چلے گئے ہیں۔" آپریٹر کی اطلاع پر وہ ٹھٹکی۔ "تو کیا شہناز کی اطلاع ٹھیک تھی۔"

اس نے بے چینی سے ٹہلنا شروع کر دیا۔ یقین نہیں آرہا تھا کہ نواز اکرم واقعی میرب کے سسرال والوں سے رابطہ کرنے گیا ہے۔ "مجھ سے پوچھے بغیر وہ کیسے" سارا کو رہ رہ کر یہ ہی خیال آرہا تھا۔ اوپر سے سیل بھی بند کیا ہوا تھا۔ ایک‘ دوبار اس کا دل چاہا کہ وہ عالیہ واسطی کے گھر فون کر کے پوچھ لے‘ مگر پھر اسے مناسب نہیں لگا کہ عالیہ سے پوچھے۔

پہلے ہی سارا کے بارے میں سارے حلقہ احباب میں مشہور تھا کہ اس کا نواز اکرم پر بہت رعب ہے۔ اور نواز کو اگر وہ سانس بند کرنے کا حکم بھی دے تو وہ سانس بند کر لے گا۔

"نواز کو آجانے دو ایسا مزا چکھاؤں گی کہ یاد رکھے گا عمر بھر۔ یہ کیا بات ہوئی۔ مجھے بتایا نہیں۔ میرب سے پوچھا نہیں اور چل دیا اس کے سسرال۔ بڑا آیا طرم خان۔ اب نہ جانے کیا کیا کہہ سن آئے گا۔"

سارا مارے غصے کے ادھر سے ادھر ٹہلتے ہوئے بے حد پریشان اور فکر مند تھی۔ میرب کا معاملہ ہو اور اس کا مشورہ اور تائید شامل نہ ہو۔ یہ کیسے ہو سکتا تھا۔ مابین کے کسی بھی معاملے کو ہینڈل کرنے کا پورا اختیار اس نے نواز کو دے رکھا تھا۔ مگر میرب کے کسی ایک بھی معاملے میں دخل اندازی کا نواز کوئی اختیار نہیں تھا۔

"ماما... خیریت! آپ پریشان لگ رہی ہیں۔ بیٹھیں نا۔" میرب نے ماں کو لاؤنج میں اِدھر سے اُدھر ٹہلتے دیکھا تو قریب آکر حیرت سے پوچھا۔

"پریشان ہوں میرب! بہت پریشان ہوں میں۔ تمہارا باپ گیا ہوا ہے تمہارے سسرال والوں سے بات کرنے‘ تمہارے سلسلے میں۔" سارا نے چبا چبا کر کہا۔

"واٹ! بابا گئے ہیں۔ مگر کیوں؟ اور اکیلے ہی چلے گئے ہیں۔ کم از کم مجھے تو بتاتے۔ میں انہیں وہ سب باتیں تو بتا دیتی جو وہ وہاں میرے حق میں بول سکتے تھے۔" میرب نے پاؤں پٹختے ہوئے غصے سے جھلا کر کہا۔

"ارے! میں یہ ہی تو سوچ سوچ کر ہلکان ہو رہی ہوں کہ نواز کو اصل معاملے کا علم نہیں ہے اور چل دیا معاملہ حل کرنے۔"

"معاملہ! ماما وہ سب انہیں میرے بارے میں نہ جانے کیا کیا بتائیں گے۔ عالیہ آنٹی کو تو میری ساری باتوں پر اعتراض ہوتا ہے۔ ہر وقت مجھے روکتی ٹوکتی ہیں۔ اب وہ تمام باتیں بابا کو پتا چلیں گی تو سوچیں بابا کو جو ہم نے بتایا ہے‘ وہ تو اب ان کی باتوں پر ہی یقین کریں گے نا۔"

"ایسے ہی یقین کرے گا۔" میرب کی پریشانی پر سارا نے غصے سے بھڑک کر کہا۔ "نواز اکرم کو جو میں بتاؤں گی وہ اسی پر یقین کرے گا۔ باقی دنیا والے جو مرضی آئے بتائیں‘ سکھائیں‘ کوئی فرق نہیں پڑتا۔"

"ماما! آپ سمجھ نہیں رہی ہیں۔ بابا کو وہاں نہیں جانا چاہیے تھا۔" میرب نے پریشان ہو کر پاؤں پٹختے ہوئے لہجے میں کہا تھا۔ اسے محسوس کر کے سارا ٹھٹکی تھی۔ بغور میرب کو دیکھا۔

"میرب! تم مجھ سے کچھ چھپا رہی ہو۔ سچ سچ بتاؤ کیا معاملہ ہے؟"

"ماما... وہ... میں نے جھوٹ بولا تھا کہ مجھے عالیہ آنٹی نے گھر سے نکالا ہے۔ میں خود ان کی باتوں سے ہرٹ ہو کر لڑ کر گھر سے آگئی تھی۔" میرب نے ہچکچاتے ہوئے اصل بات بتائی تو سارا کا چہرہ غصے سے سرخ ہو گیا۔ اس نے آنکھیں نکال کر اسے گھورا۔

"تم نے مجھ سے جھوٹ بولا‘ مجھ سے بھی؟"

"ماما... عالیہ آنٹی کا سلوک بہت برا تھا میرے ساتھ۔ میں کیا کرتی‘ میرا ایک منٹ بھی اس گھر میں رہنے کو دل نہیں چاہ رہا تھا۔ اسی لیے میں وہاں سے آئی تھی اور اگر میں بہانہ بناتی تو آپ مجھے واپس بھجوا دیتیں۔" اس نے منہ بسورتے ہوئے‘ بچوں جیسے انداز میں ٹھنک کر کہا تو سارا نے بے ساختہ اپنا سر تھام لیا۔

"اف میرب۔ تم مجھے بہت تنگ کرتی ہو۔ اب تمہارے اسی جھوٹ کی وجہ سے میں خود کو کتنا کمزور سمجھ رہی ہوں۔ ویک پوائنٹ پر لا کھڑا کیا ہے تم نے مجھے۔"

"ماما پلیز... میری پیاری ماما... آپ بات کو سنبھال لینا نا۔" اس نے لاڈ سے ماں کے گلے میں بانہیں ڈال کر کہا تو سارا نے ناراضگی سے اسے دیکھا۔

"غلط بیانی کی تم نے مجھ سے۔ میں سب کو عالیہ کے ظلم و ستم بتاتی رہی اور تم!"

"ماما‘ بابا کو تو آپ منا لیں گی نا۔"

"نواز کی مجھے فکر نہیں ہے۔ مسئلہ تمہارے سسرال والوں کا ہے۔ توبہ توبہ اتنا نخریلا سسرال ہے تمہارا۔ ذرا‘ ذرا سی بات پر ان سب کی ایگو ہرٹ ہو جاتی ہے۔ اور ایک میرا سسرال تھا۔ مجال نہیں تھی کسی کی کہ مجھے سوتے سے اٹھا لیا جائے یا کوئی کچھ کہہ دے۔ میں نے تمہاری ثروت پھوپھو کا کانٹا بھی راستے سے ہٹا دیا تھا۔ تب بھی نواز مجھے کچھ نہیں کہہ سکا تھا۔ اسی لیے میں تمہیں سمجھاتی تھی کہ تم اس شخص سے شادی مت کرو۔ اسے اپنے خاندان‘ اپنی خوب صورتی پر بڑا غرور ہے۔"

"ماما اب میں آپ جتنی حوصلے والی اور بہادر نہیں ہوں‘ میں عالیہ آنٹی کا مقابلہ نہیں کر سکتی ہوں۔ اسی لیے میں الگ رہنا چاہتی ہوں۔ بڑی مین میخ نکالتی ہیں وہ۔" میرب نے منہ بنا کر کہا۔

"اب مجھے کیا کچھ کرنا پڑے گا تمہارے لیے میرب۔"

"ماما بس آپ جو بھی کریں۔ یاد رکھیں مجھے اس گھر میں نہیں رہنا۔ اگر آیان کو مجھ سے محبت ہے تو وہ مجھے الگ گھر لے کر وہاں لے جائے۔ آیان کا اپنا فلیٹ بھی ہے ماما۔ کوئی پرابلم نہیں ہوگی۔"

میرب کی بات پر وہ گم صم ہو کر گہری سوچ میں ڈوب گئی تھی۔

☼ ☼ ☼

"میرب کو سمجھائیں بھائی صاحب! گھر اس طرح نہیں بنتے ہیں۔ جو وہ کر رہی ہے اور کرتی رہی ہے۔ یہ

www.Paksociety.com

سب ہم نے آپ کو بتادیا ہے۔ یقیناً" میرب نے آپ کو اصل بات نہیں بتائی ہوگی کیونکہ مجھے بھی جو اِدھر اُدھر سے باتیں معلوم ہو رہی ہیں وہ بالکل غلط اور جھوٹ ہیں۔ میرب مجھے بدنام کرنے کو کہہ رہی ہے کہ میں نے اسے گھر سے نکالا ہے۔ حالانکہ وہ خود یہاں رہنا نہیں چاہتی ہے۔ میں اسے روک رہی تھی، مگر اس نے ایک نہ سنی۔ اب آپ ہی انصاف کریں بھائی صاحب یہ تو گھر بسانے والے طریقے نہیں ہیں نا۔"

عالیہ واسطی کے سوال نے اسے شرمندہ کردیا تھا۔ اور شرمندہ تو وہ اور بھی بے شمار باتوں پر ہوتا تھا۔ وہ سب چھوٹی چھوٹی باتیں، جو بظاہر بہت معمولی تھیں۔ مگر میرب کے طرز عمل نے اسے گھٹیا اور کم تر بنادیا تھا۔ انہیں سن کر نواز اکرم کو شرمندگی بھی ہوئی تھی، افسوس بھی۔ میرب کی ضد اور من مانی فطرت سے وہ آگاہ تھا، مگر میرب اس حد تک غلط بیانی کرکے گھر آئے گی اور اس طرح کی حرکتیں کرے گی۔ یہ اسے گمان تک نہ تھا، کیونکہ وہ میرب کو سارا کی زبانی جانتا تھا۔ ہمیشہ سارا ہی اس کی تعریفیں کرنے میں پیش پیش ہوتی تھی، اسی لیے تو ایک ہی گھر میں رہتے ہوئے اسے کبھی اپنی بیٹی کے بارے میں یہ علم نہیں ہوسکا تھا کہ وہ اس قدر عجیب اور ضدی عادت کی مالک ہے۔

"بھائی صاحب! آپ پریشان نہ ہوں۔ میں آپ کی پرابلم، آپ کا دکھ سمجھ سکتا ہوں۔ بہرحال غلطی دونوں طرف سے ہوئی ہے۔ ہم اپنے بیٹے کو سمجھاتے ہیں۔ آپ بھی بھابھی اور میرب کو سمجھائیں، بچوں کی پرابلمز کو بڑے ہی تو حل کرتے ہیں۔ ان کا آپس میں محبت اور پیار سدا قائم رہے اور گھر آباد رہیں۔" انور واسطی کی اپنی کوئی بیٹی نہیں تھی، مگر وہ ایک بیٹی کے باپ کو اس وقت اپنے سامنے ایک مجبور، بے بس شخص کی شکل میں دیکھ رہے تھے اور اسی لیے انہوں نے نرمی اور محبت سے نہ صرف اسے سمجھایا تھا بلکہ حوصلہ اور دلاسا بھی دیا تھا۔

"بہت شکریہ بھائی صاحب۔ آپ کی باتوں نے مجھے بہت حوصلہ دیا ہے۔ میں ان شاء اللہ بہت جلد اس مسئلے کو حل کرلوں گا۔"

نواز نے اٹھتے ہوئے بڑے وثوق سے کہا تو عالیہ واسطی نے قدرے طنزیہ مسکراہٹ کے ساتھ انور واسطی کو دیکھا تھا اور یہ لمحہ بھر کی مسکراہٹ اور ایک معنی خیز نظر پل بھر میں نواز اکرم کو پانی پانی کرگئی تھی۔ وہ انجان نہیں تھا اس نظر سے۔ اسے اکثر ایسی نظروں کا سامنا کرنا پڑتا تھا۔

"بھائی صاحب، آپ بھابھی کو منالیں تو وہ میرب کو خود ہی سنبھالے گی۔" چند لمحوں کے بعد معنی خیز اشارے کو زبان مل گئی تھی۔ نواز کے پاس اس بات کا جواب نہیں تھا۔ اس نے محض گردن ہلائی اور جلدی سے گھر سے باہر آگیا تھا۔ پورچ میں انور واسطی نے رخصت کیا تھا۔ اور رخصت کے وقت اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر بڑے دھیمے اور معنی خیز انداز میں سمجھایا تھا۔

"نواز صاحب، زندگی میں کبھی کبھی بڑے تلخ اور سخت فیصلے بھی کرنے پڑجاتے ہیں، مگر یہ فیصلے بہت سے لوگوں کے لیے بہت اچھے ثابت ہوتے ہیں۔ ہمیں بھی اب کچھ ایسے فیصلے ضرور کرنے ہوں گے اور آپ خود کو ان فیصلوں کے لیے تیار کرلیں اور ہمت کریں۔ میرب کو ماں کے لاڈ نے بگاڑا ہے۔ باپ کی سختی سدھارے گی۔ میری بات پر غور کیجیے گا۔"

اس نے گاڑی میں بیٹھتے ہوئے نواز کے کندھے پر دھرے اپنے ہاتھ کو ہلکا سا دبا کر اٹھالیا تھا اور نواز اکرم پل بھر کو ساکت سا ہوگیا تھا۔

"ہمت کریں نواز صاحب!" واپسی کے سفر میں اس کے کانوں میں ایک ہی جملہ گونج رہا تھا۔ یہاں ہر شخص ایک ہی بات کررہا تھا کہ "ہمت کرو، ہمت کرو۔" ثروت بھی یہ ہی کہتی تھی۔ رضا بھی، اور اب انور واسطی بھی۔

"تو کیا میں واقعی ایک بزدل اور کمزور مرد ہوں، جس کے عمر بھر کے خوف نے اس کے گھر کو نازک تنکوں کا آشیانہ بنا دیا ہے۔ اور اب بیٹی کا گھر بھی میری وجہ سے....."

"میرب کو ماں کے لاڈ نے بگاڑا ہے۔ باپ کی سختی سدھارے گی۔"

"باپ کی سختی۔" وہ زیر لب بڑبڑایا۔

"کیا میں اس پر سختی کرسکوں گا۔" اس نے قدرے جھلاہٹ میں یہ سوال خود سے کیا تھا، اور با آواز بلند کیا تھا۔

"نہیں..... نہیں میں اس پر سختی نہیں کرسکوں گا۔" اس نے بے اختیار زوردار بریک لگائی۔ بروقت بریک کے سامنے والی گاڑی سے ٹکر ہونے میں محض چند انچ کا ہی فاصلہ رہ گیا تھا۔

"تمہاری نرمی اور ڈر نے ہمیں بہت نقصان پہنچایا ہے۔ بزدل بن کر تم نے جو خاموشی میرے لیے اختیار کی تھی نا۔ وہی اب کروگے تو میرب کی بھی زندگی برباد ہوجائے گی۔ تم چاہتے تو ابا جی کے سامنے میرے لیے زبان کھول سکتے تھے۔ ابا جی تمہاری بات بہت سنتے تھے۔ مگر تم نے ایک بار بھی میری طرف نہیں دیکھا نواز پلیز اب ایسا مت کرنا!" ثروت نے بہت برسوں بعد زندگی میں پہلی بار جذباتی ہوکر اسے یہ طعنہ دیا تھا ورنہ آج تک اس نے کبھی بھی یہ ظاہر نہیں کیا تھا کہ اسے نواز کی خاموشی سے کوئی گلہ شکوہ بھی تھا۔

"سوری ثروت! سوری۔ میں نے بہت بڑا گناہ کیا تھا۔ تب مجھے بولنا چاہیے تھا، تمہاری حمایت میں۔ تمہارے حق میں، مگر میں بزدل بنا رہا اور آج....."

گھر سامنے تھا۔ پل بھر میں سارا لاج کا سیاہ اور بھاری دیوہیکل گیٹ کھلتا اور اس کی گاڑی اندر جانے والی تھی۔ تو پھر.....!

"تو پھر.....!" گیٹ آہستہ آہستہ وا ہو رہا تھا، اور ساتھ میں اس کا ذہن بھی۔ وہ بے حد سنجیدگی سے سامنے کھلے گیٹ کو دیکھتے ہوئے سوچ رہا تھا، چوکیدار نے حیرانی سے اسے یوں گاڑی روکے گیٹ سے باہر کھڑے دیکھا۔ پھر ایک لمحہ لگا تھا اور اگلے ہی پل اس نے سر جھٹک کر گاڑی اسٹارٹ کی اور زن سے گاڑی اندر لے گیا۔

☼ ☼ ☼

"کہاں سے آرہے ہو تم۔" وہ لاؤنج میں داخل ہوا ہی تھا کہ سارا نے سوال کر ڈالا تھا۔ اور اس کے انداز اور لہجے کو پہچاننے والا نواز اکرم "فوراً" ہی سمجھ گیا تھا کہ سارا کو اس معاملے کی بھنک پڑگئی ہے۔

"میں انور واسطی سے ملنے گیا تھا۔"

"کیوں.....؟" اس نے ابرو اچکایا۔

"میرب کے سلسلے میں بات کرنے گیا۔"

"میرب کے سلسلے میں بات کرنے گئے تھے، اور میرب سے پوچھے بغیر؟" سارا کے لہجے پر اسے یکدم غصہ آگیا تھا۔

"ہاں..... کیونکہ میں اس کا باپ ہوں۔" نواز اکرم نے بے حد سنجیدہ لہجے میں دوٹوک انداز میں جواب دیا تو سارا نے غصے سے کہا۔

"کیا..... کیا کہہ رہے ہو نواز! باپ ہو تو کیا تمہیں ہر طرح کی آزادی حاصل ہے کہ تم اپنی بیٹی کی مرضی کے بغیر اسے زبردستی واپس بھیجو گے؟"

"ہاں..... بھیج دوں گا۔ کیونکہ وہ جھوٹی ہے، اور وہ یہاں اپنی مرضی سے آئی ہے۔ اسے عالیہ واسطی نے نہیں نکالا۔"

"سنا مما! آپ نے۔ سن لیا نا، یہی بات میں آپ سے کہہ رہی تھی نا ممی کہ وہ لوگ بابا کے سامنے سچے بننے اور خود کو معصوم ثابت کرنے کی پوری کوشش کریں گے۔ کیونکہ ان کا جواب دینے والا دوسرا کوئی اور نہیں تھا۔ اگر بابا!.."

"میں سن چکا ہوں سارے سوال جواب۔ مجھے بھی عقل ہے۔ بچہ نہیں ہوں میں۔"

"اوہو..... اوہ نواز اکرم۔ آج تو بڑے طرم خان بن کر آئے ہو۔ ویسے تم اکیلے مجھ سے پوچھے بغیر گئے کیوں تھے وہاں؟ انہوں نے بلایا تھا کیا؟"

"نہیں..... میں خود گیا تھا اور صرف اسی لیے گیا تھا کہ میرب کا اصل مسئلہ معلوم کرسکوں۔ جو باتیں مجھے تمہاری زبانی معلوم ہورہی تھیں۔ اس کے بعد اصل حقیقت جاننا بھی ضروری تھا۔" نواز سنجیدگی سے بولا۔

www.Paksociety.com

www.Paksociety.com

"تو جان لی اصل حقیقت ہے؟" اس نے بے حد طنز سے اسے جتایا۔

"ہاں جان لی۔ بہت اچھی طرح اور میرب! تم بھی کان کھول کر سن لو۔ اب تمہاری فضول حرکات پر میں مزید خاموش نہیں رہوں گا۔ تم اپنی تیاری پکڑو۔ کل میں تمہیں خود تمہارے سسرال چھوڑ کر آؤں گا۔" نواز اکرم نے بے حد سنجیدگی سے دونوں کو دیکھتے ہوئے میرب کو کہا تھا' سارا علوی تو بے ہوش ہونے کے قریب ہو گئی تھی۔

"نواز... تمہارا دماغ ٹھیک ہے؟ تم خود اپنی بیٹی کو لے کر اس کے سسرال جاؤ گے؟ کیا اپنی عقل بالکل ان کے پاس گروی رکھ آئے ہو؟" سارا بھڑکی تھی اور سرتاپا جلنے لگی تھی۔

"ابھی تو عقل آئی ہے سارا۔ اور ہاں تم بھی غلط باتوں پر اسے شہہ دینا بند کر دو۔ کیونکہ یہ بہت جھوٹی اور نکمی لڑکی ہے۔ اس کے سسرال والوں نے اسے قبول کیا' ان کا شکریہ۔ ورنہ تمہاری بیٹی کے اندر کوئی ایک گن بھی ایسا نہیں ہے کہ اسے بہو بنایا جائے۔" نواز نے بغیر ڈرے' خوف زدہ ہوئے اسے صاف صاف بتا دیا تھا۔

"نواز..." سارا زور سے چیخی تھی۔

"چیخو مت سارا! بہت سن چکا ہوں تمہاری بھی باتیں۔ مگر اب وہی ہو گا جو میں چاہوں گا۔ پچھلے کئی برسوں سے تم نے گھر کے آٹا دال سے لے کر بچیوں کے مستقبل تک کے فیصلے خود کیے ہیں۔ اور اب کیا ہو گا' کیوں ہو گا؟ کس کے لیے ہو گا؟ یہ سب فیصلے میں کروں گا۔" میرب غصے سے تن فن کرتی گئی تھی۔

"تم پاگل ہو گئے ہو نواز!" نواز کے سنجیدہ اور فیصلہ کن لہجے نے سارا علوی کا رنگ اڑا دیا تھا۔ وہ بے حد حیرت زدہ اور ٹھٹک کر اسے دیکھ رہی تھی اور کچھ ایسا ہی حال میرب کا بھی تھا' جس نے باپ کو ہمیشہ ماں کے سامنے دبا ہوا' مسکین اور عاجز سمجھا تھا۔

"تمیز سے سارا۔ میں نے تو تمہیں کبھی نہیں کہا کہ تم پاگل ہو گئی ہو۔ حالانکہ بہت سارے تمہارے فیصلے اور باتیں ایسی تھیں جنہیں درست نہیں کہا جا سکتا تھا۔ وہ تمہارا پاگل پن تھا' مگر میں نے کبھی تمہیں بے عزت نہیں کیا' تمہاری بات کو نہیں جھٹلایا اور تو اور تمہیں مالی اخراجات میں بھی کمی نہیں ہونے دی۔ پھر بھی تم مجھے ہی پاگل کہہ رہی ہو۔ شرم کرو سارا۔"

سارا کے سر پر بم پھٹا تھا۔

"نواز! کیا ہو گیا ہے تمہیں؟ تم ہوش میں تو ہو؟ یا تمہارا دماغ چل گیا ہے۔" سارا نے شکی نظروں سے اسے گھورا۔

"آج ہی تو ہوش میں آیا ہوں سارا۔ تمہیں میرا دماغ صحیح نہیں لگ رہا ہے۔ جبکہ آج میرا دماغ بالکل ٹھیک ہے۔ میں نے تمہیں اپنی محبت سمجھ کر تمام حقوق دے دیے۔ یہ بھی نہ سوچا کہ یہ حق تم کس طرح استعمال کرو گی اور اسی لیے آج میری بچی کا گھر برباد ہو رہا ہے۔ تمہاری وجہ سے سارا تمہاری شہہ پر یہ سب کام ہو رہا ہے۔ تم نے میرب کو برباد کر دیا ہے۔"

"میرب یہ میری بیٹی ہے اور اس کے مستقبل میں خود فیصلہ کروں گی۔"

"صرف تمہاری بیٹی سارا؟ میرب صرف تمہاری بیٹی ہے' میری کچھ نہیں لگتی؟" نواز کے لیے سارا کا جواب ایک شاک سے کم نہ تھا۔

"دیکھو نواز! تم نے ماہین کے لیے جو بھی کیا' بتانا بھی کیا۔ میں نے بھی تمہارے کام میں تمہاری باتوں میں دخل نہیں دیا' اب جبکہ میں میرب کا مسئلہ خود حل کرنا چاہتی ہوں' تو تم بیچ میں کود رہے ہو۔ حالانکہ تمہیں اصل معاملات کا کوئی علم نہیں ہے۔"

"میں جانتا ہوں سارا! سب کچھ جانتا ہوں۔ یہ سب تمہارا قصور ہے۔ اسے تم نے اپنی طرح جذباتی جوشیلی اور لڑاکا بنا دیا ہے۔ سسرال والوں کی باتیں بڑے حوصلے اور ضبط سے برداشت کرنی ہوتی ہے مگر میرب تو ان کی باتوں کو غلط رنگ دے کر گھر ہی چھوڑ آئی۔"

"غلط باتیں نہیں نواز' بالکل صحیح باتیں۔ تمہیں کیا پتا اس کی ساس کا' وہ چالاک چلتر عورت' ملازمہ

کرنے والی اسے گھر میں چین کہاں آتا ہے۔ خود تو سارا دن عیش و آرام میں باہر سیر سپاٹا کرتی پھرتی ہے اور بہو کو گھر میں قید کرنا چاہتی ہے۔ اسے بہو نہیں گھر میں کام کرنے والی ملازمہ چاہیے تھی۔ تاکہ اس کی غیر موجودگی میں وہ گھر سنبھال لے اور کھانا بھی پکا ہوا مل جایا کرے۔ یہ تھی اس چالاک عورت کی پلاننگ اور جب میرب نے کھانا بنانے سے انکار کیا تو اس نے اس کے خلاف محاذ کھول لیا' ایان کے بھی کان بھرے اور اب سارے خاندان کی تھو تھو کی وجہ سے بہو گھر واپس لانا چاہتے ہیں۔" سارا نے حرف بہ حرف وہی کہا تھا جو اسے میرب نے بتایا تھا۔

"بالکل غلط۔ اسی لیے تو کہتا ہوں' تمہیں صرف اپنی بیٹی ہی معصوم اور سیدھی نظر آتی ہے۔ باقی دنیا والے بھی آنکھیں رکھتے ہیں۔ میں خود میرب کو لے کر اسے اس کے گھر چھوڑنے جاؤں گا۔"

"بہت شکریہ تمہارا۔ وہ اس وقت تک نہیں جائے گی۔ جب تک عالیہ اور ایان خود نہیں آئیں گے۔ اور آکر معافی بھی مانگیں' غضب خدا کا' ایک ماہ کی بیاہتا دلہن کو گھر سے نکالتے شرم نہیں آئی انہیں۔"

"سارا! بات کو بڑھانے کی نہیں' مٹانے کی ضرورت ہے۔ اور میں ان لوگوں سے وعدہ کر کے آیا ہوں کہ میرب کو خود لے کر آؤں گا۔"

"کیوں... کیوں وعدہ کیا تم نے ان سے؟ مجھ سے اور میرب سے پوچھے بغیر؟ جس کی زندگی کا یہ سوال ہے' کم از کم اس سے تو پوچھ لیتے۔" سارا کا بس نہیں چل رہا تھا کہ وہ نواز اکرم کو کھڑے کھڑے فنا کر دیتی۔ نواز اکرم نے بے حد سنجیدگی سے بغور اسے دیکھا تھا۔

"تو ٹھیک ہے۔ تم سوچ لو۔ اگر تم نے میرب کو اپنے ساتھ رکھنا ہے تو پھر میں تمہارے ساتھ نہیں رہ سکتا۔" نواز سنجیدگی سے اپنا فیصلہ سنا کر اپنے کمرے میں چلا گیا تھا' سارا کے لیے آج یوم قیامت تھا۔ پے در پے شاک لگ رہے تھے۔ اور وہ بھی نواز کی طرف سے۔

"ہونہہ! آیا بڑا دھمکی دینے والا۔ دو دن میں سیدھا کر دوں گی۔ ستیاناس جائے ان لوگوں کا۔ نہ جانے اسے کیا کیا پٹیاں پڑھائی ہیں کہ دماغ ہی الٹ گیا ہے اس کا۔ میرے سامنے بولنے کی جرأت نہیں تھی اور اب...! خیر کروں گی اس کا بندوبست اور اچھی طرح کروں گی۔"

سارا زخمی ناگن کی طرح بل کھاتی' آئندہ کا لائحہ عمل سوچتی رہی تھی' مگر اسے یہ معلوم نہ تھا کہ اب کی بار نواز اکرم محض عارضی نہیں بدلا۔ نہ ہی کسی کی باتوں نے اسے بدلا ہے۔ اس کے اندر تبدیلی بہت دیر بعد آئی تھی۔ مگر وہ سرتاپا نواز کو بدل گئی تھی۔ اور اب ایک بالکل مختلف اور بدلے ہوئے نواز اکرم کے ساتھ اس کا واسطہ پڑنے والا تھا۔

☼ ☼ ☼

"میرب! میں نے تم سے کل کچھ کہا تھا۔ تم نے اپنی پیکنگ مکمل کر لی ہے؟" صبح ناشتے کے بعد آفس جانے سے پہلے وہ ناشتا کرتی میرب کے پاس آکر پوچھنے لگا تو مکھن لگا ڈبل روٹی کا لقمہ بے ساختہ اس کے حلق میں اٹکا تھا۔

"پاپا! میں نے آپ کو کل ہی بتا دیا تھا کہ..."

"تم نے مجھے کچھ نہیں بتایا تھا' میں نے تمہیں تیاری کا کہا تھا۔ اس کا بتاؤ۔ کر لی ہے تو آؤ میں تمہیں آفس جاتے ہوئے تمہارے گھر چھوڑ دوں گا۔" نواز نے اس کی بات درمیان میں ہی کاٹ دی تھی۔

"پاپا! آپ سمجھ کیوں نہیں رہے ہیں۔ خوامخواہ کی ضد کر رہے ہیں۔ میں نہیں جاؤں گی۔ جب تک وہ لوگ خصوصاً' آیان مجھے لینے نہیں آجائے گا۔"

"اگر تمہیں آیان کا اتنا ہی انتظار ہے تو تمہیں اپنی واپسی کا راستہ کھلا رکھنا چاہیے تھا۔ جبکہ تم نے تو واپسی کے سارے راستے ہی مسدود کر دیے تھے۔ کس بل بوتے پر' کس آس پر تم آیان کی منتظر ہو' وہ نہیں آئے گا۔" نواز نے لہجے کو کنٹرول کرتے ہوئے اسے سمجھایا۔

www.Paksociety.com

www.Paksociety.com

"نہیں آئے گا تو میں بھی نہیں جاؤں گی۔ بابا! وہ اگر اپنی ضد کا پکا ہے تو میں بھی ضدی ہوں۔"

"میرب! اپنا گھر برباد کرلو گی تم۔ تمہیں احساس نہیں ہے کہ تمہاری یہ روز روز کی لڑائیاں اور جھگڑے بہت خطرناک ثابت ہوں گے۔ میں تمہیں سمجھا رہا ہوں۔ تم ضد چھوڑ دو۔ اور میرے ساتھ اپنے سسرال چلو۔"

"کیا ہوگیا ہے نواز تمہیں۔ کیوں جائے یہ اپنے سسرال بیٹی کو دھکے دے کر نکالنا چاہتے ہو تم۔"

"سارا! تم سمجھ نہیں رہی ہو' حالات اب پہلے سے نہیں ہیں۔ وہ لوگ بہت ناراض ہیں۔ اور پہلے کی طرح اسے منانے بھی نہیں آئیں گے۔" نواز نے بے بسی سے سارا کو دیکھا۔

"تو مت آئیں۔ اگر انہیں اپنی اکڑ دکھانی ہے تو ہم کیا فقیر ہیں؟ ان سے کم تر ہیں جو ان کی بات سنیں اور مان لیں' میرب صرف آیان اور عالیہ واسطی کے ساتھ جائے گی۔" سارا اپنے ازلی ہٹ دھرم انداز اور فیصلہ کن لہجے میں بولی جو آج نواز کو کوڑے کی طرح محسوس ہوا تھا۔

"تو تم میری بات نہیں مانو گی؟" اس نے بے انتہا سنجیدہ ہو کر پوچھا تھا۔

"تمہاری فضول بات مان کر میں اپنی بیٹی کی بے عزتی کروالوں۔ تمہیں کیا پتا جو باپ یوں ہاتھ پکڑ کر اپنی بیٹیوں کو ان کے سسرال میں چھوڑ کر آتے ہیں نا۔ ان بیٹیوں کی عزت ہوتی ہے نہ ہی ان باپوں کی۔"

"غلط بیٹی کا گھر بسانا ہے مجھے۔ اپنی عزت سے بڑھ کر مجھے بیٹی کی فکر ہے۔"

"مگر تمہارا انداز اور طریقہ غلط ہے۔ مجھے لگتا ہے' تم اسے سر سے اتار رہے ہو۔"

"کتنی گھٹیا سوچ ہے تمہاری۔ میں ایسا کیوں کروں گا؟ میں تو یہ چاہتا ہوں کہ اسے کوئی ایسا دکھ نہ ملے جو ہمارے لیے جگ ہنسائی بن جائے۔"

"ایسا نہیں ہوگا نواز! تم فکر مت کرو۔ تم دیکھنا میں کیسا اس معاملے کو ہینڈل کرتی ہوں۔" سارا نے گردن اکڑا کر کہا تو نواز اسے دیکھتا رہ گیا۔

"ٹھیک ہے۔ ٹھیک ہے۔ تم معاملہ ہینڈل کر سکتی ہو تو کرلو۔ مگر یاد رکھنا۔ اس کام میں زیادہ دیر نہیں ہونا چاہیے۔ ورنہ یہ معاملہ خراب بھی ہو سکتا ہے۔" نواز نے دوبارہ اسے سمجھایا۔

"جانتی ہوں میں۔۔۔ تم جاؤ آفس' بزنس دیکھو' یہ گھریلو معاملات تو میں خود دیکھ سکتی ہوں۔" سارا نے لاپروائی سے کہتے ہوئے اسے گویا یہ بھی سمجھا دیا تھا کہ اب وہ اپنے کام سے کام رکھے۔ مزید اسے میرب کے معاملے میں دخل دینے کی ضرورت نہیں ہے۔ وہ بغیر کچھ کہے وہاں سے چلا گیا تھا۔

"دیکھا تم نے۔ پتا نہیں اسے کیا ہوگیا ہے۔ اس نے تو رنگ ہی بدل لیا ہے۔ یہ تو مجھے نواز اکرم ہی نہیں لگتا' رات بھر یہی سوچ سوچ کر میں پریشان ہوتی رہی ہوں کہ یہ کیا ہوگیا ہے نواز کو۔ ایسا کیا جادو کردیا ہے تمہاری سسرال نے کہ اب اسے غیرت اور عزت سب ہی یکدم یاد آگئے ہیں۔"

سارا کا بس نہیں چل رہا تھا کہ وہ جا کر عالیہ واسطی کو گولی مار دیتی۔ نہ جانے اس نے کیا سحر اس کے کانوں میں انڈیلا تھا کہ وہ سر تا پا بدل گیا تھا' برسوں اسے دبا کر اپنے ناز نخرے اٹھوا کر اپنے غلام کی حیثیت سے دیکھتے ہوئے سارا علوی نواز اکرم کے اس نئے انداز کو قطعاً "قبول نہیں کر پا رہی تھی۔

"ماما۔۔۔! آپ بابا کو بتا دیں۔ میں ہرگز نہیں جاؤں گی ایسے۔ جب تک آیان نہیں لینے آجاتا۔" میرب نے ماں کی شہ پر مزید اکڑتے ہوئے کہا تھا۔

"ارے فکر مت کرو۔ کون بھیج سکتا ہے تمہیں۔ میں زندہ ہوں ابھی۔ تم دیکھنا نواز کی ساری فوں فاں چٹکیوں میں نکال دوں گی۔ ہاں۔"

سارا نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر اسے بھرپور تسلی دی تھی۔ اور میرب نے بھی ماں کی تسلی پر بڑے مزے سے ناشتا دوبارہ کرنا شروع کردیا۔

☼ ☼ ☼

اگلے روز ماہین بھی آگئی تھی۔ بدقسمتی سے اس نے میرب سے اس کا آئندہ کا پروگرام پوچھ لیا تھا۔ بس پھر کیا تھا' میرب تو جیسے بھری بیٹھی تھی۔ سارا غصہ اور نواز اکرم کا اشتعال بھی ماہین پر اتار دیا۔

"تمہیں اور بابا کو تکلیف کیا ہے؟ کیوں تم لوگ میرے پیچھے پڑ گئے ہو' میرا جب جی چاہے گا' میں جاؤں گی۔ اگر دل نہیں چاہے گا' نہیں جاؤں گی۔ سنا تم نے۔"

"تو چیخ چیخ کر یہ بات بتانے کی کیا ضرورت ہے بھئی۔ آرام سے بتاؤ۔ تم تو لگتا ہے' بھری بیٹھی ہو۔" ماہین بھی اب اس کے رعب میں نہیں آتی تھی۔ صاف صاف سنا دیا۔

"تم کیوں پوچھ رہی تھیں؟ تمہاری شادی ہوگئی ہے۔ تمہارا میاں بہت اچھا ہے۔ تمہیں خوش رکھتا ہے' تو جا کر شہر میں اس بات کا اعلان کرو۔ یہاں کیوں آجاتی ہو' شو مارنے کے لیے۔ ہونہہ!" میرب نے اسے مزید دو چار سنائیں اور اٹھ کر چلی گئی۔ ماہین کے ماتھے پر بل آگئے تھے۔

"اسے کیا ہوا ہے۔ کریلے کھا کر بیٹھی ہے۔ یقیناً بابا سے جھڑپ ہوئی ہوگی۔" ماہین نے قیاس کیا اور اس کے قیاس کی تصدیق بھی نواز اکرم نے کردی تھی۔

"ہاں۔ میں نے میرب سے کہہ دیا ہے کہ تم اپنے سسرال جانے کی تیاری کرو۔ میں مزید اسے یہاں نہیں رہنے دوں گا۔"

"مگر بابا! وہ ایسے نہیں جائے گی۔"

"میں اسے خود لے کر جاؤں گا۔"

"آپ کے ساتھ تو وہ کبھی بھی نہیں جائے گی۔ ماما کے ساتھ جا سکتی ہے۔"

"سارا سے بھی میں نے کہہ دیا ہے کہ اسے سسرال بھیجو۔ وہ بے چارے با مروت اور لحاظ والے لوگ ہیں۔ اسی لیے تو میری بات مان لی' مگر یہ سارا اور میرب دونوں بہت ضدی ہیں۔ کم عقل' اپنا گھر اجاڑ کر پچھتائے گی' روئے گی' تمام عمر۔" نواز اب بھی بہت فکر مند اور پریشان تھا۔

☼ ☼ ☼

"تم کب آئیں؟" موبائل آف کر کے سارا نے ابرو اچکا کر ماہین کو دیکھا۔

"کافی دیر ہوگئی ہے ماما۔ آپ گھر پہ نہیں تھیں۔ میرب بھی نہ جانے کہاں گئی ہے۔"

"تمہارا باپ تو تمہیں مل گیا ہے نا۔ اسی کے لیے تو آتی ہو تم۔"

"ماما۔" اس نے سارا کے طنز پر اور سرد لہجے پر دکھ سے اسے ٹوکا۔

"میں آپ سے اور میرب سے بھی ملنے آتی ہوں۔ آپ اور میرب میرے لیے غیر ہیں کیا؟ آپ دونوں سے میرا کوئی تعلق نہیں ہے؟ صرف بابا ہی سے میرا رشتہ ہے؟"

"بی بی۔۔۔ تم جو سر جوڑ جوڑ کر باپ سے باتیں کرتی ہو۔ ہم سے تو کبھی تم نے اپنا کوئی مسئلہ شیئر نہیں کیا۔ اس لیے کہہ رہی ہوں۔ ورنہ جانتی ہوں کہ تم میری بیٹی ہو۔" سارا نے اسے جتایا۔

"سارا! یہ فضول بات کرنے کی کیا ضرورت تھی؟ اولاد کے درمیان تفریق پیدا کر کے تم نے ٹکڑوں میں بانٹ دیا ہے سارے گھر کو۔" نواز اکرم نے کمرے میں داخل ہوتے ہوئے کہا تو ماہین حیران سی ہوگئی نواز اکرم نے آج تک کبھی سارا کو اس کی ان باتوں پر نہیں ٹوکا تھا۔

"کیا۔۔۔؟ میں نے ٹکڑوں میں بانٹا ہے گھر کو؟ تم نے ہی یہ تقسیم شروع کی تھی۔ اسے گلے سے لگا کر اور میرب کو دور کر کے۔"

"کیونکہ تم نے اسے دور کردیا تھا خود سے اور میرب کو مجھ سے۔" نواز اکرم آج ہمیشہ کی طرح خاموش نہیں رہا تھا بلکہ دوبدو جواب دے رہا تھا۔ ماہین نے پریشانی سے دونوں کو دیکھا۔

"ماما۔۔۔ بابا پلیز۔۔۔ پلیز ہمارے لیے آپ دونوں نہ لڑیں۔"

"میری تو یہ سمجھ میں نہیں آیا کہ یہ اچانک تمہیں میرب کی محبت کا دورہ کیسے پڑ گیا ہے۔ بچپن سے کبھی تم نے اس کی کسی بات میں دخل نہیں دیا۔ وہ کیا پڑھتی

www.Paksociety.com

www.Paksociety.com

ہے۔ کیا کھاتی ہے۔ کہاں جاتی ہے۔ کبھی خیال نہیں کیا۔ اور اب اچانک ہی باپ کی شفقت امڈ پڑی ہے۔"

"شٹ اپ سارا! اگر اب تک خیال نہیں آیا تھا تو اس کی وجہ بھی تم ہی تھیں۔ تم نے عمر بھر میرے اور میرب کے درمیان دیوار کھڑی رکھی۔ اپنی باتوں اور گھٹیا خیالات کے ذریعے اس کا ذہن اتنا خراب کر دیا کہ وہ مجھے باپ بھی نہیں سمجھتی ہے۔"

"ماما......" اسی پل میرب اندر آئی تھی۔ اس کے کانوں میں باپ کے الفاظ پڑ گئے تھے اور اب ماں کے جواب سے بھی وہ واقف تھی۔ وہ تیزی سے آگے آئی تھی۔

"ماما پلیز! مت جھگڑا کریں آپ دونوں اور بابا! آپ کو میری زندگی کے فیصلے کا اختیار کس نے دیا ہے؟ میں خود اپنی زندگی کا فیصلہ کروں گی۔"

"چٹاخ۔" یکدم فضا میں زوردار آواز گونجی تھی اور جیسے پوری کائنات پر سناٹا چھا گیا تھا۔ میرب منہ پر ہاتھ رکھے ساکت باپ کو گھور رہی تھی۔

"بس۔ آئندہ ایک لفظ بھی میرے سامنے مت بولنا۔ بہت سن چکا ہوں تمہاری بکواس اور ہاں تم تیاری......!" وہ ابھی یہاں تک ہی کہہ پایا تھا کہ سارا علوی چیل کی طرح اس پر جھپٹی تھی۔

"تم، تم نے میری بیٹی کو مارا۔ تمہاری یہ جرأت! تم نے اسے تھپڑ مارا۔" وہ نواز کا گریبان پکڑے اسے جھنجوڑ جھنجوڑ کر چلا رہی تھی۔ اس کے اس قدر شدید رد عمل کا نواز کو اندازہ نہیں تھا۔ وہ کچھ دیر کو تو بے حس ساکت کھڑا اس کے جنون کو سہتا رہا۔ پھر یکدم ایک جھٹکے سے اپنا گریبان اس کے ہاتھ سے چھڑا لیا۔ اس کی قمیص کے دو بٹن ٹوٹ گئے تھے۔

"ہاں مارا ہے۔ باپ ہوں اس کا۔"

"نہیں ہو تم اس کے باپ۔ ایسا بے رحم اور سنگ دل باپ۔ جو اپنی بیٹی کو مارے۔ اسے باپ کہلوانے کا حق نہیں ہے۔" سارا اس کی بات کاٹ کر چیخی تھی اور اس پل وہ اتنی جنونی ہو رہی تھی کہ لگتا تھا نواز اکرم سمیت پورے گھر کو تہس نہس کر دے گی۔ میرب یک دم روتے ہوئے وہاں سے بھاگ گئی تھی اور ماہین گم صم سی دونوں کو لڑتے ہوئے دیکھ رہی تھی۔

"سارا! اگر تم نے اپنی روش نہ بدلی اور میرب کو اس کی حرکت پر ناجائز شہہ دی تو یاد رکھنا۔ میں تمہیں کبھی معاف نہیں کروں گا۔ اور اس عمر میں طلاق لے کر کہاں جاؤ گی۔ یہ بھی سوچ لینا۔"

نواز اکرم کے سنگلاخ لہجے میں اتنی سختی اور سرد مہری تھی کہ سارا کو سکتہ ہو گیا تھا۔ ماہین بھی حیرت سے گم صم باپ کو جاتے دیکھ رہی تھی۔

"یہ کیا ہو رہا ہے۔" اس نے گم ہوتے حواس کے ساتھ ذہن پر زور دیا۔

"یا اللہ خیر۔" ٹانگیں مزید اس کا بوجھ سہارنے سے انکاری تھیں۔ وہ ڈگمگا گئی۔ سارا علوی پتھر ہو چکی تھی۔ اسے لگا وہ کسی بھی لمحے گر جائے گی۔

"ماما، ماما! آپ بیٹھ جائیں۔" اس نے زبردستی اسے ہلایا۔ مگر وہ تو صرف برف بن گئی تھی سرد اور بے جان۔

"ماما۔" اس نے زبردستی اسے صوفے پر بٹھایا۔

"یہ نواز کیا کہہ رہا تھا۔ سنا تم نے۔" اس کی آواز سرگوشی سے مشابہ تھی۔

"ماما پلیز ہوش کریں۔ بابا غصے میں تھے۔ کچھ نہیں ہو گا۔ بس یونہی۔"

ماہین نے اسے بہلانا چاہا تھا، مگر سارا بچی نہیں تھی نواز اکرم کے انداز اور لہجے نے سارا کو احساس دلا دیا تھا کہ اب وہ محض دھمکی نہیں دے رہا۔ نہ ہی ڈراوا۔ اب وہ جو کہہ رہا ہے۔ اس پر عمل بھی کرے گا اور یہی وہ شاک تھا، جو اس کے لیے بے حد خوفناک ثابت ہو رہا تھا۔

"سنا تم نے، نواز نے مجھے کیا کہا ہے۔ مجھے، مجھے دھمکی دے کر گیا ہے وہ۔ سارا کو۔ سارا علوی کو۔ اس کی یہ جرأت۔ میں اسے قتل کر دوں گی۔" یکدم وہ اچھل کر کھڑی ہوئی تھی، اور اب وہ سراپا غضب تھی غصے توہین اور ذلت سے اس کا سرخ و سفید چہرہ تانبے کی طرح جل رہا تھا۔ اس کے لہجے میں ایسی کھولن تھی

کہ ماہین کا دل کانپ گیا تھا۔

"ماما پلیز۔ خود کو سنبھالیں۔ پلیز ہوش سے کام لیں اس عمر میں خود کو اور ہمیں تماشا نہ بنائیں۔"

"دفع ہو جاؤ تم بھی یہاں سے اور جا کر بتا دو اپنے باپ کو کہ وہ مجھے کیا طلاق دے گا۔ میں خود اس سے طلاق لوں گی۔ لعنت بھیجتی ہوں میں اس جیسے شخص پر، اس کے ساتھ زندگی کے اتنے برس گزار دیے اور کیا صلہ ملا طلاق کی دھمکی؟ اس جیسے شخص کے ساتھ مجھ جیسی عورت نے گزارا کیا۔ اپنا دل مار کر، اپنا پیار بھلا کر اور بتا دینا اپنے باپ کو سارا چلی گئی ہے اسے چھوڑ کر۔" وہ غصے سے کہہ کر باہر کی جانب نکلی تو ماہین تیزی سے اس کے پیچھے گئی تھی۔

"ماما پلیز...... ماما، ماما رک جائیں۔ ماما! غلطی نہ کریں۔ خدا کے لیے ماما! یہ غلطی نہ کریں۔ ماما! نہ جائیں۔" وہ ماں کے سامنے ہاتھ جوڑے روتے ہوئے التجا کر رہی تھی۔ مگر سارا پر تو جیسے ایک جنونی، غضب ناک کیفیت طاری تھی۔ اس نے ماہین کو دھکا دیا تھا اور ماہین لڑکھڑا کر دور جا گری تھی۔ سارا تیزی سے اخروٹ کی بھاری لکڑی سے بنے گیٹ کی جانب لپکی تھی اور اس سے قبل کہ ماہین سنبھلتی اسے باہر سے گاڑی کے اسٹارٹ ہونے کی آواز آئی۔

"میرب، میرب۔" اس نے زور زور سے میرب کو پکارا، مگر وہ دروازہ بند کیے اندر شاید رو رہی تھی۔ اس لیے اس کی پکار اس تک نہیں پہنچی تھی۔

"باجی...... ماہین باجی کیوں بلا رہی ہیں؟ ارے آپ گر گئی ہیں۔ زیادہ چوٹ تو نہیں لگی۔" خالد بے حد پریشانی سے اسے دیکھتا ہوا اس کی جانب بڑھا تھا۔ وہ اپنی کہنی سہلاتی اٹھی تھی۔

"خالد! ماما باہر گئی ہیں۔ جلدی سے جا کر دیکھو، وہ چلی تو نہیں گئی ہیں۔"

"باجی! آپ کو......"

"مجھے چھوڑو۔ جاؤ دیکھو۔" وہ بے ساختہ چیخی۔ خالد فوراً" بیرونی دروازے کی جانب بھاگا تھا۔ جبکہ وہ اپنا بازو تھامے، تکلیف برداشت کرنے کی کوشش کر رہی تھی۔

"باجی! باہر تو بیگم صاحبہ نہیں ہیں۔" خالد نے مایوسی سے آ کر جواب دیا۔

"اوہ خدا۔" وہ پریشانی سے فون کی جانب لپکی۔

"خالد! میرب باجی کو فوراً" بلاؤ۔ جلدی کرو، جاؤ۔"

اس نے فون اپنی جانب کھسکایا اور بابا کا نمبر ملا کر بے چینی سے انتظار کرنے لگی۔

"آپ کا ملایا ہوا نمبر فی الحال بند ہے۔ برائے مہربانی کچھ دیر بعد فون کریں۔"

"اوہ شٹ۔ اب کیا کروں!" اس نے فوراً" احمد کا نمبر ملایا۔

"باجی! میرب باجی تو دروازہ نہیں کھول رہی ہیں۔" خالد کچھ ہی دیر بعد واپس آ گیا تھا۔ اس نے جھنجلا کر اسے دیکھا۔ دوسری جانب احمد ہیلو ہیلو کہہ رہے تھے۔

"احمد آپ کہاں ہیں؟"

"گھر پہ ہوں بھئی۔ خیریت!" اس کے لہجے کی پریشانی اس نے فوراً" بھانپ لی تھی۔

"خیریت نہیں ہے احمد! وہ ماما بڑے غصے میں گاڑی لے کر گھر سے نکلی ہیں۔ مجھے بہت پریشانی ہو رہی ہے۔ انہیں اچھی ڈرائیونگ نہیں آتی ہے اور۔"

"مگر وہ غصے میں کیوں گئی ہیں؟" احمد کا سوال بالکل جائز تھا۔ اس کی اطلاع کے جواب میں اس نے یہی پوچھنا تھا۔ ماہین پل بھر کو ڈگمگائی تھی۔

"وہ، وہ بابا کے ساتھ ان کا کچھ جھگڑا ہوا تھا۔" وہ احمد سے جھوٹ نہیں بول سکتی تھی، اسی لیے صاف صاف بات اسے بتا دی۔

"اوہ...... پھر!" وہ صورت حال سمجھ گیا تھا۔

"پھر...... احمد پلیز، آپ گاڑی نکالیں اور فوراً" ماما کو چیک کریں۔ بابا کا نمبر بھی نہیں مل رہا۔ میں کیا کروں۔" وہ رو دینے کو تھی۔

"او کے او کے ڈونٹ وری میں ابھی نکل رہا ہوں۔ تم فکر مت کرو۔ میں جا رہا ہوں۔ دعا کرو۔ اللہ انہیں اپنی حفاظت میں رکھے۔"

اس کا تو رواں رواں ماما کی حفاظت کے لیے دعا گو

www.Paksociety.com

تھا۔ کیونکہ ماما کی ڈرائیونگ بہت اچھی نہیں تھی۔ وہ رش میں گھبرا جاتی تھیں اور بابا نے ان کے لیے ڈرائیور رکھا ہوا تھا۔

"میرب' میرب دروازہ کھولو۔ میرب! ماما چلی گئی ہیں گھر چھوڑ کر۔" اس نے گلوگیر لہجے میں اپنی بہن کو پکارا تھا اور شاید اس کی کپکپاتی آواز میں چھپا خوف ہی تھا کہ میرب نے فوراً" دروازہ کھول دیا تھا۔

ماہین نے اسے دیکھا۔ اس کا چہرہ سرخ ہو رہا تھا۔ آنکھیں بھی سرخ اور متورم تھیں۔ اس کی پلکیں ابھی تک نم تھیں۔ چہرے پر بے انتہا خفگی اور غصہ تھا۔ ماہین کے دل کو کچھ ہوا۔ اپنی چھوٹی' پیاری بہن اسے بہت لاڈلی تھی۔ آج تک کبھی کسی نے اسے نہیں مارا تھا۔ سب ہی اس کی بات مانتے تھے اور اسی لیے وہ بہت ضدی' خودسر تھی' مگر آج بابا نے اسے مارا تھا۔ ماہین کی نگاہ بے اختیار اس کے دائیں گال پر ابھرے نشانوں پر جا ٹھہری تھی۔

"کیا کہہ رہی ہیں تم! ماما چلی گئی ہیں۔ کہاں گئی ہیں ماما؟" اس نے ماہین کو گم صم دیکھ کر فکرمندی سے سوال کیا تھا۔

"ہاں۔ میرب ماما گاڑی لے کر گئی ہیں اور بہت غصے میں۔"

"کیا؟ گاڑی لے کر کہاں.... کہاں گئی ہیں؟" میرب کا رنگ یکدم فق ہوا تھا۔ ماما کی ڈرائیونگ کے بارے میں اسے بھی معلوم تھا۔

"ماما خود گاڑی لے کر گئی ہیں؟" وہ پل بھر میں سب کچھ بھول گئی تھی۔

"ہاں' مجھے نہیں پتا' وہ کہاں گئی ہوں گی۔ مگر وہ بہت غصے میں گاڑی لے کر نکلی ہیں۔ میں نے بابا کو فون کیا تو ان کا سیل بھی بند ہے۔ احمد کو بتایا ہے۔ وہ گاڑی لے کر نکلے ہیں۔" ماہین نے اسے تفصیل بتائی۔

"اوہ ماہی! ماما کو اکیلے گاڑی لے کر نہیں جانا چاہیے تھا۔ وہ تو.... اوہ خدا اگر ماما کو کچھ ہو گیا تو میں بابا کو کبھی معاف نہیں کروں گی۔" وہ غصے سے بولتی ہوئی سیڑھیاں اترنے لگی تھی۔ ماہین اس کے پیچھے لپکی۔

"تم دوبارہ بابا کو فون کرو۔ ہو سکتا ہے وہ ماما کو مل گئے ہوں۔" کچھ دیر اضطراب اور بے چینی سے لاؤنج میں چکرانے کے بعد میرب نے اس سے کہا تو وہ سر ہلا کر فون کی جانب بڑھ گئی۔ مگر بابا کا نمبر ہنوز بند تھا۔ اس نے احمد کا نمبر ملایا۔ وہ گھر ہی کی طرف آ رہے تھے۔

"میں آ رہا ہوں۔ مجھے وہ کہیں نظر نہیں آئی ہیں۔ تم میرے ساتھ چلنا۔ ان کی فرینڈز کی طرف چلتے ہیں۔" احمد کے ساتھ بات کر کے اسے مزید پریشانی نے آ گھیرا تھا۔ میرب سوالیہ نظروں سے اسے ہی دیکھ رہی تھی۔

"احمد گھر آ رہا ہے۔ میں اس کے ساتھ جاتی ہوں' ماما کی فرینڈز کی طرف۔"

"وہ ماموں کی طرف گئی ہوں گی ماہی۔ ان کی طرف جاؤ۔"

"اوہ ہاں۔ وہ نانی کی طرف ہی گئی ہوں گی۔ میں ادھر ہی جاتی ہوں۔ تم اپنا خیال رکھنا اور اگر بابا کا فون آئے تو انہیں بتا دینا۔ او کے۔" وہ جلدی جلدی اسے سمجھا کر باہر بھاگی کیونکہ احمد باہر ہارن دیے جا رہے تھے۔ اس نے بیٹھتے ہی بتایا۔

"احمد! نانی کی طرف چلیں۔ ماما اپنے بھائی کی طرف گئی ہوں گی۔" احمد نے سر ہلا کر گاڑی اسٹارٹ کی۔ وہ راستے بتاتے ہوئے نانی کے گھر کی طرف جانے والی سڑک پر مڑنے ہی والے تھے' جب ماہین کے سیل پر بابا کا نمبر آیا تھا۔

"بابا.... بابا کہاں ہیں آپ؟" اس نے فوراً" بے تابی سے پوچھا۔

"میں ہاسپٹل میں ہوں بیٹا۔" نواز اکرم کی نڈھال نڈھال آواز آئی تھی۔

"کیا! ہاسپٹل میں.... مگر کیوں بابا! آپ ٹھیک تو ہیں؟" اس نے بے اختیار دل پر ہاتھ رکھا تھا۔

"میں ٹھیک ہوں بیٹا' تمہاری ماما کا ایکسیڈنٹ ہو گیا ہے۔ ہم پمز میں ہیں۔ تم یہاں آ جاؤ۔" انہوں نے اطلاع دیتے ہی فون بند کر دیا تھا۔ ماہین نے کپکپاتے ہاتھوں سے سیل آف کیا۔

"احمد! ماما کا۔" اس کے گلے میں پھندا لگا تھا۔ احمد پل بھر میں اس کے چہرے کو دیکھ کر ساری بات سمجھ گیا تھا۔

"کس ہسپتال میں ہیں وہ؟" اس نے گاڑی موڑی۔

"پمز۔" آنسو اس کے گالوں پر بہہ نکلے تھے۔ جس بات کا ڈر تھا وہی ہوا تھا۔ احمد نے اس کا ہاتھ تھام کر دبایا۔

"حوصلہ کرو ماہین! پلیز دعا کرو' رونے سے کیا ہو گا۔" اس نے اسے سمجھایا۔

"میں میرب کو بتا دوں۔" اس کو یکدم خیال آیا تھا۔

"نہیں ابھی نہ بتاؤ۔ پہلے ہم جا کر سچویشن دیکھتے ہیں۔ پھر۔" اس نے سر ہلایا۔ گاڑی بڑی تیزی سے پمز کی جانب رواں دواں تھی اور ماہین کا دل شدت سے روتے ہوئے ماما کی زندگی کے لیے دعاگو تھا۔

☼ ☼ ☼

"گاڑی تیز رفتاری کے سبب بے قابو ہو کر ٹرک سے ٹکرا گئی تھی۔ وہ تو شکر تھا کہ جان بچ گئی تھی۔ ورنہ اتنے شدید حادثے کے بعد اور گاڑی کی توڑ پھوڑ کو دیکھ کر مشکل سے ہی کہا جا سکتا ہے کہ ڈرائیو کرنے والا بچا ہو گا۔" رضا انکل نہ جانے کیسے بتا رہے تھے۔ اس کی ساکت نظریں سامنے بیڈ پر سفید پٹیوں میں جکڑی ماما پر تھیں جن کی دونوں ٹانگیں بری طرح کچلی جانے کی وجہ سے کاٹ دی گئی تھیں سینے اور کندھوں میں بھی گہری چوٹیں آئی تھیں۔ چہرے پر شیشے کی کرچیاں لگی تھیں اور سارا چہرہ زخم آلود اور خوفناک سا نظر آ رہا تھا۔ ایک پل کے بعد دوسری نظر ڈالنے کو ہمت چاہیے تھی۔ وہ سسک اٹھی۔

یہ سارا علوی تھی۔ وہ سارا علوی جس کی خوب صورتی' کشش اور حسن کی زمانے بھر میں دھوم تھی مگر اب وہ جس حال میں تھی۔ اسے دیکھتے ہوئے بھی خوف آتا تھا۔

پورا ایک ماہ ہسپتال میں رہنے کے بعد نواز اکرم اسے گھر لے آیا تھا۔ وہ دونوں ٹانگوں سے معذور ہو چکی تھی۔ اس کا اوپری دھڑ تقریباً" مفلوج تھا۔ پورا چہرہ جگہ جگہ سے خراش آلود تھا۔ اس کی آنکھوں کی جوت بجھ گئی تھی۔ وہ زندہ تو تھی' مگر اسے زندگی سے محبت تھی نہ زندگی کی ضرورت۔ وہ دوائی نہیں کھاتی تھی۔ وہ اپنی بیماری سے تنگ آ گئی تھی۔ بے حد چڑچڑی' سڑیل مزاج' ہر آئے گئے سے بے حد برے انداز سے پیش آتی۔ بلکہ اکثر اوقات انہیں گالیاں دیتی تھی۔ چیختی تھی۔ برتن اٹھا کر پھینک دیتی تھی۔

"کیوں آئے ہو تم لوگ؟ میرا تماشا دیکھنے آئے ہو۔ میرا مذاق اڑانا چاہتے ہو۔ میں عبرت بن گئی ہوں نا' اس لیے دیکھنے آتے ہو۔ دفع ہو جاؤ یہاں سے۔ جاؤ چلے جاؤ۔" اور نواز اکرم اسی پل سب کو وہاں سے نکال کر کسی چھوٹے سے بچے کی طرح اسے اپنی بانہوں میں سمیٹ لیتا تھا۔ عجیب بات تھی نا....!

ہاں عجیب بات تھی۔ جب سے وہ زخمی ہوئی تھی۔ اپاہج ہو کر بستر پر پڑی تھی۔ نواز اکرم نے اس کی تیمارداری میں دن رات ایک کر دیا تھا۔ وہ نواز کو بھی گالیاں دیتی تھی۔ اسے برا بھلا کہتی تھی۔ اس پر برتن پھینک دیتی تھی۔ اور جب وہ چیخ چلا کر تھک جاتی تھی تو رونا شروع کر دیتی تھی۔

"مجھے معاف کر دینا نواز! میں نے تمہیں بہت ستایا ہے۔ تمہارے صبر کا امتحان لیتی تھی نا۔ اللہ نے مجھ سے بدلہ لے لیا۔ اللہ نے مجھے یہ سزا اسی لیے دی ہے کہ میں اچھی بیوی نہیں تھی اور تم بھی مجھ سے خوش نہیں تھے نا نواز! جاؤ' جاؤ چلے جاؤ مجھے مرنے دو۔ مجھے تنہا چھوڑ دو مت کرو میری خدمت۔ مجھ سے بدلہ لو اپنا۔ جاؤ چلے جاؤ کسی اچھی عورت سے شادی کر لو۔ جو تمہارا خیال رکھے۔ تمہیں محبت دے۔ تم سے وفاداری کرے' میں تمہارے قابل نہیں ہوں۔" وہ چیخ چیخ کر اپنے تمام گناہوں کا اعتراف کرتی تھی اور نواز اکرم نے اس کی ساری خطائیں' سارے جرم معاف کر دیے تھے۔ کیونکہ اسے سارا سے محبت تھی۔

"میرب سے کہو۔ وہ واپس چلی جائے۔" اس روز

www.Paksociety.com

If you want to download Monthly Digests like Khwateen Digest,Kiran,Shuaa,Suspense,Pakeeza,Rida,Imran series by ibn-e-safi or mazhar kaleem,funny books poetry please visit www.paksociety.com for direct download link and with 21 supporting mirros in case of any help send mail at admin@paksociey.com

www.Paksociety.com

اس نے خود نواز سے کہا تو نواز حیرت زدہ رہ گیا۔ جس بات کے لیے اتنا لمبا جھگڑا اور پھر یہ حادثہ ہوا تھا۔ وہ بات سارا خود کہہ رہی تھی۔

"مگر میرب۔" اس نے ہچکچا کر کہا۔ سارا کے حادثے کے بعد اس نے میرب کے متعلق کچھ بھی کہنا سننا چھوڑ دیا تھا۔

"اسے بلاؤ۔ میں اسے سمجھاؤں گی۔ نادان ہے۔ میری طرح ٹھوکر کھا کر سنبھلے گی تو بہت دیر ہو جائے گی۔"

سارا کی باتیں اسے حیرت زدہ کر دیتی تھیں۔ وہ عورت کیا تھی اور کیا ہو گئی تھی۔ اس نے میرب کو بلایا۔

"ماما! میں آپ کو اس حالت میں چھوڑ کر کیسے چلی جاؤں۔" میرب نے حیرت سے ماں کو سر تاپا دیکھا جیسے اس کی دماغی صحت پر شبہ ہو۔

"مجھے اس حالت میں تمہارے باپ نے سنبھالا ہوا ہے۔ مجھے تمہاری خدمت سے کوئی سکون نہیں ملے گا۔ تم اپنے گھر چلی جاؤ بیٹا۔ ایان اچھا شوہر نہیں ہو گا، مگر تم تو اچھی بیوی بن سکتی ہو نا۔ تم اسے اپنی محبت سے اپنا گرویدہ بنا لینا، مگر تم اپنے گھر چلی جاؤ میرب!"

"ماما پلیز۔" میرب کے لیے یہ بات ناقابل یقین تھی کہ جس بات نے اس کی ماں کی یہ حالت کر دی تھی، اس بات کے لیے اب وہ خود تاکید کر رہی تھی۔

"ماما! میں نہیں جاؤں گی۔" میرب نے روتے ہوئے انکار کیا۔

"میرب! میری خوشی کے لیے بھی نہیں بیٹا؟ دیکھو اگر اپنی ماں کو خوش دیکھنا چاہتی ہو تو جا کر اپنے گھر کو آباد کرو۔ دنیا میں سب سے سچا رشتہ میاں بیوی کا ہوتا ہے اور سب سے مضبوط تعلق۔ یہ بات میں نے اب سمجھی ہے۔ ٹھوکر کھا کر۔ بہت بڑی قیمت ادا کر کے جبکہ میں نہیں چاہتی تمہیں بھی خدانخواستہ کسی حادثے کے بعد یہ سمجھ میں آئے۔ میرب میرے بندھے ہاتھوں کو دیکھو۔"

سارا رو رہی تھی۔ جھریوں میں بہنے والے آنسو اس کے چہرے پر عجیب سا ملال پھیلا رہے تھے۔

"ماما۔" میرب روتے ہوئے اس کے گلے لگ گئی۔ سارا علوی بے اختیار مسکرائی تھی۔

"میرب اور ماہین کے جانے کے بعد گھر کتنا خالی خالی ہو گیا ہے نا سارا۔"

وہ دونوں صبح سویرے لان میں گھوم رہے تھے۔ نواز نے اس کی وہیل چیئر ایک بہت خوب صورت اور بے حد سرخ تازہ کھلے گلاب کے پودے کے قریب روکی۔ سارا نے ہاتھ بڑھا کر پھول توڑا اور نواز کو دے دیا۔ نواز نے وہ سرخ گلاب، جس پر شبنم کے قطرے ابھی تک چمک رہے تھے۔ سارا کے سفیدی کی طرف جاتے بالوں میں لگا دیا۔

"آج میں تمہارے لیے کلر لے کر آؤں گا اور پارلر والی کو بھی بلا لوں گا تمہارے بالوں کا رنگ کتنا خراب ہو رہا ہے۔" نواز نے اس کے بالوں میں پھیلتی چاندنی کو دیکھا۔

"رہنے دو نواز! میں کیا کروں گی ڈائی کر کے بال۔" اس کے لہجے کی مایوسی نواز کو تڑپا دیتی تھی۔

"ارے واہ۔ یہ کیا بات کی تم نے۔ مجھے اچھا لگتا ہے تمہارا بننا سنورنا۔ تمہارے بالوں کا رنگ ہنی جیسا تھا نا۔ اب بھی وہی رنگ کرواتا۔ تم پر بہت سوٹ کرے گا۔" نواز اکرم کی تعریف پر وہ بے ساختہ مڑ کر اس کی جانب دیکھنے لگی۔ جب وہ خوب صورت اور قابل تعریف تھی۔ تب تو نواز نے اسے سراہنے کی جرأت نہیں کی اور اب!

"تم اب میرا دل رکھنے کو کہتے ہو نا۔" اس کے لہجے میں کانچ بکھرا تھا۔

"نہیں۔ تم ہمیشہ سے مجھے خوب صورت لگتی تھیں۔ لگتی ہو اور لگو گی کیونکہ میں نے تم سے محبت کی ہے سارا اور سچی محبت حادثوں کی وجہ سے ختم نہیں ہوتی ہے۔ وہ دیکھو" آسمان پر ابھی تک صبح کا ستارہ ہے۔ میری صبح کا ستارہ تم ہو۔" نواز نے دھیرے سے اس کے کندھے کے گرد اپنے بازو لپیٹے تو سارا نے بے خود ہو کر بہت اطمینان سے آنکھیں موند کر اپنا سر اس کے سینے کے ساتھ لگا لیا تھا۔

www.Paksociety.com

www.Paksociety.com

پرچھائیاں سی

نعیمہ ناز

"معین! آپ میرا پچھلا حساب کلیئر کرنے کے موڈ میں ہیں یا نیکسٹ منتھ؟" مسز شاہدہ معین نے بڑی نفاست سے توس کا آخری ٹکڑا کانٹے کی مدد سے اپنے منہ میں منتقل کیا۔

"میں... ایسا کرتا ہوں ابھی چیک لکھ دیتا ہوں۔" انہوں نے کچھ سوچتے ہوئے جواب دیا اور کپ میں چائے ڈالنے لگے۔

"اگر کوئی مشکل ہے تو رہنے دیں، اگلے مہینے دے دیجیے گا۔" بیگم صاحبہ نے شوہر کو ایک نظر دیکھا اور رعایت دینے کی پیشکش کی۔

"اگلے ماہ بھی دینے ہیں تو میں ابھی کلیئر کر دیتا ہوں۔" انہوں نے چائے کا سپ لیا۔

"ٹھیک؟" شاہدہ بیگم نے اثبات میں سر ہلایا اور پھر فلک سے مخاطب ہوئیں۔

"بیٹی! آپ کا کیا پروگرام ہے؟"

"کیسا پروگرام ممی؟" وہ چونک پڑی۔

"یونی ورسٹی میں ایڈمیشن لینا ہے؟"

"لے لیتی ہوں۔" فلک نے با دل نخواستہ کہا ورنہ اپنے پیارے کالج اور عزیز سہیلیوں کو چھوڑنے کو دل تو نہیں چاہتا تھا۔ مگر بہر حال یہ تو اسے کرنا ہی تھا۔

"سبجیکٹس؟" ممی نے مختصرا" پوچھا۔

"میں بی ایس سی نہیں کروں گی؟" وہ منمنائی۔

"تو تم اپنی ضد پر اڑی ہوئی ہو اب تک؟" انہوں نے ایک گہری سانس لی۔

"ضد کی بات نہیں ہے ممی!" میں نے صرف آپ سب کی وجہ سے ایف ایس سی کیا ہے ورنہ مجھے کوئی شوق نہیں تھا اتنے بورنگ اور خشک سبجیکٹس پڑھنے کا، اب مجھے میرا شوق پورا کرنے دیں۔ میں اردو ادب میں ماسٹرز کرنا چاہتی ہوں۔" فلک نے ہر بار کی طرح اس بار بھی اپنی خواہش کا اظہار کیا۔

"میری سمجھ میں یہ نہیں آتا کہ تم میں یہ jerms (جراثیم) کہاں سے آ گئے؟ تمہارے پاپا فزکس کے پروفیسر، ممی بائیالوجی کی پروفیسر، بڑا بھائی ڈاکٹر، بڑی بہن بائیو ٹیکنالوجی میں ریسرچر، دوسری بہن انجینئر اور تم نے اپنے لیے سب سے انوکھے شعبے کا انتخاب کیا ہے۔" وہ ممی جھنجلا گئیں۔

"ہزاروں لوگ اردو ادب پڑھتے ہیں ممی! یہ کون سی انوکھی بات ہے؟" فلک نے احتجاج کیا۔

"ہماری فیملی کے لیے تو انوکھی ہی بات ہے۔ یہ بھی کوئی پروفیشن ہے آخر تم اس میں کرو گی کیا؟" وہ بحث کے موڈ میں تھیں۔

"پہلے پڑھوں گی پھر پڑھاؤں گی۔" فلک کے لہجے سے ہی نہیں چہرے اور آنکھوں سے بھی عزم جھلک رہا تھا۔

ماشاء اللہ ایف ایس سی میں A گریڈ اور میڈیکل کے انٹری ٹیسٹ کی تیاری کے بجائے اردو ادب کی

www.Paksociety.com

راہداری میں بھاگنے کو ہیں، آخر تمہاری عقل کو ہوا کیا ہے؟ کہیں گھاس چرنے تو چلی گئی کیا؟" ممی کی طنزیہ ٹون بتدریج غصے میں ڈھل گئی۔

"ممی؟" اب ناراض ہونے کی باری فلک کی تھی۔

"آپ نے بھیا، آپی اور اپیا کے ساتھ کبھی اس طرح زبردستی نہیں کی، پھر میرے ساتھ کیوں؟" فلک نے منہ بسورا۔

"انہوں نے کبھی ایسی فضول من مانی نہیں کی، نہ ایسے بے وقوفانہ فیصلے کیے۔" ممی نے چائے کا کپ میز پر رکھا۔

"اب اس موضوع پر مزید کوئی بحث نہیں ہوگی، فلک کو اپنے پروفیشن اور ایجوکیشن کے بارے میں خود فیصلہ کرنے کا پورا حق ہے۔" پاپا نے معاملہ ختم کرتے ہوئے اپنا فیصلہ سنا دیا۔

"بے وقوف لڑکی اپنا فیوچر برباد کر رہی ہے۔" وہ بڑبڑائیں۔

فلک نے خاموش رہنے میں ہی عافیت جانی۔ ویسے بھی بات ختم ہو چکی تھی جس میں پاپا کی مہربانی شامل تھی، وہ اب مزید لب کشائی کر کے نیا پینڈورا باکس نہیں کھولنا چاہتی تھی، لہٰذا چپ چاپ ٹیبل سے اٹھ گئی۔ مگر ایک تشکر بھری نظر پاپ پر ڈالنا نہیں بھولی اگر وہ مداخلت نہ کرتے تو یہ معاملہ کئی دن اور چلنا تھا۔

اس گھر کے سربراہوں یعنی ممی، معین صاحب اور شاہدہ بیگم نے آج سے اٹھائیس سال قبل اپنی شادی کے وقت یہ طے کر لیا تھا کہ انہیں اپنے بچوں کو کس قسم کا ماحول دینا ہے۔ دونوں کالج میں پڑھاتے تھے، گھر اور بچوں کی پرورش، تعلیم و تربیت اور تمام تر اخراجات میں دونوں برابر کے حصے دار تھے۔ کوئی فریق دوسرے سے کم یا زیادہ خرچ نہیں کرتا تھا، کام آپس میں بانٹ لیے گئے تھے۔ کچھ سہارا ماسی کا تھا، جو صفائی ستھرائی کر جاتی اور کپڑے دھو جاتی مگر آٹھویں کلاس کے بعد ہر بچہ اپنا یونی فارم خود دھوتا اور میٹرک کے بعد ٹیوشن پڑھا کر اپنا جیب خرچ خود نکالتا۔ بچے چاروں ذہین تھے، والدین کے بنائے گئے ضابطوں اور قوانین میں پوری طرح ڈھل کر اعلا تعلیم حاصل کی۔ بس ایک فلک تھی جو اپنے بہن بھائیوں اور والدین کے نقش قدم پر چلنے کے بجائے اپنے لیے الگ راستے چن رہی تھی۔

☼ ☼ ☼

اپنے کمرے کی تفصیلی صفائی کر کے وہ فارغ ہوئی تو ایک ایک کر کے بھیا، آپی اور اپیا اٹھ کر اپنا اپنا ناشتہ بنا کر کھا پی کر اور برتن دھو کر فارغ ہو چکے تھے۔ بھیا کی اسپتال میں رات کی ڈیوٹی تھی، آپی اور اپیا کی چھٹی تھی وہ اپنی مرضی اور معمولات کے مطابق یہ دن گزارتیں۔ ممی، معین صاحب اور شاہدہ بیگم اپنے چھوٹے موٹے کچھ کام نپٹانے کے علاوہ اگلے دن کے لیکچر کی تیاری کرتے حالانکہ اتنے سالوں کا تجربہ تھا مگر پھر بھی اپنے موضوع پر ہوم ورک کیے بغیر وہ کبھی کلاس میں نہ جاتے یہی وجہ تھی کہ ان دونوں کا ہی شمار کامیاب اور قابل اساتذہ میں ہوتا تھا۔

فلک کا دل اچانک ہی ہر چیز سے اچاٹ ہونے لگا تو وہ اسٹڈی میں پہنچ گئی۔

"ممی! میں پھپھو کے گھر چلی جاؤں؟"

"کب آؤ گی؟" ممی کو اس کا یہ معمول اچھی طرح معلوم تھا کہ ہر دوسرے ہفتے میں وہاں کا چکر ضرور لگاتی تھی۔

"رات تک آجاؤں گی۔" اس نے مبہم جواب دیا۔

"کتنے بجے تک؟"

"دس گیارہ بجے تک۔"

"یعنی کہ کھانا کھا کر آؤ گی۔" انہوں نے ایک گہری سانس لی۔

شاہدہ بیگم کا اپنا ایک الگ مزاج تھا۔ وہ اپنے تمام ہی رشتے داروں سے چاہے وہ میکے کے ہوں یا سسرال کے ذرا تکلف اور فاصلے سے ملتی تھیں۔ حالانکہ وہ بد لحاظ یا بد اخلاق نہیں تھیں بس کچھ مزاج اور کچھ مصروفیت

ان کا انداز لیے دیے والا ہی ہوتا۔ بچے بھی ان ہی پر گئے تھے سوائے فلک کے۔

"اب تم بچی نہیں رہیں بڑی ہو گئی ہو، ہر معاملے میں سمجھ داری اور عقل و شعور سے کام لیا کرو۔" انہوں نے نا سمجھایا۔

"جی۔" فلک نے جلدی سے سر ہلایا۔

"اب میں جاؤں؟"

"جاؤ۔"

اپنے کمرے میں آ کر اس نے کپڑے بدلے، اپنے تراشیدہ بالوں میں کیچر لگایا اور اپنی رسٹ واچ باندھی، دوپٹہ سر پر اوڑھا اور گیٹ کھول کر باہر آ گئی۔

پھپھو کا گھر زیادہ دور نہیں تھا، فقط دو گلیاں اور ایک سڑک کراس کر کے ان کا گھر تھا مگر اس محلے اور پھپھو کے گھر پہنچ کر کچھ یوں محسوس ہوتا جیسے کسی دوسری دنیا میں آ گئی ہو اور اس میں کوئی شک نہیں تھا کہ پھپھو کے گھر اور گھرانے کی دنیا ان سے تو مختلف ہی تھی۔ لوہے کا گیٹ، جس میں شاذ و نادر ہی دن میں کنڈی لگانے کا تکلف کیا جاتا تھا، بڑے آرام سے کھول کر وہ اندر داخل ہوئی تو سامنے کا منظر بڑا مانوس سا تھا۔

صادق بھائی قدیمی جھلنگا چارپائی پر لیٹے بلکہ دھنسے ہوئے اونچے سروں میں گنگنانے کا شغل فرما رہے تھے۔ صادقہ آپا بالوں میں مہندی اور ناخنوں پر لہسن کا عرق لگائے تخت پر بیٹھی تھیں۔ ان کے ساتھ پھپھو بھی وہیں براجمان تھیں اور جانے کون سا ساگ کاٹ رہی تھیں۔ فلک سوائے پالک کے اور کسی ہرے پتوں یا ساگ کے نام سے نا آشنا تھی۔ ہر بار پھپھو ہی اسے بتاتیں یہ مولی کے پتے ہیں، یہ شلجم کے، یہ بتھوا ہے، یہ سرسوں، یہ چولائی ہے اور یہ میتھی اور فلک بے دھیانی سے ان کی فراہم کردہ معلومات پر یونہی اثبات میں سر ہلائے جاتی۔

ماجد بھائی لکڑی کی کرسی پر بیٹھے موبائل کے ساتھ مگن تھے، کوئی گیم کھیل رہے تھے یا کسی کو میسیج کریپ جائے بغیر اندازہ کرنا مشکل تھا۔ ماجدہ باجی کچن میں تھیں، کچھ تلنے کی خوشبو آ رہی تھی، عتیقہ اور انیقہ سامنے والے کمرے میں ٹی وی پر ڈرامہ بھی دیکھ رہی تھیں اور ساتھ اس پر تبصرہ بھی کر رہی تھیں۔ فلک با آواز بلند سلام کر کے تخت پر ہی بیٹھ گئی۔

"کیسی ہیں مس اردو ادب؟" صادق بھائی اپنے گنگنانے کا شغل ترک کر کے اس کی جانب متوجہ ہوئے۔

"ٹھیک ہوں صادق بھائی؟ اور آپ سنائیں؟" فلک پھپھو کے پاس بیٹھ گئی۔

"بھئی ہم تو پیکیج لے کر سناتے ہیں۔ ایویں اپنا بیلنس ضائع کرنے کا فائدہ۔" ماجد بھائی نے اپنے سیل فون پر سے نظریں ہٹائے بغیر ہی مداخلت کی، وہ اور ان کا سیل فون ایسے ہی لازم و ملزوم تھے جیسے پھول کے ساتھ خوشبو، شمع کے سنگ پروانہ اور چاند کے ساتھ تارے، یہ تشبیہات ماجد بھائی اپنے اور اپنے لاڈلے سیل فون کے لیے خود استعمال کرتے تھے۔

"گھر میں سب ٹھیک ہیں؟" پھپھو اس سے مخاطب تھیں۔

"جی پھپھو۔"

"معین سے کہنا تمہاری امی کے ساتھ، کبھی چکر لگا لیا کرے۔ اسے مہینوں گزر جاتے ہیں گھر آئے ہوئے عید تہوار پر ہی آ جائے تو آ جائے۔" پھپھو اکثر ہی اس سے یہ شکوہ کرتی تھیں۔

"بس پھپھو! وہ کالج کی مصروفیات ہی کچھ اس قسم کی ہیں۔ وقت بہت کم ملتا ہے فرصت کا اسی لیے...... ویسے وہ کہتے تو رہتے ہیں یہاں آنے کے بارے میں۔" فلک خفیف ہو کر پاپا کی صفائیاں پیش کرتی۔

"بی بی، وقت آج کل کسی کے پاس نہیں۔ خاکروب سے لے کر صدر پاکستان تک سب مصروف ہیں۔ وقت تو نکالا جاتا ہے۔" صادق بھائی بولے۔

"کیا پیو گی فلک، ٹھنڈا یا گرم۔" کچن سے ماجدہ باجی نے آواز لگائی۔

"کچھ بھی مل جائے" فلک نے فضا میں تیرتی خوشبو

www.Paksociety.com

www.Paksociety.com

سونگھ کر اندازہ لگانے کی کوشش کی کہ وہ کیا تل رہی ہیں۔

"یہ تو راضی برضا ہیں۔" صادق بھائی نے ٹکڑا لگایا۔

"نہ بی بی نہ ایسے راضی نہ ہونا اچھی طرح دیکھ بھال کر سوچ سمجھ کر فیصلہ کرنا۔" ماجد بھائی بھی اسے تنگ کرنے میدان میں اتر آئے۔

"ارے میری بچی کو پریشان مت کرو سیدھی سادی ہے بے چاری تم آفتوں کا مقابلہ کرے گی کیا؟" پھپھو کے لہجے میں بھتیجی کی محبت بول رہی تھی۔

"تمہارے بڑے بہن بھائی سب کیسے ہیں؟" صادقہ آپا نے اب اس کی طرف توجہ کی۔

"ٹھیک ہیں اپنی اپنی مصروفیات میں گھرے ہوئے ہیں۔" فلک نے مختصراً جواب دیا۔

"ہاں بھئی پڑھے لکھے مصروف لوگ ہیں غریب رشتے داروں سے ملنے کا کبھی ٹائم ہی نہیں ملتا جو ہر وقت فارغ بیٹھے رہتے ہیں۔"

انھیں طنزیہ باتیں کرنے کی بیماری تھی اور فلک اس انداز گفتگو سے ہمیشہ گھبراتی تھی۔ بھلا وہ کیسے اور کیونکر اپنے گھر والوں کی صفائیاں پیش کرے؟ وہ لوگ اگر یہاں بہت کم آتے تھے تو یہاں سے بھلا کون ان سے ملنے جاتا تھا سوائے پھپھو کے۔ جن کی محبت جوش مارتی تو وہ وہاں چلی آتیں اور کبھی کبھار جہانگیر بھی آجاتا تو فلک کی آنکھوں کی روشنی اور بھی بڑھ جاتی۔ وہ تھا بھی تو ایسا مگر اس وقت تو صادقہ آپا کے طنز نے اس کے چہرے کی جوت جیسے بجھا دی تھی۔

"چلو بھئی گرما گرم چپس کھاؤ پکوڑے کھاؤ۔" ماجدہ باجی کچن سے باہر نکل آئیں اور فلک کو اس الجھن سے نکال دیا جس میں صادقہ آپا نے اسے مبتلا کیا تھا۔

"آپ تو پسینے پسینے ہو گئیں۔" فلک نے انھیں ہمدردی سے دیکھا جن کا سانولا چہرہ گرمی اور پسینے سے اور بھی کالا لگ رہا تھا قمیص پسینے سے تر جسم سے چپک رہی تھی۔

"ارے بھئی ہمارے کچن میں اے سی تھوڑی لگا ہے۔" دوپٹے سے چہرہ خشک کرتے ہوئے ماجدہ باجی ہنسنے لگیں۔ انہیں بات بے بات ہنسنے کی عادت تھی۔ انھیں نہ بڑھتی عمر کی کوئی فکر تھی نہ شادی نہ ہونے کا کوئی غم نہ گھر کے جملہ مسائل سے کوئی سروکار ان کی اپنی الگ ہی ایک دنیا تھی جو کچن سے شروع ہو کر اسی پر ختم ہو جاتی۔ بات بے بات پر نوعمر لڑکیوں کی طرح دیر تک بے ساختہ ہنستیں اور سب سے زیادہ صادقہ آپا کو کوفت میں مبتلا کرتیں۔

"اس میں ٹھٹھے لگانے کی کیا بات ہے؟" اس وقت بھی صادقہ آپا کو ان کا بلاوجہ ہنسنا برا لگا تھا۔

"تو کیا رونے کی بات ہے دو دن کی زندگی ہے اسے بھی رو پیٹ کے گزار دو کوئی بات ہے بھلا کیوں فلک؟"

ترنت جواب دیتے ہوئے وہ پھر ٹوتھ پیسٹ کا اشتہار بن گئیں۔ اس بار ان کی کھلکھلاہٹ صادقہ آپا کو چڑانے کے لیے تھی اور یہی ہوا ان کے ماتھے کے بلوں میں ہو گیا۔ انہوں نے کچھ سخت سست کہنے کے لیے منہ کھولا ہی تھا مگر اس سے پہلے ہی صادق بھائی بول پڑے۔

"دو دن؟ ہم نے تو چار دن سنے تھے دو آرزو کے دو انتظار کے۔" انہوں نے چارپائی کی گہرائیوں سے اٹھنے کی کوشش کرتے ہوئے حیرت کا اظہار کیا۔

"یہاں نہ آرزو ہے انتظار ایسی شکلوں کی آرزو کون کرے گا اور انتظار کس کو ہو گا؟" صادقہ آپا کو بدلہ لینے کا موقع مل گیا انہوں نے خوب تاک تاک کر تیر پھینکے۔

مگر ماجدہ باجی تو بقول سب کے ڈھیٹ ہڈی تھیں۔ اگر وہ ایسی باتوں کی جنہیں وہ گھر اور باہر کے لوگوں سے سینکڑوں بار سن چکی تھیں دل پر لیتیں تو اب تک صادقہ آپا کی طرح کچھ کچھ نفسیاتی کیس بن چکی ہوتیں۔

"جیسے بھی ہیں اچھے ہیں خوش ہیں شادی نہ ہونا ایک غم ہے شادی ہو کر بھی شادی شدہ زندگی نہ گزارنا اور بیچ میں لٹکے رہنا دو غم ہیں۔ اللہ کا شکر ہے اس نے ایک ہی غم دیا۔"

ماجدہ باجی نے بڑی بے نیازی سے بڑی بہن کی شان میں گستاخی کی جس کی دس سالہ ازدواجی زندگی کے پچھلے پانچ سال میکے میں ہی گزرے تھے اور فی الحال واپسی کا کوئی امکان نہیں تھا۔ وجہ؟ بے اولادی شوہر پانچ بہنوں کا اکلوتا بھائی پانچ سال میں ہی شوہر سمیت سسرال کے سب افراد کا ضبط جواب دے گیا اور چونکہ معاشرے کے مروجہ اصولوں کے مطابق اولاد نہ ہونے کی صورت میں سزا ہمیشہ عورت ہی کا مقدر ہوتی ہے لہٰذا صادقہ آپا کے شوہر کی دوسری شادی کی باتیں ہونے لگیں بے چاری صادقہ آپا پہلے پہل تو اس خوش فہمی میں رہیں کہ ان کا کھونٹا مضبوط ہے یعنی شوہر مٹھی میں ہے ان کا پلو چھوڑ کر ادھر ادھر نہیں جا سکتا پھر انہیں یہ غلط فہمی بھی تھی کہ پہلی بیوی کی موجودگی میں کوئی بھی اپنی بہن بیٹی کو دوسری بیوی بننے کے لیے کیونکر دے دے گا مگر ان کا فہم ناقص اور خیالات بچکانہ ثابت ہوئے اولاد کی چاہ میں شوہر ان کا پلو چھڑوا کر ان کی مٹھی کی قید سے کب نکل گیا؟ انہیں علم تب ہوا جب دوسری کو سچ مچ اپنی آنکھوں سے اپنے گھر میں دیکھا اس وقت انہیں یہ پتہ چلا کہ اٹھارہ برس سے لے کر اسی برس تک کے مرد کو پہلی دوسری تیسری چوتھی یا کسی بھی شادی کے لیے بیوی کا حصول کوئی مشکل یا ناممکن نہیں۔ چاہے شادی کی وجہ کچھ بھی ہو۔

"پہلی بیوی کی موجودگی میں دوسری شادی جرم ہے میں عدالت سے رجوع کروں گی۔" صادقہ آپا کے اوسان ذرا بحال ہوئے تو انہوں نے شوہر کو دھمکایا۔

"ٹھیک ہے پہلی بیوی کی موجودگی میں جرم ہے نا غیر موجودگی میں تو نہیں؟" شوہر نے بڑے اطمینان سے جواب دیا تھا۔

صادقہ آپا کے ہونٹوں پہ چپ کی مہر لگ گئی۔ شوہر کو تین لفظوں کے اختیار کا زعم تھا۔ صادقہ آپا کچھ تو پہلے ہی حساس تھیں اب اور زود رنج ہو گئیں۔ میکے کا رخ ایسا کیا کہ سسرال کی طرف مڑ کر بھی نہیں دیکھا۔ انہوں نے تو کہا تھا کہ دونوں مل جل کر رہ لیں گی مگر صادقہ آپا کو یہ شراکت گوارا نہ ہوئی۔ نہ خلع لی نہ طلاق بس علیحدگی کی سزا خود کو دے بیٹھیں۔ حالات کی تلخیوں نے مزاج اور زبان میں کڑواہٹ بھر دی تھی جس کا بے دریغ استعمال ہر ایک پر کر ڈالتیں۔ چھوٹی کوئی بہن زیادہ ہی چڑ جاتی تو انہیں نفسیاتی مریضہ کا خطاب دے کر اپنے دل کی بھڑاس نکال لیتی۔ بہرحال اس وقت تو ان کے نشانے کی بر فلک تھی جو بے چاری چپ چاپ بیٹھی ان کی مشق ستم سہ رہی تھی۔

"ارے بھئی تم یہ کھاؤ فضول باتیں چھوڑو یہ لو۔" ماجدہ باجی نے ٹرے اس کے آگے کی۔ بڑی سی ٹرے میں ایک طرف چپس اور دوسری جانب پکوڑوں کا ڈھیر تھا۔ سرخ مرچوں کی خوب کھٹی چٹنی ایک کٹوری میں تھی۔

وہ سب کے سب اپنی اپنی مصروفیات چھوڑ کر پکوڑوں چپس اور چٹنی کے گرد یوں جمع ہو گئے جیسے شمع کے گرد پروانے اور تو اور عتیقہ اور انیقہ بھی ٹی وی کا پیچھا چھوڑ کر محفل کو رونق بخشنے آگئیں۔

"پکا پکایا مل رہا ہے تو زیادہ ہی مزے آرہے ہیں۔" صادقہ آپا نے دونوں چھوٹی بہنوں کو گھورا۔ جن کا اوڑھنا بچھونا کھانا پینا اٹھنا بیٹھنا جاگنا سونا ٹی وی کے بغیر ادھورا تھا۔

سب گھر والوں کی متفقہ رائے تھی کہ ان دونوں کو امی نے بگاڑا ہے اور وہ سب یہ رائے دینے میں کسی حد تک حق بجانب بھی تھے۔ امی ہی کی ڈھیل تھی نہ انہوں نے کسی کام کی کوئی ذمہ داری ان دونوں پر ڈالی اور نہ ہی وہ کسی بات پر روکتی ٹوکتی تھیں۔

"تمہاری پھپھو سیدھی بہت ہیں۔" فلک نے ایک پکوڑے کو چٹنی میں ڈبوتے ہوئے پھپھو کی طرف دیکھا۔

ایک عام سا مڈل کلاس محنت کش عورت کا سادہ سا چہرہ۔ کسی بھی قسم کے فیشل اور غازے، سرخی سے پاک، بال کس کے پیچھے کی طرف سمیٹ سمٹ کے ایک چھوٹا سا جوڑا بنا رکھا تھا اور ہاتھ آہستہ آہستہ سبزی بنانے میں مگن تھے۔

"پھپھو! آپ بھی لیں نا۔" فلک نے ان سے کہا۔

"ہاں بچی بس تم کھاؤ، میں سمجھوں گی میں نے کھا لیا۔" وہ بڑی محبت سے بولیں۔

"مجنوں کے بارے میں تو سنا تھا مکتب میں کہ مار اسے پڑتی تھی اور درد لیلیٰ کو ہوتا تھا مگر یہ کون سی محبت ہے کہ کھائے کوئی اور پیٹ کسی کا بھرے۔" ماجد بھائی نے سالم پکوڑا چٹنی میں ڈبویا اور منہ میں رکھا۔

"یہ ممتا ہے بچے! تم ابھی نہیں سمجھو گے، جب اپنے بچے ہوں گے تب یہ بات سمجھ میں آئے گی۔" امی مسکرائیں۔

"آپ شادی کریں تو ان کے بچوں کو دیکھیں، سب لوگ کہتے ہیں کہ بیٹھے بیٹھے بیٹوں کی کمائی کھا رہے ہیں۔" صادقہ آپا اک دم ترخ کر بولیں۔

"اے لو، میں کیا کمائی کھا رہی ہوں، میں تو....." امی ان کی بات سن کر ہکا بکا رہ گئیں۔

"لڑکی کا کہیں ہو جائے تو لڑکوں کا میں کچھ سوچوں، بھلا میری کیا غلطی ہے؟" ان کا انداز مجرمانہ تھا جیسے بچوں کی شادیاں ابھی تک نہ ہونے میں ان کا قصور ہے؟

"کون لڑکی؟ چھتیسواں سال چل رہا ہے، عورت کہو عورت اور اگر اس عورت کی کہیں شادی نہیں ہوگی تو کیا لڑکوں کو بھی بٹھا کر رکھو گی؟" صادقہ آپا چبھتے ہوئے لہجے میں بولیں۔

ان کا لہجہ طنزیہ اور الفاظ بہت سخت تھے، ماجدہ باجی کا ستا ہوا چہرہ دیکھ کر کم از کم فلک کو تو بہت افسوس ہوا۔

"یہ بھی آخر انسان ہی ہیں ایک لڑکی کا امنگوں بھرا نازک سا دل، ہر بار کیسے ہر وار کو ہنس ہنس کر سہ سکتا ہے۔" فلک نے ان کی طرف دیکھتے ہوئے رنج سے سوچا۔

"ارے ہو جائے گی شادی، جب وقت آئے گا تو سب کے بیاہ ہو جائیں گے۔" صادق بھائی نے منمناتے ہوئے امن کا سفید جھنڈا لہرانے کی کوشش کی۔ بہن کا اترا ہوا چہرہ اور صادقہ آپا کا لب ولہجہ انہیں کچھ بھائے نہیں، آخر کو ماجدہ باجی انہیں وقت بے وقت چائے بنا کر دیتیں، دھلے ہوئے استری شدہ کپڑے ملتے اور وقت پر کھانا، بغیر ناک منہ چڑھائے ان کے آئے دن کے دوستوں کی خاطر مدارات۔ ماجدہ باجی کے علاوہ گھر میں اور کوئی ان گوناگوں صلاحیتوں کا مالک نہیں تھا۔

"سدرہ، ہما سینٹر سے کب تک آتی ہیں؟" فلک نے موضوع بدلنے کی کوشش کرتے ہوئے دھیرے سے سوال کیا۔

"آج کل تو دیر سے آ رہی ہیں۔ اب بڑے بڑے کپڑوں کی کٹنگ اور سلائی سیکھ رہی ہیں نا تو دیر ہو جاتی ہے۔" پھپھو نے رسان سے جواب دیا۔

"ارے تم ٹھیک سے کھاؤ نا، یہ لو پکوڑا لو۔" ماجدہ باجی نے مہمانداری نبھائی اور ٹرے میں بچا آخری پکوڑا اٹھا کر اس کی طرف بڑھایا فلک نے ابھی بمشکل ایک پکوڑا اور دو چار چپس کھائے تھے کہ دیکھتے ہی دیکھتے ٹرے صاف ہو گئی۔

"ارے لو نا، تکلف کیوں کرتی ہو، تمہارا اپنا گھر ہے۔" ماجدہ باجی نے اسے ہچکچاتا دیکھ کر بڑے پیار سے کہا۔

"ہاں ہاں آپ کا اپنا گھر ہے، مستقبل کا۔" عتیقہ شوخی سے بول کر خود ہی ہنسنے لگی، فلک خفیف ہو گئی باقی سب بھی مسکرا دیے، سوائے صادقہ آپا کے جن کی تیوریوں کے بل ابھی تک کم نہیں ہوئے تھے۔

"جہانگیر نہیں آیا ابھی تک؟" پھپھو کو تشویش ہوئی۔

"آرہا ہوگا، ویگنوں میں تو دیر سویر ہو ہی جاتی ہے۔" ماجد بھائی نے تسلی دی۔

"پتا نہیں کب آئے گا۔" فلک نے مضطرب ہو کر سوچا۔ اس سے ایک ایک پل کاٹنا محال ہو رہا تھا۔

"اور بھئی فلک، کچھ بولو، بات کرو، چپ چاپ کیوں بیٹھی ہو؟" پھپھو نے اسے مخاطب کیا جو واقعی بڑی دیر سے چپ بیٹھی تھی۔

"کس سے بات کروں اور کیا؟ میرے سارے لفظ تو آپ کا بیٹا لے گیا اور مجھے گونگا کر دیا۔" فلک نے دل ہی دل میں سوچا۔

"کوئی بولنے کا موقع دے تو بے چاری کچھ بولے، سن ہی رہی ہیں بس۔" عتیقہ نے اس کی مشکل آسان کی۔

"السلام علیکم!" اک دم ہی وہ دروازہ کھول کر اندر داخل ہوا۔

"وعلیکم السلام آگیا بیٹا۔" پھپھو کے چہرے پہ اطمینان بکھر گیا، شہر آشوب کے حالات ایسے تھے کہ گھر سے نکلنے والا ہر فرد جب تک گھر واپس نہ آجائے۔ اس کی بخیریت واپسی کے لیے دل سے دعائیں ہی نکلتی رہتی تھیں۔

"آؤ شہزادے، بالکل صحیح موقعے پہ آئے ہو۔" صادق بھائی نے ہانک لگائی۔

"تمہارا مطلب مہمان سے ہے؟" ماجد بھائی نے سوال کیا۔

"نہیں، میرا مطلب کھانے سے ہے۔" انہوں نے اطمینان سے جواب دیا۔

"اچھا، میں کچھ اور سمجھا تھا۔" صادق بھائی نے اپنی داڑھی کھجائی۔

"پانی۔" جہانگیر ان فقرے بازیوں سے بے نیاز آنکھیں موندے کرسی پر ڈھے گیا۔

"تم کیسی ہو لڑکی، گھر میں سب ٹھیک ہیں؟" وہ آنکھیں موندے موندے فلک سے مخاطب ہوا۔

"میں بھی ٹھیک ہوں اور گھر والے بھی۔" وہ جہانگیر کو دیکھتے ہوئے بولی، جس کا وجیہہ چہرہ اور شاندار وجود گھسی ہوئی جینز ٹی شرٹ اور تھکاوٹ کے نمایاں آثار کے باوجود ابھی کسی بھی دل میں اترنے کی بھرپور صلاحیت رکھتے تھے۔ پھر اس کا شگفتہ لب ولہجہ، دل موہ لینے والے انداز اور دل [illegible] والی باتیں، فلک یونہی تو اس کی اسیر نہیں ہوئی تھی جس پر کئی لڑکیاں چپکے چپکے ہی مرمٹی تھیں۔

عتیقہ ٹھنڈے پانی کی بوتل اور گلاس لے آئی۔ یکے بعد دیگرے وہ دو گلاس غٹاغٹ چڑھا گیا۔

"تم کیا کر رہی ہو؟" وہ اچانک اس سے مخاطب ہوا۔

"میں.... کچھ بھی نہیں۔" فلک اس اچانک سوال پر گڑبڑا گئی۔

"ایڈمیشن کا پوچھ رہا ہوں۔" وہ بڑے اطمینان سے اس کے صبیح چہرے پہ نظریں جمائے جواب کا منتظر تھا۔

"بی اے میں ایڈمیشن لے رہی ہوں۔" وہ کچھ سنبھلی۔

"ہوں تو دل کی بات مانی؟"

"اف، ایک تو یہ سب کے سب، ہر بات بول دینے کے عادی ہیں۔ دل میں رکھ کر مناسب موقع محل کیوں نہیں تلاش کرتے۔" فلک جز بز ہو گئی اتنے میں ماجدہ باجی جہانگیر کی پلیٹ لے آئیں جو انہوں نے پہلے ہی بچا کر رکھی ہوئی تھی۔

"میں بس ابھی دس منٹ میں آیا۔" وہ پھرتی سے غسل خانے کی طرف بڑھ گیا۔

جتنی دیر میں وہ نہایا، ماجدہ باجی ہنڈیا چڑھانے میں مصروف ہو گئیں، عتیقہ اور انیقہ دوبارہ ٹی وی دیکھنے میں مگن ہو چکی تھیں، ماجد بھائی نے اونچے سروں سے گنگنانا شروع کر دیا۔

"مجھ سے پہلی سی محبت میرے محبوب نہ مانگ۔"

"تمہاری بہنوں کی کہیں بات وات چلی؟" کچھ دیر بعد انہوں نے پوچھا۔

"پروپوزل تو آتے رہتے ہیں مگر ابھی کسی کو فائنل نہیں کیا۔" فلک نے جواب دیا۔

www.Paksociety.com

"اپنے جیسے اونچے، پڑھے لکھے لوگ دیکھ رہے ہوں گے ماموں، ممانی۔" صادقہ آپا کا لہجہ بدستور طنزیہ تھا۔

"ماشاءاللہ پڑھے لکھے، قابل بچے ہیں میرے بھائی کے اللہ صحیح جوڑ ملائے، نصیب اچھے کرے۔" پھپھو کے سادہ سے لہجے میں محبت اور فخر چھپا ہوا تھا۔

"ہمارے لڑکے کسی قابل ہوتے تو اپنی بھتیجیوں کو کہیں اور تھوڑی جانے دیتی۔" امی نے کچھ دیر بعد بڑی حسرت سے کہا۔

"ایک میٹرک پاس الیکٹریشن اور دوسرا ایک معمولی سا سیلز مین، ان نواب زادوں کے لیے اتنے اونچے اونچے خواب مت دیکھو۔" صادقہ آپا کے لہجے میں کڑواہٹ گھلی ہوئی تھی اور وہ دونوں نواب زادے ان باتوں سے بے نیاز اپنے شغل میں مگن تھے۔

"چلو، میرا جہانگیر تو ماشاءاللہ بڑا لائق فائق ہے۔ اتنی اونچی پڑھائی کر رہا ہے اس کے لیے تو کوئی منع نہیں کرے گا۔" پھپھو نے گویا خود کو تسلی دیتے ہوئے ایک نیا خواب تراشا۔

جہانگیر کچھ دیر بعد نہا دھو کر آ گیا۔ ترو تازہ وجود اور مسکراتا چہرہ، فلک بے اختیار ہی یک ٹک اسے دیکھے چلی گئی۔ سادہ سے کرتا شلوار میں ملبوس نم بال، پیشانی پر بکھرے ہوئے۔ وہ ہر انداز اور ہر لباس میں ہی قاتل لگتا تھا۔

"آج تو چھٹی ہے، تم کہاں گئے تھے؟" فلک نے سوال کیا۔

"سر ابرار ایکسٹرا کلاسز لے رہے ہیں۔ سنڈے کو اپنے گھر بلا لیتے ہیں۔" جہانگیر اسے جواب دے کر ٹرے کی طرف متوجہ ہو گیا۔

"تیری آنکھوں کے سوا دنیا میں رکھا کیا ہے؟" فلک نے اس کی لمبی پلکوں کو غور سے دیکھا۔

"کیا بات ہے بی بی؟ گھر پر رکھ کر آئی ہو کیا؟" صادق بھائی نے اک دم اسے مخاطب کیا۔

"کیا؟"

"اپنی زبان اور کیا۔" وہ بڑے مزے سے بے ساختہ بولے۔ فلک کو ہنسی آ گئی۔

"یہاں آ کر ان کی بولتی بند ہو جاتی ہے۔" ماجد بھائی نے لقمہ دیا۔

کیا تم لوگ بے کار کی باتیں لے کر بیٹھ جاتے ہو، کوئی اور کام نہیں ہے تمہیں ماجدہ باجی نے انہیں گھر

"کسی اللہ کے بندے کے پاس دو سو روپے ہوں تو مجھے عنایت کر دے، اشد ضرورت کا سوال ہے۔" ماجد بھائی نے اچانک تان لگائی۔

"میری طرف مت دیکھنا بھئی، میرے پاس کچھ نہیں ہے اس وقت۔" ماجدہ باجی نے ان کی نظریں خود پر جمی دیکھیں تو انہیں انتباہ کیا۔

"کیا کرے گا؟" صادق بھائی نے سوال کیا۔

"بال کٹوانے ہیں اور موبائل میں بیلنس ڈلوانا ہے، کچھ دس، بیس روپے اپنی جیب میں رکھوں گا بالکل ہی خالی ہے۔"

"بال کٹوانے کے پیسے نہیں ہیں اور موبائل میں بیلنس ڈلوانا ضروری ہے۔" صادقہ آپا غسل خانے سے باہر آ چکی تھیں، طنز کرتی ہوئی کمرے میں چلی گئیں۔

"یار، تیرے پاس ہوں گے کچھ سو پچاس۔" ماجد بھائی نے جہانگیر کو اپنی امید کا مرکز بنایا۔

"میرے پاس اس وقت صرف تیس روپے ہیں۔"

"انیقہ! اے انیقہ۔" پھپھو سے بیٹے کی پریشانی دیکھی نہیں گئی بیٹی کو آواز دے کر بلایا۔ "تیرے پاس سو روپے ہوں تو بھائی کو دے دے، میں پھر بعد میں دے دوں گی تجھے۔" انہوں نے لجاجت سے بیٹی سے کہا۔

"اتنی مشکل سے تو پانچ سو روپے جمع کیے تھے لان کے سوٹ کے لیے سوٹ بھی آیا نہیں، خرچے آ جاتے ہیں۔ پرسوں بھی آپ نے سو روپے لے لیے تھے چینی منگوانے کے لیے، وہ ابھی واپس نہیں کیے، اب سو روپے کا مطالبہ اور آ گیا۔" انیقہ تنتنائی۔

"بہنا! تو سو کی جگہ دو سو لے لینا مجھ سے، ابھی تو میرا کام کر دے۔" ماجد بھائی نے اسے پیار سے چمکارا۔

"ہاں بس دے دیے دو سو، یہی واپس مل جائیں، بہت ہے۔" وہ بڑبڑاتی ہوئی اندر چلی گئی۔ واپس آئی تو اس کو سو کا نوٹ دیا۔

"آپ کو دے رہی ہوں، آپ سے ہی لوں گی۔" اس نے جتایا تھا۔

"چلو بھئی! ہم تو چلے۔" ماجد بھائی اٹھ کھڑے ہوئے، نوٹ جیب میں ڈالا اور باہر نکل گئے۔

صادق بھائی اوپر چھت پر چلے گئے، انہیں یکایک اپنے کبوتر اور توتے یاد آنے لگے تھے، ان کے جانے کے بعد جہانگیر نے جھلنگا چارپائی پر قبضہ جما لیا اور لیٹ گیا۔

"میں بھی عصر کی نماز پڑھ لوں، یوں ہی ٹائم نکل جاتا ہے۔" پھپھو بھی تخت سے نیچے اترنے لگیں۔

"تمہارے سیل کو کیا ہوا، دو دن سے نمبر ٹرائی کر رہا ہوں، مگر ہر بار نمبر آف ملتا ہے۔" جہانگیر آنکھیں موندے اس سے مخاطب ہوا۔

"پتا نہیں کیا مسئلہ ہے۔ سم خود بخود بلاک ہو جاتی ہے۔ میری ایک دو فرینڈز بھی یہی شکایت کر رہی تھیں۔"

"تم سے بات نہ ہو تو وقت بڑی مشکل سے کٹتا ہے۔" وہ دھیرے سے بولا۔

"میرا بھی۔" وہ دل ہی دل میں بولی۔

"آنکھیں بند کر کے کیوں پڑے ہو؟" فلک نے اس کے وجیہہ چہرے کو دیکھا۔

"بند آنکھوں میں تمہاری تصویر بہت کلیئر نظر آتی ہے۔" وہ ہولے سے مسکرایا ایک پل بھر کو اس کے رخسار میں بھنور پڑا اور غائب ہو گیا۔ فلک چند لمحے اس بھنور میں ہی ڈوبتی ابھرتی رہی۔ اس کی مسکراہٹ تھی ہی اتنی غضب کی، فلک دل و جان نہ ہارتی تو کیا کرتی۔

پھر رات کا کھانا کھاتے کھاتے دس بج گئے تھے۔ اس دوران گھر سے دوبار امی کی کال بھی آ چکی تھی۔

"میں گھر جاؤں گی۔" کھانا کھاتے ہی وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔

"تھوڑی دیر ٹھہر جاؤ، چائے تو پی لو۔" پھپھو نے روکا۔

"نہیں پھپھو! چائے میں بہت دیر ہو جائے گی پھر کبھی سہی۔" فلک مضطرب ہو رہی تھی کہ امی کی خفگی کا ڈر تھا۔

"چلو! میں چھوڑ آتا ہوں۔" جہانگیر بھی کھانا کھا کر کھڑا ہو گیا۔

"بائیک لے جا شہزادے۔" صادق بھائی نے پیچھے سے ہانک لگائی، جب وہ دونوں سب کو خدا حافظ کہہ کے دروازے سے نکل رہے تھے۔

"یہ بے وقوف لڑکی موٹر سائیکل سے ڈرتی ہے۔" جہانگیر انہیں جواب دے کر باہر نکل گیا۔

"موٹر سائیکل سے نہیں ڈرتی۔ تم سے ڈرتی ہوں۔ لوگ بائیک چلاتے ہیں یا دوڑاتے ہیں تم اڑاتے ہو۔"

فلک نے دوپٹہ ٹھیک سے سر پر جمایا اور اس کی ہمراہی میں چل پڑی۔

"ویسے میں نے خود بھی نہیں چاہا کہ تمہیں بائیک پر لے جاؤں۔"

"کیوں؟"

"سفر جلدی ختم ہو جاتا ہے۔ پتا ہی نہیں چلتا، ذرا باتیں کرتے ہوئے ایک ساتھ چلتے ہیں تو اچھا لگتا ہے۔" وہ یونہی اکثر باتوں باتوں میں اپنے دل کی بات کہہ جاتا تھا۔

"کبھی کبھی مجھے بہت ڈر لگتا ہے جہانگیر۔" فلک اچانک بولی۔

"جو ڈر گیا وہ مر گیا، جس خیال یا جس چیز سے ڈرو گی وہی مجسم ہو کر تمہارے سامنے آئے گی۔" وہ نرمی سے گویا ہوا۔

"نصیب تو ایک حقیقت ہے نا۔"

"میں اس مفروضے پر یقین نہیں رکھتا، ہم اپنی قسمت خود بناتے ہیں۔" جہانگیر کا انداز دو ٹوک تھا۔

"کہتے تو سب یہی ہیں کہ وہی ہوتا ہے جو تقدیر میں لکھا ہوتا ہے۔"

اگر محبت کرنا میرے نصیب میں لکھا ہے تو پھر وہ شخص بھی ضرور لکھا ہو گا جس سے میں محبت کرتا ہوں

www.Paksociety.com

www.Paksociety.com

'نیت اور کوشش ہو تو انسان اپنی من چاہی منزل تک ضرور پہنچتا ہے' جہانگیر اٹل لہجے میں بول رہا تھا۔

"کوئی رکاوٹ آئی تو؟" فلک کے خوب صورت چہرے پہ خدشات کے سائے لرز رہے تھے۔

"فکر کیوں کرتی ہو' مجھ میں اتنا دم ہے کہ ہر رکاوٹ کو دور کر سکوں' جب وقت آئے گا تب دیکھنا" اس کا لہجہ بڑا مضبوط تھا۔

"کب؟"

"بہت جلدی ہے کیا؟" جہانگیر نے مسکرا کر اسے چھیڑا۔

"یونہی پوچھ رہی تھی۔" اس کی رنگت میں گلابیاں گھلنے لگیں۔

"چلیے جناب! گھر آگیا آپ کا۔" بڑے سے سفید رنگ کے گیٹ کے سامنے وہ رکا۔

"اتنی جلدی؟" فلک نے ایک گہری سانس لی۔

"اندر آجاؤ۔"

"نہیں' پھر کبھی سہی' اس وقت تو بس مجھے چاہیے بستر۔ دھم سے گروں اور آنکھیں بند کر کے بے خبر ہو جاؤں۔" جہانگیر صبح چار بجے اٹھنے کا عادی تھا۔ رات حد سے حد گیارہ بجے تک سو جاتا تھا اور علی الصبح اٹھ کر پڑھائی کرتا تھا۔

"اور ویسے بھی اس وقت ممانی کے خراب موڈ کا سامنا آپ کریں' بندہ تو چلا۔" اس نے یونہی مذاق میں کہا تھا مگر فلک بری طرح شرمندہ ہو گئی۔

"تم تو جانتے ہو امی کا مزاج..... وہ..... بس۔"

"اچھا چلو اب اندر جاؤ اور اپنا خیال رکھنا' ٹھیک ہے اللہ حافظ۔" جہانگیر نے اس کی بات کاٹی۔

"اچھا' اللہ حافظ۔" وہ چند لمحے کھڑی اسے جاتا دیکھتی رہی پھر گیٹ کھول کر اندر داخل ہو گئی۔

حسب توقع امی کا موڈ آف تھا۔

"ٹائم تو دیکھ لیا کرو' جا کر بیٹھ جاتی ہو۔" وہ برہم ہو رہی تھیں۔

"پھپھو نے کھانے کے لیے روک لیا تھا' اس لیے دیر ہو گئی۔" وہ منمنائی۔

"کس کے ساتھ آئی ہو؟"

"جہانگیر کے ساتھ"

"اچھا' اب جا کر سو جاؤ اور ایک گلاس دودھ ضرور لے لینا۔" انہوں نے نسبتاً" نرم لہجے میں کہا۔

"جی اچھا۔" وہ بڑی تابعداری سے کہتی ہوئی وہاں سے نکل آئی اور سیدھی اپنے کمرے میں آگئی۔ پہلے بھی وہ اتنے شوق سے دودھ نہیں پیتی تھی اور اب تو بالکل ہی چھوڑ دیا تھا جہانگیر بھی تو دودھ نہیں پیتا تھا۔

سیل فون' بیڈ کی سائیڈ ٹیبل پر رکھ کر وہ کپڑے بدلنے چلی گئی۔ ڈھیلا ڈھالا سوتی اور آرام دہ شب خوابی کا لباس پہن کر وہ بیڈ پر تکیہ کے سہارے نیم دراز ہو گئی' نیند ابھی آنکھوں سے دور تھی' وہ اٹھ کر سنگھار میز کے قریب آگئی اور "خوشبو" نکال لی۔ یہ جہانگیر کا تحفہ تھی اور اسے دل و جان سے عزیز۔ سنہرے سپنوں مہکتے جذبوں اور خوشبوؤں' رنگوں سے سجی شاعری پڑھتے ہوئے اس کا دل بھی خوابوں کی جادو نگری میں سفر کر رہا تھا۔

رات بھر تیری تصویر نگاہوں میں رہی
ہو گئی رات تیرے عکس کو تکتے تکتے
پھر میں نے تصور کے کسی لمحے
تیری تصویر پہ لب رکھ دیے آہستہ سے

بہت ہی کومل جذبوں میں گھری ہوئی تھی وہ' جب اس کا سیل بجنے لگا تو آواز بند تھی مگر فون کے ارتعاش نے اس کا ارتکاز توڑ دیا تھا۔

"تم سوئی نہیں اب تک؟"

"روزانہ یہی سوال کرتے ہو اور میرا روز کا جواب یہی ہوتا ہے کہ تم سے بات کیے بغیر کیسے سو سکتی ہوں۔" فلک کھنکھناتی آواز میں بول رہی تھی۔

"روزانہ وہی جواب دیتی ہو' بور ہو گیا ہوں یار' کبھی اپنا جواب چینج بھی کر لیا کرو۔" جہانگیر کی آواز میں شوخی نمایاں تھی۔

"ویسے تم مرد حضرات اتنی جلدی بور کیوں ہو جاتے ہو' ہر بار کچھ نیا چاہیے ہوتا ہے نا۔"

"یہ ہماری فطرت ہے' ہر بار کچھ نیا' کچھ تازہ' یہ کیا

روزانہ کی برتی ہوئی چیزیں روزانہ کی دیکھی ہوئی شکلیں' توبہ تو یہ بھی کوئی لائف ہے۔"

"کسی روز مجھے بھی ایسے ہی کہہ دو گے۔" فلک نہ جانے کیوں سنجیدہ ہو گئی۔

ہو سکتا ہے' کیا بھروسا ہم مرد حضرات کا' کیا پتا کسی روز میں تم سے کہہ دوں۔

اکتا گیا ہے وقت کی یکسانیت سے دل
جی چاہتا ہے پھر کوئی تازہ واردات

جہانگیر مزے سے بول رہا تھا' وہ طیش میں آگئی۔

"بات سنو' زیادہ اترانے کی ضرورت نہیں ہے' جان سے مار دوں گی میں تمہیں۔" اس نے دھمکی دی۔

"میری جان حاضر ہے' شوق سے مارو مگر پیار سے' غصے سے نہیں۔" وہ ہنسا' فلک بے ساختہ ہنس پڑی۔

"تم بہت برے ہو۔"

"تم بھی تو بہت بری ہو۔"

"کیوں میں نے کیا کیا ہے؟"

"زبردستی' میرے خیالوں میں' خوابوں میں' آنکھوں میں' دل میں زندگی میں گھسی چلی آرہی ہو۔"

"زندگی میں؟"

"ابھی کہاں؟" فلک نے ایک گہری سانس لی۔

"کیا مطلب' ابھی کہاں' تم ہو میری زندگی میں۔" وہ ایک ایک لفظ پر زور دیتے ہوئے بولا۔

"یہ بات صرف تم اور میں کہہ سکتے ہیں یا سمجھ سکتے ہیں' دنیا والوں کی نظروں میں تو....." فلک نے بات ادھوری چھوڑ دی۔

"دنیا کی نظروں کے سامنے بھی رشتہ قائم ہو جائے گا۔ تم ایسی باتیں سوچ سوچ کر کیوں ہلکان ہوتی ہو' دیکھو اگلے سال میری اسٹڈیز کمپلیٹ ہو گی' اس کے بعد نوکری پھر تمہیں بھی ماسٹرز کرنا ہے' کچھ ٹائم تو لگے گا نا؟" جہانگیر نے اسے سمجھایا۔

"ماسٹرز بعد میں بھی تو ہو سکتا ہے۔"

"بعد میں کب؟"

"شادی کے بعد اور کب؟" وہ جھنجلائی۔

"تم شادی کے بعد ماسٹرز کرو گی تو مجھ سے محبت کون کرے گا؟"

"جہانگیر بی سیریس پلیز۔"

"اچھا' اب تم سو جاؤ' بہت ٹائم ہو گیا ہے۔ مجھے صبح جلدی اٹھنا ہوتا ہے' پتا ہے نا۔" اس نے جتایا۔

فلک نے ایک گہری سانس لی اور خدا حافظ کہہ کے سیل آف کر دیا۔ روز کی طرح آج رات بھی وہ جہانگیر کو سوچتے ہوئے سو گئی تھی۔

☼ ☼ ☼

اس کا ایڈمیشن ہوئے کچھ ہی دن گزرے تھے جب سویرا اسلام آباد سے آن دھمکی۔ بڑی خالہ کی سب سے چھوٹی اور لاڈلی بیٹی۔ امی کی عزیز ترین بھانجی اور فلک کی پیاری سی کزن اور دوست' چلبلی تھی مگر سمجھ داری اور ذہانت کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی۔ وہ وکالت پڑھ رہی تھی رات نو بجے کی فلائٹ تھی' دو گھنٹے تاخیر سے گیارہ بجے پہنچی بڑے بھیا اور فلک کو امی نے ایئرپورٹ بھیج دیا تھا۔

"پچھلے ایک ہفتے سے ٹی وی پر پیاری پیاری لڑکیوں سے طوفان کی پیش گوئیاں سن رہا تھا' ہمیں کیا خبر تھی کہ طوفان بحیرہ عرب کے بجائے اسلام آباد سے آئے گا۔" قائداعظم انٹرنیشنل ایئرپورٹ سے باہر نکلتے ہوئے بڑے بھیا نے اپنی ازلی بذلہ سنجی کا مظاہرہ کیا۔

"بھولے بادشاہ' ہمارے سارے چھوٹے بڑے طوفان اسلام آباد سے ہی شروع ہوتے ہیں۔ حیرت ہے کہ آپ لاعلم ہیں۔" سویرا نے اپنا ہینڈ بیگ ٹٹولتے ہوئے جواب دیا۔

"اور بھئی ہماری مستقبل کی ڈاکٹر صاحبہ کے کیا حال ہیں؟" سویرا نے فلک کی جانب دیکھا۔

"یہ غالب اور میر والی ڈاکٹری پڑھ رہی ہیں۔" فلک سے پہلے ہی بڑے بھیا نے جواب دیا۔

"کیا مطلب؟"

"میں نے آگے سائنس نہیں رکھی ہے۔" اس بار

www.Paksociety.com

فلک نے مختصر جواب دیا۔ اسے اندازہ ہو چلا تھا کہ اب اسے مس سویرا شاہد کی عدالت بھی بھگتنی ہے۔

"ہائیں، وہ کیوں بھئی؟" سویرا حیران ہوئی۔

"جہاں تک مجھے یاد پڑتا ہے، فرسٹ ایئر میں ایڈمیشن لیتے وقت تم نے ڈاکٹر بن کر دکھی انسانیت کی خدمت کرنے کا عزم ظاہر کیا تھا۔"

"ہاں ساری دکھی انسانیت میرے ہی تو ڈاکٹر بننے کے انتظار میں بیٹھی سوکھ رہی ہے۔"

بڑے بھیا کے زوردار قہقہے سے فلک کا منہ پھول گیا۔ جسے دیکھو اس کے اس فیصلے پر یا تو تنقید کر رہا تھا یا مذاق اُڑا رہا تھا جیسے پتا نہیں کیا غضب ہو گیا ہو۔

"تمہاری چڑیا ناراض بڑی جلدی ہو جاتی ہے۔" سویرا جو ابھی تک پرس میں ہاتھ گھسائے کچھ تلاش کر رہی تھی مسکرا کے بولی اور ہاتھ پرس سے باہر نکالا تو اس میں چاکلیٹس تھیں۔

"یہ لو، عیش کرو۔" اس نے فلک کی گود میں ڈال دیں اور ایک کا ریپر ہٹا کر بڑے بھیا کی طرف بڑھایا۔ جو ڈرائیونگ سیٹ پر تھے۔

"واہ واہ، تمہارے شہر والے تو ڈالرز پر عیش کریں اور ہمارے عیش کے لیے فقط یہ چاکلیٹس۔" بڑے بھیا نے اعتراض داخل دفتر کیا۔

"جو مل جائے غنیمت جانیے چاہے ٹافی کا ٹکڑا ہی کیوں نہ ہو۔" سویرا نے سیٹ کی پشت سے سر ٹکایا۔

"ایک تو ان پی آئی اے والوں نے تھکا ڈالا، دو گھنٹے کا انتظار عذاب بن گیا۔ اوپر سے فلائٹ میں کھانے کو کچھ ڈھنگ کا نہیں ملا، ہر بار وہی ابلے ہوئے چاول اور چکن پکڑا دیں گے۔ پتا نہیں کب سدھریں گے یہ لوگ۔"

"کیا کھاؤ گی بتا دو، آگے سے لے لیں گے۔" انہوں نے پیش کش کی۔

"نہیں بھائی یہ برگر، پزا اور روسٹ بروسٹ کھا کھا کر میں تو تنگ آ گئی ہوں، ہمارا کک پھر بھاگ گیا تو انہی چیزوں پر گزارا کرنا پڑتا ہے پھر۔" سویرا نے مسمسی شکل بنائی۔

اس کی امی کا تین سال پہلے انتقال ہو گیا تھا، باپ مصروف بزنس مین، گھر میں افراد کم تھے ملازم زیادہ، پیسے کی فراوانی تھی، کشتم پشتم گھر کا نظام چل رہا تھا۔

گھر پہنچ کر سب اس سے علیک سلیک کر کے سونے چلے گئے، سب کو ہی علی الصبح اٹھ کر اپنے اپنے کاموں پر جانا تھا، فقط بڑے بھیا اور فلک ہی تھے جو اسے کمپنی دے رہے تھے۔

"شاور لو گی؟" فلک نے اس سے پوچھا۔

"تھوڑی دیر میں۔" اس نے اپنی ٹانگیں پھیلائیں۔

"ہاں بھئی سویرا میم! آپ کی کیا خدمت کی جائے؟" بڑے بھیا چینج کر کے آ گئے گھر کے سادہ سے کرتا شلوار میں وہ بہت مختلف اور اچھے لگ رہے تھے۔

"آپ کی جاب کیسی چل رہی ہے؟" وہ بڑے بھیا سے مخاطب ہوئی۔

"بہت اچھی، مگر تم نے میرے سوال کا جواب نہیں دیا۔"

"ہاں ہاں ابھی دیکھ لیں گے، میں ذرا فریج کا جائزہ لے لوں، پھر بتاؤں گی۔" وہ بڑے اطمینان سے بولی۔

"اچھا۔ ا۔۔۔ ا۔۔۔" انہوں نے منہ پر ہاتھ رکھ کر جمائی روکنے کی کوشش کی۔

"آپ جا کر سو جائیں، آپ کو نیند آ رہی ہے، ہماری فکر مت کریں، ہم کچھ نہ کچھ مینج کر لیں گے۔ میں ابھی شاور لینے جا رہی ہوں۔"

فریش ہو کر واپس آئی تو بڑے بھیا سونے جا چکے تھے، فلک لاؤنج میں صوفے پر لیٹی اس کا انتظار کر رہی تھی۔

"چلو یار! کچھ کھانے پینے کا بندوبست کریں۔"

"اگر میرے ہاتھ کا بنا ہوا کچھ کھانا ہے تو اچھی طرح سوچ سمجھ لو میں اس معاملے میں بہت ڈفر ہوں۔"

فلک نے بڑی سادگی سے حقیقت کا اظہار کیا۔

"ڈونٹ وری، ہم خود اپنے ہاتھ استعمال کریں گے ڈیئر۔"

سویرا مسکراتے ہوئے فریج کی جانب بڑھ گئی۔ جہاں سے اسے اپنی پسند کی چیزیں مل ہی گئیں، ماش کی پھریری دال میں اس نے دوبارہ تڑکا لگایا، اتنے میں فلک نے کباب فرائی کر لیے تھے۔ ساتھ میں لہسن اور ہری مرچ کا اچار، ذرا سی دیر میں ٹیبل سیٹ ہو گئی۔

"یہ اچار دیکھ کر تو میرے منہ میں پانی آ رہا ہے۔ آئی لو اٹ۔" سویرا چہکی۔

"ماشاء اللہ، یہ لہسن مرچ کے اچار ہی رہ گئے تھے محبت کرنے کے لیے۔"

"ہم کیا جانو بدذوق، یہ تو اہل دل ہی جانتے ہیں۔" سویرا نے اچار کا چٹخارا لیا۔

"ہاں بھئی، ایک آپ ہی ہیں، باذوق اور اہل دل، ہمارے پاس تو نہ ذوق ہے نہ دل۔" فلک نے ایک مصنوعی آہ بھری۔

"ذوق کا تو خیر میں کچھ کہہ نہیں سکتی، ہاں دل کے بارے میں کہہ سکتی ہوں کہ وہ تمہارے پاس سے فلائی کر چکا ہے۔" سویرا نے اسے چھیڑا، فلک نے فون پر اس سے جہانگیر کا ذکر کیا تھا اسی لیے وہ چھٹیوں میں کراچی بھاگی چلی آئی تھی۔

سویرا نے کھانا کھا لیا تو فلک نے برتن دھو کر کچن صاف ستھرا کر دیا۔

"ٹیرس پہ چلیں؟" سویرا سیڑھیاں چڑھ کر اوپر جاتے ہوئے بولی۔

"اس وقت؟ فلک نے تعجب سے پہلے گھڑی کو پھر سویرا کو دیکھا۔ "ایک بجنے والا ہے۔ اس نے جتایا۔

"تو کیا ہوا۔" وہ لاپروائی سے سیڑھیاں چڑھتی اوپر پہنچ گئی۔ ناچار فلک کو بھی اس کے پیچھے جانا پڑا۔

"تم یہ بتاؤ، تمہیں کیا ہوا ہے؟" سویرا نے اپنی سیاہ بھنورا سی آنکھیں اس کے چہرے پر جمائیں۔ جانچتی ہوئی نظریں، جو مد مقابل کے اندر تک پہنچ کر سب کچھ جان لیں۔

"کیا مطلب؟" فلک کو غالباً اس سے اس سوال کی توقع نہیں تھی۔

"لاسٹ سکس منتھ میں تم بہت بدل گئی ہو، مجھے تو حیرانی ہو رہی ہے تمہیں دیکھ کر۔" سویرا نے کندھے اچکائے۔

"کٹے ہوئے بالوں کی جگہ یہ لمبی سیدھی چٹیا، نیلز کی لمبائی اتنی کم ہو گئی کہ انگلیوں کی پوروں کے ساتھ لگ گئے، دوپٹہ سر پر، جو پہلے ہمیشہ کندھے یا گلے میں ہی جھولتا رہتا تھا اور اس گرمی میں، میں نے تمہیں کبھی فل سلیوز میں نہیں دیکھا، اب بھی نہ پوچھوں کہ تمہیں ہوا کیا ہے؟"

"تمہاری آبزرویشن غضب کی ہے، بہت اچھی وکیل بنو گی تم۔" فلک نے اس کے سوال کا جواب دینے کے بجائے ستائشی نظروں سے اسے دیکھا۔

"ویسے مجھے اندازہ نہیں، بلکہ اچھا خاصا یقین ہے کہ اس تبدیلی کے پیچھے کیا وجہ ہے۔" سویرا انگلیوں سے اپنے نم بال سلجھانے لگی۔

"ٹین ایج لو میں ایسا ہی ہوتا ہے اور اسپیشلی لڑکیاں تو ہوتی ہی پاگل ہیں۔" سویرا نے ایک گہری سانس لے کر آدھی رات کی ٹھنڈی سبک ہوا کو اپنے اندر اتارا۔

"اب میں ایسی بے وقوف بھی نہیں ہوں کہ وہ جو کہے اس پر آنکھیں بند کر کے عمل کرنا شروع کر دوں، میں وہی کرتی ہوں جو مجھے صحیح لگتا ہے۔" فلک نے اسے جھٹلانے کی کوشش کی۔

"اور تمہیں اس کی ہر بات ٹھیک ہی لگتی ہے، ہے نا؟" سویرا مسکرائی۔

"ہاں۔" اس نے سر جھکا کر بڑی معصومیت سے کہا

سویرا زور سے ہنس پڑی۔

"تمہیں کبھی جہانگیر نے یہ بتایا کہ ایسی معصومیت سے سر ہلاتے ہوئے تم بڑی کیوٹ لگتی ہو۔" سویرا نے ہنسنے کے بعد بظاہر بڑی سنجیدگی سے سوال کیا تھا۔

"نہیں، فلک نے نفی میں سر ہلاتے ہوئے اسے دیکھا۔

www.Paksociety.com

"اس کا مطلب ہے کہ وہ تمہاری تعریف میں کنجوسی سے کام لیتا ہے۔" اس نے گہری سانس لی۔

"بائی دا وے، محبت میں ایک دوسرے کی تعریف کرنا ضروری ہے کیا؟" فلک نے پرخیال نظروں سے اسے دیکھا۔

"ہاں، اکثر و بیشتر کرنی چاہیے، دل کو اچھا لگتا ہے۔" سویرا نے اثبات میں سر ہلایا۔

"فائق بھائی کرتے ہیں تمہاری تعریف؟"

"اف وہ شخص... اگر وہ دو گھنٹے بھی میرے ساتھ گزارے اور کوئی اس سے پوچھے کہ میں نے کون سا رنگ پہنا ہوا تھا تو وہ یقیناً" آئیں بائیں شائیں کرنے لگے گا۔"

"فضول کی مبالغہ آرائی مت کرو، جیسے میں تمہیں اور فائق بھائی کو جانتی نہیں ہوں۔" فلک نے اسے گھور کے دیکھا۔

"جب پتا ہے تو کیوں پوچھ رہی ہو۔" سویرا نے اپنی ہنسی روکی۔

"ویسے وہ اگر وکیل کے بجائے شاعر قسم کی چیز ہوتا تو ایک آدھ دیوان تو ضرور ہی لکھ مارتا۔"

"جہانگیر پریکٹیکل مائنڈ کا بندہ ہے، اس نے ایک بار مجھ سے کہا تھا کہ میں... بہت زیادہ خوب صورت ہوتی یا کم ہوتی اسے کوئی فرق نہیں پڑتا، اسے مجھ سے محبت ہونا تھی ہوگئی، اب لب و رخسار اور زلفوں کی تعریف کیا کرنی۔"

"پریکٹیکل مائنڈ کا بندہ محبت کر سکتا ہے؟" سویرا نے سوال اٹھایا۔

"کیوں نہیں کر سکتا، دل تو سب کے ہی پاس ہوتا ہے اور تم میرا پوسٹ مارٹم کرنے کیوں بیٹھ گئی ہو، تمہیں نیند نہیں آرہی۔" فلک نے جھنجھلا کر اسے دیکھا جو گپ شپ کے موڈ میں تھی۔ نہ چہرے پر تھکن کے آثار نہ آنکھوں میں نیند۔

"مجھے فکر لاحق ہوگئی ہے تمہاری۔" سویرا ایک بیک سنجیدہ ہو چلی۔

"کیوں؟"

"تم نے محبت کے نام پر جہانگیر کے کہنے سے خود کو اتنا بدل لیا کہ میں تصور بھی نہیں کر سکتی تھی اور سب سے حیران کن بات یہ کہ تم نے اپنا کیریئر بھی داؤ پہ لگا دیا، تم تو بہت اچھی اسٹوڈنٹ ہو، کسی بھی شعبے میں اپنا کیریئر بنا سکتی ہو، تم اپنے فیوچر سے کیوں کھیل رہی ہو؟"

"ٹیچنگ سے اچھا اور باوقار پروفیشن اور کون سا ہے، میرے امی، ابا ٹیچر نہیں ہیں کیا؟ ڈاکٹر، انجینئر بننا ہی بس کیریئر ہے؟" فلک نے منہ بنایا۔

"جس سبجیکٹ میں تمہارا ابھی انٹرسٹ ہی نہیں تھا تم اس کی اچھی استاد کیسے بن سکتی ہو۔"

"دنیا میں بہت سی عورتیں ہیں جو گھروں میں رہ کر گھریلو زندگی گزارتی ہیں۔ ضروری ہے کہ جاب کے لیے باہر نکلا جائے، شادی سے پہلے تو یہ سب چل جاتا ہے مگر شادی کے بعد ان سب مصروفیات سے لائف بہت ڈسٹرب ہو جاتی ہے ہو سکتا ہے میں کیریئر وومین نہ بنوں۔"

"اچھی خاصی برین واشنگ کردی ہے تمہاری۔" سویرا نے تبصرہ کیا۔

"تم بھی تو فائق بھائی کی وجہ سے لاء پڑھ رہی ہو۔ انہوں نے بھی تمہاری برین واشنگ کی ہوگی۔" فلک کا موڈ خراب ہونے لگا۔

"میں نے فائق کی وجہ سے اس پروفیشن کو چوز نہیں کیا بلکہ اس پروفیشن کی وجہ سے فائق کے لیے ہاں کی۔ میری پہلی ترجیح میری ایجوکیشن اور کیریئر ہے اور فائق کا انتخاب اس لیے کیا کہ لاء ہم دونوں کا پروفیشن ہے پیشن ہے۔" سویرا نے انتہائی سنجیدگی سے جواب دیا تھا۔

"دنیا میں لاکھوں کروڑوں لوگ کبھی نہ کبھی کسی نہ کسی کی محبت میں مبتلا ہو جاتے ہیں مگر تمہاری باتوں سے ایسا لگ رہا ہے کہ جیسے میں نے کوئی انوکھا کام کرلیا ہے۔" فلک نے رات کی سیاہی چھائے آسمان پر نظریں کیں جہاں چمکدار ستاروں کا سنہرا غبار پھیلا ہوا تھا۔ "کوئی روشنی تو میرے مقدر کی بھی ہوگی۔" وہ

چہرے سے بڑبڑائی تھی۔

☆ ☆ ☆

اگلے روز دوپہر میں لنچ سے فارغ ہو کر سویرا نے خالہ امی کے گھر جانے کا اعلان کیا۔

"لے کر تو جارہی ہوں مگر خبردار جو وہاں جاکر رکنے کے لیے مچلیں، رات میں واپس میرے ساتھ آنا۔" فلک نے اسے تنبیہہ کی۔

"اوہ بہت شکریہ مجھے لے جانے کے لیے آپ کی مدد اور رہنمائی کا، میں تو اس بڑے شہر میں جیسے کھو ہی جاتی۔" سویرا ہنسی۔

وہاں حسب توقع خالہ کی بڑی بہو اور ملازمہ کے سوا کوئی نہ تھا، خالہ امی گورنمنٹ سیکنڈری اسکول میں استاد تھیں۔ وہ ابھی تک نہیں آئی تھیں، سعد اور فہد اکیڈمی میں تھے، بڑے احمد بھائی آفس میں اور نزہا یونیورسٹی میں تھے۔

"اور سنایئے بھابھی! کیا حال احوال ہیں۔ اس شہر اور شہریوں کے۔" سویرا ٹانگیں پسار کر بیٹھ گئی۔

"تمہارے سامنے ہی ہے سب کچھ، نہ شہر کے حالات اچھے ہیں نہ شہریوں کے، بس دعا کرو اللہ اسے امن کا شہر بنا دے، امن ہوگا تو ساری مشکلات حل ہو جائیں گی۔" بھابھی نے کولڈ ڈرنک سرو کرتے ہوئے دلسوزی سے کہا۔

"ہم تو پورے پاکستان کے لیے یہی دعا کرتے ہیں۔" سویرا نے ایک گہری سانس لی۔

"خالہ امی تو آنے والی ہوں گی۔" فلک نے بیچ کولڈ ڈرنک کا گھونٹ بھرا۔

"ہاں بس آنے ہی والی ہیں، اس وقت تک آجاتی ہیں۔" بھابھی نے وال کلاک کی طرف دیکھا۔

"کیا پکایا ہے، بڑی اچھی خوشبو آرہی ہے۔" سویرا نے فضا میں سونگھتے ہوئے ایک گہری سانس اندر کھینچی۔

"مٹر پلاؤ دم پر ہے۔ رات کے قیمہ کریلے بھی ہیں، تم فون کردیتیں ہم کچھ اور بنا لیتے۔" بھابھی نے ملازمہ کو کولڈ ڈرنک کے گلاس اور ٹرے لے جانے کا اشارہ کیا۔

"بس میرے لیے تو یہی بہت ہے اور رہی بات فون کی تو سرپرائز آخر کس چڑیا کا نام ہے۔" سویرا نے جواب دیا۔

وہ تینوں باتیں ہی کر رہی تھیں جب ایک ایک کر کے پہلے تینوں بچے پھر خالہ امی اسکول سے آگئے۔ سویرا بھاگ کر بچوں کی طرح ان سے لپٹ گئی۔

"خالہ امی! آپ مجھے اتنا یاد آرہی تھیں کیا بتاؤں؟ بس بھاگی بھاگی چلی آئی آپ سے ملنے۔" وہ یونہی گلے لگی شروع ہو گئی۔

"اتنی بڑی ہو گئی یہ لڑکی، حرکتیں ابھی تک وہی بچوں والی ہیں۔" خالہ مسکرائیں۔ "آپ سے امی کی خوشبو آتی ہے مجھے۔" وہ یونہی گلے لگے بولی۔

"میری یہ بیٹی کیسی ہے؟" فلک کے سلام کا جواب دے کر انہوں نے اسے گلے لگایا۔

"ایک شہر میں رہتے ہوئے مہینوں میں شکل دکھاتی ہے یہ لڑکی۔" انہوں نے فلک کا شکوہ سویرا سے کیا۔

"خوب زور سے کان کھینچیں اس بلو نگڑی کے۔" سویرا نے بڑے مزے سے انہیں مشورہ دیا۔

"اب لگ رہا ہے کہ وکیل بن رہی ہو، مشورے دینے آگئے ہیں تمہیں۔" بھابھی مسکرائیں۔

"یہ تو ہمارا قومی مزاج ہے، اس کے لیے وکیل بننے کی ضرورت تھوڑی ہے۔" سویرا نے ہنس کر کہا۔

"میں چینج کر کے اور فریش ہو کر آتی ہوں۔" خالہ امی اٹھ کھڑی ہوئیں۔

"آپ کا لاڈلا باگڑ بلا کب آتا ہے؟" کھانے کے بعد آئس کریم سے لطف اندوز ہوتے سویرا نے خالہ امی سے پوچھا۔

"بس آتا ہی ہوگا، ویسے اس کا کوئی ٹائم نہیں ہے۔ کبھی جلدی بھی آجاتا ہے۔"

کھانے سے فارغ ہو کر بھابھی بچوں کو لے کر اوپر چلی گئیں۔ خالہ امی، سویرا اور فلک سے باتیں کرتے

www.Paksociety.com

لگیں۔

"خالہ امی! آپ اب جاکر آرام کریں، تھکی ہوئی ہیں، ہم لوگ یہیں ایک دوسرے کو کمپنی دے دیں گے پھر سعد اور فہد بھی آجائیں گے۔" انہیں جمائی لیتا دیکھ کر فلک نے کہا۔

"سعد آجاتا ہے تو پھر میں سو جاتی ہوں، صبح کی اٹھی ہوئی ہوتی ہوں نا۔"

"آپ فکر مت کریں، جاکر آرام کریں، آپ کے سپوت کو آج ہم ویلکم کرلیں گے۔" سویرا نے بھی اصرار کیا۔

خالہ امی کو گئے کچھ ہی دیر ہوئی تھی جب سعد آگیا، شوخ، چلبلا اور بقول سویرا ڈرامے باز۔

"یا اللہ، یہ میں کیا دیکھ رہا ہوں، اسلام آباد اور کراچی دونوں کے چاند ہمارے گھر، اف میں بے ہوش نہ ہو جاؤں کہیں۔" وہ لہرا کر گرنے کی ایکٹنگ کر رہا تھا کہ صوفے پہ سچ مچ گر گیا۔

"یہ ڈرامے باز ابھی تک چینج نہیں ہوا، ویسے کا ویسا ہی ہے۔" سویرا نے فلک کو مخاطب کیا۔

"تو نے میرے ساتھ اچھا نہیں کیا۔" سعد کا اصل ڈرامہ اب شروع ہوا تھا۔ "میرے خوابوں کی کشتی بیچ منجدھار میں ڈبو دی، قسم سے کبھی کبھی تو شدّت سے دل کرتا ہے کہ تیرے اس وکیل منگیتر پر دفعہ 302 لگوا کر سزا دلوا دوں، آخر اس کی وجہ سے میرے دل کا خون ہوا ہے۔"

"سچ سعد! میں تو اس خوش فہمی میں تھی کہ تم کچھ سدھر گئے ہو گے، مگر تم تو پہلے سے بھی زیادہ بڑے ایکٹر بن گئے۔ افسوس فہد کی صحبت بھی تمہیں کچھ سدھار نہیں سکی۔" سویرا نے مسکراہٹ لبوں میں دباتے ہوئے تاسف سے کہا۔

"سدھار نہیں سکی؟ کیا مطلب؟ یہ کہو کہ میں بگڑنے سے بچ گیا، میری توبہ۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ میرا اتنا ہینڈسم اور پیارا بھائی آخر کئی کئی گھنٹے مسکرائے بغیر اور لڑکیوں سے باتیں کیے بغیر کیسے رہ لیتا ہے، مجھے تو وہ... وہ ہونے لگتا ہے جو امی بولتی ہیں، کیا ہے وہ مشکل سا ورڈ" اس نے ذرا رک کر سر کھجایا۔ "ہاں یاد آیا، خفقان، بس یہ ہی ہونے لگتا ہے مجھے، اور تم سناؤ، انکل اور باقی سب کیسے ہیں..." وہ ایک لمحے کو پھر رکا۔

"وہ میرا رقیب روسیاہ، کیا حال ہیں اس کے۔" وہ اب بھی شرارت سے باز نہیں آرہا تھا۔ سویرا اور فلک ہنس پڑیں۔

"خالہ امی ٹھیک ہی بتاتی ہیں تم نے واقعی بچپن میں بھی انہیں بہت ستایا ہوگا، ہر بار ایک نئی شرارت کی اسٹوری سناتی ہیں تمہاری۔" فلک ہنستے ہوئے بولی۔

"یار، لڑکی تو یہ بھی بڑی پیاری ہے، اب دیکھو نا آتی اتنا کم ہے، دو چار ملاقاتیں ہوں، باتیں ہوں، پھر... وہ فلک کو غور سے دیکھتے ہوئے چہکنے لگا۔

"اے خبردار! جو مجھے ایسی ویسی نظروں سے دیکھا، اپنی یہ باتیں اور حرکتیں اپنی اسٹوپڈ قسم کی فرینڈز کے ساتھ کیا کرو۔" فلک چیخی۔

"میری سمجھ میں نہیں آتا کہ خاندان کی ہر لڑکی مجھ سے کیوں بھاگتی ہے، حالانکہ بقول میری امی، لاکھوں میں ایک ہوں، ماشاء اللہ برسرروزگار ہوں، خاندانی ہوں، شریف ہوں، پھر..." وہ انتہائی دکھی لہجے میں بول رہا تھا۔

"اچھا مسٹر شریف! بات یہ ہے کہ تمہیں جاننے والی ہر لڑکی تمہارا کچا چٹھا بھی جانتی ہے۔ اس لیے دور بھاگتی ہے، اب ذرا تم سیریس ہو جاؤ اور..."

"کس کے ساتھ؟" سعد نے بڑی بے تابی سے بات کاٹ کر معصومیت سے پوچھا۔

"تم..." سویرا کا بس نہیں چل رہا تھا کہ اس کا کچومر بنا دے۔

سعد ہنستا ہوا اٹھ کھڑا ہوا۔

کھانا کھاتے ہوئے وہ دونوں کو اپنے اکیڈمی کے بارے میں بتانے لگا۔

"تین سال ہم نے ٹیوشن سینٹر چلایا، اب پچھلے سال سے انٹرنیٹ کے ذریعے غیر ملکی اسٹوڈنٹ کو ٹیوشن پڑھا رہے ہیں۔ ہم دس افراد کا گروپ ہے۔ اور سبجیکٹس کے ساتھ ہم لوگ قرآن اور عربی کی تعلیم بھی دے رہے ہیں۔"

"فائق بھی پارٹ ٹائم یہ ہی کر رہا ہے، وہ میتھس پڑھاتا ہے، رقم اکٹھی کر رہا ہے باہر جانے کے لیے۔ ہائر ایجوکیشن کے لیے انگلینڈ جائے گا۔" سویرا بھی بتانے لگی۔

"تمہارے اتنے امیر ابا کس دن کام آئیں گے، ہونے والے داماد کو تعلیم اسپانسر نہیں کرسکتے؟" سعد پھر پٹڑی سے اتر گیا۔

"میں نے اور پاپا نے تو آفر کی تھی، وہ مانا ہی نہیں، ویسے اتنا تو اس کے ابا بھی افورڈ کرسکتے ہیں، مگر وہ خود اپنے بل بوتے پہ اپنا فیوچر بنانا چاہتا ہے۔"

"اف! میرا انیس سو ستر کا ہیرو، تجھے یہ ماسٹر پیس ملا کہاں سے؟"

"پھر وہی فضول باتیں۔" سویرا کو ہنسی آگئی۔

"تم لوگ ویب کیم اور وائٹ بورڈ پر پڑھاتے ہو یا انٹرایکٹو بورڈ پر؟" سویرا نے سوال کیا۔

"اوہ! بڑی معلومات ہیں آپ کو؟" سعد نے آنکھیں پھیلا کر اسے دیکھا۔

فائق سے ہی سنا ہے یہ سب، اس لیے پوچھ لیا۔"

"ہم لوگ انٹرایکٹو بورڈ کے ذریعے پڑھاتے ہیں، یہ زیادہ موثر ہے، بس یار لوڈشیڈنگ کا مسئلہ نہ ہو تو ہماری محنت کا رزلٹ بہت زبردست آئے، ٹھیک ٹھاک آمدنی ہے، مگر اچھی خاصی رقم جنریٹر وغیرہ کی فراہمی میں چلی جاتی ہے، بہت بڑا اضافی خرچہ ہے یہ۔" سعد سنجیدہ ہوگیا۔ "تم نکمی وکیل، آخر لوڈشیڈنگ کے خلاف احتجاج کیوں نہیں کرتیں۔" اس نے اچانک پھر سویرا کو نشانہ بنایا۔

"ہاں، ہر کام ہمارا ہی ہے، ہم ہی سڑکوں پر نکلیں، ہم ہی ڈنڈے کھائیں، باقی پبلک گھر بیٹھی حکومت اور اپنے نصیبوں کو کوستی رہے، عوام خود بھی سدھر جائیں تو کچھ نہ کچھ مسائل حل ہو ہی جائیں، کوئی شہر، علاقہ، گلی، محلہ ایسا نہیں جہاں کنڈا سسٹم نہ ہو۔" سویرا بحث کے موڈ میں آگئی۔

"عوام کا کیا قصور، حکومت نے خود مجبور کیا ہے ہمیں ایسی حرکتیں کرنے پہ، سعدی نے اس کی بات سے اختلاف کرتے ہوئے عوام کا دفاع کیا۔

"اف! کتنا بور کر رہے ہو تم دونوں، فلک سویرا کے کچھ کہنے سے پہلے ہی جھلا کر بولی۔

"یہ ہی ہیں تمہاری وکیل صاحبہ، ورنہ میں تو اتنی اچھی اچھی رومانٹک باتیں کرتا ہوں، کروں؟" سعدی نے شرارت سے اسے دیکھا۔

"اپنا رومانس اپنے پاس ہی رکھو۔"

"ہاں ہاں سنبھال کر ہی رکھا ہے، وہ جو میرے نصیب میں ایک بہت اچھی، بہت پیاری سی لڑکی ہوگی نا اسی پر خرچ کروں گا، بے قدر لڑکیو!" سعد لڑاکا عورتوں کی طرح بولا تھا۔

"احمد بھائی اور فہد کی کیا ٹائمنگ ہیں؟"

"بڑے بھائی آجائیں گے سات بجے تک اور فہد ایک گھنٹے بعد آئے گا۔" سعدی نے کباب کا ٹکڑا منہ میں رکھا۔

جس وقت فہد آیا تو سلونی شام نے اپنے پنکھ پھیلانے شروع کردیے تھے۔ رشنا کو یونیورسٹی سے آئے دیر ہو چکی تھی۔ کھانا کھا کر وہ سب کے ساتھ گپ شپ میں مصروف ہوئی تو وقت کا پتا ہی نہیں چلا۔

خالہ امی اور بھابھی نیچے آچکی تھیں اور شام کی چائے کا اہتمام ہو رہا تھا، چائے پیتے ہوئے۔ باتوں کا سلسلہ ایسا دراز ہوا کہ مغرب کی اذان سے ذرا پہلے پرندوں کی چہچہاہٹ پر سب چونکے اور ذرا دیر بعد ہی اللہ اکبر کی صدا مسجد سے آنے لگی۔

"چلو بچو! نماز کی تیاری کرو، پھر ہم رات کے کھانے کا دیکھتے ہیں۔" خالہ امی نے بہو کی طرف دیکھتے ہوئے کہا، پھر... وضو کے لیے اٹھ گئیں۔

ان کی شام اور رات یوں ہی باتوں اور مسکراہٹوں

www.Paksociety.com

کے درمیان گزری تھی۔ کھانا کھا کر بہت دیر بعد رات گئے سعد دونوں کو گھر چھوڑنے گیا تھا' خالہ امی اور باقی گھر والوں کے بھی بے حد اصرار پر سویرا رکی نہیں۔

"ابھی تو میں یہاں ہوں نا' جانے سے پہلے رکنے ضرور آؤں گی پکا وعدہ' کل بہت ضروری ایک جگہ جانا ہے۔"

"تمہیں کل کہاں جانا ہے؟" رات کو وہ سونے لیٹیں تو فلک کو اچانک خیال آیا۔

"تمہاری متوقع یا غیر متوقع سسرال۔" سویرا اطمینان سے جواب دیتے ہوئے کولڈ کریم سے ہاتھوں پر مساج کرنے لگی۔

"پھپھو کے گھر!" فلک اچھل کر بیٹھ گئی۔

"ہاں' مگر تم اتنی حیران کیوں ہو رہی ہو؟"

"تم وہاں جا کر کیا کرو گی؟" فلک نے مشکوک نگاہوں سے اسے گھورا۔

"ظاہر ہے دیکھوں گی وہ لوگ کیسے ہیں' کیا ہیں' کیوں ہیں؟" سویرا غیر سنجیدگی پر اتر آئی۔

"میری نظر سے دیکھو گی تو تمہیں شاید ہی کوئی برائی نظر آئے' لیکن اگر۔۔۔۔"

"نہ میں تمہاری نظر سے دیکھوں گی' نہ اپنی نظر سے' میں ایک جج کی غیر جانبدارانہ نظر استعمال کروں گی۔" سویرا اس بار سنجیدہ تھی۔

"مگر مائی لارڈ یہاں منصف کی نہیں محبت کی نظر کی ضرورت ہے۔"

"ان نظروں سے تم دیکھتی ہو نا' کافی ہے۔" سویرا بدستور سنجیدہ تھی۔

"اچھا اب تم سوؤ گی کب؟" فلک نے منہ بسورا۔

"کیوں؟" وہ بڑے انہماک سے مساج میں مصروف تھی۔

"ہمارے صاحب کا فون آئے گا۔"

"لاؤ تھوڑی سی کاٹن دو۔" سویرا بے ساختہ بولی۔

"کیوں؟"

"کانوں میں لگاؤں گی۔" وہ سادگی سے بولی تھی مگر فلک ہنس پڑی۔

"فائق بھائی تمہیں فون نہیں کرتے سونے سے پہلے؟" فلک کا سوال اور انداز بڑی معصومیت لیے ہوئے تھا۔

"وہ موصوف دن میں ہی کبھی کبھار مجھے یاد فرماتے ہیں' رات میں کال کرنے کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔" سویرا اس کا سوال سن کر ہنس پڑی۔

"اچھا!" فلک اس کا جواب سن کر کچھ مایوس سی ہو گئی تھی۔

"بات دراصل یہ ہے بے وقوف لڑکی! کہ محبت رات دن بات کرنے کی محتاج نہیں ہوتی' دل سے دل کا رابطہ کافی ہے' ہر وقت کا اظہار اور اقرار بے معنی ہوتا ہے۔"

"جی نہیں' محبت کو بار بار اظہار کی بھی ضرورت ہوتی ہے اور اقرار کی بھی۔" فلک نے فوراً اس کی بات سے اختلاف کیا۔

"ہاں! ٹین ایج کی محبت ایسی ہی ہوتی ہے۔" سویرا نے سر ہلایا۔

"تم تو جیسے بڑی بی ہو۔"

"عمر کا تعلق سن پیدائش سے نہیں' انسان کے شعور سے ہوتا ہے۔"

"اچھا یہ موٹی موٹی شعور لاشعور کی باتیں فائق بھائی کو سنانا' مجھے تو نیند آ رہی ہے۔" فلک نے خاصی بدتمیزی سے اس کی بات کاٹ کر جمائی لی۔

"سو جاؤ' تم تو ویسے بھی نیند میں ہی ہو' جاگ کب رہی ہو۔" سویرا کے الفاظ اور انداز دونوں ہی معنی خیز تھے۔ فلک اتنی بے وقوف یا سیدھی تو نہ تھی۔ بین السطور چھپا ہوا مفہوم کچھ نہ کچھ سمجھ گئی۔

"تمہاری ان باتوں کے جواب میں کل دوں گی۔" فلک تکیے پہ سر رکھ کر لیٹ گئی۔

"دلائل ڈھونڈو گی۔"

"ہوں۔" فلک نے مبہم سی ہوں کی' ہاتھ میں موبائل پکڑے اس کا رواں رواں بیل بجنے کا منتظر تھا۔

اور تب ہی اس کے دل کی مراد بر آئی تھی۔

✲ ✲ ✲

واپسی کا سفر ذرا سنجیدہ اور خاموش تھا۔ اسے کچھ کچھ اندازہ تھا کہ سویرا کیا کہے گی۔ مگر پھر بھی وہ اس کی رائے کی منتظر تھی۔

"یہ لوگ اور یہ ماحول تمہارے لیے بالکل بھی سوٹ ایبل نہیں۔" گھر کے قریب پہنچ کر سویرا نے چپ کا روزہ توڑا۔

"صرف اس لیے کہ وہ غریب ہیں یا ان کے ہاں ہماری طرح کے بے معنی تکلفات نہیں؟"

"نہیں' غریب ہونا کوئی عیب یا برائی نہیں' مگر اسے خود پر مسلط رکھنا اور خود کو اور حالات کو بدلنے کی کوشش نہ کرنا بہت بڑی برائی ہے۔"

"مجھے زندگی جہانگیر کے ساتھ گزارنی ہے' اس میں اتنی ایبلیٹی ہے کہ وہ اپنے حالات بدل سکے' چند سال لگیں گے اسے اسٹیبلش ہونے میں۔" فلک نے صفائی پیش کی۔

"میں پھر یہ ہی کہوں گی کہ تم بہت بے وقوف ہو اور پلیز مائنڈ مت کرنا' جہانگیر کا سب سے نمایاں پلس پوائنٹ یہ ہے کہ وہ ضرورت سے زیادہ ہینڈسم ہے اور میرا اندازہ یہ ہے کہ وہ ضرورت سے زیادہ ہوشیار بھی ہے' اس کی تعلیم' قابلیت اور صلاحیت اپنی جگہ' مگر تم اس کے ساتھ وہ زندگی نہیں گزار سکو گی جس کے تم خواب دیکھ رہی ہو' رئیل لائف خوابوں کی زندگی سے مختلف اور ذرا تلخ بھی ہوتی ہے۔" سویرا محسوس کیا۔ فلک کے چہرے کی جوت کم ہونے لگی۔

"تم کچھ زیادہ ہی انتہا پسند بن رہی ہو' نہ میں کوئی شہزادی ہوں' نہ وہ لوگ غریب رعایا' مانا کہ ہمارے ماحول میں تھوڑا بہت فرق ہے' مگر اتنا بھی نہیں جتنا بھیانک نقشہ تم کھینچ رہی ہو۔" فلک نے احتجاج کیا۔

مگر اس کا یہ دعوا کچھ ایسا غلط بھی نہیں تھا۔ دو ماہ بعد جب پھپھو جہانگیر کے لیے اسے مانگنے آئیں تو امی' ابو سمیت سب گھر والے حیران تھے اور جب فلک کی مرضی پتا چلی تو یہ حیرانی پریشانی میں بدل گئی' پپا خاموش تھے' امی اتنی غصے میں تھیں کہ انہوں نے خود فلک سے کوئی بات کرنا بھی گوارا نہیں کیا' یہ فریضہ آپی کے حصے میں آیا' اس پر بھی فلک نے دل ہی دل میں خدا کا شکر ادا کیا کہ امی کے مقابلے میں آپی سے بات کرنا زیادہ آسان تھا۔

"پھپھو تمہاری مرضی سے آئی ہیں؟" آپی سخت شاکڈ تھیں۔

"جی!" وہ منمنائی۔

"سب کچھ جانتے بوجھتے بھی تم نے اتنا بڑا اسٹینڈ لیا' ایک گھر اور ماحول میں چند گھنٹے گزارنا اور بات اور ساری زندگی گزارنا اور بات' تم نے یہ سوچا بھی کیسے؟"

"مجھے زندگی جہانگیر کے ساتھ گزارنی ہے' اس کی قابلیت پر کوئی شک ہے آپ کو؟"

"مجھے اس پر کوئی شک نہیں کہ وہ قابل ہے اور اس بات پر بھی کوئی شک نہیں کہ وہ اپنے گھر والوں سے نہ الگ ہے نہ مختلف' بالفرض یہ شادی ہو بھی جائے تو تم کسی الگ سیارے پر تو اس کے ساتھ گھر بسانے سے رہیں' پھپھو کے گھرانے سے ایک نیا تعلق اور نیا رشتہ قائم ہو جائے گا' کیسے نبھاؤ گی؟"

فلک خاموش رہی۔

"دیکھو! یہ خیال دل سے نکال دو' ہمارا ان کے ساتھ کوئی میچ نہیں ہے۔" آپی نے مزید سمجھایا۔

"صرف اس لیے کہ وہ غریب ہیں اور کم تعلیم یافتہ ہیں۔" فلک نے ذرا جھجکتے ہوئے لہجے میں کہا' لے دے کے اس کے پاس یہ ہی ایک جذباتی دلیل رہ جاتی تھی۔

"فلک! ہمارے ماں' باپ نے ہمارے لیے بہت محنت اور جدوجہد کی ہے' امی خود سے کبھی کچھ نہیں کہتیں' مگر پاپا بتاتے ہیں کہ شادی کے بعد دس سال انہوں نے ایسے گزارے کہ موٹا جھوٹا کھایا اور پہنا' شادی کے قریب امی کا گریجویشن بھی کمپلیٹ نہیں تھا' یہ دس سال انہوں نے اپنی تعلیم بھی مکمل کی' بچے بھی پیدا کیے' پالے' گھرداری بھی کی' جاب بھی کی' اگر وہ بھی اپنی غربت' کم تعلیم اور اس پسماندہ اور فرسودہ ماحول سے سمجھوتا کر لیتیں تو شاید آج ہمارا گھر اور ہمارا

www.Paksociety.com

حال، پھپھو کی فیملی سے مختلف نہ ہوتا" آپی نے چند لمحوں کا توقف کیا پھر دوبارہ گویا ہوئیں۔ "شادی ایک فرد سے نہیں اس کے پورے گھر اور ماحول سے ہوتی ہے' ان سب کے ساتھ ایڈجسٹ کرنا پڑتا ہے' گزارا کرنا پڑتا ہے۔"

"میری ان سب کے ساتھ بہت اچھی انڈر اسٹینڈنگ ہے۔" فلک نے جتانے والے انداز میں کہا۔

"امی اور پاپا کی بالکل بھی مرضی نہیں ہے کہ تمہاری ایجوکیشن کمپلیٹ ہونے سے پہلے رشتے یا شادی وغیرہ کا معاملہ طے کیا جائے اور جہانگیر کے ساتھ تو قطعی نہیں۔" آپی نے صاف صاف بات کی۔

"ویسے تو ہمارے گھر والے بہت لبرل اور روشن خیال بنتے ہیں' ہر فرد اپنے معاملات میں خود مختار اور آزاد ہے اور میں اپنی لائف کا سب سے اہم فیصلہ اپنی مرضی سے نہیں کر سکتی۔" دکھ اور صدمے سے فلک کی آواز بھرا رہی تھی۔

"ہمارے پیرنٹس نے ہمیں خود اعتمادی کی دولت دی ہے' خود پر انحصار کرنا سکھایا ہے' مگر تم نے اس کا بہت غلط فائدہ اٹھایا' اپنے معاملات میں آزادی دینے کا یہ مطلب نہیں کہ وہ ہمارے بارے میں کوئی فیصلہ کرنے کا اختیار نہیں رکھتے۔ یہ حق اور اختیار بہرحال ان ہی کے پاس ہے' تم امی' پاپا کو یا ان کی مرضی کو کیسے اگنور کر سکتی ہو۔" آپی سخت لہجے میں بولیں۔

وہ رو پڑی۔

"رونے سے کیا یہ مسئلہ حل ہو جائے گا؟" آپی نے اس کے آنسو صاف کرتے ہوئے نرمی سے کہا۔

"میں اس سے محبت کرتی ہوں' شدید محبت۔ میں جہانگیر کے بغیر نہیں رہ سکتی' میں مر جاؤں گی' اس کی جدائی کے تصور سے میری سانسیں رکنے لگتی ہیں۔"

فلک' آپی سے یہ سب کہنا چاہتی تھی' مگر کہہ نہ سکی' فقط بے بسی سے انہیں دیکھ کر روتی رہی۔

☼ ☼ ☼

مگر جہانگیر سے اس نے یہ سب کہا اور اس کے علاوہ اور بھی وہ سب کچھ جو اس کے دل میں تھا۔

"مجھے اندازہ تھا کہ تم اتنی آسانی سے میری نہیں ہو سکتیں اور پلیز مائنڈ مت کرنا۔ مگر ممانی جان شروع سے ہی ہم لوگوں کو اپنا رشتہ دار کہتے ہوئے کتراتی ہیں' انہوں نے کبھی پرانے رشتوں کو اہمیت نہیں دی تو کسی نئے رشتے کی کیا امید رکھی جا سکتی ہے ان سے۔"

جہانگیر کے لبوں پہ ایک پھیکی سی مسکراہٹ تھی۔ ہلکی سی بڑھی ہوئی شیو اور تھوڑے سے پریشان چہرے کے ساتھ بھی وہ اتنا ہینڈسم لگ رہا تھا کہ فلک بے اختیار اسے دیکھے چلی گئی' اسے یہ بھی خیال نہ رہا کہ جہانگیر اس کی ماں کے متعلق جو کچھ کہہ رہا تھا اس پر اعتراض ہی کر دیتی' کیونکہ جہانگیر کی بات غلط تھی۔ امی کا ملنا جلنا رشتے داروں سے ذرا کم ہی ہوتا تھا۔ مگر انہوں نے اپنے کسی بچے کو کبھی ان قریبی رشتوں سے نہ ملنے سے روکا اور نہ ہی ان کے خلاف کبھی بھڑکانے کی کوشش کی۔

"تم سن رہی ہو میں کیا کہہ رہا ہوں؟"

"کیا؟" وہ اک دم چونکی۔

"اگر تمہارے گھر والے نہیں مانتے تو ہم کورٹ میرج کر لیں گے۔" وہ دو ٹوک لہجے میں بول رہا تھا۔

"کورٹ میرج؟" فلک نے حیران ہو کر اسے دیکھا۔

"اور ویسے بھی میرے گھر والے تو سب راضی ہیں' امی تو کل ہی ہمارا نکاح پڑھوا دیں' کوئی ایسی مشکل بات نہیں ہے' تم بتاؤ' ایگری کرتی ہو یا نہیں؟" اس نے گیند اس کے کورٹ میں ڈال دی۔

اتنا بڑا قدم' محبت کی تمام شدت اور بہادری اپنی جگہ' مگر یہ انتہائی فیصلہ..... فلک کے دل کو کچھ ہونے لگا۔

"بولو" پارک کی سنگی بینچ پر رکھے اس کے سرد ہاتھ کو جہانگیر نے تھاما۔

"کیا کروں؟" ڈھلتی سہ پہر سورج کی کرنوں کو سمیٹ رہی تھی' ایک لاپروا جھونکے نے اس کا آنچل سر سے سرکا دیا' فلک کا دل یوں تیز تیز دھڑکنے لگا جیسے

پسلیوں کا پنجرہ توڑ کر باہر نکل آئے گا۔

"کچھ وقت انتظار کر لیں تو..... کیا پتا آگے چل کر حالات بہتر ہو جائیں' ہو سکتا ہے گھر والے مان جائیں۔" فلک نے کمزور سی امید کا ہاتھ تھامنے کی کوشش کی۔

"نہیں مانیں گے۔" جہانگیر نے ایک گہری سانس لے کر اس کے صبیح چہرے پر نظریں جما دیں۔ فلک کا دل ڈوبنے لگا۔

"کوئی اور حل نہیں ہے؟"

"اگر تمہارے پاس ہے تو بتاؤ۔" وہ اطمینان سے بولا۔

"میں کیا بتاؤں؟ میرا تو دماغ ہی کام نہیں کر رہا' کچھ بھی سمجھ میں نہیں آ رہا۔"

"تو پھر جو میں کہہ رہا ہوں وہ کرو۔"

"بہت مشکل ہے جہانگیر! یہ کس طرح پاسبل ہے کہ میں....." اس نے بات ادھوری چھوڑ دی۔

"اگر یہ پاسبل نہیں ہے تو مجھے بھول جاؤ' یہ خیال دل سے نکال دو کہ ہم کبھی ایک ہو سکتے ہیں۔ جہانگیر کا لہجہ اس کے الفاظ سے زیادہ پتھریلا تھا' فلک اسے دیکھتی رہ گئی۔

"یہ تم کہہ رہے ہو؟" وہ بے یقینی کی کیفیت میں اس کا چہرہ دیکھ رہی تھی۔

"تم خود سوچو میں یہ انتہائی قدم کیسے اٹھا سکتی ہوں' میرے پیرنٹس کی عزت خاک میں مل جائے گی۔" فلک گڑبڑائی۔

"یا تو گھر والے اور ان کی عزت' یا پھر میں اور میری محبت' دونوں میں سے جسے چاہو چن لو' اختیار بھی تمہارا اور مرضی بھی تمہاری۔" وہ لب بھینچے اٹھ کھڑا ہوا۔

وہ اتنا کٹھور' اتنا سنگ دل کیوں بن رہا تھا' فلک کا ڈرا سہما دل سمجھنے سے قاصر تھا۔

"چلو اٹھو! میں لیٹ ہو رہا ہوں۔"

فلک اٹھ کھڑی ہوئی' اس کی ہمراہی میں چلتے ہوئے آج پہلی بار اس کا دل خزاں رسیدہ پتے کی مانند کانپ رہا تھا۔ آگے جانے والے رستے اچانک ہی ایک گہری تاریکی میں کھو گئے تھے۔ وہ حیران پریشان کھڑی بے بسی سے ان اندھیروں کو دیکھ رہی تھی' جس نے اس کی منزل کے ساتھ ساتھ اس کے خوش رنگ خوابوں کو بھی نگل لیا تھا۔

سہ پہر ڈھل کر شام کو خوش آمدید کہہ رہی تھی اور فلک کو یوں لگ رہا تھا جیسے یہ اس کی محبت بلکہ زندگی کی کی آخری شام ہو۔

☼ ☼ ☼

گھر کے ماحول میں ایک واضح تناؤ در آیا تھا۔ معین صاحب اور شاہدہ بیگم کی خاموشی فلک کو کھائے جا رہی تھی۔ بڑے بہن' بھائیوں نے اپنے اپنے طور پر اسے سمجھانے کی کوشش کی تھی یہ اور بات کہ فلک کی سمجھ میں اس وقت کسی کی بات نہیں آ رہی تھی' اور ویسے اسے بالکل بھی اندازہ نہیں تھا کہ اس معاملے میں گھر والوں کا ردعمل اتنا سخت ہو سکتا ہے۔

"وہ ہائلی ایجوکیٹڈ پرسن ہے' اگر اس جیسا قابل شخص بھی میرے گھر والوں کی سمجھ میں نہیں آ رہا تو پھر ان کے معیار پہ کون سا پرنس پورا اترے گا۔" وہ حیران ہو کر سوچ رہی تھی۔ پھر یہ ہی بات اس نے سویرا کے ساتھ شیئر کی۔

"تم نے جہانگیر سے کہا تھا کہ پھپھو کو رشتے کے لیے بھیجے؟" سویرا نے پوچھا۔

"نہیں! مجھے تو بالکل بھی علم نہیں تھا' نہ ہی اندازہ وہ اچانک ہی آ گئی تھیں' میں خود حیران تھی' جہانگیر نے بھی کوئی ایسا اشارہ نہیں دیا تھا۔"

"اب؟"

"اب کیا؟ بتا تو چکی ہوں کہ کوئی بھی راضی نہیں' امی تو مجھ سے بہت ہی ناراض ہیں۔" فلک نے جھنجلا کر جواب دیا۔

"ہونا بھی چاہیے۔" سویرا کا اطمینان قابل دید تھا۔

"تم بھی ان ہی کی فیور کر رہی ہو؟" فلک ناراضی

سے بولی۔

"یہ بتاؤ جہانگیر کیا کہتا ہے؟" سویرا نے مزید جرح کی۔

"وہ..." فلک کچھ کہتے ہوئے ہچکچائی۔ "وہ بھی پریشان ہے' کیا کہے گا؟" فلک نے دانستہ گول مول جواب دینے کی کوشش کی۔

"ڈاکٹر اور وکیل سے کچھ چھپانے یا غلط بیانی کرنے سے اپنا ہی نقصان ہوتا ہے۔ جو بھی بات ہے سچ سچ بتاؤ۔" سویرا ہزاروں میل دور فون کے دوسرے سرے پر تھی' مگر پر بھی اس نے فلک کی ہچکچاہٹ محسوس کرلی تھی۔

"وہ کہہ رہا تھا کہ اگر گھر والے نہیں مانے تو پھپھو ہمارا نکاح کروادیں گی۔" فلک نے بڑی مشکل سے آدھا سچ اگلا۔

"اچھا! اور اگر پھپھو بھی اس کار خیر کے لیے تیار نہ ہوتیں تو وہ کورٹ میرج کی آفر کرتا؟" سویرا قریب قریب اس پوائنٹ تک پہنچ گئی تھی' جسے وہ چھپانے کی سعی کررہی تھی۔

"تم میری ہیلپ کرو پلیز۔"

"اگر مجھے محسوس ہوتا کہ تمہیں واقعی میری مدد کی ضرورت ہے تو میں ضرور تمہارے کسی کام آتی' مگر تم کہہ رہی ہو کہ کنویں میں گرنے میں تمہاری مدد کروں' تم خود بتاؤ' بھلا میں ایسی ہیلپ کیسے کرسکتی ہوں۔" سویرا نے بے حد نرمی سے اسے سمجھایا۔

"تم بھی میری فیلنگز نہیں سمجھ رہیں' تم سمیت ہر کوئی بس ان کا گھر' گھر والے اور ماحول دیکھ رہا ہے' میری اور میری فیلنگز کی' میری لائف کی' کسی کے نزدیک کوئی اہمیت نہیں' مجھے کوئی حق نہیں ہے۔ پسند سے اپنا لائف پارٹنر چننے کا؟ اپنی مرضی سے لائف گزارنے کا؟ جسے دیکھو مجھے سمجھانے پر اور نصیحتیں کرنے پر تلا ہوا ہے۔ تم میری بہن ہو' میری دوست ہو' تم سے بڑی امید تھی مجھے' مگر تم بھی میری مخالفت کررہی ہو۔" فلک روہانسی ہوگئی۔

"ہماری زندگی کا ہر معاملہ ہماری مرضی یا پسند سے طے نہیں ہوتا۔ بہت ساری باتیں اور چیزیں ہمیں ناگوار گزرتی ہیں' مگر قدرت نے ان میں ہمارے لیے بھلائی رکھی ہوتی ہے۔ ذرا حقیقت پسند اور غیر جانبدار ہوکر سوچو تو تمہیں مجھ سمیت کسی کی بھی باتیں بری نہیں لگیں گی۔ ویسے میرا مشورہ تو یہ ہی ہے کہ ابھی خود کو حالات کے دھارے پر چھوڑ دو' جہانگیر سے کہو کہ جب تک تمہاری ایجوکیشن کمپلیٹ نہیں ہوجاتی وہ اس معاملے میں بالکل خاموشی اختیار کرے' جب وقت آئے گا تب حالات کے مطابق کوئی مناسب اسٹینڈ لے لے۔

"وہ کہتا ہے کہ گھر والے آج نہیں مان رہے' تو کل بھی نہیں مانیں گے۔"

"بلاوجہ کے مفروضے کو قائم کرنے کی کیا ضرورت ہے؟ وقت آنے دو' پھر دیکھو قدرت کیا فیصلہ کرتی ہے۔" سویرا بول رہی تھی۔

فلک کو اس کی بات سے اتفاق نہ تھا' مگر وہ کچھ کہنے کے بجائے خاموش ہوگئی۔

"تم سمجھ رہی ہو نا' میں کیا کہہ رہی ہوں؟"

"میرے سمجھنے یا نہ سمجھنے سے کیا فرق پڑتا ہے' مجھے تو بس یوں لگ رہا ہے کہ میں ویران جزیرے پہ کھڑی اکیلی فرد ہوں' نہ ساحل نظر آتا ہے' نہ کشتی سہارے کے لیے۔ جس کی طرف دیکھتی ہوں وہ منہ پھیر لیتا ہے' میں کیا کروں؟" فلک بہت دل شکستگی سے کہہ رہی تھی۔

"میرے پاس ایک خبر ہے تمہارے لیے' سوچا تھا کچھ عرصے بعد بتاؤں گی' مگر اب مجھے لگتا ہے کہ بتادینا چاہیے۔" سویرا نے اس کے جذباتی مکالمے نظر انداز کرکے اپنے مخصوص لہجے میں کہا۔

"میں اس وقت خود پھانسی کے پھندے پہ جھول رہی ہوں' مجھے کسی خبر سے کوئی دلچسپی نہیں۔" فلک بے زاری سے بولی۔

"مگر یہ بات تمہارے متعلق ہے اور تمہیں ضرور اس سے دلچسپی ہونی چاہیے۔" سویرا نے ایک ایک لفظ پر زور دے کر کہا۔

فلک کو اچھی طرح معلوم تھا کہ اب سویرا کے آگے مزید کچھ بولنا بے فائدہ ہے۔ اسے جو کچھ کہنا ہے وہ بتاکر ہی دم لے گی۔

"خالہ امی کی خواہش ہے کہ وہ تمہیں اپنی بہو بنائیں اور سعد کی مرضی بھی یہ ہی ہے' آئی تھنک کہ وہ تمہیں لائیک کرتا ہے۔" سویرا نے بلی تھیلے سے باہر نکالی۔

"تمہیں یہ نیوز بلیٹن کس نے سنایا؟" فلک مشکوک ہوئی۔

"رشنا نے۔"

"بہرحال' مجھے اس خبر میں کوئی انٹرسٹ نہیں ہے' تم ان فضول باتوں کو چھوڑو اور میرے مسئلے کا حل نکالو۔" فلک نے بے زاری ظاہر کی۔

"تم اپنی مرضی کا حل چاہتی ہو جو پاسبل نہیں۔" سویرا نے ایک گہری سانس لی۔

"تم کراچی نہیں آسکتیں' ایک آدھ ہفتے کے لیے؟"

"بالکل بھی نہیں' ان دنوں تو بہت مشکل بلکہ ناممکن ہے' اور تمہارے مسئلے کا فی الحال یہ ہی ایک حل میری سمجھ میں آرہا ہے' جو تمہیں بتا چکی ہوں کہ جہانگیر سے کہو اس وقت خاموشی اختیار کرے اور مناسب وقت آنے پہ یہ بات اٹھائے۔"

"وہ نہیں مانے گا۔" فلک بے ساختہ بولی تھی۔

"آج تک تم نے اس کی ہر بات مانی ہے' اب یہ بات تم اس سے منواؤ۔" سویرا نے زور دے کر کہا۔

"میں یہ کیسے کروں؟" فلک منمنائی۔

"جیسے محبت کی ہے' کسی کی بھی پروا کیے بغیر۔" سویرا نے صاف گوئی سے کہا۔ فلک اس کی بات سن کر جانے کیوں خفیف سی ہوگئی۔

"میں کوشش کروں گی۔" وہ کچھ دیر بعد آہستہ سے گویا ہوئی۔

"گڈ۔" سویرا نے اطمینان کا سانس لیا۔

"اب ذرا یہ کوشش کرکے دیکھو' پھر آگے دیکھتے ہیں کیا ہوتا ہے۔" سویرا نے ایک' دو باتیں اور کرکے اسے تسلی دی۔

فون بند کرکے فلک کتنی ہی دیر یوں ہی بیٹھی رہی۔

☼ ☼ ☼

فلک نے اس کے سامنے تجویز رکھی تو سنتے ہی وہ بھڑک اٹھا۔

"تم پاگل تو نہیں ہوگئی ہو' میں جلد سے جلد تمہیں اپنا بنانا چاہ رہا ہوں' اور تم بڑے آرام سے کہہ رہی ہو کہ میں خاموشی اختیار کرکے انتظار کروں' اگر خاموشی سے انتظار کرنا ہوتا تو اپنا پرپوزل کیوں بھیجتا۔" وہ بہت غصے میں بول رہا تھا۔

"مگر تم تو کہہ رہے تھے کہ پھپھو نے تمہیں بھی نہیں بتایا تھا۔ بس خود ہی فیصلہ کرکے ہمارے گھر آگئیں۔" فلک نے چونک کر اسے دیکھا۔

"میرا مطلب ہے کہ وہ میری پسند اور مرضی سے آگاہ تھیں' جب ہی تو تمہارا پرپوزل لے کر آئیں۔" وہ اک دم گڑبڑایا۔

"میری کچھ سمجھ میں نہیں آرہا کہ تم کیا کررہے ہو' کیا کہہ رہے ہو' مگر پلیز تم میری بات سمجھنے کی کوشش کرو' کچھ عرصے کی بات ہے' شاید سب کچھ ٹھیک اور اچھا ہوجائے۔" فلک کا لہجہ ملتجیانہ ہوگیا۔

"یہ کچھ عرصے کی نہیں بلکہ کچھ سالوں کی بات ہے اور یہاں منٹوں سیکنڈوں میں دنیا' حالات اور لوگ بدل جاتے ہیں' سالوں بعد کی کیا گارنٹی ہے۔ صاف بات یہ ہے کہ میں کوئی رسک نہیں لے سکتا' میں نے جو فیصلہ کیا ہے وہ بہت سوچ سمجھ کر کیا ہے' اگر تم واقعی مجھ سے محبت کرتی ہو تو تمہیں میرا ساتھ دینا پڑے گا۔" جہانگیر وہ ہٹ دھرمی سے بولا۔

"تم میرا امتحان کیوں لے رہے ہو؟" وہ روہانسی ہوگئی۔

"تو کیا ہوا' ذرا میں بھی تو دیکھوں کہ سچ مچ محبت کرتی ہو یا صرف دعوا ہے۔" وہ بہت دلکشی سے مسکرایا تھا۔

"میرا دل چاہ رہا ہے میں مرجاؤں۔" فلک کی ستارہ سی آنکھوں میں پانی جمع ہونے لگا۔

"ان آنسوؤں کا مطلب سمجھتی ہو؟" جہانگیر نے اس کی لبالب بھری آنکھوں میں جھانکا جو بس چھلکنے کو تیار تھیں۔

"اس کا مطلب ہے کہ تمہیں نہ مجھ پہ اعتبار ہے نہ خود پر اور نہ ہماری محبت پہ، تمہیں بس دنیا اور دنیا والوں کا خوف کھائے جا رہا ہے، تم یہ بتاؤ، یہ محبت اور خوشیاں تمہیں میرے علاوہ کوئی اور دے سکتا ہے؟" اس نے ذرا جھک کر سوال کیا۔

"نہیں۔" فلک کا سر بے اختیار نفی میں ہل گیا۔

"پھر مجھ پہ بھروسا کیوں نہیں کرتیں؟"

"کرتی ہوں جہانگیر! مگر میرے گھر والوں کی عزت ..... مجھے وہ بھی تو عزیز ہے۔" فلک بے بسی سے ہونٹ چبانے لگی۔

"تمہارا کیا خیال ہے میں تمہیں یا تمہارے گھر والوں کو ذلیل کرنا چاہتا ہوں؟ وہ میرے بھی رشتے دار ہیں، نہ بھی ہوتے تو تمہارے حوالے سے مجھے عزیز ہوتے، ان کی عزت مجھے پیاری نہیں؟" جہانگیر کا لہجہ نرم اور دھیما ہو گیا۔

"دیکھو! سمجھنے کی کوشش کرو، بات صرف اتنی سی ہے کہ میرے گھر والوں کی موجودگی میں ہمارا نکاح ہوگا، وہ بھی صرف امی اور دونوں بڑے بھائی، میرا ایک دوست بھی میرا ساتھ دینے کو تیار ہے۔ اس کا ایک فلیٹ رینٹ پر تھا ابھی خالی ہوا ہے، وہ وہاں سارے انتظامات کردے گا، کسی کو کانوں کان خبر بھی نہیں ہوگی، رہی بات تمہارے گھر والوں کی اور ان کی عزت کی تو ہم اس نکاح کو دنیا بھر میں نشر نہیں کریں گے، اگر ایسا کرنا ہوتا تو میں اپنی بہنوں کو اس معاملے میں شریک کرتا، مگر جانتا ہوں کہ عورتیں پیٹ کی ہلکی ہوتی ہیں ان سے یہ توقع رکھنا فضول ہے کہ وہ کوئی راز، راز میں رکھتیں، میری ماں کی بات اور ہے، وہ کسی اور بات کا خیال کریں نہ کریں اپنے بھائی اور بھتیجی کی عزت کا خیال ضرور کریں گی، اور رہی بات تمہارے گھر کی تو صرف ماموں اور ممانی کو اس بات سے آگاہ کیا جائے گا تاکہ ان کے پاس انکار کی یا کوئی رکاوٹ ڈالنے کی گنجائش نہ رہے۔" جہانگیر نے تفصیل سے اسے اپنے منصوبے سے آگاہ کیا۔

"مجھے کچھ وقت تو دو سوچنے کے لیے۔" فلک نے اس کی بات سن کر کافی دیر بعد کہا۔

"ایک دو دن کافی ہیں؟" جہانگیر نے امید بھری نظروں سے دیکھا۔

اور وہ گومگو کی کیفیت میں تھی۔

☼ ☼ ☼

وہ ایک گہری سانس لے کر آئینے کے سامنے جا کھڑی ہوئی۔ چند ہی دنوں میں اس کے چہرے کی شادابی اور خوب صورتی ماند پڑنے لگی تھی۔ آنکھوں کے گرد حلقے پڑنے لگے تھے۔

"دیکھو فلک!" اس نے آنکھیں بند کر کے خود کو مخاطب کیا اور تمام تر توجہ ایک ہی نکتے پر مرکوز کی "تمہیں اپنے لیے خوشیاں خود آگے بڑھ کر لینا ہوں گی، اپنے اندر جرات اور بہادری پیدا کرو۔ فیصلہ کرنے کی جرات اور اس پر ڈٹے رہنے کی جرات، دنیا تمہارے قدموں میں ہوگی، کسی سے مت ڈرو، خوف اور اندیشے ہماری زندگی اور خوشیوں کے دشمن ہیں۔"

کئی بار دل میں یہ بات دہرا کر اس نے چند گہرے گہرے سانس لیے اور آنکھیں کھول دیں۔ وہ بہت حد تک خود کو پر سکون محسوس کر رہی تھی۔ یہ طریقہ اسے جہانگیر نے ہی ایک بار بتایا تھا، اس نے کہا تھا کہ وہ جب بھی کسی مشکل یا ٹینشن میں ہوتا ہے تو ایسے ہی کرتا ہے۔

"میری ہر مشکل اور ٹینشن یوں منٹوں میں غائب ہو جاتی ہے۔" اس نے بڑے اعتماد سے چٹکی بجا کر کہا تھا۔ فلک نے بھی اس کی تقلید میں ایسا ہی کیا اور وہ حیرت انگیز طور پر خود کو بہت ہلکا پھلکا محسوس کر رہی تھی۔

☼ ☼ ☼

آج کالج سے واپس پر اس نے اپنا رخ پھپھو کے گھر کی طرف کر لیا۔ ارادہ اچانک ہی بنا، ورنہ اس نے سوچا تھا کہ رات کو فون کر کے جہانگیر کو اپنے فیصلے سے آگاہ کردے گی، مگر یونیورسٹی سے واپسی کے دوران کا اس کا یہ ارادہ اچانک ہی بدل گیا، شدت سے اس کا دل چاہا کہ وہ خود جہانگیر کے روبرو اسے یہ بات بتائے کہ اس نے کسی کی بھی پروا کیے بغیر اپنے لیے محبت اور جہانگیر کی ہم سفری کا انتخاب کیا ہے۔

وہ تصور میں اس کے چہرے کے تاثرات دیکھ رہی تھی۔ حیرانی، بے تحاشا مسرت اور شادمانی کے رنگ، وہ سوچ سوچ کر مسکرا رہی تھی۔

گھر کا دروازہ حسب معمول کھلا ہوا تھا۔ یہاں کنڈی وغیرہ لگانے کا تکلف شاذ و نادر ہی کیا جاتا تھا۔ چند سیکنڈ کے لیے وہ رکی، بیگ سے رومال نکال کر چہرہ صاف کرنے لگی۔ اندر سے جہانگیر کی آواز آرہی تھی۔ فلک کی توقع کے عین مطابق وہ آج اس وقت گھر پر ہی تھا، وہ طمانیت سے مسکرادی اور دروازہ کھولنے کے لیے ہاتھ بڑھایا۔

"بھائی! نکاح کی تصویریں ضرور بنانا۔" اندر سے جہانگیر کی چھوٹی بہن کی آواز آئی تھی۔ فلک کا اٹھا ہوا ہاتھ ہوا میں ہی معلق رہ گیا۔

"اس نے تو کہا تھا کہ یہ بات امی کے علاوہ اور کسی کے علم میں نہ ہے نہ ہوگی۔" فلک کا دل یکدم ہی اندیشوں میں گھر گیا۔

"بیگم صاحبہ کی تو عزت کا جلوس نکل جائے گا، بڑی آن بان شان والی بنتی ہیں ہماری پروفیسر ممانی بیگم۔" جہانگیر کا ایک ایک لفظ زہر میں بجھا ہوا تھا۔ باہر کھڑی فلک پر جیسے آسمان ٹوٹ پڑا۔

"کیا نکاح نامے کی فوٹو کاپیاں دیواروں پہ لگواؤ گے۔" چھوٹی والی کے ہنسنے کی آواز آئی۔

"یوٹیوب کس مرض کی دوا ہے، انٹرنیٹ کے دور میں دیواروں پہ اشتہار کون لگاتا ہے بے وقوف۔" دوسری بہن کی آواز آئی تھی۔

"تم لوگ بلاوجہ باتیں بنا کر خوش ہو رہے ہو، فلک مان بھی جائے گی یا نہیں؟" ماجدہ آپا نے سوال کیا۔

"جہاں تک میں اسے جانتا ہوں تو وہ اب تک

www.Paksociety.com

www.Paksociety.com

فیصلہ کرچکی ہوگی' جو میری مرضی کا ہے' اور آج رات تک اس کا فون بھی آجائے گا۔" جہانگیر نے بڑے اعتماد سے دعوا کیا۔

"چل چھوڑ جہانگیر! کیوں میری بچی کے پیچھے پڑ گیا ہے تو' اس کی زندگی خراب نہ کر' اس کا دل دکھانے کا کوئی کام نہ کر۔" پھپھو کی آواز میں التجا تھی۔

"آپ بے کار میں پریشان ہو رہی ہیں۔ میں اس کی زندگی کیوں خراب کروں گا' نکاح کروں گا تو رخصتی بھی کرواؤں گا۔ اسے تھوڑی کوئی تکلیف دوں گا' میں تو بس اس کی عالم فاضل ممی کو سبق سکھانا چاہتا ہوں۔ اسے دکھاؤں گا کہ جس قابلیت' عزت اور اسٹیٹس کا ڈھول پیٹ کر اس نے میری ماں اور گھر والوں کو ریجکٹ کیا تھا۔ اس کی بیٹی نے ان ہی جاہل غریبوں کو اپنے لیے چنا۔ ساری تعلیم و تربیت دھری کی دھری رہ جائے گی۔" جہانگیر کا زہریلا لب و لہجہ فلک کے لیے بالکل اجنبی تھا۔ اسے یوں لگا کہ کوئی کند چھری سے اسے ذبح کر رہا ہو۔

"تو بھی پاگل ہے' اب سالوں پرانی بات ہو گئی وہ' میں تو بھول بھال بھی گئی اور تجھے بدلہ لینے کی ضد چڑھ گئی' میں تو تیرے سامنے بول کر پچھتائی۔" پھپھو کی آواز میں بے زاری کا رنگ نمایاں تھا۔

"ممانی نے بھی تو حد کردی تھی امی! خاندان بھر کے سامنے ہماری بے عزتی کی تھی۔ بیٹی نہیں دینی تھی نہ دیتیں' ہماری ماں کو اور ہمیں جاہل کے خطاب تو نہ دیتیں۔" ماجدہ آپا نے بھائی کی حمایت کی۔

"ایمان داری سے سوچوں تو غلطی میری بھی تھی۔ مجھے سب کے سامنے بچی کے ہاتھ میں انگوٹھی نہیں پہنانی چاہیے تھی۔ کوئی زبردستی کا سودا تھوڑی ہے' میں نے یہ سوچا کہ میرا بھائی مجھے انکار نہیں کرے گا۔ یہ بھول گئی کہ کوئی بھی ماں ہونے والی انجینئر بیٹی کا رشتہ کسی پلمبر سے کیسے کرے گی۔ بھابھی کا غصہ ٹھیک ہی تھا۔" پھپھو کے لہجے میں مایوسی اور اداسی کے رنگ گھلے ملے تھے۔

فلک کا ہاتھ سہارے کے لیے بے اختیار ہی دروازے پر ٹک گیا۔ دباؤ پڑا تو وہ اندر کی طرف کھلتا چلا گیا۔ سب لوگ سامنے ہی بیٹھے تھے۔ فلک کو یوں اچانک وہاں کھڑا دیکھ کر سب کے چہرے فق ہو گئے۔

"تت..... تم..... اس وقت؟" جہانگیر ہکلایا۔ اس کی سرسراتی آواز کسی گہرے کنویں سے آتی محسوس ہو رہی تھی۔ اس کے چہرے پہ ایک رنگ آرہا تھا' ایک جا رہا تھا۔

فلک نے دھندلائی ہوئی آنکھوں سے ایک نظر ان اجنبی چہروں کو دیکھا اور پلٹ گئی۔ ڈگمگاتے قدموں سے گھر واپسی کا سفر بہت آہستہ اور تکلیف دہ تھا۔ اسے یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے کسی نے اسے آتش فشاں کے دہانے سے دھکا دے کر اندر پھینک دیا ہو۔ ایک ناقابل بیان تکلیف تھی جس نے اسے سر سے پاؤں تک گھیرے میں لیا ہوا تھا۔ اسے نہیں معلوم وہ گھر تک کیسے پہنچی۔ وہاں تک پہنچتے پہنچتے اس کا سیل فون کئی بار بج چکا تھا۔ اپنے کمرے میں پہنچ کر اس نے موبائل آف کرکے ایک طرف ڈال دیا۔

☼ ☼ ☼

اگلی صبح وہ سیدھی ممی' پاپا کے بیڈ روم میں پہنچی۔

"کیا ہوا؟ تمہاری طبیعت تو ٹھیک ہے۔" ممی اس کی بے حد متورم آنکھیں اور ستا ہوا چہرہ دیکھ کر پہلے حیران پھر پریشان ہو گئیں۔

"میں کچھ دنوں کے لیے اسلام آباد جانا چاہتی ہوں' سویرا کے پاس۔" فلک نے نظریں جھکا کر اپنا مدعا بیان کیا۔

"ٹھیک ہے چلی جانا' بٹ آر یو آل رائٹ؟" انہوں نے اس کے قریب آکر تشویش سے اسے دیکھا۔

"ممی..... " فلک کے ضبط کے بندھن ٹوٹ گئے "آئی ایم سوری ممی' آئی ایم ریئلی سوری۔" اس نے بڑی مشکل سے ہچکیوں کے دوران کہا۔

"اٹس اوکے! مگر یہ رونا بند کرو جلدی سے' شاباش۔" انہوں نے بیٹی کو چمکارتے ہوئے اس کا سر تھپکا۔ جہاں دیدہ خاتون تھیں' بیٹی کے کچھ کہے بغیر ہی بہت کچھ سمجھ گئیں۔ "بی بریو' زندگی اور حالات کا سامنا بہت وقار کے ساتھ مگر ان کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کرنا چاہیے' یوں سر جھکا کر رونا بزدلوں کا کام ہے۔" انہوں نے نرم لہجے میں نصیحت کی۔ "میں آج ہی تمہاری ٹکٹ کروا دیتی ہوں' سویرا کو بھی فون کردوں گی' اور کچھ؟"

"بس۔" فلک نے آنسوؤں سے بھری آنکھیں جھپکتے ہوئے نفی میں سر ہلا دیا۔ "پاپا..... " کچھ دیر بعد اس نے جھجکتے ہوئے سوال کیا۔

"ان سے میں بات کرلوں گی' یو ڈونٹ وری۔"

فلک چپ چاپ کھڑی ہو گئی' وہ انہیں تھینک یو کہنا چاہتی تھی' مگر حلق میں آنسوؤں کا گولہ پھنس رہا تھا۔

"اپنے روم میں جاؤ اور ریسٹ کرو۔" انہوں نے فلک کا رخسار تھپتھپایا۔

وہ خاموشی سے اپنے کمرے میں آگئی۔

☼ ☼ ☼

نوٹ بک پر جھکی بڑے انہماک سے وہ کچھ لکھ رہی تھی۔ بالوں کی ایک لٹ بار بار رخسار پر جھول رہی تھی' جسے وہ ہر بار کان کے پیچھے اڑس لیتی۔

"اب بس بھی کرو' کب سے بلا رہی ہوں' تم تو آج ہی سارا کام مکمل کرکے اٹھو گی' ایک دن ملتا ہے چھٹی کا' اسے بھی بند کمرے میں کام کرکے گنوا رہی ہو' ذرا موسم تو دیکھو۔" سویرا نے روانی سے بولتے ہوئے کھڑکی کے بھاری پردے سمیٹ دیے۔ کمرہ یک دم ہی روشن ہو گیا۔

"کیسا ہو رہا ہے موسم؟" فلک نوٹ بک پر جھکے جھکے مسکرائی۔ "بارش کی خوشبو سے بھری خوش گوار اور ٹھنڈی ہوا کے فرحت بخش جھونکے اسے اپنے چہرے پہ محسوس ہوئے تو اس نے ایک گہری سانس لی۔

"بہت بے ایمان۔" سویرا کھڑکی کے پاس کھڑے ہو کر باہر کا جائزہ لینے لگی۔

"چلو لان میں چلیں۔" فلک نے سب چیزیں سمیٹ کر ایک طرف کردیں اور اٹھ کھڑی ہوئی۔

"فائق کا فون آیا تھا۔ کل صبح چار بجے کی فلائٹ ہے۔" گیلی' نرم گھاس پر چہل قدمی کرتے ہوئے سویرا نے ہولے سے اسے بتایا۔ فائق اپنی تعلیم مکمل کرکے وطن واپس لوٹ رہا تھا۔ سویرا کو بھی وکیل بنے سال بھر سے زیادہ ہو گیا تھا اس نے بیرسٹر اختیار احمد کا چیمبر جوائن کیا ہوا تھا۔ اور دو ماہ بعد سویرا اور فائق کی شادی تھی۔

"اس میں اتنا خوش ہونے کی کیا بات ہے؟" اس کے چہرے پہ بکھرے خوشی کے رنگوں کو دیکھتے ہوئے فلک نے اسے چھیڑا۔

"محبت کا ساتھ جو ملنے والا ہے۔" سویرا نے بے اختیار ہی جواب دیا تھا۔

"محبت؟" فلک نے جھومتے پھولوں کی خوش رنگ' نرم پنکھڑیاں غور سے دیکھتے ہوئے ایک گہری سانس لی۔

"ایک بات پوچھوں؟" فلک کے چہرے کے تاثرات اتنے واضح تھے کہ سویرا کو اپنے یوں بے دھڑک بولنے پر پشیمانی ہونے لگی تھی۔

"مت پوچھو۔" فلک کی پھیکی سی اداس مسکراہٹ

www.Paksociety.com

If you want to download Monthly Digests like Khwateen Digest,Kiran,Shuaa,Suspense, Pakeeza,Rida,Imran series by ibn-e-safi or mazhar kaleem,funny books poetry please visit www.paksociety.com for direct download link and with 21 supporting mirros in case of any help send mail at admin@paksociey.com

www.Paksociety.com

کو ہوا کے خوش گوار جھونکوں نے حیرت سے دیکھا اور اسے اپنی آغوش میں لینے کو آگے بڑھے۔

"وہ مجھے اب نہ اتنا یاد آتا ہے' نہ ایسے یاد آتا ہے' جیسے پہلے آیا کرتا تھا' آج سے تین سال پہلے جب میں یہاں آئی تھی۔" کچھ دیر کی خاموشی کے بعد فلک خود ہی بولنے لگی تھی۔ "جو جذبہ ضد اور انتقام سے شروع ہو وہ کچھ بھی ہو سکتا ہے' مگر محبت ہرگز نہیں۔ جب یہ بات سمجھ میں آگئی تو اس کی یادوں کی لو خود بخود مدہم پڑتی چلی گئی۔ ایک روز یقیناً بجھ بھی جائے گی۔" ایک گہری سانس لے کر فلک کین کی کرسی پر ٹک گئی۔

"چلو چھوڑو' کوئی اور بات کرتے ہیں۔" سویرا نے جلدی سے موضوع بدلا۔ "جب تمہارا ماسٹرز کمپلیٹ ہو جائے گا نا تو ہم ایک زبردست سی پارٹی ارینج کریں گے۔ مگر یہاں نہیں کراچی میں نا کہ سب لوگ شریک ہو سکیں' بس تم رزلٹ بہت اچھا لانا' میری ناک مت کٹوا دینا' اپنی ذمہ داری پہ یہاں ایڈمیشن دلا کر تمہیں پڑھایا ہے' اب نام روشن کرنا میرا۔" سویرا بالکل بڑے بوڑھوں والے انداز میں بول رہی تھی۔

"اچھا دادی اماں!" فلک نے مسکراہٹ لبوں میں دبائی۔

"کبھی تو کھل کر ہنس لیا کرو' اتنی خوب صورت ہنسی ہے تمہاری' کنجوس۔"

"جو خود خوب صورت ہوتے ہیں نا انہیں ہر شے میں خوب صورتی نظر آتی ہے۔" فلک نے بڑی محبت اور مان سے اس پیاری سی بہن اور دوست کو دیکھا' جس نے اس کے ساتھ ہر رشتے کا حق ادا کیا تھا۔ اس کے آبلہ آبلہ وجود پر اپنی محبت' نرمی اور ہمدردی کے پھاہے رکھ کر اسے پھر سے مسکرانا اور جینا سکھایا تھا۔

"تمہاری یہ گمشدہ خوب صورتی میں نے نہیں کسی اور نے ڈھونڈ کر نکالی ہے۔" سویرا نے آسمان کی جانب دیکھا جہاں سے ہلکی ہلکی بوندا باندی شروع ہو چکی تھی۔

فلک چپ ہو گئی' اسے اندازہ تھا یہ بات کس نے کہی ہو گی۔

"سعد کہہ رہا تھا ایک روز کہ اس لڑکی کی مسکراہٹ بہت خوب صورت ہے' ورنہ خود تو یہ بس ایویں سی ہے۔" سویرا ہنسی سعد کے فون اکثر سویرا کے پاس آتے رہتے تھے' کبھی کبھار مختصر سی ہیلو ہائے فلک سے بھی ہو جاتی تھی۔

"بارش بھی اللہ تعالیٰ کی کتنی بڑی نعمت ہے۔ ہے نا' سارے داغ دھبے صاف کر کے ہر شے نکھار دیتی ہے۔" سویرا نے گرتی بوندوں کو اپنے چہرے پہ محسوس کیا۔

"ہوں۔" فلک چپ چاپ گرتی بوندوں کو دیکھ رہی تھی۔

"مجھے لگتا ہے کہ سعد کی محبت بڑی شفاف اور خالص ہے۔ پچھلے سارے نقش اور داغ دھبے تمہارے دل اور زندگی سے مٹا دے گی' اسے ٹھکرانا مت پلیز۔" سویرا نے کئی بار کہی ہوئی بات کو پھر دہرایا۔

"کوشش کروں گی۔" فلک نے چند لمحوں بعد جواب دیا۔ برستی بوندیں تیز ہو کر جسم و جاں کو گد گدا رہی تھیں۔ اور بدلتی رت فلک کو اچھی لگ رہی تھی۔

"کوشش نہیں' یقین کرنا۔" سویرا نے زور دے کر کہا۔

"اچھا۔" وہ مسکرائی۔

"اندر چلو گی یا یہیں بیٹھو گی؟"

"یہیں اچھا لگ رہا ہے۔"

فلک نے نئی رت کی خوب صورت پھوار میں خود کو بھیگنے دیا۔ گھٹن اور حبس کے موسم میں کب تک زندگی گزرتی۔ آنے والے نئے موسم کو تو خوش آمدید کہنا ہی تھا۔ وقت کی آواز یہ ہی تھی اور ایک روز دل کی آواز بھی یہ ہی ہو جاتی تھی۔ ایک سراب کے پیچھے ایک سائے کے تعاقب میں جو نقصان اٹھایا تھا اس کی تلافی کا وقت قریب تھا۔

☆

www.Paksociety.com

www.Paksociety.com

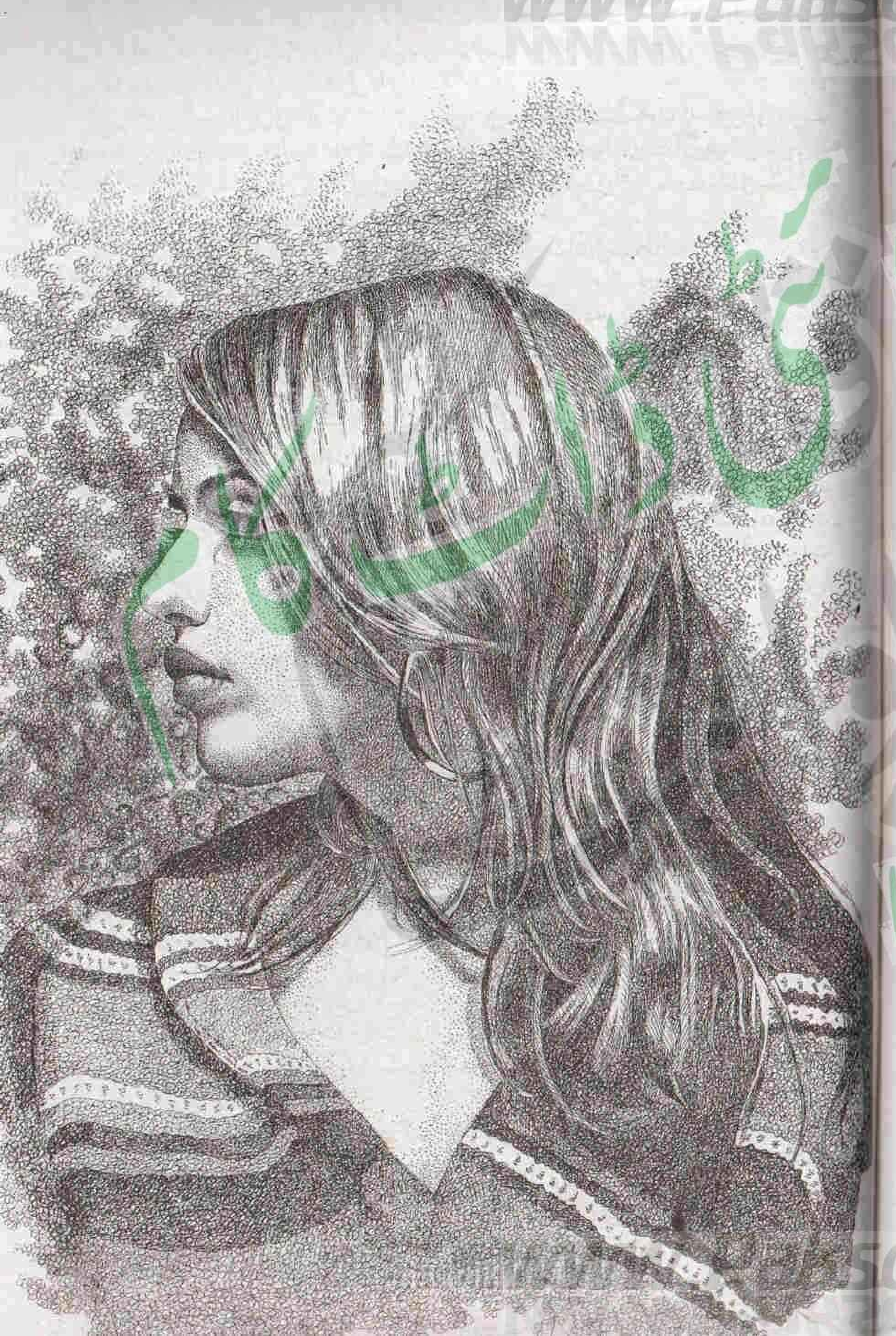

آمنہ ریاض

ستارۂ شام

دین محمد مٹی سے محبت کرنے والا جفاکش مرد ہے۔ دھرتی کو اپنے خون جگر سے سونا اگلنے کے قابل بنانا اس کا پیشہ ہے۔ اس کی پوری زندگی محنت سے عبارت ہے، جو وہ اپنے چھ مربع زمین پر صرف کرتا ہے۔ شادی کو آٹھ سال کا عرصہ گزر چکا ہے۔ اپنے چھوٹے سے گھر میں وہ بیوی زہرہ اور ماں کے ساتھ رہتا ہے۔ زہرہ چھ مردہ بچوں کو جنم دے کر ایک مرتبہ پھر امید سے ہے۔ دین محمد کا رواں رواں اولاد کی خوش خبری پانے کے لیے مجسم دعا بن چکا ہے۔ اس کی دعائیں مستجاب ٹھہرتی ہیں اور اس کے یہاں ایک خوب صورت بچی جنم لیتی ہے۔ اسے وہ اپنی "جنت" کے نام سے مخاطب کرتا ہے۔

جلال الدین کے روز و شب نوکری کی چکی میں پستے گزر رہے ہیں۔ اس نوکری کے دوران اسے آرام کرنے کا موقع بھی کم ملتا ہے۔ اچھے مستقبل کا خواب اسے متحرک رکھتا ہے۔ تنہائی میں کسی کی محبت کا جگنو اس کی دنیا آباد رکھتا ہے۔ ہر دم "اس" کی یادیں اسے بے چین رکھتی ہیں۔ دن بھر کا تھکا ہارا وہ آرام کرنے لیٹتا ہے تو پولیس اسٹیشن سے اطلاع ملتی ہے کہ جنت بی بی ان کی حراست میں ہے، جس کا دعوا ہے کہ اس نے اپنے شوہر کا قتل کیا ہے۔ جلال الدین اپنے وکیل دوست مسعود کے ساتھ بھاگم بھاگ پولیس اسٹیشن پہنچتا ہے اور ثبوت دکھاتا ہے کہ جنت شیزوفرینیا کی مریض ہے، جس کی شادی ابھی ہوئی تک نہیں۔ جنت کی حالت جلال الدین کو اعصابی تھکن کا شکار کرنے لگتی ہے۔ جسے اس نے نوکروں کے سہارے علیحدہ گھر میں رکھ چھوڑا ہے۔

ثمینہ 14 سال بعد اپنی بیٹی ماوی کے ساتھ آئرلینڈ سے پاکستان آئی ہیں تو انہیں توقیر صاحب کے بتائے گئے بنگلے کو تلاشنے میں بہت وقت لگتا ہے۔ وہ فیض کے دوست توقیر صاحب کے توسط سے دانیال کی انیکسی میں ٹھہرتی ہیں۔ ثروت دانیال ملنسار اور محبتی خاتون ہیں۔ ولی، ولید اور انیبا ان کے بچے ہیں۔ ماوی کی پہلی ملاقات میں انیبا سے دوستی ہو جاتی ہے۔

شبیہہ العباس طبیعتاً "سخت گیر اور غصہ ور نوجوان ہے، جسے صنف نازک کا غیر ضروری ہنسنا بھی ناگوار گزرتا ہے۔ وہ

www.Paksociety.com

www.Paksociety.com

پھپھی زاد تنوی سے منسوب ہے۔ تنوی اس کی تند خو طبیعت سے سخت نالاں ہے۔ شبیہہ' تنوی کو کالج چھوڑنے آتا ہے تو سہیلیاں عبیر اور نمرہ تنوی کے سر ہو جاتی ہیں۔ یہ جان کر کہ شبیہہ' تنوی کا منگیتر ہے' وہ اس کی قسمت پر رشک کرتی ہیں۔ تنوی دونوں سے گزارش کرتی ہے کہ عروش کو اس بات کا علم نہ ہو۔

شبیہہ العباس' ثروت دانیال کی اولاد ہے' جسے انہیں دانیال حسن سے شادی سے پہلے چھوڑنا پڑا۔ بچپن کی محرومی نے اسے بد مزاج اور غصیلا بنا دیا۔ وہ انیبا اور ولید سے بہت ترشی سے پیش آتا ہے۔ وہ ان سے بحیثیت بہن بھائی قلبی تعلقات محسوس نہیں کرتا۔ انیبا اس کی محرومی دل سے محسوس کرتی ہے۔ انیبا پر بری نظر ڈالنے پر وہ جے ڈی کے دوست سعدی کو پیٹ ڈالتا ہے۔ صرف جے ڈی اس کی کیفیات سمجھتا ہے۔

بیمار پڑنے پر بیگم دانیال' ثمینہ کی اچھی طرح دیکھ بھال کرتی ہیں تو ثمینہ ان کے اخلاق سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہتیں۔ انہیں بیگم دانیال کو دیکھ کر لگتا ہے کہ وہ پہلے ان سے مل چکی ہیں۔

بچوں کی لڑائی میں جنت کو چوٹ لگتی ہے تو دین محمد اپنی بہن زبیدہ کے بیٹے فاروق کا حلیہ بگاڑ دیتا ہے۔ ساتھ ہی زبیدہ بہن اور رفیق بھائی سے قطع تعلق کر لیتا ہے۔ زہرہ اس کی جنت سے طوفانی محبت سے خوف زدہ ہے۔ دین محمد' زہرہ کو باور کرواتا ہے کہ وہ جنت کو بیاہ کر دوسرے گھر نہیں بھیجے گا۔ بلکہ اس کے شوہر کو گھر داماد بنائے گا۔

اتفاقاً" ماوی کا ٹکراؤ شبیہہ سے ہوتا ہے۔ جس سے ماوی کا پیر زخمی ہو جاتا ہے۔ اپنی غلطی کے باوجود جھنجلاہٹ میں شبیہہ ماوی کو بری طرح سے ڈانٹتا ہے تو ماوی اس کی طبیعت صاف کر دیتی ہے۔ ثمینہ سے وہ اس واقعے کا ذکر نہیں کرتی۔

ثمینہ کا روڈ ایکسیڈنٹ ہوتا ہے تو جے ڈی عین موقع پر ان کی بہت مدد کرتا ہے۔ ماوی اور فیضان اس پر جے ڈی کے مشکور ہیں' لیکن وہ اپنا پتا دیے بغیر چلا جاتا ہے۔ جس پر ثمینہ کو بہت افسوس ہوتا ہے۔ اتفاقاً" ان کی جے ڈی سے دوبارہ ملاقات ہوتی ہے۔ ثمینہ اسے گھر بلاتی ہیں۔ ثمینہ' ثروت کو بتاتی ہیں کہ ان کے شوہر رجب کا بے دردی سے قتل ہوا تھا اور یہ بات ماوی کے علم میں نہیں ہے۔ یہ جان کر انہیں رنج ہوتا ہے۔ شبیہہ کو جے ڈی کا اپنی ماں اور ثمینہ سے گفتگو کرنا پسند نہیں' جس پر وہ جے ڈی کو تنبیہہ بھی کرتا ہے۔

انیبا دل ہی دل میں فیضان کو چاہتی ہے۔ ثروت کے پہلے شوہر سے نسبت کے باعث دانیال صاحب ثمینہ کی فیملی کو پسند نہیں کرتے.... ماوی' ان کی دلچسپی بھانپ لیتی ہے اور فیضان' ماما سے رائے لینے کی کوشش کرتی ہے تو فیضان اسے جھڑک دیتے ہیں۔ بھائیوں پر بار نہ پڑے اس لیے ثمینہ' ماوی کو پاکستان میں مزید پڑھنے کی اجازت دے دیتی ہیں۔ عبیر' نمرہ اور تنوی کو عروش کی غیر اخلاقی اور جرائم پیشہ سرگرمیوں کے متعلق بتاتی ہے تو نمرہ ناراض ہو جاتی ہے۔ عبیر کو اپنی جلد بازی پر افسوس ہوتا ہے' وہ عروش کے متعلق ثبوت اکٹھا کرنا چاہتی ہے۔

زہرہ کی اچانک موت کو محض جنت کے کہنے پر دین محمد' بہن زبیدہ کے سر ڈالتا ہے تو سب برادری والے بھی حق دق رہ جاتے ہیں۔ دین محمد کی ماں پڑوسن کے کہنے پر جنت کو پیر صاحب کے پاس لے کر جاتی ہے تو جنت یہ بات بڑھا چڑھا کر دین محمد کو بتاتی ہے۔ وہ ماں کو بہن زبیدہ کے یہاں ہمیشہ کے لیے بھیجنے کا فیصلہ سناتا ہے تو ماں رو' رو کر اسے اس فیصلے سے باز رکھنے کی کوشش کرتی ہے۔ بہت مشکل سے دین محمد راضی ہو پاتا ہے۔ دین محمد کے رویے سے جنت کے اندر پنپنے والی منفی شخصیت قد آور ہو رہی ہے۔

دین محمد کی بہن زبیدہ کا بیٹا فاروق گاؤں میں آتا ہے تو جنت اسے پسند کرنے لگتی ہے۔ وہ اسے اپنی طرف راغب کرنے کی کوشش کرتی ہے' لیکن فاروق اسے دھتکار دیتا ہے اور اس کے باپ سے ہتک آمیز انداز میں شکایت کرتا ہے۔

دین محمد' جنت کو اپنی سب سے چھوٹی بیٹی کو مارتے دیکھ لیتا ہے۔ اسے شدت سے احساس ہوتا ہے کہ اس نے جنت کی تربیت میں کوتاہی کی ہے۔

ثروت' دانیال حسن کے ہر وقت کے شک سے تنگ آکر میکے چلی جاتی ہیں۔ انیبا اور ولید کو اپنے والدین کے درمیان کھنچاؤ کا کچھ کچھ اندازہ ہے۔ دانیال حسن' ثروت کو فون کر کے علیحدگی کی بات کرتے ہیں۔ ثروت کی طبیعت خراب ہو گئی اور انہیں اسپتال میں داخل ہونا پڑا۔

ثمینہ' ماوی کے سامنے ماضی کے اوراق پلٹتی ہیں۔ وہ اسے بتاتی ہیں کہ جلال اور شبیہہ العباس' ماوی کے رشتے دار ہیں اور یہ کہ ماوی کے باپ' رجب کو جنت بی بی نے قتل کیا تھا۔ ثمینہ' ماوی پر زور دیتی ہیں کہ وہ حویلی جا کر جنت بی بی سے انتقام لے۔

ثمینہ نے بتایا۔ رجب کے مرنے کے بعد جنت بی بی نے ان کے سامنے رجب کی وصیت رکھ دی۔ جس میں انہوں نے اپنی ساری جائیداد جنت بی بی کی سرپرستی میں دے دی تھی۔ وہ ساری جائیداد اٹھارہ برس کی عمر ہونے کے بعد رجب کی بیٹی یعنی ماوی کو منتقل ہونا تھی۔ یہ تو حقیقت تھی کہ وصیت جعلی تھی لیکن ثمینہ کے اس وقت حالات ایسے نہ تھے کہ وہ جنت کو چیلنج کر سکتیں۔ وہ خاموشی سے حویلی چھوڑ کر اپنے بھائی فیاض کے ساتھ گئیں۔

بعد میں ایک دن جنت بی بی ثمینہ سے ملنے آئی اور انہیں مجبور کیا کہ وہ اس کے بڑے بیٹے سے شادی کر لیں۔ جو ذہنی معذور تھا۔ ثمینہ نے انکار کر دیا۔ تب جنت نے بتایا کہ وہ رجب کی ساری جائیداد اپنے نام کرا چکی ہے۔ ساتھ اس نے انکشاف کیا کہ رجب کو اس نے زہر دے کر مارا ہے۔

ثمینہ نے کہا کہ ماوی آرٹش نیشنل ہے۔ جنت اس کو ہاتھ بھی نہیں لگا سکتی۔ ایمبیسی حرکت میں آجائے گی۔

ثمینہ نے ماوی سے کہا' وہ اس کی شادی جلال سے طے کر چکی ہیں۔ اسے جلال سے نکاح کرنا ہوگا تاکہ حویلی جا سکے۔ انہوں نے کہا اپنا مقصد حاصل ہونے کے بعد ماوی جلال سے خلع لے لے تاکہ شہروز سے شادی کر سکے۔ شہروز کو کچھ بتانے کی ضرورت نہیں ہے۔

ماوی نے انکار کیا تو ثمینہ نے خواب آور گولیاں کھا کر خودکشی کی کوشش کی۔

۱۸
اٹھارویں قسط

خاموش شام چپ چاپ دھرتی پر اتر آئی تھی۔

یہ اوائل اکتوبر کے دن تھے' فضاؤں میں نامانوس سی اداسی رچی بسی محسوس ہوتی تھی۔ پچھلے دو روز سے برسنے والی بارشوں نے خنکی بھی بڑھا دی تھی۔

کبھی کبھی ہوا چلتی تو ہاتھ پیروں میں سنسنی سی دوڑا دیتی تھی۔

ماوی نے سر اٹھا کر دیکھا۔ ہسپتال کی عمارت پر جھکا ہوا آسمان بھی ایک گہرے سناٹے کی زد میں لگتا تھا۔ خود اس کے دل کی بھی عجیب حالت تھی ایسے جیسے ہر طرف محض سناٹا ہو' خاموشی ہو۔ سوچنے سمجھنے کے لیے کچھ بھی نہ ہو۔ وہ جانے کب سے ہسپتال کے اس کاریڈور میں کھڑی تھی' بالکل سامنے لان تھا۔ اپنے ملگجے ٹراوزر' شرٹ پر اس نے گرم چادر اوڑھ رکھی تھی اور پیروں میں گھریلو سے سلیپر تھے۔ ممی کو ایسی افراتفری میں ہسپتال لانا پڑا کہ اسے اپنا حلیہ درست کرنے کی مہلت بھی نہ مل سکی تھی۔ الجھے ہوئے بالوں کو اوپر سے سمیٹ کر کیچر میں لپیٹ رکھا تھا جس سے دو چار لٹیں نکل کر اس کے چہرے کے اطراف میں بکھری ہوئی تھیں۔

خدا معلوم وہ کتنی دیر اسی طرح بے مصرف کھڑی رہی پھر اسٹاف نرس کے پکارنے پر پلٹی۔

"آپ کو ڈاکٹر صاحب آفس میں بلا رہے ہیں۔"

ماوی نے آہستگی سے سر اثبات میں ہلایا اور اس کے پیچھے چل دی۔ ڈاکٹر کے پاس تسلی آمیز باتیں تھیں۔ ماوی نے سب خالی الذہنی کی کیفیت میں سنا۔

"ممی کب تک ہوش میں آجائیں گی؟"

"معدہ تو ہم نے واش کر دیا ہے۔ یعنی آپ کی مدر اب خطرے سے باہر ہیں لیکن' ہوش میں آنے میں انہیں کم

سے کم نو اور زیادہ سے زیادہ بارہ گھنٹے تو لگ ہی سکتے ہیں۔" اس نے ایک بار پھر آہستگی سے سہلایا اور کرسی گھسیٹ کر اٹھ کھڑی ہوئی۔

چند منٹ بعد وہ ممی کے سرہانے کھڑی انہیں بغور دیکھ رہی تھی۔ وہ بے سُدھ پڑی تھیں اور رنگت بے حد زرد معلوم ہو رہی تھی۔

یہ تھی اس کی ماں، جس نے اپنی ضد منوانے کے لیے وہ انتہائی قدم اٹھا لیا تھا جس کے بعد ماوی مسلسل ضمیر کی عدالت میں کھڑی تھی۔

ایک خلش کوئی بوجھ سا آگیا تھا دل پر اور سمجھ تو جیسے بالکل ہی جواب دے چکی تھی۔ ممی کی ضد کے آگے وہ بھلے ہی مجبور نہ ہوتی لیکن اس اقدام نے اسے بالکل ہی مغلوب کر دیا تھا۔ دنیا میں کوئی ایسا انسان نہیں تھا جو اسے اپنی مرضی کے برخلاف کوئی کام کرنے پر مجبور کر سکے سوائے ممی کے اور اسی ایک انسان نے بالآخر اسے قائل کر ہی لیا تھا۔

"ممی! میں نہیں جانتی، آپ نے جو داستان مجھے سنائی، وہ صحیح ہے یا غلط..... اس میں سچ اور جھوٹ کا تناسب کتنا ہے۔ بابا کی موت فطری تھی یا انہیں قتل کیا گیا تھا..... اور یہ بھی نہیں کہ وہ عورت اتنی ہی بری ہے جتنا آپ بتاتی ہیں یا اس سے کچھ کم زیادہ..... میں صرف اتنا جانتی ہوں کہ آپ اپنے ہاتھوں سے مجھے موت کے منہ میں دھکیل رہی ہیں۔ میں یہ بھی جانتی ہوں جن سکیورٹیز کا آپ نے مجھے بہلاوا دیا ہے، ان کی حیثیت محض ہوا میں محل بنانے سے زیادہ کچھ نہ ہو گی۔ لیکن اب میں وہی کروں گی جو آپ چاہتی ہیں کیونکہ آپ کو کھونے کا حوصلہ میرے اندر نہیں ہے۔"

اسی نے کرسی گھسیٹ کر بیڈ کے قریب کی اور دونوں بازوؤں کے سرہانے پر سر ٹکا کر آنکھیں موند لی تھیں۔

"میں اس حویلی میں ضرور جاؤں گی اس لیے نہیں کہ مجھے اپنے بابا کے قاتل کا سراغ مل جائے یا ان کے حصے کی جائیداد ملے۔ میں صرف اس لیے اس حویلی میں جانا چاہتی ہوں تاکہ اس عورت سے مل سکوں۔ جس نے آپ کی نفسیات میں اپنے ناروا رویوں سے اتنی گرہیں لگا دیں کہ میں انہیں چاہ کر بھی نہیں کھول پا رہی۔ کیونکہ یہ کوئی عام گرہیں نہیں ہیں، یہ نفسیاتی الجھاؤ ہیں..... مجھے افسوس ہے۔ ... عورت نے آپ کو نفسیاتی مریضہ بنا دیا..... کاش ایسا نہ ہوا ہوتا۔"

وہ دیر تک دل ہی دل میں ثمینہ سے مخاطب رہی تھی۔

"تم گاؤں سے جلدی واپس آگئے..... میرا خیال تھا، ہفتہ دس دن تو رکو گے۔" اس روز لنچ کے دوران شبیہہ نے جلال سے پوچھا تھا۔

"ہاں..... میرا ارادہ تو یہی تھا لیکن۔" جلال نے اس آخری لفظ کو پرسوچ انداز میں کچھ زیادہ ہی لمبا کر دیا تھا۔ وہ تو ابھی تک شبیہہ کو بھی ماوی کے متعلق اپنے خیالات نہیں بتا سکا تھا کجا کہ والدین اور دادی سے اس متعلق بات کرنا۔ کچھ اس کی کم ہمتی۔ کچھ گھر کا سخت ماحول۔

جتنے دن حویلی میں رکا منصوبے بناتا رہا اور پھر تھک ہار کر واپس آگیا۔ کس بات کی جلدی تھی اسے کہ گھر والوں کو اپنی پسند سے اتنی جلدی آگاہ کیا جاتا۔ اس سے بڑے بھائی موجود تھے اور ان کی شادی سے پہلے اس کی شادی کا ذکر بے جا ہی ہوتا۔

"لیکن کیا؟" شبیہہ نے ابرو اچکا کر اسے دیکھا۔ "پھر کسی دوست کا فون آگیا ہو گا کہ اسے اپنی کسی مشکل میں تمہاری اشد ضرورت ہے اور تم بھاگے بھاگے واپس آگئے ہو گے۔" اس نے شرارت بھرے انداز میں جتایا جلال

زور سے ہنس دیا۔

"نہیں ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ میں کسی دوست کے لیے جلدی واپس نہیں آیا۔ اپنے لیے آیا ہوں۔"

"اس بات پر یقین تو نہیں آرہا۔ لیکن خیر تم کہتے ہو تو مان لیتا ہوں۔" شبیہہ کا انداز سابقہ تھا، جلال محض مسکرا دیا۔

"حویلی میں سب کیسے ہیں؟ دادو کی طبیعت کیسی ہے۔"

"سب ٹھیک ہیں..... دادو کی طبیعت بھی اب بہتر ہے..... بلکہ بالکل ٹھیک ہیں۔" جلال نے تسلی آمیز انداز میں کہا تھا۔

"ہوں....." شبیہہ نے پانی کا گلاس لبوں سے لگاتے ہوئے پل بھر کے لیے اسے دیکھا۔ "تمہاری غیر موجودگی میں وہ بھی آئی تھیں۔" اس کا انداز کچھ جھجک آمیز تھا۔ اس کے انداز میں کچھ خاص تھا۔

"کون؟" جلال نے کچھ چونک کر اسے دیکھا۔ شبیہہ دل جمعی سے کھانا کھاتا رہا۔ جلال کو اس کی خاموشی کھلی تھی۔

"کس کی بات کر رہے ہو؟"

"بابا کی ایکس وائف۔" اس نے دھیمی آواز میں چند منٹ بعد کہا تھا۔

"ثروت آنٹی آئی تھیں؟" جلال کے لیے یہ خبر کچھ غیر متوقع تھی۔

"اور تم نے یقیناً "ان سے مس بی ہیو کیا ہو گا؟" جلال نے پریقین انداز میں کہا وہ تو جیسے شبیہہ کی رگ رگ سے واقف تھا۔

شبیہہ نے اثبات میں گردن ہلا دی۔

"شاباش..... مجھے تم سے یہی امید تھی۔" جلال نے بے ساختہ کہا۔ شبیہہ نے بے زاری سے چمچ رکھ کر کرسی کی پشت سے کمر لگالی۔

"میں نے ارادی طور پر کچھ نہیں کہا جلال!..... بس پتا نہیں انہیں سامنے دیکھ کر مجھے کیا ہو جاتا ہے۔" اس کے انداز میں ندامت بھی تھی، بے زاری بھی۔

"غلطی میری نہیں ہے۔ انہیں آنا ہی نہیں چاہیے تھا۔"

"تو اس میں نئی بات کون سی ہے؟ تمہاری غلطی تو کبھی بھی نہیں ہوتی..... کسی بھی معاملے میں نہیں۔" جلال نے سلگ کر کہا۔

"اچھا اب تم مجھے شرمندہ کرنے کی کوشش مت کرو۔ میں پہلے ہی بہت گلٹی فیل کر رہا ہوں۔ خامخواہ اپنا ٹیمپر لوز کیا۔ غیر متعلقہ لوگوں پر اپنا غصہ بھی ضائع نہیں کرنا چاہیے۔"

اس کا مزاج عود کر آیا تھا۔ جلال نے اسے غضب ناک نظروں سے گھورا لیکن اس موضوع کو کسی اور وقت تک کے لیے ٹال دیا۔

"ستوی تمہارا پوچھ رہی تھی۔"

"اچھا۔"

"گفٹ بھجوایا ہے اس نے تمہارے لیے۔ اندر بیڈ روم میں رکھا ہے لے لینا۔"

"ایں۔" شبیہہ حیران ہوا۔ "یہ ان محترمہ کو کیا سوجھی؟"

"اسی سے پوچھ لینا۔"

"ہاں۔ پوچھوں گا۔"

"اب اس کی کلاس نہ لینا شروع کر دینا اتنی سی بات پہ..... خود تمہیں تو کبھی توفیق ہوتی نہیں اسے کوئی تحفہ دینے کی۔ اس نے ہمت کر لی ہے تو باتیں نہ سنانا اسے۔" جلال کا انداز کچھ ایسا تھا، شبیہہ کے لبوں پر مسکراہٹ بکھر گئی پھر کچھ یاد آنے پر بولا۔

"بائی دا وے..... تمہاری وہ دوست بھی آئی تھیں؟"

"کون؟"

"وہ لڑکی..... کیا نام ہے اس کا..... وہ جو بہت بدتمیز سی ہے۔ پتا نہیں ایسی لڑکیوں کو تم دوست بھی کیسے بنا لیتے ہو۔" اس کے انداز میں سخت ناپسندیدگی تھی۔ جلال "فوراً" سمجھ گیا۔

"ماوی آئی تھی؟"

"ہاں تمہارا کانٹیکٹ نمبر مانگ رہی تھی۔"

"پھر تم نے دیا؟" جلال نے بے قراری سے پوچھا تھا۔

"نہیں۔" وہ چڑ کر بولا۔ "مجھے تم پر بہت غصہ ہے جیڈی! ساری زندگی میں ایک لڑکی سے دوستی کی بھی تو کس سے..... ماوی زمانے بھر کی بدتمیز اور منہ پھٹ لڑکی۔ زہر لگتی ہیں ایسی اوور کانفیڈنٹ لڑکیاں۔" اس کا انداز ہنوز تھا۔

"خیر۔ اب اتنی بھی بری نہیں ہے وہ۔" جلال نے "فوراً" کہا تھا۔ شبیہہ بغور اسے دیکھنے لگا۔ جلال گڑبڑا گیا۔

"ایسے کیوں دیکھ رہے ہو؟"

شبیہہ نے نفی میں سر ہلایا اور اپنی پلیٹ پر جھک گیا۔

"یہ ماوی والے سلسلے میں میری خاک مدد کرے گا۔ رشتہ طے ہونے لگا تو سب سے پہلے یہی مخالفت میں کھڑا ہو جائے گا۔" جلال فکر مندی سے سوچ رہا تھا۔ "اور مجھ سے غلطی ہوئی۔ گاؤں جانے سے پہلے ماوی کو انفارم کر دینا چاہیے تھا۔ نہ وہ یہاں آتی نہ شبیہہ کھٹکتا۔" اسے یہی سوچ لاحق تھی۔

☼ ☼ ☼

کھڑکی سے آنے والی چمکیلی دھوپ نے کمرے میں روشنی بکھیر رکھی تھی۔

ثمینہ چپ چاپ بیڈ پر لیٹی چھت کی طرف دیکھ رہی تھیں۔ "تقریباً" تین گھنٹے پہلے انہیں ہوش آچکا تھا لیکن وہ نقاہت کے زیر اثر تھیں۔ اس کے باوجود گاہے بگاہے ماوی پر نظریں ڈال لیتی تھیں وہ صوفے پر بیٹھی تھی اور بے حد سنجیدگی سے تازہ اخبار کے مطالعے میں مصروف تھی اس وقت سے اس نے کوئی بات نہیں کی تھی نہ ہی ثمینہ کو ان کی غلطی کا احساس دلایا تھا۔ وہ بس خاموش تھی اور اس کی یہی خاموشی ثمینہ کو مستقل وسوسوں میں مبتلا کیے دے رہی تھی۔ اسی وقت ادھ کھلے دروازے پر دستک دے کر نرس اندر داخل ہوئی۔ اس کے ہاتھ میں دواؤں کی ٹرے تھی وہ سیدھی ثمینہ کی طرف آئی اور ٹرے سائیڈ ٹیبل پر رکھ کر انجیکشن تیار کرنے لگی۔

"ایکسکیوز می سسٹر! کیا ڈاکٹر شجاع آن ڈیوٹی ہیں؟" ماوی نے اخبار سمیٹتے ہوئے پوچھا تھا۔

"جی ہاں..... " "میم! آپ اپنا بازو آگے کیجیے مجھے انجکشن لگانا ہے۔" نرس نے ماوی کو جواب دے کر ثمینہ سے کہا تھا۔

"نہیں سسٹر! مجھے انجکشن نہیں لگوانا..... آپ اسے واپس لے جائیں۔" ثمینہ نے ضدی پن سے کہا تھا۔

ماوی دروازے کی طرف بڑھ رہی تھی۔ یکدم رک کر انہیں دیکھنے لگی۔

"دیکھیے..... یہ آپ کے لیے بہت ضروری ہے۔" نرس ثمینہ سے اصرار کرنے لگی لیکن وہ مستقل اس کی بات ماننے سے انکار کیے جا رہی تھیں، ناچار نرس نے ماوی سے امداد چاہی۔

"آپ ہی انہیں سمجھائیں۔"

ثمینہ نے ماوی کی طرف دیکھا ان کی آنکھوں میں جو تحریر تھی اسے ماوی بآسانی پڑھ سکتی تھی۔

"نخرے کرنا بند کریں ممی! وہی ہو گا جو آپ چاہتی ہیں اور اسی طریقے سے جس طریقے سے آپ کی خواہش ہے۔ میں حویلی جانے کے لیے تیار ہوں اور..... اور جلال سے نکاح کرنے کے لیے بھی۔ اس لیے پلیز..... اب آپ مجھے مینٹلی ٹارچر کرنا بند کر دیں۔"

ماوی نے بے حد سنجیدگی سے کہا تھا۔ اس کا جملہ مکمل ہونے تک ثمینہ کے چہرے پر اطمینان پھیل گیا تھا اور انہوں نے اپنا بازو بھی نرس کے آگے کر دیا تھا۔ ماوی نے یہ پورا جملہ عربی زبان میں کہا تھا، اس لیے نرس کے پلے خاک بھی نہ پڑ سکا ثمینہ اسے سہولت سے اس کا کام کرنے دے رہی تھیں اس کے لیے یہی کافی تھا۔

ماوی بوجھل قدموں سے باہر نکل آئی تھی۔

"میں ممی کے سامنے ہامی بھر کر انہیں مزید کوئی احمقانہ قدم اٹھانے سے روک سکتی ہوں۔ جلال ایک مہینہ کے لیے ٹور پر گیا ہوا ہے۔ اس کے واپس آنے سے قبل مجھے کوئی نہ کوئی ایسا انسان ڈھونڈنا ہو گا جو ممی کو ان کا فیصلہ تبدیل کرنے کے سلسلے میں مددگار ثابت ہو سکے۔"

اس کا ذہن بہت تیزی سے کام کرنے لگا تھا۔

☼ ☼ ☼

جلال پہلے گھر گیا وہاں سے سیدھے ہسپتال کی راہ لی۔ اسے تو یہ سوچ سوچ کر ہی پریشانی لاحق ہوئے جا رہی تھی کہ بے چاری ماوی نے اس ساری صورت حال کو تن تنہا کیسے سنبھالا ہو گا۔

"وہ بے چاری سیدھی سادی معصوم سی لڑکی..... ماں کی بیماری نے تو یقیناً ہاتھ پیر پھلا دیے ہوں گے اور اس شبیہہ کا حال دیکھو..... کیا تھا جو اسے میرا کانٹیکٹ نمبر دے دیا ہوتا..... ماوی کس آس کے ساتھ میرے پاس آئی ہو گی۔"

www.Paksociety.com

اس کی فکر مندی کی کوئی حد نہ تھی۔ دوسری جانب ماوی اسے سامنے پا کر حقیقتاً گڑبڑا گئی۔ جلال کے ٹور نہ ہونے کا سن کر وہ اچھی خاصی مطمئن ہوئی بیٹھی تھی لیکن اس طرح اچانک اس کا سامنے آجانا بڑا پریشان کن تھا۔ فوری طور پر وہ اپنے تاثرات بھی نہیں چھپا سکی۔

"تم کہاں سے آگئے؟ تم تو ٹور نہ گئے ہوئے تھے۔" اس نے بوکھلاہٹ بھرے انداز میں صدمے سے چور آواز میں کہا۔

جلال اس انداز پر سٹپٹا گیا۔

"نہیں..... وہ..... میں تو۔"

"جھوٹ مت بولو' تمہارے بھائی نے مجھے خود بتایا تھا۔" ماوی نے تیزی سے کہا تھا۔ جلال ایک لحظہ میں ساری بات سمجھ گیا۔

"ہاں..... میں گیا تو تھا لیکن آج ہی واپس آگیا..... پتا نہیں کیوں۔ مجھے لگ رہا تھا' آپ کو میری ضرورت ہے۔ اسی لیے میں جلدی واپس آگیا۔"

ماوی نے بددلی سے اسے دیکھا۔ اگر وہ اتنی بددلی کا شکار نہ ہوتی تو یقیناً دیکھ پاتی۔ جلال کی آنکھوں میں اس کے لیے محض پسندیدگی یا محبت ہی نہیں عقیدت اور خلوص بھی تھا۔

"تو ماوی بی بی! یہی ہے جو بالآخر آپ کو کرنا ہے۔ ممی کی مرضی یا تقدیر کی اس بے تکی بازی کو آپ کو چلنا ہی پڑے گا۔"

اس کے دل و دماغ میں جیسے بگولے سے اٹھنے لگے تھے لیکن بظاہر وہ پرسکون دکھائی دیتی تھی اور چند منٹ کے بعد وہ جلال کو ممی کے پاس لے جا رہی تھی۔

✲ ✲ ✲

جب تک ثمینہ ہسپتال میں داخل رہیں جلال مستعدی سے ان کی دیکھ بھال کرتا رہا' ایک تو یہ کہ دل کی اچھائی ایسا کرنے پر مجبور کر رہی تھی دوسرے دل کے نئے نئے جذبات کے ہاتھوں بھی مجبور تھا بہرحال ان تمام دنوں میں اس نے ثمینہ آنٹی اور ماوی کا بہت ساتھ دیا' اس دوران کئی بار اسے ماوی کی غیر معمولی سنجیدگی' خاموشی اور رکھائی محسوس ہوئی لیکن ہر بار وہ اسے ثمینہ آنٹی کی خرابی طبیعت کی وجہ قرار دے کر سر جھٹک دیتا۔

جس روز ثمینہ آنٹی کو گھر جانے کی اجازت ملی' اس سے ٹھیک اگلے روز جلال نے اپنے سیل فون پر ماوی کی کال ریسیو کی تھی۔

"میں چاہتی ہوں' آج تم لنچ ہمارے ساتھ کرو۔"

اس روز جلال کو کسی ضروری کام کے سلسلے میں ہائی کورٹ جانا تھا لیکن ہر اہم کام کو نظر انداز کر کے اس نے ماوی کے گھر جانے کو ترجیح دی۔ اس روز بھی ثمینہ ہی اس سے باتیں کرتی رہیں۔ اگلی دو تین ملاقاتوں میں ماوی کی رکھائی ختم ہو گئی لیکن بات چیت میں وہ کم ہی حصہ لے رہی تھی۔ کئی بار جلال کے دل میں خیال آیا کہ وہ ماوی سے اس کی خاموشی کی وجہ معلوم کرے لیکن پھر ہر بار ہی وہ اپنے خیال کو ٹال دیتا۔

"اس بیماری نے مجھے توڑ پھوڑ کر رکھ دیا ہے ورنہ میری بڑی خواہش تھی کہ میں اپنی ساس سے اپنے شوہر کی جائیداد حاصل کروں۔ یہ ماوی تو کبھی کبھار بہت جذباتی پن کا مظاہرہ کرتی ہے اور اکثر کہتی ہے کہ جب بھی موقع ملا' وہ اس عورت سے اپنا حق ضرور وصول کرے گی لیکن میں چاہتی ہوں' جلد از جلد اس کے فرض سے فارغ ہو جاؤں۔ میرے دل کے سکون کے لیے یہی کافی ہے۔"

انہوں نے جلال کو اپنے ماضی سے بڑی تفصیل سے آگاہ کر دیا بس یہ بات ظاہر نہیں ہونے دی تھی کہ ان کے ماضی کی کوئی کڑی اس سے بھی ملتی ہے۔ ماوی چپ چاپ سنتی رہتی لیکن کچھ کچھ باتوں پر اس کی برداشت بالکل جواب دے جاتی تھی۔

"ممی پلیز!" ماوی نے چڑ کر کہا تھا' وہ ان کا مافی الضمیر سمجھتی تھی بھلا اس سے بہتر یہ بات کون سمجھ سکتا تھا کہ وہ بات کو گھما پھرا کر کس پوائنٹ تک لا رہی ہیں۔

"ارے ماوی! جلال سے کچھ چھپانے کی کیا ضرورت ہے۔ یہ کوئی غیر تھوڑا ہی ہے۔ میں نے اسے بیٹا کہا ہی نہیں مانا بھی ہے۔ اس سے بھی دل کا دکھ نہیں کہوں گی تو کس سے کہوں گی۔"

بعض اوقات تو ان کی باتیں سن کر ماوی حیران ہی رہ جاتی تھی' وہ اس قدر چاپلوسی کی زبان بولتی تھیں کہ وہ پیچ و تاب کھا کر رہ جاتی۔ یوں لگتا تھا' ان کے پاس عزت نفس نام کی کوئی چیز ہی نہ رہی ہو اور وہ ماوی کے اندر سے بھی اس چیز کو کھرچ کر نکال دینا چاہتی ہوں۔

ایک روز تو انہوں نے حد ہی کر دی۔

"میں تم دونوں کے درمیان خود کو بہت مس فٹ محسوس کرتی ہوں' مجھے لگتا ہے' تم لوگوں کو ساتھ وقت گزارنا چاہیے تاکہ ایک دوسرے کو بہتر طریقے سے سمجھ سکو۔ ارے ہاں جلال! تم ماوی کو کل ڈنر پر کیوں نہیں لے جاتے؟"

"فار گاڈ سیک ممی!" ماوی نے دبی زبان میں انہیں ٹوکنے کی کوشش کی تھی' لیکن ثمینہ نے سنی ان سنی کر دی۔

"شیور آنٹی! وائے ناٹ۔" جلال کی تو دل کی خواہش پوری ہو رہی تھی' وہ کیونکر انکار کرتا یا ٹال مٹول سے کام لیتا۔ ماوی کا دل چاہا اس کا سر پھاڑ دے۔

"جو میں چاہتی ہوں جب وہ کرنے کی ہامی بھر ہی لی ہے تو جلال سے ہنس کر بات کرنے میں کیا برائی ہے؟" جلال کے جانے کے بعد ثمینہ نے پہلی بار اسے سرزنش کی تھی۔

"کبھی کبھی مجھے اپنا آپ کال گرل کی طرح لگنے لگتا ہے۔" ثمینہ کی بات کے جواب میں ماوی نے سرد لہجے میں کہا تھا۔

"تمہارا دماغ تو ٹھیک ہے ماوی!" ثمینہ بری طرح بھڑک اٹھی تھیں۔

"ٹھیک ہے یا شاید نہیں ہے۔ بہرحال میں خود میں اور ایک کال گرل میں کوئی فرق محسوس نہیں کرتی۔ وہ بھی کسی مقصد کے لیے اپنا آپ کسی مرد کو پیش کرتی ہے۔ میں بھی یہی کر رہی ہوں۔ میں جلال کو اپنا آپ پلیٹ میں رکھ کر پیش کر رہی ہوں۔ آپ کی خواہش کو پورا کرنے کے لیے اللہ جانے ابھی اور کتنے اپنے معیار سے گرے ہوئے کام کرنا پڑیں گے۔ مجھے اپنی ہی نظروں سے گرانے کے لیے بے حد شکریہ ممی!"

اس نے بے حد سرد اور ناگوار لہجے میں کہا اور وہاں سے چلی گئی۔ ثمینہ چپ چاپ اسے جاتا ہوا دیکھتی رہی تھیں۔

✲ ✲ ✲

"تمہیں زندگی کیسی لگتی ہے جلال!"

"النخل" کے خواب ناک ماحول میں کھانا کھاتے ہوئے ماوی نے محض بات برائے بات جلال سے پوچھا تھا۔

"خوب صورت' بے حد خوب صورت۔ بلکہ مجھے تو زندگی سے عشق ہے' کبھی کبھی میرا دل چاہتا ہے' کاش! میں

www.Paksociety.com

زندگی کو قید کر کے رکھ سکتا۔"

جلال نے بے حد بے ساختگی سے کہا تھا۔ ماوی نے لحظہ بھر کے لیے اسے دیکھا پھر ہنسنے لگی۔ اسے جلال کی بے ساختگی پر بے وجہ ہنسی آئی تھی۔ دوسری جانب جلال بس اسے دیکھے گیا۔ اس ایک پل میں اس کے لیے یہ فیصلہ کرنا مشکل ہو گیا تھا کہ زندگی اسے زیادہ خوب صورت لگتی ہے یا یہ لڑکی..... جس سے ملے اسے شاید دو یا تین مہینے ہوئے تھے اور جس کی محبت میں مبتلا ہوئے بمشکل چھبیس دن۔ لیکن یوں لگتا تھا جیسے وہ اسے صدیوں سے جانتا ہو اس کا ہر انداز، ہر ادا اسے پہلے سے زیادہ خوب صورت لگتی تھی۔

"مجھے زندگی بہت خوب صورت لگتی ہے لیکن آپ سے زیادہ نہیں۔"

جلال نے ایک بار پھر بے ساختگی کا مظاہرہ کیا تھا۔ ماوی کی ہنسی کو مکمل طور پر بریک نہیں لگا تھا لیکن اس کی آنکھوں میں تعجب سا سمٹ آیا تھا۔ جلال گڑبڑا گیا۔

"میرا مطلب ہے۔ آپ آج بہت خوب صورت لگ رہی ہیں۔"

"صرف آج..... "اس صورت حال پہ ناخوش ہونے کے باوجود ماوی کی رگ ظرافت پھڑکی۔ "کیا میں ہر روز خوب صوت نہیں لگتی؟"

"نہیں..... ہر روز لگتی ہیں۔"

"یعنی نہیں لگتی۔" ماوی نے مایوسی سے کہا۔ "میں تو سمجھتی تھی، میں ہمیشہ خوب صورت لگتی ہوں۔ اچھا ہوا، تم نے میری خوش فہمی دور کر دی۔ میں یونہی اتراتی تھی۔"

"یہ آپ کا حق ہے آپ کو اترانا بھی چاہیے۔" جلال نے اسے مایوس ہوتا دیکھ کر تیزی سے کہا تھا یوں جیسے وہ ماوی کو مایوس ہونے نہ دینا چاہتا ہو۔ ماوی کو پھر ہنسی آ گئی۔

"تم بہت اچھے ہو جلال! بہت ہی اچھے" (اور مجھے اس بات کا افسوس ضرور رہے گا کہ تم جیسا معصوم انسان میرے ہاتھوں بے وقوف بنوایا جا رہا ہے۔ اگر مجھے یہ خدشہ نہ ہوتا کہ ممی اپنی زندگی کو خطرے میں ڈالنے جیسی بے وقوفی پھر کر سکتی ہیں تو میں تمہیں ضرور ساری حقیقت سے آگاہ کر دیتی۔ لیکن میری مجبوری ہے جلال! اپنی ماں کی ضد پوری کرنے کے لیے مجھے تمہیں دھوکے میں رکھنا ہی پڑے گا۔ ہو سکے تو مجھے معاف کر دینا جلال!)

گلاس کے کناروں پر انگلی پھیرتے ہوئے وہ گہری سوچ میں گم ہو گئی تھی جبکہ جلال کا بس نہ چلتا تھا اپنی بصارت میں اس کا چہرہ قید کر لے۔

☼ ☼ ☼

کھڑکی سے چھن کر آتی ہوئی دھوپ سنہری اور نرم گرم سی محسوس ہوتی تھی، دھوپ کی کرنیں سیدھی کارپٹ پر ماوی کے پیروں کے قریب پڑ رہی تھیں اور ماوی سر اٹھائے عجب خالی خالی نظروں سے کھڑکی کے شیشے سے باہر دیکھ رہی تھی۔ وہ کسی نہ سمجھ میں آنے والی ذہنی کیفیت کا شکار تھی۔

ہر چند منٹ کے بعد اس کا ذہن کسی نئی سوچ کی طرف مبذول ہو جاتا تھا ہر پہلی سوچ سے دوسری سوچ کی طرف سفر کرتے ہوئے وہ پچھلی سوچ کے لیے فکر مندی محسوس کرتی کہ آخر وہ سوچ کیا رہی تھی۔

کبھی اسے محسوس ہوتا، وہ بالکل خالی الذہن ہو چکی ہے اور کم سے کم آج کی تاریخ میں اس کے پاس سوچنے کے لیے یا کرنے کے لیے کوئی کام نہیں ہے۔ جس طرح وہ متبادل سوچوں کا شکار تھی ٹھیک اسی طرح ہر چند منٹ کے بعد اس کی نظریں پیروں کے قریب پڑے اس کاغذ کی طرف چلی جاتی تھیں۔ جس کی رو سے وہ جلال الدین بھٹی کی منکوحہ قرار دی جا چکی تھی۔ ہر دن عام سا ہوتا ہے، ہر دن گزرے ہوئے دن جیسا ہی ہوتا ہے۔ بس اس دن میں پیش آنے والے واقعات و حادثات اس دن کو خصوصیت عطا کر دیتے ہیں تو یہ بھی ایک عام سا دن تھا جسے ممی کی ضد نے خصوصیت عطا کر کے اس کے اور جلال کے لیے یادگار بنا دیا تھا۔

وہ ممی کی ذہنی حالت پر جتنا حیران ہوتی وہ کم تھا۔ اس سے بھی زیادہ حیرانی ماوی کو ان کی بہت مکمل قسم کی پلاننگ پر ہو رہی تھی وہ جیسا چاہتی تھیں انہوں نے ویسا کروا لیا تھا۔ کبھی کبھی ماوی کو یہ بھی لگتا تھا حالات و واقعات بھی ان سے پوچھ کر ترتیب پا رہے ہیں۔ انہوں نے پہلے جلال کے ذہن و دل میں اس کے لیے جذبات پیدا کیے۔ پھر ماوی کو قائل کیا اور اب بالآخر وہ جلال سے ماوی کا نکاح بھی کروا چکی تھیں۔ یہ الگ بات ہے کہ اپنے اس منصوبے کو پایہ تکمیل تک پہنچانے کے لیے انہوں نے لمبا چوڑا ڈرامہ ترتیب دیا تھا بیماری کا ڈرامہ "ایموشنل ایکٹنگ" ہر گھسا پٹا طریقہ انہوں نے آزمایا اور دلچسپ بات یہ کہ جلال جیسا آدمی ان کی باتوں میں آ بھی گیا۔

کیا ہو رہا تھا اور کیا ہونے والا تھا۔ ماوی کچھ نہیں جانتی تھی اسے صرف اتنا پتا تھا۔ زندگی میں اس سے زیادہ مجبور وہ کبھی نہ ہوئی تھی۔

اسی وقت دروازہ کھول کر ثمینہ اندر داخل ہوئیں۔ ماوی نے گردن گھما کر دروازے کی جانب دیکھا۔ ثمینہ کے لبوں پر مسکراہٹ اور چہرے پر اطمینان تھا۔

"میں بہت خوش ہوں ماوی! کامیابی کی طرف پہلا قدم بڑھا دیا ہے ہم نے۔" ثمینہ نے پرجوش انداز میں کہا تھا۔

"آپ نے کامیابی کی طرف بڑھایا ہو گا۔ میں نے تو بربادی کی طرف ہی بڑھایا ہے۔" ماوی نے گردن واپس گھماتے ہوئے سرد مہری سے کہا تھا۔

"اور آپ خوش کیسے نہ ہوں گی! آفٹر آل وہی ہو رہا ہے جو آپ چاہتی تھیں۔" اس کا کڑوا لہجہ سن کر ثمینہ کے چہرے پر سایہ سا لہرا گیا۔

"ہاں... وہی ہو رہا ہے جو میں چاہتی ہوں لیکن اس کا مطلب یہ ہرگز نہیں ہے کہ میں تمہیں برباد کر رہی ہوں۔" انہوں نے وضاحتی لہجے میں کہا تھا۔

"اوہ کم آن ممی! فار گاڈ سیک۔ خود کو اور مجھے اس طرح کی باتوں سے دھوکا دینا بند کریں۔" ماوی جیسے پھٹ ہی پڑی تھی۔

"آپ نے یہ سب میری بھلائی کے لیے کیا، جو بھی ہو رہا ہے، انجام کار اس کا فائدہ میری ہی ذات کو پہنچے گا، یہ سب دراصل آپ کے ذہنی مفروضے ہیں اور کچھ نہیں۔ اس سب کا اگر کسی کو فائدہ پہنچے گا تو وہ بابا جان ہیں اور مجھے بہت افسوس کے ساتھ کہنا پڑ رہا ہے کہ انہیں بھی در حقیقت اس سے کوئی فائدہ نہ ہو گا جو انسان اس دنیا میں موجود ہی نہیں ہے، اسے دنیاوی وسائل بھلا کیا فائدہ یا خوشی پہنچا سکتے ہیں باقی رہی میری بات..... تو مجھے اس میں نقصان ہی نقصان ہے۔ آپ نے ایک بار بھی سوچا ہے اگر شہروز کو میرے نکاح کی خبر مل گئی تو کیا ہو گا؟ شہروز مڑ کر میری شکل دیکھنا بھی گوارا نہیں کرے گا، اور آپ جانتی ہیں ناں شہروز میرے لیے کیا ہے؟ وہ میری زندگی کی سب سے بڑی خوشی ہے ممی! اور آج مجھے ایسا لگ رہا ہے، آپ کی ضد کی وجہ سے میں نے جلال سے نکاح نہیں کیا بلکہ شہروز کو کھو دیا ہے۔" وہ روہانسی ہو گئی تھی۔

"نہیں ماوی! ایسا کبھی نہیں ہو گا۔" ثمینہ نے جلدی سے کہا تھا۔ "شہروز کی طرف سے تو تمہیں میں گارنٹی دے سکتی ہوں۔ اول تو اسے پتا ہی نہیں چلے گا۔ دوسری بات یہ کہ پتا چل بھی گیا تو وہ تمہیں نہیں چھوڑے گا۔ میں جانتی ہوں، وہ تم سے کتنی محبت کرتا ہے اور محبت کرنے والے کبھی تنہا نہیں چھوڑتے۔" وہ اسے بچوں کی طرح بہلا رہی تھیں۔ ماوی نے طنزیہ مسکراہٹ کے ساتھ انہیں دیکھا۔

"محبت کرنے والے تنہا نہیں چھوڑتے لیکن موت کے منہ میں تو دھکیل سکتے ہیں ناں۔ آپ بھی تو یہی کر رہی

www.Paksociety.com

ہیں۔"

"وقت تم پر خود ثابت کرے گا کہ میں نے جو بھی کیا وہی ٹھیک تھا۔" ثمینہ سو فیصد پر یقین تھیں

"اور اگر آپ غلط ثابت ہو گئیں تو۔۔۔"

"ایسا نہیں ہو گا۔" ثمینہ نے رسان سے کہا۔ "ابھی تم غصے میں ہو' جذباتی ہو کر صرف منفی پہلو تلاش کر رہی ہو لیکن گزرتا وقت تم پر ہر چیز واضح کر دے گا اور تمہیں میرے فیصلے کے پوزیٹو پوائنٹس نظر آنے لگیں گے۔" ثمینہ اسے سمجھاتی چلی گئیں لیکن ماوی کے اندر باہر جیسے غم و غصے سے آگ سی لگی ہوئی تھی۔

"میں نے آپ سے کہا تھا' مجھے کچھ دیر اکیلا رہنے دیں۔ کیا آپ تھوڑی دیر مجھے تنہا بیٹھنے نہیں دے سکتیں؟" ماوی نے رکھائی و سرد مہری سے کہا تھا۔ ثمینہ کا چہرہ یکدم پھر تاریک ہوا۔ اپنے تئیں وہ سمجھ چکی تھیں' نکاح کے بعد انہیں ماوی کی طرف سے کسی قسم کی مزاحمت یا غصے کا سامنا نہیں کرنا پڑے گا لیکن ان کے خیالات کم سے کم اس معاملے میں غلط ہی ثابت ہو رہے تھے۔

"ٹھیک ہے جیسے تمہاری مرضی۔ میں تمہیں ڈسٹرب نہیں کروں گی لیکن اس وقت میرے لیے ایک اور فور کرو۔ جلال تم سے چند منٹ بات کرنا چاہ رہا ہے۔ تم ذرا اچھے طریقے سے۔۔۔"

"پلیز۔ اب میں مزید کوئی ڈرامہ نہیں کر سکتی۔" اس نئے مطالبے پر ماوی نے تڑخ کر کہا تھا۔ "عام انسان ہوں میں۔ کوئی اداکارہ نہیں کہ اپنے موڈ سے ہٹ کر کبھی ہنسوں' کبھی رووں۔"

"میں جانتی ہوں لیکن اتنا بھی مشکل کام نہیں ہے یہ۔۔۔" اب کی بار ثمینہ نے بھی سختی سے کہا تھا۔

"آپ کے نزدیک تو ہر کام ہی آسان ہے سوائے اپنی ضد چھوڑنے کے۔" ماوی نے سابقہ انداز میں کہا تھا۔

"اچھا تم نہ ہنسنا۔۔۔ لیکن تحمل سے بات تو کر سکتی ہو۔ جلال اسی میں مطمئن ہو جائے گا۔"

"بھول جائیں۔ میں اس وقت کسی کی بھی شکل نہیں دیکھنا چاہتی نہ اپنے موڈ سے ہٹ کر کوئی کام کرنا چاہتی ہوں۔"

"بے جا ضد مت کرو ماوی!" ثمینہ نے لجاجت سے کہا تھا۔

"لیکن اس سے قبل کہ ماوی کچھ کہتی' دروازے پر خفیف سی دستک ہوئی ان دونوں نے بیک وقت دروازے کی جانب دیکھا۔ دونوں کے لیے ہی اندازہ لگانا ہرگز مشکل نہ تھا کہ دستک دینے والا کون ہے۔

ثمینہ نے منت بھری نظروں سے ماوی کو دیکھا تھا۔

"جہاں خود پر اتنا جبر کر رہی ہو' وہاں میری خوشی کے لیے تھوڑا اور سہی۔ تمہارا ذرا سا غلط رویہ بنا بنایا کھیل بگاڑ دے گا۔"

"خوشی۔۔۔؟ جب کہ آپ کو صرف اپنی پڑی ہے۔ مجھے ہرگز نہیں پتا تھا آپ اتنی خود غرض ہیں۔" اس کے انداز میں کمزوری در آئی تھی۔ ثمینہ نے قدرے مطمئن ہو کر اس کا کندھا تھپتھپایا اور اٹھ کر دروازہ کھول دیا۔

جلال خفیف سی گھبراہٹ کے ساتھ کھڑا تھا۔

"اندر آجاؤ جلال!"

"آنٹی! کیا میں ماوی سے بات کر سکتا ہوں؟"

"ارے یہ بھی کوئی پوچھنے کی بات ہے؟ تمہاری بیوی ہے جب چاہو بات کر سکتے ہو۔" ثمینہ اسے اندر آنے کا راستہ دے کر باہر نکل گئیں۔ دوسری جانب ماوی کا خون ہی کھول اٹھا تھا' لیکن وہ ضبط کیے کھڑی رہی۔ یہ الگ بات ہے کہ کوشش کے باوجود مسکراہٹ یا خوش مزاجی کا تاثر بھی وہ چہرے پر نہیں لا سکی تھی۔

جلال نے اس کو بغور دیکھا پھر ہاتھ میں پکڑا چھوٹا سا سنہری کیس اس کی طرف بڑھا دیا۔

"گو کہ موقع ہونے کے باوجود ایسی صورت حال تو نہیں ہے کہ کسی فارمیلٹی میں پڑا جائے۔ میں جانتا ہوں آپ آنٹی کی وجہ سے پریشان ہیں لیکن یہ میرے دل کی خوشی ہے۔" جلال کا جھجک آمیز انداز۔ ماوی نے خاموشی سے کیس اس کے ہاتھ سے لے لیا۔

جلال اس قدر خوش تھا کہ اسے ماوی کی سرد مہری بھی دکھائی نہیں دے رہی تھی۔

"میں بہت خوش ہوں ماوی! لیکن سچی بات ہے کہ میں یہ سب اس طرح سے نہیں چاہتا تھا۔ میری بڑی خواہش تھی کہ میں آپ کو روایتی طریقے سے اپنا بناؤں۔ میرے گھر والے شادی میں شرکت کرتے اور سب اس خوشی کو سیلیبریٹ کرتے۔ لیکن آنٹی کی بیماری کی وجہ سے ہمیں یہ قدم جلدی اٹھانا پڑا مگر میرا وعدہ ہے' رخصتی تو میں آپ کو روایتی طریقے سے ہی کرواؤں گا۔ مجھے کچھ وقت چاہیے تاکہ میں ان لوگوں کو قائل کر پاؤں۔ تھوڑا وقت گزرے گا تو سب ٹھیک ہو جائے گا۔ میں جانتا ہوں ابھی میرے نکاح کی خبر سن کر وہ سب خفا ہوں گے لیکن آپ سے ملیں گے تو خوش ہوں گے۔ مجھے امید ہے' آپ اتنا انتظار کر لیں گی میرے لیے۔ محبت میں تو انسان بہت کچھ کر لیتا ہے۔"

وہ بے چارا ٹھہر ٹھہر کر بول رہا تھا۔ ماوی کے آگ ہی لگ گئی تھی محبت والی بات سن کر۔

"جلال! میں تنہا رہنا چاہتی ہوں۔" اس نے بے ساختگی سے کہا تھا لیکن اگلے ہی پل اسے اپنے سخت لہجے کا احساس ہو گیا۔

"تم پلیز! برا مت ماننا۔ میں ایکچوئیلی اس سب کے لیے ذہنی طور پر تیار نہیں تھی۔ میرے سر میں بھی درد ہے' اگر تم مجھے کچھ دیر آرام کرنے دو تو میں اچھا فیل کروں گی۔"

"آپ نے پہلے کیوں نہیں بتایا کہ سر میں درد ہے' میں ڈاکٹر۔۔۔"

"اس کی ضرورت نہیں ہے۔" ماوی نے جلدی سے کہا۔

"میں تھوڑا آرام کروں گی تو ٹھیک ہو جاؤں گی۔"

جلال اسے آرام کرنے کی تاکید کر کے چلا گیا۔ ماوی بے زار ہو کر بیڈ پر گر گئی۔

"اتنا معصوم اور سیدھا انسان ہے یہ۔۔۔ اور میں اس کے ساتھ کیا کر رہی ہوں۔" اس کا ضمیر اسے مستقل کچوکے لگا رہا تھا۔

(باقی آئندہ ماہ ان شاء اللہ)

دوسرا چہرہ

راشدہ رفعت

میں آج کی تقریب میں آکر شدید کوفت کا شکار تھی۔ نہ کوئی جان پہچان والا بندہ نظر آرہا تھا اور نہ ہی کوئی شناسا صورت مگر کوئی شناسا ملتا بھی تو کیسے ...بالکل اجنبیوں کی محفل میں شریک تھی۔

دراصل دولہن کے بھائی ارسلان صاحب اور میرے میاں احمد' آفس کولیگز تھے اور تھوڑے دنوں پہلے میری منجھلی نند کی شادی میں ارسلان صاحب شریک بھی ہوئے تھے اور "لفافہ" بھی دے کر گئے تھے۔

میری ساس پرانے خیالات کی مالک تھیں۔ شادی بیاہ پر دیے گئے تحائف اور روپوں کو محض "چڑھاوا" سمجھنے والی اور موقع ملنے پر یہ چڑھاوا ترنت اتار دینے والی' سو جب ارسلان صاحب کی بہن کی شادی کا کارڈ موصول ہوا تو ساس صاحبہ نے حکم جاری کر دیا۔

"بہو! تم بھی احمد کے ساتھ شادی میں شرکت کرو اور تحفہ بھی دینا ہے۔" سو حکم حاکم مرگ مفاجات کے تحت احمد کے ساتھ مجھے بھی شادی میں جانا پڑا۔

دو' تین عورتوں سے پوچھ کر دولہن کی والدہ کا سراغ لگایا۔ ان کے پاس جا کر احمد کے حوالے سے اپنا تعارف کروایا۔ سو بے چاری بیٹی کی رخصتی کی وجہ سے اتنی حواس باختہ لگ رہی تھیں کہ غور سے ہماری بات سنی بھی نہیں۔ بہر طور ہم گفٹ پیک انہیں تھما کر ایک نشست سنبھال کر بیٹھ گئے۔ یہ تسلی تھی کہ تقریب کے اختتام پر جب تحائف کھلیں گے تو گفٹ پیک پر جلی حروف میں "احمد" کا نام لکھا دیکھ کر ہماری موجودگی کنفرم ہو جائے گی' سو یہی سوچ کر تعارف میں مزید وقت ضائع نہیں کیا تھا۔

اطمینان سے بیٹھ کر میں گردوپیش کا جائزہ لینے لگی تھی۔ وہی روایتی سی ہلچل مچی ہوئی تھی جو کسی بھی شادی والے گھر (سوری! جو کسی بھی شادی ہال) کا خاصہ ہوتی ہے۔ گھروں میں تو شادیوں کے زمانے ہی لد گئے بھئی۔

میری ٹیبل پر چند خواتین پہلے سے براجمان تھیں۔ انجان صورتیں تھیں سو رسمی مسکراہٹ کے ساتھ سلام دعا کرنے پر اکتفا کیا۔ ایک بھلی مانس خاتون نے تو چند منٹوں تک مجھے کمپنی دینے کی کوشش بھی کی لیکن چونکہ ٹیبل پر موجود باقی خواتین آپس میں رشتہ دار تھیں' سو مجھ سے گفتگو کرنے کی صورت میں اسے "فیملی گوسپ" سے محروم ہونا پڑتا سو چند لمحوں بعد اس نے بھی گردن دوبارہ اپنی رشتہ دار خواتین کی طرف موڑلی تھی۔

میں نے ان کی گفتگو کی طرف دھیان لگانے کی کوشش کی لیکن مجھے ان کی فیملی پالیٹکس سے کیا دلچسپی ہو سکتی تھی۔ فلاں کی بہو زبان دراز ہے۔ بڑی ممانی کی منجھلی صاحبزادی کا کسی سے چکر چل رہا ہے۔ پھوپھو بیگم اپنے خوبرو بیٹے کے لیے خاندان سے باہر کی لڑکیاں دیکھ رہی ہیں۔ ایسے ہی ڈھیروں موضوعات تھے اور مزے کی بات یہ تھی کہ کسی ایک موضوع پر ٹک کر گفتگو ہو ہی نہ پا رہی تھی۔ جیسے ذرا سی دیر میں ریموٹ سے چینل تبدیل کیے جاتے ہیں' ویسے ہی ان خواتین کی گفتگو کے موضوعات بدل رہے تھے ورنہ ہو سکتا ہے کہ اگر کسی ایک ہی موضوع پر بات ہوتی اور مجھے پورے سیاق و سباق کا پتا چلتا تو کسی حد تک مجھے بھی ان کی گفتگو میں دلچسپی پیدا ہو جاتی۔

فی الوقت تو میں دانتوں پر دانت جمائے جمائیاں روکنے کی کوشش میں مصروف تھی۔ ابھی تو بارات بھی نہیں پہنچی تھی۔ شہر کے شہر میں شادی تھی' پھر بھی اتنی تاخیر سمجھ سے باہر تھی۔

اللہ اللہ کر کے بارات کی آمد کا غلغلہ اٹھا تھا۔ دولہن والوں کے عزیز رشتہ دار بھی کچھ الرٹ ہو بیٹھے۔ کچھ

قریبی عزیز بارات کے استقبال کو اٹھے۔ باقی مشتاق اور متجسس نگاہوں سے بارات میں شامل خواتین کی پنڈال میں آمد کا نظارہ کرنے لگے۔

خواتین کی باتوں سے یہ تو اندازہ ہو ہی گیا تھا کہ دولہن غیروں میں جا رہی ہے سو سب ہی فطری اشتیاق لیے دولہا کے رشتہ داروں کو دیکھ رہے تھے۔ لڑکیاں بالیاں ہنستے مسکراتے باراتی خواتین پر پھولوں کی پتیاں نچھاور کر رہی تھیں۔ بلکہ کچھ شوخ لڑکیاں تو گیلی پتیوں سے ایسے تاک تاک کر نشانے لے رہی تھیں جیسے ان کے میک اپ خراب کرنے کا ارادہ ہو۔ باراتی خواتین بھی یہ سب انجوائے کرتی' چہروں کے آگے ہاتھ کرتے ہوئے ہنستے ہوئے آگے بڑھ رہی تھیں۔ اتنے میں ایک ناخوش گوار صورت حال رونما ہو گئی۔ لڑکیوں کی اس بے ضرر سی شرارت پر دولہا کی کسی قریبی رشتہ دار کو غصہ آگیا تھا۔

"آپ لوگوں کو کسی نے مہمانوں کے استقبال کی تمیز نہیں سکھائی؟"

پانی میں تربتر پنکھڑیاں اس کے چہرے پر کیا پڑیں کہ اس کا پارہ ہائی ہو گیا۔

"ہم تو مہمانوں کا استقبال ایسے ہی کرتے ہیں۔" سامنے بھی خاندان کی سب سے منہ پھٹ لڑکی کھڑی تھی۔ اس نے بنا کسی لحاظ کے جواب دے دیا۔

خاتون کے چہرے کی تمتماہٹ دیکھنے کے لائق تھی۔ اس نے لڑکی کو بے نقط سنا دی تھیں۔ ذرا سی دیر میں ماحول میں عجیب سی گرما گرمی سی پیدا ہو گئی تھی۔ اتنے میں دولہن کی خالہ صورت حال سنبھالنے آگے بڑھیں۔

"معاف کیجیے گا بہن! بچی ہے' ناسمجھ ہے ابھی۔" انہوں نے لجاجت سے خاتون کو مخاطب کیا۔

"پہلے ہی بتا دیجیے' جس بچی کو ہم بیاہنے آئے ہیں' وہ بھی ایسی ہی ناسمجھ تو نہیں۔" وہ خاتون ماش کی دال کی طرح اینٹھے جا رہی تھیں۔ دولہن کی خالہ بہت عاجزی' انکساری سے انہیں منانے میں لگی ہوئی تھیں۔ بہت مشکلوں سے وہ رام ہوئی تھیں۔ دولہن کی خالہ نے سکون کا سانس لیا لیکن وہ خاتون آگے بڑھیں تو لڑکیاں خالہ پر چڑھ دوڑی تھیں۔

"کیا ضرورت تھی خالہ ان کے اتنے نیچے لگنے کی؟ ایویں اتنا غصہ کر رہی تھیں۔ آپ کو چاہیے تھا' دو چار آپ بھی سناتیں انہیں۔" لڑکیوں سے خالہ کا لجاجت بھرا انداز ہضم نہیں ہو رہا تھا۔

"اچھا بس' اب یہ جھگڑا ختم کرو۔ اتنی مشکلوں سے بات سنبھالی ہے۔ تم لوگوں کو صورت حال کی نزاکت کا احساس ہی نہیں۔" وہ لڑکیوں کو منتشر ہونے کی ہدایت کرتی آگے بڑھ گئی تھیں' لیکن لڑکیاں پھر بھی خاصی دیر وہیں کھڑی بڑبڑ کرتی رہی تھیں۔

"پاگل ہیں یہ لڑکیاں۔ بھئی دولہا والے ہیں۔ ہر طرح کا نخرا کرنے کا حق رکھتے ہیں۔ لڑکی والوں کا کام صرف ناز برداری ہی تو ہے۔" میرے ساتھ بیٹھی خاتون نے تاسف آمیز انداز میں تبصرہ کیا۔ بہر حال افسوس تو مجھے بھی تھا۔ گھر آکر میں نے احمد سے بھی اس واقعے کا تذکرہ کیا تھا۔

"عجیب نک چڑھے سے باراتی تھے۔ آپ کے دوست کی بہن تو پھنس گئی بے چاری۔" مجھے واقعی لڑکی پر ترس آرہا تھا۔

"ارے چھوڑو یار! لڑکی اگر سمجھ دار ہوئی تو جانے کے ساتھ ہی میاں کو مٹھی میں کرلے گی اور میاں کا ساتھ ہو تو ہر طرح کے تیز طرار سسرالی رشتہ داروں سے نمٹا جاسکتا ہے۔" احمد نے مجھے چھیڑا تھا۔

"سو تو ہے۔" میں بھی کھلکھلا کر ہنس پڑی تھی۔

اور دو چار مہینے بعد کی بات تھی۔ مجھے ایک اور تقریب میں شرکت کرنی پڑ گئی۔ اس بار شادی پڑوس میں ہو رہی تھی۔ ہمارے گھر سے چار گھر چھوڑ کر شہناز کا گھر تھا۔ چار پانچ بھائیوں کی اکلوتی بہن تھی۔ خاصے دھوم دھڑکے سے شادی کے فنکشن جاری تھے۔ مایوں مہندی کی رسموں میں تو میری ساس بھی میرے ساتھ شریک تھیں، لیکن شادی والے دن انہیں زبردست قسم کا فلو ہو گیا۔ "لفافہ" پہنچانے کی ذمہ داری اس بار بھی میرے ناتواں کندھوں پر آن پڑی۔

خیر! اس تقریب میں آکر مجھے خوب مزا آیا۔ کالونی کی سب خواتین مدتوں بعد اس تقریب کے بہانے اکٹھی ہوئی تھیں۔ ان سے گپ شپ میں مزے سے وقت گزر رہا تھا۔ بارات پنڈال میں پہنچے کافی دیر ہو چکی تھی۔ اسٹیج پر رسمیں جاری تھیں۔ سانولی سلونی سی شہناز پر خوب روپ چڑھا تھا۔ اب اللہ جانے یہ قدرتی روپ تھا یا بیوٹی پارلر کے میک اپ کا کرشمہ تھا، ہر حال گورے چٹے دولہا (دولہا کے گورے رنگ کے بھی قدرتی ہونے میں شبہ تھا) کے پہلو میں بیٹھی، وہ خوب جچ رہی تھی۔ فوٹو سیشن جاری تھا کہ اچانک اسٹیج پر بدمزگی پیدا ہو گئی۔

"کب سے آپ لوگ ہی بیٹھ بیٹھ کر تصویریں کھنچوا رہے ہیں۔ ہمارے بچے کھڑے منہ دیکھ رہے ہیں، اب کچھ ہمیں بھی موقع دیجیے۔" دولہا کی چچی نے دلہن والوں سے شکوہ کیا۔

"بہن! آج کا فنکشن تو ہمارا ہے، ولیمہ پر اپنے ارمان جی بھر کر پورے کر لیجیے گا۔"

شہناز کی مامی نے تو ہنس کر ہی کہا تھا لیکن دولہا کی چچی جواب سنتے ہی بھڑک اٹھی تھیں۔ تن فن کرتی اسٹیج سے اتری تھیں۔ ان کے پیچھے انہیں منانے کو شہناز کی والدہ اور بھابھی لپکی تھیں۔ ذرا سی بات تھی لیکن بدمزگی تھی کہ بڑھتی جا رہی تھی۔ دولہا کی چچی کے مزاج ہی نہ مل رہے تھے، شہناز کے گھر والے انہیں منانے کی بھرپور کوشش کر رہے تھے۔

ہماری ٹیبل چونکہ اسٹیج کے قریب تھی، سو ساری صورت حال کا لائیو نظارہ کر رہے تھے۔ جانے کیوں دولہا کی چچی کی شکل مجھے شناسا سی لگ رہی تھی۔ کتنی دیر تک میں ذہن پر زور ڈالتی رہی۔

پھر جب دلہن والوں کی معافی تلافی کے بعد معاملہ سلجھ گیا، تب جا کر میرے ذہن میں جھماکا سا ہوا۔ یہ تو ارسلان صاحب کی خالہ تھیں، وہی خالہ جو چند ماہ پہلے انتہائی لجاجت سے اپنی بھانجی کے سسرال والوں کو رام کرنے کی کوشش میں مصروف تھیں۔ آج نہ صرف ان کا حلیہ بدلا ہوا تھا بلکہ پوری کی پوری باڈی لینگویج ہی بدلی ہوئی تھی۔

چمکیلا بھڑکیلا سوٹ، فل میک اپ اور مزاج کا طنطنہ۔ خدا کی پناہ، میرا تو جی چاہا کہ ان کے پاس جا کر انہیں وہ تقریب یاد دلاؤں جب وہ دولہا والوں کے سامنے، منت کر رہی تھیں، لیکن ظاہر ہے اس خواہش کو عملی جامہ نہ پہنا سکی۔ گھر جا کر حسب معمول احمد کو آج کی تقریب کی روداد سنائی تو انتہائی تاسف سے یہ واقعہ بھی دوہرا لیا۔ وہ ہنس پڑے۔

"ہوتا ہے یار! اس میں اتنی حیرانی اور افسوس کی کیا بات ہے؟"

"نہیں احمد! مجھے تو زندگی میں پہلی بار ایک ہی انسان کے دو اتنے متضاد روپ دیکھنے کا اتفاق ہوا ہے۔" میں نے صاف گوئی سے کہا تھا۔

"ہو سکتا ہے یہ تمہارا پہلا اتفاق ہو لیکن غور کریں تو اپنے آس پاس ایسی بیسیوں مثالیں ملیں گی۔ ایک خاص وقت میں ہمارا طرز عمل کچھ اور ہوتا ہے اور کسی

دوسرے وقت میں اس سے بالکل الٹ۔ بس یوں سمجھ لو کہ اپنے سے زور آور کے سامنے ہم خود بخود پسپائی اختیار کر لیتے ہیں اور ایسے ہی کسی موقع پر کمزور مدمقابل ہو تو اس پر چڑھ دوڑتے ہیں۔ میری جان! ہم میں سے کوئی ایسا نہیں جس کے دو چہرے نہ ہوں۔"

احمد نے رسانیت سے مجھے سمجھایا تھا۔ اس وقت تو میں نے مزید بحث سے گریز کیا تھا کہ گھڑی کی سوئیاں کہہ رہی تھیں کہ اب سونے میں مزید تاخیر کی گئی تو صبح دیر سے آنکھ کھلنے کی صورت میں ساسوماں کی تیوریاں چڑھی ملیں گی سو جلدی سے شب خوابی کا لباس اٹھا کر واش روم کا رخ کیا۔ شاور لیے بغیر مجھے نیند ہی نہ آتی تھی۔

☼ ☼ ☼

"احمد پلیز! میرا فیورٹ ڈرامہ آنے والا ہے۔ ریموٹ مجھے دے دیں۔" بیڈ روم میں میرا اور احمد کا زیادہ جھگڑا ریموٹ پر کنٹرول حاصل کرنے کے لیے ہی ہوتا تھا ورنہ اگر لاؤنج میں ٹی وی دیکھ رہے ہوتے تو وہاں میری ساس کی بلاشرکت غیرے حکمرانی ہوتی۔ ریموٹ ان کے ہاتھ میں ہوتا۔ ایک منٹ میں زبیدہ آپا کے ٹوٹکے دیکھ رہی ہوتیں تو اگلے منٹ چھلانگ لگا کر "اسٹار پریوار" میں جھانک آتیں۔ دو منٹ بعد کیوٹی وی اور چار منٹ بعد کوئی بھی پاکستانی ڈرامہ۔ غرض ایک گھنٹے میں بارہ مسالوں کی چاٹ کھانے، سوری دیکھنے کے بعد میں اٹھ کر کچن کی راہ لیتی کہ رات کا کھانا ہمارے ہاں جلد کھا لیا جاتا تھا۔ کھانے کے بعد برتن وغیرہ سمیٹ کر میں اپنی اور احمد کی چائے لے کر اپنے بیڈ روم میں آجاتی۔ یہاں میری حکمرانی قائم تھی۔ ہاں، کبھی کبھار احمد بھی ضد پکڑ لیتے جیسا کہ آج ہو رہا تھا۔ کوئی ٹاک شو آرہا تھا جس میں حسب معمول سیاست دانوں کے مابین گرما گرم بحث چھڑی ہوئی تھی۔ کچھ دیر ریموٹ پر کنٹرول حاصل کرنے کی ناکام کوشش کے بعد میں ان کے ساتھ وہ ہی پروگرام دیکھنے لگی کہ سیاست میں تھوڑی بہت دلچسپی تو میں بھی رکھتی تھی۔ اینکر پرسن ایک ―― وزیر سے کسی معاملے پر استفسار کر رہا تھا اور وہ بلاوجہ اس پر اور ساتھ بیٹھے اپوزیشن رکن پر چڑھ دوڑ رہا تھا۔

"توبہ ہے احمد! یہ بندہ پچھلے دور حکومت میں اسی پروگرام میں آتا تھا تو کیسے اس اینکر پرسن سے ہنس ہنس کر باتیں کر رہا ہوتا تھا۔ آج تو اس کی ٹون ہی مختلف ہے۔" مجھے حیرت ہو رہی تھی۔

"ہاں! جب یہ اپوزیشن میں تھا نا۔ اب ماشاء اللہ سے صاحب اختیار اور صاحب اقتدار ہے۔" احمد نے طنزاً کہا

"اس دن آپ ٹھیک کہہ رہے تھے۔ بہت سے لوگ دو چہرے رکھتے ہیں۔" مجھے ان کی کچھ دن پرانی بات یاد آگئی تو قائل ہوتے ہوئے بولی۔

"ہم غلط کب کہتے ہیں جناب!" احمد نے ہنس کر کہا۔ میں بھی مسکرا دی تھی۔

☼ ☼ ☼

احمد کا آفس کا کوئی مسئلہ الجھ گیا تھا۔ گھر آکر بھی دیر تک فائلوں میں سر کھپاتے رہتے۔ چھٹی والے دن بھی انہوں نے اپنے ماتحت کو کام کے لیے گھر بلوا لیا تھا۔ میں ڈرائنگ روم میں چائے دینے گئی تو احمد اس کی کسی غلطی پر بری طرح جھڑک رہے تھے۔ وہ بے چارہ منمنا کر "سوری سر، یس سر" کرتا رہا۔ اسی وقت احمد کے سیل فون پر ان کے باس کا فون آگیا۔ وہ بھی شاید کوئی فائل ہی کھولے بیٹھا تھا۔ اب "یس سر، سوری سر" کہنے کی باری احمد کی تھی۔ مجھے زوروں کی ہنسی آگئی۔ چائے کی ٹرے پکڑانے کے لیے دروازے پر ہلکی سی دستک دی۔ احمد باہر نکلے۔ چہرے پر باس کی تازہ سی جھاڑ کے اثرات نمایاں تھے۔ مجھے چھیڑنے کی ہمت نہ ہوئی ورنہ ضرور کہتی کہ آج مجھے آپ کے بھی دو چہرے دیکھنے کو مل گئے۔

لوگوں کا اس انداز میں مشاہدہ ایک اچھا مشغلہ تھا جو میرے ہاتھ لگ گیا تھا۔ ٹی وی دیکھتی، جب بھی یہ ہی موازنہ کرتی رہتی۔ ہمارے ملک کے حکمران جب اپنے ملک میں ہوتے تو ان کی باڈی لینگویج ایسی ہوتی

جیسے وہ شہنشاہ وقت ہوں اور باقی سب رعایا اور وہی حکمران غیر ملکی دوروں پر جاتے یا کوئی طاقت ور غیر ملکی شخصیت ان سے ملنے آتی تو ان کے لبوں سے چپکی خوشامدی مسکراہٹ ہی جدا نہ ہوتی۔ ہر گزرتے دن کے ساتھ میں احمد کے فلسفے کی قائل ہوتی جا رہی تھی۔

☼ ☼ ☼

آج میں بہت دن بعد اپنے میکے گئی تھی۔ امی میری آمد پر خوش بھی تھیں اور خفا بھی۔ کل شام میں نے انہیں فون کر کے کہا تھا کہ میں صبح صبح ان کے ہاں پہنچ جاؤں گی لیکن وہاں جاتے جاتے شام ہی ہو گئی تھی۔ گلے لگاتے ہی انہوں نے اتنی دیر سے آنے پر شکوہ کر ڈالا تھا۔

"پتا ہے نا بوڑھی ماں انتظار کرتے کرتے سوکھ جاتی ہے، پھر بھی جلدی نہیں آسکیں۔"

"سوری امی! دراصل صبح ناعمہ آگئی تھی۔ چھٹی کا دن تھا۔ اس کے میاں کا آف تھا۔ بہت دن بعد اس کا آنا ہوا تھا پھر اماں نے کہا کہ نند، نندوئی اتنے دن بعد آئے ہیں۔ کیا کہیں گے کہ بھاوج دو گھڑی بھی ان کے پاس نہ بیٹھ سکی۔ اپنے گھر شام کو چلی جانا۔" میں نے چپکے سے جو حقیقت تھی انہیں بتا ڈالی۔

"بہت خوب ہیں تمہاری ساس۔ اپنی بیٹی کا تو بڑا خیال ہے اور ہم اپنی بیٹی سے ملنے کو ترستے رہیں۔" امی خفگی سے بولیں۔

"اچھا! خفگی چھوڑیں۔ احمد کہہ رہے تھے کہ رات یہیں رک جانا۔ کل آفس سے واپسی پر مجھے لیتے جائیں گے۔" میں نے انہیں منایا۔ حسب توقع وہ خوش ہو گئی تھیں۔

احمد رات کا کھانا کھا کر واپس چلے گئے۔ میں امی کے بیڈ روم میں بیٹھ کر گزرے دنوں کا حال احوال سنانے لگی۔ ردا بھابھی چائے دینے آئیں تو میں نے انہیں بھی محفل میں شمولیت کی دعوت دی۔

"بیٹھیں نا بھابھی! ابھی تک آپ کے کام نمٹے نہیں۔ کچن چھوڑ دیں۔ میں سمیٹ لوں گی۔" میں نے فراخ دلی سے آفر کی۔

"نہیں! کچن تو سمٹ گیا۔ بس اب جا کر سو رہی ہوں۔ سر بھاری بھاری ہو رہا ہے۔" وہ آہستہ سے کہتے ہوئے پلٹ گئی تھیں۔

"خیریت یہ ردا بھابھی کو کیا ہوا؟ بجھی بجھی سی لگ رہی تھیں۔" میں نے حیرت سے امی سے استفسار کیا ردا بھابھی خاصی خوش مزاج خاتون تھیں، اس لیے ان کا بدلا بدلا سا انداز مجھے ہضم نہ ہوا تھا۔

"ہونا کیا ہے۔ میکے جانے کی رٹ لگائی ہوئی تھی۔ میکہ بھی تو شہر کے آخری کونے پر ہے۔ پورے دو گھنٹے وہاں پہنچنے کے لیے چاہیے ہوتے ہیں۔ اظہار بے چارے کی ہفتہ دس دن میں ایک چھٹی ہوتی ہے۔ بچہ اتنے دن کی تھکن اتارے یا بیوی کی خوشی کی خاطر مزید تھکن چڑھا لے۔ اس نے کہہ دیا کہ آج ڈرائیونگ کا موڈ نہیں۔ بہو بیگم نے میری حمایت چاہی لیکن میں اظہار کو کاہے کو مجبور کرتی، پھر تم نے بھی آنا تھا۔ اتنے دنوں بعد بھائی سے ملاقات نہ ہو پاتی تو کتنا جی دکھتا تمہارا اور پھر سچ کہوں تو ہم نے تو گھر کے سیاہ، سفید کا مالک ردا کو ہی بنا رکھا ہے۔ میں تو کچن میں جاؤں تو پتا نہیں چلتا کہ کس ڈبے میں دال ہے تو کس میں چینی۔ وہی مختار کل ہے۔ احمد نے آنا تھا اتنے پر تکلف کھانے کا اہتمام اکیلی میری جان سے کب ممکن تھا۔" امی نے رسانیت سے کہا۔

"صحیح کہہ رہی ہیں امی! اور پھر بے چارے اظہار بھائی کیوں اتنی مشقت برداشت کریں جیسے ہم جانتے نہیں کہ لانگ ڈرائیو سے ان کی کتنی جان جاتی ہے۔ بھابھی کا گھر والوں سے ملنے کو جی کر رہا تھا تو اپنے کسی بھائی کو بلا لیتیں۔ ماشاء اللہ چھوٹے بڑے ملا کر کل پانچ بھائی ہیں ان کے اور گھر میں گاڑی بھی ہے اور بائیک بھی۔" میں نے امی کے موقف کی تائید کی۔

"اور نہیں تو کیا۔" امی نے سر ہلاتے ہوئے ٹرے میں سے چائے کا کپ اٹھا لیا۔ میں اپنا کپ اٹھا کر گھونٹ بھرنے لگی اور گفتگو کا سلسلہ وہیں سے جڑ گیا، جہاں ردا بھابھی کے آنے سے ٹوٹا تھا۔

کچھ کہنے کا وقت نہیں یہ۔ کچھ نہ کہو، خاموش رہو
اے لوگو خاموش رہو۔ ہاں اے لوگو، خاموش رہو

سچ اچھا، پر اس کے جلو میں، زہر کا ہے اک پیالہ بھی
پاگل ہو؟ کیوں ناحق کو سقراط بنو، خاموش رہو

حق اچھا۔ پر اس کے لیے کوئی اور مرے تو اور اچھا
تم بھی کوئی منصور ہو جو سولی پہ چڑھو؟ خاموش رہو

اُن کا یہ کہنا سورج ہی دھرتی کے پھیرے کرتا ہے
سر آنکھوں پر، سورج ہی کو گھومنے دو۔ خاموش رہو

مجلس میں کچھ حبس ہے اور زنجیر کا آہن چبھتا ہے
پھر سوچو، ہاں پھر سوچو، ہاں پھر سوچو، خاموش رہو

گرم آنسو اور ٹھنڈی آہیں، من میں کیا کیا موسم ہیں
اس بگیا کے بھید نہ کھولو، سیر کرو، خاموش رہو

آنکھیں موند کنارے بیٹھو، من کے رکھو بند کواڑ
انشا جی لو دھاگا لو اور لب سی لو، خاموش رہو

ابن انشا

www.Paksociety.com

وہ جو حال تھا وہی حال ہے کہوں کس طرح نیا سال ہے
وہی زندگی کہ وبال ہے کہوں کس طرح نیا سال ہے

وہی بے یقینی ہے کُو بہ کُو! وہی نا امیدی ہے چار سُو
جو بھی ہے سراپا سوال ہے کہوں کس طرح نیا سال ہے

وہی دست و پا وہی چشم و لب جو گہن میں تھے وہ گہن میں ہیں
وہی حُسن جس پہ زوال ہے کہوں کس طرح نیا سال ہے

وہی انتشار سی زندگی ہے وہی غبار سی زندگی
وہی سانس لینا محال ہے کہوں کس طرح نیا سال ہے

وہی پھول پھول پہ تتلیاں ہیں ڈری ہوئی کہ مری ہوئی
وہی بے حسی جو کمال ہے کہوں کس طرح نیا سال ہے

وہی خواب ہیں کہ عذاب ہیں وہی روز و شب کے سراب ہیں
وہی گردشِ مہ و سال ہے کہوں کس طرح نیا سال ہے

حسن عباسی

جھوٹ اور حرص کی دُنیا سے پرے رہتے ہیں
چل مرے گاؤں جہاں لوگ کھرے رہتے ہیں

گاؤں کے وسط میں دو جڑواں گھنے برگد ہیں
جو ہمہ وقت پرندوں سے بھرے رہتے ہیں

یار ہم لوگ ہیں ہاری ہوئی منت کے چراغ
جو کہ محراب میں کونے پہ دھرے رہتے ہیں

یار منصور کہاں خاک اُڑانے چلے آئے
اس جگہ پر تو غزالوں کے پرے رہتے ہیں

جانے کس ہجر کی وحشت سے سند یافتہ ہیں
ہم تو زریون کی آنکھوں سے ڈرے رہتے ہیں

علی زریون

شگفتہ جاہ

پھولوں سے خوشبو آئے

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا،

حضرت عبداللہ بن سرجسؓ فرماتے ہیں کہ میں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ میں حضرت ابوذرؓ سے محبت کرتا ہوں۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "کیا تم نے ان کو یہ بات بتادی ہے؟"

میں نے کہا "نہیں۔"

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

"انہیں بتادو۔"

پھر جب میری حضرت ابوذرؓ سے ملاقات ہوئی تو میں نے کہا۔

"مجھے آپ سے اللہ کے لیے محبت ہے۔"

انہوں نے جواب میں مجھے دُعا دی۔ پھر میں نے واپس حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بتایا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

"اپنی محبت کے بتانے میں بھی اجر و ثواب ملتا ہے۔"
(طبرانی)

حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا فرمان،

جب جسم موت کے لیے ہے تو اللہ کی راہ میں شہید ہونا سب سے بہتر ہے۔"

بشریٰ باجوہ عطاریہ۔ اوکاڑہ

حُسنِ اخلاق،

کسی نے ایک بزرگ سے پوچھا۔ "انسان میں کتنے عیب ہوتے ہیں؟"

جواب ملا۔ "بے شمار لیکن ایک خوبی سب پر پردہ ڈال دیتی ہے اور وہ ہے حُسنِ اخلاق۔"

ثمرہ، اقرا۔ [illegible]

دس محرم الحرام،

- دس محرم الحرام کو چاند، ستارے، زمین اور آسمان، جنت اور دوزخ بنائے گئے۔
- اسی دن فرعون غرقِ نیل ہوا۔
- اسی دن حضرت یوسفؑ کنویں سے باہر آئے۔
- اسی دن زمین پر پہلی بارش ہوئی۔
- اسی دن حضرت یعقوبؑ کی بینائی لوٹائی گئی۔
- اسی دن حضرت یونسؑ مچھلی کے پیٹ سے باہر آئے۔
- اسی دن حضرت ابراہیمؑ اور حضرت علیؓ پیدا ہوئے۔
- اسی دن حضرت امام حسینؓ نے کربلا میں شہادت پائی۔
- اسی دن قیامت آئے گی اور یہ دن بہت برکتوں والا ہے۔

صالحہ۔ اقصیٰ۔ میر پور آزاد کشمیر

قابلِ غور،

ایک مرتبہ ایک عورت ایک نفسیاتی معالج کے پاس گئی اور شوہر سے روز جھگڑے کی شکایت کرنے لگی۔

"ڈاکٹر صاحب ہم دونوں ہر وقت لڑتے رہتے ہیں، بات بات پر شوہر غصہ کرنے لگتا ہے اور پھر مجھے بھی غصہ آجاتا ہے۔"

اس پر اس ڈاکٹر نے کہا۔ "اس کا علاج نہایت آسان ہے۔ تم شیر کی گردن کے تین بال لے آؤ۔"

عورت ہمت کر کے چڑیا گھر گئی اور شیر کے لیے کچھ گوشت لے گئی، جسے شیر نے کھا لیا۔ عورت کا ڈر کچھ کم ہوا اور وہ روزانہ شیر کے لیے گوشت لے جانے لگی۔

www.Paksociety.com

پہلے وہ گوشت دور سے پھینکتی تھی پھر نزدیک سے پھینکنے لگی۔ یہاں تک کہ جب وہ گوشت کھانے لگتا تو پنجرے میں ہاتھ ڈال کر اس کی گردن پر پیار کرنے کی کوشش کرتی۔

جب شیر اس سے کافی مانوس ہو گیا تو اس کے گردن پر ہاتھ پھیرتے ہوئے تین بال کھینچ لیے اور معالج کے پاس لے آئی۔ اس پر اس نے کہا۔

"یہ کتنے افسوس کی بات ہے کہ تم اپنے رویے اور نرم دلی سے شیر کو تو مانوس کر سکتی ہو، جو وحشی ہے مگر ایک مرد اور وہ بھی تمہارا شوہر تم سے مانوس نہیں ہوتا۔"

مسرت الطاف احمد۔ کراچی

اقوال زریں

- صرف بددعائیں ہی خوشیوں کے راستے بند نہیں کرتیں بعض اوقات صبر بھی سکھ کی راہ کی دھول بن جایا کرتا ہے۔
- آنکھوں دیکھا جھوٹ نہیں ہوتا مگر کبھی کبھار مفہوم وہ نہیں ہوتا جو ہماری عقل سمجھتی ہے۔
- جو چیزیں پراسرار ہوتی ہیں، وہ پرکشش بھی ہوتی ہیں۔
- ہر عمل کے اندر اس کا انجام یوں چھپا ہوتا ہے جیسے بیج کے اندر درخت۔
- خاموش انسان خاموش پانی کی طرح گہرے ہوتے ہیں اور خاموشی خود ایک راز ہے۔

مہوش ڈوگر۔ گوجرانوالہ

خوشبو جیسی باتیں

- شک و شبہ اور تذبذب کی گنجائش جہالت کی تاریکی میں ہوتی ہے اور جہاں علم کی روشنی نمودار ہوتی ہے وہاں ہر چیز جیسی ہو ویسی نظر آجاتی ہے۔
- رشتے اپنائیت کے ہوں یا خلوص کے، اتنے ہی نازک ہوتے ہیں جتنے آبگینے۔ ذرا سی ٹھیس لگی تو ٹوٹ گئے۔ بدگمانی نے سر اٹھایا تو چکنا چور ہو گئے پھر ان پر کیسا فخر، کیسا مان؟
- زخم ہمیشہ اس سے ٹھیک ہوتے ہیں جو انہیں عنایت کرتا ہے اور کبھی کبھی تو یہ اس کے بس کی بھی بات نہیں رہتی۔
- جتنا کسی کا ساتھ پرانا ہو، اتنا ہی اس کی بے وفائی کے لیے تیار رہنا چاہیے کیونکہ تبدیلی کائنات کا خمیر ہے۔
- جب جب اعتبار کا بوجھ بڑھتا ہے تبھی انسانوں کی اصل اوقات کا پتا چلتا ہے کہ وہ کتنا اعتبار سہہ سکتے ہیں۔

آمنہ اقبال۔ ڈہرکی

خاموشی

اگر ہم زبان کی پھیلائی ہوئی مصیبتوں کا جائزہ لیں تو معلوم ہوگا کہ خاموشی میں کتنی راحت ہے۔ زیادہ بولنے والا انسان مجبور ہو جاتا ہے کہ سچ اور جھوٹ کو ملا کر بولے۔ اس کے پاس اتنا وقت نہیں ہوتا کہ وہ سوچ سکے کہ کیا کہنا ہے اور کیا نہیں کہنا۔

(واصف علی واصف)

تحریم۔ گوجرہ

منہ پر تعریف

حضرت ابراہیم تیمی کے والد بیان کرتے ہیں کہ ہم لوگ حضرت عمر بن خطابؓ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے کہ اتنے میں ایک آدمی نے ان کے پاس آکر سلام کیا۔ لوگوں میں سے ایک آدمی نے اس کے منہ پر اس کی تعریف کرنا شروع کر دی۔

حضرت عمرؓ نے فرمایا۔ "تم نے تو اس آدمی کو ذبح کر ڈالا۔ اللہ تمہیں ذبح کرے تم اس کے منہ پر اس کے دین کے بارے میں اس کی تعریف کر رہے ہو۔"

مسلمان کی ضرورت پوری کرنا

حضرت ابن عباس فرماتے ہیں کہ میں ایک مہینہ یا ایک ہفتہ یا جتنا اللہ چاہے اس وقت تک مسلمانوں کے کسی ایک گھرانہ کی ضروریات زندگی پوری کروں یہ مجھے اس سے زیادہ محبوب ہے کہ میں حج پر حج کروں۔

صدقہ

حضرت طلحہؓ کی بیوی حضرت سعدیؓ فرماتی

ہیں کہ ایک دن حضرت طلحہؓ نے ایک لاکھ درہم صدقہ کیے پھر اس دن ان کو مسجد میں جانے سے صرف اس وجہ سے دیر ہو گئی کہ میں ان کے کپڑے کے دونوں کناروں کو ملا کر سیا۔

لاکھ درہم سب دوسروں کو دے دیے اپنے اوپر کچھ نہ لگایا۔

دل کو دل سے راہ

حضرت مجاہد کہتے ہیں کہ ایک آدمی حضرت ابن عباسؓ کے پاس سے گزرا تو حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا۔

"یہ آدمی مجھ سے محبت کرتا ہے۔"

لوگوں نے پوچھا۔ "اے ابو عباس آپ کو کیسے پتا چلا؟"

انہوں نے کہا۔ "اس لیے کہ میں اس سے محبت کرتا ہوں۔"

حسن یوسفؑ اور حسن مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم

حضرت عائشہؓ نے فرمایا کہ یوسفؑ کو دیکھ کر عورتوں نے ہاتھوں پر چھریاں چلائی تھیں، میرے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھتیں تو سینے پر چھریاں چلا لیتیں۔

حضرت جابرؓ فرماتے ہیں۔ چودھویں کا چاند چمک رہا تھا اور اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سرخ دھاری دار چادر پہنے ہوئے مسجد نبوی کے صحن میں بیٹھے تھے۔ ہم کبھی چاند کو دیکھتے، کبھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرے کو دیکھتے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرے کا جمال چودھویں رات کے چاند سے زیادہ تھا۔ سبحان اللہ۔

شازیہ ہاشم۔ قصور

تم جو چاہو تو سنو

- رشتے اور سودے میں بہت فرق ہے۔ رشتے قائم کیے جاتے ہیں اور سودے طے کیے جاتے ہیں۔
- کچھ رشتے ایسے ہوتے ہیں جنہیں نبھاتے ہوئے پل صراط پر سے گزرنے کا گمان ہوتا ہے۔
- کچھ تعلق انا سے ٹوٹ جاتے ہیں لیکن کچھ رشتوں کو قائم رکھنے کے لیے انا ضروری ہوتی ہے۔
- اپنے آپ سے زبردستی مت کریں ورنہ ٹوٹ جائیں گے۔
- زندگی ایک ایسی ٹرین ہے جو ہمیشہ ایسے اسٹیشن پر رکتی ہے جہاں آپ اترنا نہیں چاہتے۔
- بعض اوقات بھلائی کسی اور کے ساتھ کی جاتی ہے اور اس کی قدر کوئی اور کرتا ہے۔
- اگر آپ سب کچھ کھو چکے ہیں تو مایوس ہونے کی ضرورت نہیں کیونکہ جو سب کچھ کھو دیتا ہے اس کے پاس پانے کے لیے پوری دنیا ہوتی ہے۔

ڈاکٹر کومل ستار۔ جامشورو

قسمت

- قسمت وہ مارکیٹ ہے جہاں جدوجہد چیزوں کی قیمت بڑھاتی ہے اور کاہلی انہیں گھٹاتی ہے۔
- قسمت انسان اور جدوجہد کے درمیان ایک متحرک لنگر ہے۔
- قسمت ملکیت کے طور پر نہیں، آزمائش کے طور پر تمہارے پاس آتی ہے۔
- قسمت ہم سے وہی کچھ چھینتی ہے جو ہم کو دیتی ہے۔
- ہماری قسمت کا فیصلہ ہماری زبان کی نوک پر ہوتا ہے۔
- قسمت ہمارے معاملات کو ہماری تمناؤں سے بہتر طور پر چلاتی ہے۔

رقیہ اسماعیل۔ یزمان

تاکید

- ہمیشہ چھوٹی چھوٹی غلطیوں سے بچنے کی کوشش کریں کیونکہ انسان پہاڑوں سے نہیں بلکہ چھوٹے چھوٹے پتھروں سے ٹھوکر کھاتا ہے۔
- اپنی چھوٹی چھوٹی فضول خرچیوں سے بچیں کیونکہ ایک چھوٹا سا سوراخ بہت بڑے جہاز کو ڈبونے کی طاقت رکھتا ہے۔
- تو واقعی انسان خسارے میں ہے۔ جب

www.Paksociety.com

www.Paksociety.com

اللہ تعالیٰ اس کی بخشش کے لیے کوئی راستہ پیدا کرتا ہے تو وہ خود ہی اس راستے کو بند کر کے اللہ کی ناراضی کا سبب بنتا ہے۔

ثمینہ کوثر

قائداعظم محمد علی جناح ؒ

ممتاز مفتی اپنی کتاب "لام دین" میں لکھتے ہیں۔

قائداعظم کے کردار سے میں بے حد متاثر تھا۔ اس کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ ان کے بدترین دشمن بھی ان کے کردار کے معترف تھے۔ کبھی کسی کو جرأت نہ ہوتی تھی کہ قائد کے کردار پر حرف زنی کر سکے۔ قائد کی دنیا میں عزت کیوں نہ ہوتی۔ ان میں ہر وہ بات موجود تھی جس کا میں معترف تھا۔ جدید تعلیم سے آراستہ تھے۔ اصولوں کے پابند تھے۔ ہیراپھیری نہ خود کرتے اور نہ دوسروں کو کرنے دیتے۔ عقل و خرد کے قائل تھے۔ جذبات سے مغلوب نہ ہوتے تھے۔ مجھے ان سے صرف ایک شکایت تھی۔ سوچتا انہوں نے سیاست کو کیوں اپنا رکھا ہے۔ اگر ہیراپھیری کرنے کی صلاحیت موجود نہیں تو ہیراپھیری کے اکھاڑے میں کیوں آ گھسے ہیں؟ بڑے بڑے سیاسی اقدامات کا مجھے شعور نہ تھا۔ البتہ چھوٹی چھوٹی باتوں پر میں اکثر سوچتا تھا۔ مثلاً گاندھی جی اپنے آپ کو "مہاتما" کہلواتے تھے۔ اخباروں میں بھی ان کا نام مہاتما گاندھی چھپتا تھا لیکن قائداعظم انہیں ہمیشہ مسٹر گاندھی کہہ کر بلاتے تھے۔

بات سمجھ میں نہ آتی تھی کہ آخر قائد انہیں مہاتما کہہ کر بلانے سے کیوں گریز کرتے تھے؟

یہ نہیں کہ مجھے مہاتما کے مفہوم کا علم نہ تھا۔ میں اچھی طرح سے جانتا تھا کہ مہاتما کا مطلب عظیم انسان ہے لیکن اس حقیقت کا شعور نہ تھا کہ اگر آپ کسی کو بار بار عظیم انسان کہہ کر بلائیں تو انجانے میں آپ اس کو عظیم مان لیں گے تو پھر اس کی بات کو رد کرنا مشکل ہو جائے گا۔

پھر سلام کرنے کی تفصیل تھی۔ مہاتما گاندھی جب بھی قائد سے ملتے تو دونوں ہاتھ جوڑ کر ماتھے پر لے جاتے اور پھر جھک کر انہیں نمسکار کرتے۔ اس کے برعکس قائد رسمی اخلاق سے ٹوپی کو چھوتے اور ایک خشک اور کورا گڈ مارننگ کہہ کر نمسکار کا جواب دے دیتے۔

شاہدہ شبیر رانا۔ رحمان گڑھ

سقراط ؒ

- سقراط نے جو دنیا کا پہلا فلسفی شمار کیا جاتا ہے کوئی کتاب نہیں لکھی۔ کیونکہ وہ لکھنا جانتا ہی نہیں تھا۔
- سقراط انتہائی بدصورت تھا۔ اس کے شاگرد نے اس کی مثال ایک ایسے مجسمے سے دی تھی جو اوپر سے تو نہایت مضحکہ خیز ہوتا ہے لیکن اس کے اندر دیوتا کی تصویر ہوتی ہے۔
- سقراط کی ماں دایہ تھی اور وہ خود مجسمہ ساز تھا۔
- سقراط کبھی پیسہ کمانے کے بارے میں سنجیدہ نہ تھا کیونکہ اس کی بیوی ہر وقت لڑتی رہتی تھی۔
- سقراط کی قوت برداشت کمال کی تھی۔ شہر میں وہ واحد شخص تھا جو ننگے پیر برف پر گھومتا رہتا تھا۔
- سقراط نے نوجوانی میں میدان جنگ میں بہادری کا انعام حاصل کیا تھا۔

تحریم۔ گوجرہ

باتیں خلیل جبران کی ؒ

- سچائی دختر وجدان ہے۔ تجزیہ، تنقید اور مباحثہ انسانوں کو سچائی سے دور رکھتا ہے۔
- خواہش بھی ایک طرح کا مشغلہ ہے۔
- دانا اور بے وقوف کے درمیان گہوارہ مکڑی کے جالے سے زیادہ باریک اور نازک ہے۔
- جہنم کا خوف بجائے خود جہنم ہے جبکہ جنت کی خواہش بجائے خود جنت۔
- ہمیں یہ بھولنا نہیں چاہیے کہ غاروں میں رہنے والے ابھی تک موجود ہیں جبکہ غار ہمارے دل ہیں۔
- ہم چاہے موسموں کے ساتھ بدلتے رہیں لیکن موسم ہمیں نہیں بدل سکتے۔

حرا قریشی۔ بلال کالونی ملتان

www.Paksociety.com

شاعری سچ بولتی ہے

بانو ماہی قادری

ہم خوش ہوں یا افسردہ، شاعری ہماری ہر کیفیت کو خوبصورتی اور آسانی سے بیان کرنے میں بے حد معاون ثابت ہوتی ہے۔ اس میں شک نہیں کہ وہ بات جسے اگر عام زبان میں کہنا چاہیں تو بہت سے لفظ بولنے پڑیں مگر وہی بات جب شعر کی زبان میں کریں تو محض چند الفاظ میں بہت دلکش طریقے سے ہم اپنی بات کہہ سکتے ہیں۔

قارئین بہنو! معاف کیجیے گا کہ میرے پاس زیادہ تر شاعری ایسی ہے کہ مجھے شعراء کے نام معلوم نہیں۔ بس جہاں سے کچھ اچھا پڑھا یا سنا لکھ لیا۔

شاعری بھی رنگریز ہے
اپنے دل کے واہموں کو
اپنے دل کی حسرتوں کو
اپنے لفظوں میں پرو کر
اپنی آنکھوں میں بھگو کر
مسکرا دے۔

محبت کی فطرت کو ظاہر کرتی ہوئی امجد اسلام امجد کی یہ نظم جانے کہاں سے پڑھ کر ڈائری میں سجائی تھی یا ڈائری کو سجایا تھا اس سے۔

محبت کی طبیعت میں یہ کیسا بچپنا قدرت نے رکھا ہے
کہ یہ جتنی بھی پرانی، جتنی بھی مضبوط ہو جائے
اسے تائید تازہ کی ضرورت پھر بھی رہتی ہے
یقیں کی آخری حد تک دلوں میں لہلہاتی ہو
نگاہوں سے ٹپکتی ہو، لہو میں جگمگاتی ہو
ہزاروں طرح کے دلکش، حسیں ہالے بناتی ہو
اسے اظہار کے لفظوں کی حاجت پھر بھی رہتی ہے
محبت مانگتی ہے یوں گواہی اپنے ہونے کی
کہ جیسے طفل سادہ شام کو اک بیج بوئے
اور شب کو بارہا اٹھے
زمیں کو کھود کر دیکھے کہ پودا اب کہاں تک ہے
محبت کی طبیعت میں عجب تکرار کی خو ہے
کہ یہ اقرار کے لفظوں کو سننے سے نہیں تھکتی
بچھڑنے کی گھڑی ہو یا کوئی ملنے کی ساعت ہو
اسے بس ایک ہی دھن ہے

کہو مجھ سے محبت ہے
تمہیں مجھ سے محبت ہے
کہو مجھ سے محبت ہے

شاعری جو احساس کی پرچھائیوں میں تخیل کی تجسیم کرتی ہے اور انسانی تخیل کو اتنا طاقت ور بنا دیتی ہے گویا ہاتھ بڑھا کر چھو لو۔

میں کہیں گم ہوں تم کہیں گم ہو
پھر بھی ایسا لگتا ہے
ہر جگہ میں ہوں
ہر جگہ تم ہو

اعتبار ساجد کہ جن کی شاعری پہ بے اختیار ہی اعتبار کر لینے کو دل چاہتا ہے۔ جانے کیوں۔ میرے پسندیدہ شعراء میں سرفہرست ہیں۔

کبھی تو نے خود بھی سوچا کہ یہ پیاس ہے تو کیوں ہے
تجھے پا کے بھی میرا دل جو اداس ہے تو کیوں ہے

مجھے کیوں عزیز تر ہے یہ دھواں دھواں سا موسم
یہ ہوائے شام ہجر مجھے راس ہے تو کیوں ہے

www.Paksociety.com

www.Paksociety.com

تجھے کھو کے سوچتا ہوں میرے دامنِ طلب میں
کوئی خواب ہے تو کیوں ہے کوئی آس ہے تو کیوں ہے

کبھی پوچھ اس کے دل سے کہ یہ خوش مزاج شاعر
بہت اپنی شاعری میں جو اداس ہے تو کیوں ہے

ترا کس نے دل بجھایا میرے اعتبار ساجد
یہ چراغِ ہجر اب تک تیرے پاس ہے تو کیوں ہے

پروین شاکر کو جب بھی پڑھا یوں لگا یہی حقیقت ہے یا وہ لکھتی ہی حقیقت تھیں۔ سوچتی ہوں جو وہ مزید ہمارے درمیان رہ جاتیں تو ہمارے ادب میں اور کتنی حقیقتوں کا اضافہ ہوتا۔

ہ سبز مدھم روشنی میں سرخ آنچل کی دھنک
سرد کمرے میں مچلتی گرم سانسوں کی مہک

سلوٹیں ملبوس پر آنچل بھی کچھ ڈھلکا ہوا
بازوؤں کے سخت حلقے میں کوئی نازک بدن

گرمیٔ رخسار سے دہکی ہوئی ٹھنڈی ہوا
نرم زلفوں سے ملائم انگلیوں کی چھیڑ چھاڑ

سرخ ہونٹوں پر شرارت کے کسی لمحے کا عکس
ریشمیں باہنوں میں چوڑی کی کبھی مدھم کھنک

شرمگیں لہجوں میں دھیرے سے کبھی چاہت کی بات
دو دلوں کی دھڑکنوں میں گونجتی تھی اک صدا

کانپتے ہونٹوں پہ تھی اللہ سے صرف اک دعا
کاش یہ لمحے ٹھہر جائیں، ٹھہر جائیں ذرا

منور جمیل کہتے ہیں۔
ہ بند ہوتی کتابوں میں اڑتی تتلیاں ڈال دیں
کس نے رسموں کی آگ میں لڑکیاں ڈال دیں

خوف کیسا ہے کہ نام اس کا کہیں زیرِ لب بھی نہیں
جس نے ہاتھوں میں ترے ہرے کانچ کی چوڑیاں ڈال دیں

اب رسمِ تعارف ہو جائے۔ نام بانو اور "ماہی" تخلص رکھتے ہیں۔ پاکستان کے دل "لاہور" میں رہتے ہیں۔ اور تعلیم اتنی کہ علم اگر اسناد کا محتاج ہوتا تو آج بہت سے لوگ جاہل کہلاتے۔ آخر میں ناچیز کی ذاتی کاوش۔ بہت سی دعاؤں کے ساتھ آپ بہنوں کی آرا کی منتظر۔

ہ بے پردگی میں بھی ہوتا ہے کبھی پردہ نشیں
کبھی لاکھ پردوں میں چھپا ہو تو بھی نظر آتا ہے
ستاروں کے سفر پہ نکلو جب بھی ماہی دیکھنا
وہیں کہیں آس پاس میرا بھی گھر آتا ہے

www.Paksociety.com

خالدہ جیلانی

کھلتا کسی پہ کیوں مرے دل کا معاملہ

زوباریہ خالد ــــــــ لاہور
نیند آئے نہ آئے چراغوں کو بجھا دیا کرو وصی
رات بھر کسی کا جلنا ہم سے دیکھا نہیں جاتا

مسرت الطاف احمد ــــــــ کراچی
لوگ کیوں بس کے اجڑتے ہیں کبھی سوچا ہے
کس لیے جاں سے گزرتے ہیں کبھی سوچا ہے
جو نظر آتے ہیں آئینہ سی پوشاکوں میں
وہ بھی مٹی میں اترتے ہیں کبھی سوچا ہے

ثریا رشید ــــــــ بلدیہ ٹاؤن کراچی
چاہیں اس کی بھی تھیں کیا کیا لیکن
ہم بھی اک عمر گزارے ہوئے تھے

کومل عدنان ــــــــ کراچی
یہ پرندے، یہ شجر، یہ آدمی، یہ جانور
چاہتا ہوں مکمل زیست کی سچائیاں

فریال صلاح الدین ــــــــ کراچی
ہوا سے کتنے برس نامہ و پیام کے بعد
درخت اک اور گرا کیسے اہتمام کے بعد

نمرہ رزاق ــــــــ کراچی
چار لفظوں میں کیسے سمٹے گا
گردشِ دو جہاں کا قصہ ہے

الماس تنویر ــــــــ ہزارہ
میں نے اے دل تجھے سینے سے لگایا ہوا ہے
اور تو ہے کہ مری جان کو آیا ہوا ہے

زرتاشیہ شیرازی ــــــــ جڑانوالہ
شامل تو ہو گئے سبھی اک جلوس میں
لیکن کوئی کسی کو بھی پہچانتا نہ تھا
سب چل رہے تھے یوں تو بڑے اعتماد سے
لیکن کسی کے پاؤں تلے راستہ نہ تھا

سیدہ لوبا سجاد ــــــــ کہروڑ پکا
سر طور ہو سر حشر ہو، ہمیں انتظار قبول ہے
وہ کبھی ملے، وہ کہیں ملے، وہ کبھی سہی، وہ کہیں سہی
نہ ہو ان پہ جو مرا بس کہ یہ عاشقی ہے ہوس نہیں
میں ان ہی کا تھا، میں انہی کا ہوں، وہ میرے نہیں تو نہیں سہی

بینش نورین ــــــــ سرگودھا
کوئی حرفِ وفا نہ حرف سادہ
میں خاموشی کو سننا چاہتی ہوں
میں بچپن کے کسی لمحے میں رک کر
کوئی جگنو پکڑنا چاہتی ہوں

راشدہ گلناز ــــــــ لاہور
نہ یہ غم نیا، نہ ستم نیا، کہ تیری جفا کا گلہ کریں!!
یہ نظر تھی پہلے بھی مضطرب یہ کسک تو دل میں کبھی کی ہے

فاخرہ ریاض ــــــــ احمد پور شرقیہ
ہاں جان کے زیاں کی ہم کو بھی تشویش تو ہے پر کیا کیجیے
ہر راہ جو ادھر کو جاتی ہے مقتل سے گزر کر جاتی ہے

ایس عطاریہ ــــــــ بارہ قطعہ
تجھے محبت کرنا نہیں آتا
مجھے محبت کے سوا کچھ نہیں آتا
زندگی گزارنے کے دو ہی طریقے ہیں
اک مجھے نہیں آتا اک تجھے نہیں آتا

حمنہ جٹ ــــــــ عبدالحکیم
زندگی تو کب کی ہو گئی خاموش
دل تو بس عادتاً دھڑکتا ہے

مان جٹ ــــــــ عبدالحکیم
قبولیت کا ہے کون سا پل کسے خبر!
تو مذاق میں بھی بھول جانے کی بات مت کر

انعم، عنبر ___ فیصل آباد

حسابِ عمر کا اتنا سا گوشوارہ ہے
تمہیں نکال کے دیکھا تو سب خسارہ ہے

حرا شاہ ___ شجاع آباد

مجھ سے کہتا ہے کبھی دل میں ملال آتے ہیں
کیسے کیسے میرے دشمن کو سوال آتے ہیں
یہ جو ہم روتے ہیں چھپ کر کبھی تنہائی میں
رفتہ رفتہ تجھے آنکھوں سے نکال آتے ہیں

فائزہ، زینب مختیار ___ ملتان

آج پھر تیری یاد مانگی تھی
آج پھر وقت ہم کو ٹال گیا
تو دسمبر کی بات کرتا ہے
ہمارا تو سارا سال گیا

بشریٰ نوید باجوہ ___ اوکاڑہ

تیری مصروفیتیں جانتے ہیں
اپنے آنے کی خبر کیا کرتے
جب ستارے ہی نہیں مل پائے
لے کر ہم شمس و قمر کیا کرتے

یسریٰ ستار ___ مہران یونیورسٹی

نہیں سچا میں اپنے شعر کی طرح
مجھے اس پر پشیمانی بہت ہے

مریم، سائرہ منیر احمد ___ شرقپور شریف

پھولوں کی نمائش میں اگر وہ بھی ہوا
اک بار تو گلابوں کو بڑی آگ لگے گی

آمنہ، اُجالا ___ ڈہرکی

گیا وہ آفتاب ضوفشاں دامن میں کیا لے کر
وہی ظلم و ستم، جبر و قہر، مکر و ریا لے کر

رضوانہ شکیل راؤ ___ لودھراں

جس نے رکھا ہے مجھے اپنی نگہبانی میں
اب سنبھالے گا وہی بے سروسامانی میں
ایسا لگتا ہے کہ تو دیکھتا رہتا ہے مجھے
ایسا لگتا ہے کہ میں ہوں تیری نگرانی میں

شائستہ اکبر ___ ڈگری کالج گدو

نیا سفر ہے، نئی منزلیں، نئے حالات
نہ ڈھونڈ گزرے ہوئے کارواں کے نقش قدم

سحر خان ___ کوئٹہ

موجِ کوثر کی قسم، ہم تھے محبت کے ولی
خاک کے در پہ نہ جھکتے تو سمندر ہوتے

نوشین اقبال نوشی ___ گاؤں بدر مرجان

کچھ دھڑکتا تو ہے پہلو میں رہ رہ کر
اب خدا جانے تیری یاد ہے یا میرا دل

پارس بلوچ ___ ڈہرکی

بند دریچے، سونی گلیاں، ان دیکھے ان جانے لوگ
کس نگری میں آنکلے ہیں ساجد ہم دیوانے لوگ
ایک ہم ہی ناواقف ٹھہرے روپ نگر کی گلیوں سے
بھیس بدل کر ملنے والے سب جانے پہچانے لوگ

سمیعہ ___ اختر آباد

اک شخص میری زندگی میں ایسا بھی ہے محسن
وہ میری زندگی ہے لیکن میں اس کا ایک لمحہ بھی نہیں

کلثوم ___ اختر آباد

زندگی کی حقیقت نہ پوچھیے محسن
کچھ پُرخلوص لوگ تھے، برباد کر گئے

نمرہ، اقراء ___ کراچی

زندگی بھر کون کسی کا ساتھ دیتا ہے فراز
خشک پتوں کو تو درخت بھی گرا دیتے ہیں

شازیہ رانا ___ دیپالپور

علم و حکمت کا جنہیں شوق ہو وہ آئیں ادھر
فلسفہ عشق میں کچھ بھی نہیں حسرت کے سوا

آسیہ جاوید ___ علی پور چٹھہ

میری آنکھوں میں نئے خواب بسانے آئے
پھر سے جگنو میرے کمرے کو سجانے آئے
آؤ تعبیر کریں پیار کا اک تاج محل
اس سے پہلے کہ ہمیں ہجر رلانے آئے

تمثیلہ اصغر ___ گجرات

زندگی اب کے میرا نام نہ شامل کرنا
گر یہ طے ہے کہ یہی کھیل دوبارہ ہوگا

الماس تنویر ___ ہزارہ

ورق ورق پہ تیری عبادت، تیرا فسانہ، تیری حکایت
کتابِ ہستی جہاں سے کھولی تیری محبت کا باب نکلا

مسکرائیں

سائرہ غلام نبی

الیکٹرانک انجینئر

انٹرویو پینل کے ایک آفیسر نے سکھ امیدوار سے سوال کیا۔

"اچھا تو آپ الیکٹرانک انجینئر کی آسامی کے لیے تشریف لائے ہیں؟"

"جی سر!"

"اچھا تو یہ بتائیے کہ بجلی کی موٹر کیسے چلتی ہے؟"

"بہت آسان سوال ہے۔ جی ایسے..... گڑ گڑ گڑ..... گڑ گڑ گڑ۔" سکھ امیدوار نے اطمینان سے جواب دیا۔

ترنم دلشاد۔ جھنگ

شوق

کرکٹ کا ایک شوقین بہت پریشان نظر آرہا تھا۔

"کیا بات ہے؟" اس کے دوست نے پوچھا تو اس نے افسردگی سے کہا۔

"بیوی نے دھمکی دی ہے کہ اگر میں نے کرکٹ نہ چھوڑی تو وہ مجھے چھوڑ کر چلی جائے گی۔"

"اوہ! واقعی پریشانی کی بات ہے۔" دوست نے ہمدردی سے کہا۔

"ہاں! یقین کرو، میں اپنی بیوی کو بہت مس کروں گا۔" شوقین نے آزردگی سے جواب دیا۔

تبسم عابد۔ پاپوش نگر

تبلیغ

عیسائی مبلغ پہلی بار افریقا آئے۔ اس وقت افریقیوں کے پاس زمینیں تھیں اور مبلغوں کے پاس بائبل۔ انہوں نے افریقیوں کو مذہب کی تعلیم دی۔ افریقیوں نے آنکھ بند کر کے ان کی تعلیم پر عمل کیا اور جب افریقیوں کی آنکھ کھلی تو ان کے پاس بائبل تھی اور مبلغوں کے پاس زمینیں۔

مریم عادل۔ اورنگی ٹاؤن

تلاش

خبر ملی ہے کہ دو نشستوں والا ایک چھوٹا طیارہ مشرقی پنجاب کے ایک قبرستان میں گر کر تباہ ہو گیا۔ مقامی گاؤں کے سکھوں نے اب تک پانچ سو لاشیں برآمد کر لی ہیں۔ باقی لاشوں کی تلاش کے لیے کھدائی کا کام جاری ہے۔

فرحت شاکر۔ حیدر آباد

محبت و اپنائیت

راز مراد آبادی پان بہت کھاتے تھے اور گالیاں بھی خوب دیتے تھے۔ ان کے ہاں گالی دینے کا مطلب اپنائیت و محبت کا اظہار تھا۔ ایک دفعہ بیمار پڑ گئے۔ توصیف تبسم نے فون پر خیریت دریافت کی۔ ان کی بیگم نے جواب دیا۔

"جی ماشاء اللہ اب روبہ صحت ہیں۔ آج پان بھی کھایا ہے اور گالیاں بھی خوب بکی ہیں۔"

تعارف

ایک صاحب نے اپنے شوفر کو ڈانٹا۔ "کار کی پچھلی سیٹ پر ایک سنہرا بال کیسا نظر آرہا ہے، میری بیوی کے بال تو کالے ہیں، کون تھی وہ؟"

شوفر نے کانپتے ہوئے جواب دیا۔ "میں ابھی صفائی پیش کرتا ہوں جناب!"

"صفائی دینے کی کوئی ضرورت نہیں۔" صاحب بولے۔ "بس تعارف کروا دو۔"

نگہت عرفان۔ اورنگی

www.Paksociety.com

دو سال سے.....

گاؤں کے سرکاری اسکول کی چھت گر چکی تھی۔ دیواریں آدھی سے زیادہ ٹوٹی ہوئی تھیں۔ دروازے کھڑکیاں سب غائب تھیں۔ بچوں کے ساتھ آوارہ کتے بھی آکر کلاسوں میں بیٹھنے لگے تھے بلکہ لیٹنے لگے تھے۔ ایک روز ماسٹر عبدالکریم کلاس میں داخل ہوئے تو کتھئی رنگ کے ایک کتے کو دیکھ کر یکدم چلا اٹھے۔

"کم از کم اس بدبخت کو تو نکال دو۔ یہ دو سال سے یہی کلاس اٹینڈ کر رہا ہے۔"

سلمیٰ افضل۔ ملیر کینٹ

غلطی

ایک مزدور تنخواہ کا لفافہ لے کر کیشیئر کے پاس آیا اور بولا۔ "صاحب! اس میں پانچ روپے کم ہیں۔"

"پچھلی بار جب تمہارے لفافے میں پانچ روپے زیادہ چلے گئے تھے، تب تم کیوں میرے پاس نہیں آئے؟" کیشیئر نے پوچھا۔

"تب آپ نے پہلی بار غلطی کی تھی، جسے میں نے برداشت کر لیا مگر دوسری بار میں آپ کی غلطی برداشت نہیں کر سکتا۔" مزدور نے جوش سے کہا۔

فرزانہ اطہر۔ ناظم آباد

بدلہ

ایک ٹرین پٹڑی سے اتر کر قریبی کھیتوں میں گھس گئی۔ اسے دوبارہ پٹڑی پر لانے میں کافی دیر لگ گئی۔ اس واقعہ نے تمام مسافروں کو خوف زدہ کر دیا۔ اگلے اسٹیشن پر جب گاڑی رکی تو ناراض مسافروں نے ٹرین کے سکھ ڈرائیور کو گھیر لیا۔

"تم نے ایسا کیوں کیا؟"

"مجھے مجبوراً ایسا کرنا پڑا۔" ڈرائیور نے اطمینان سے جواب دیا۔ "ایک آدمی پٹڑی پر عین بیچ میں کھڑا تھا اور میرے مسلسل ہارن دینے کے باوجود ٹس سے مس نہیں ہو رہا تھا۔"

"ایسے بدبخت کو تو تمہیں کچل دینا چاہیے تھا۔ تم نے ایک شخص کو بچانے کے لیے اتنے مسافروں کی زندگی خطرے میں ڈال دی؟" لوگوں نے غصہ سے کہا۔

"تو وہی تو کر رہا تھا، مگر جیسے ہی ٹرین اس کے قریب پہنچی، وہ کھیتوں میں گھس گیا۔" سکھ ڈرائیور نے سادگی سے جواب دیا۔

عظمیٰ وسیم۔ بہار کالونی

ایک سے بڑھ کر ایک

ونسٹن چرچل کے بہت سے دشمن تھے۔ ایک دن ایک پبلک میٹنگ کے دوران ایک عورت نے کہا۔

"اگر تم میرے شوہر ہوتے تو میں تم کو زہر دے دیتی۔"

"یس میڈم!" وہ بولے۔ "اگر آپ میری بیوی ہوتیں تو میں خود زہر کھا لیتا۔"

ڈاکٹر کومل۔ جامشورو

از راہِ ہمدردی

ایک صاحب محلے کی کریانے کی دکان پر چیزوں کی قیمتوں کے سلسلے میں بحث و تکرار کر رہے تھے اور دکان بھی نئی ہی بنی تھی۔ ان کے دوست پاس ہی کھڑے تھے وہ بولے۔

"بھائی! سب دکانوں سے آپ سودا ادھار لیتے ہیں لیکن ادھار آپ نے آج تک چکایا نہیں..... تو پھر قیمتوں پر بحث کرنے کی کیا ضرورت ہے؟"

"اصل میں یہ دکان دار بہت اچھا آدمی ہے....." ان صاحب نے کہا۔ "میں چاہتا ہوں اس کا نقصان کم سے کم ہو، اس لیے چیزوں کی قیمتیں کم کرا رہا ہوں۔"

مسرت الطاف احمد۔ کراچی

قابلِ دید

ٹیلی ویژن کے لیے ایک ڈرامے کی ریکارڈنگ ہونے والی تھی۔ ایک نئی اداکارہ نے سوچا کہ یہ ڈراما بہت بڑے بجٹ پر تیار کیا جا رہا ہے، کیوں نہ میں بھی

www.Paksociety.com

قرآن شریف کی آیات کا احترام کیجیے

قرآن حکیم کی مقدس آیات اور احادیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم آپ کی دینی معلومات میں اضافے اور تبلیغ کے لیے شائع کی جاتی ہیں۔ ان کا احترام آپ پر فرض ہے۔ لہٰذا جن صفحات پر یہ آیات درج ہیں ان کو صحیح اسلامی طریقے کے مطابق بے حرمتی سے محفوظ رکھیں۔

پروڈیوسر سے مل کر اسی میں کام کروں۔ وہ پروڈیوسر سے ملی اور اپنی خواہش کا اظہار کیا۔ پروڈیوسر نے اسے کاسٹ کرنے سے انکار کر دیا۔ دراصل وہ اسے کاسٹ کرنے کے لیے رشوت کے طور پر پچاس ہزار روپے مانگ رہا تھا۔

اداکارہ نے ایک سیاست دان کی منت سماجت کی کہ اسے پچاس ہزار روپے دے دیے جائیں تو وہ بہت جلد لوٹا دے گی۔ سیاستدان نے پچاس ہزار روپے دے دیے۔ کچھ دنوں بعد وعدے کے مطابق اداکارہ نے سیاست دان کو ایک عجیب چیز پیش کی۔ سیاستدان حیرت سے بولا۔

"تم کو میرے پیسے دینے تھے مگر یہ تو "لوٹا" ہے؟"

اداکارہ اٹھلا کر بولی۔

"جناب! یہ "لوٹا" ہی ہے۔ میں نے کہا نہیں تھا کہ بہت جلد لوٹا دوں گی....."

نادیہ ارشاد..... کوہاٹ

زبردست نشہ

جاپان میں ایک صاحب کو ایک مشروب پیش کیا گیا، گلاس خالی کرتے ہوئے وہ بولے۔

"اس میں تو زبردست نشہ ہے، مجھے تو تمام چیزیں ہلتی ہوئی دکھائی دے رہی ہیں۔" جاپانی میزبان نے جواباً کہا۔

"اس میں کیا خاک نشہ ہوگا، یہ تو ٹماٹر کا جوس ہے اور چیزیں اس لیے ہلتی ہوئی دکھائی دے رہی ہیں کہ یہاں زلزلہ آ رہا ہے۔"

نسیم سحر، گلشن اقبال

کم ظرف شوہر

"میرے شوہر بہت ہی کم ظرف انسان ہیں، کل انہوں نے بچی کے گلک سے سارے پیسے نکال لیے۔" ایک خاتون نے اپنی سہیلی سے شکوہ کیا۔

"اوہ! یہ تو واقعی بڑی گھٹیا حرکت ہے۔" سہیلی نے جواباً کہا۔

"اور نکالے بھی اس وقت..... جب اس میں اتنی رقم جمع ہو گئی کہ میں اس سے ایک نیا سوٹ خرید سکتی تھی۔" خاتون نے افسوس سے کہا۔

مدیحہ احمد، رحیم یار خان

میرا باغیچہ

"ہیلو..... فائر اسٹیشن؟"

"جی ہاں۔ فرمائیے! ہم آپ کی کیا مدد کر سکتے ہیں؟"

"جی سنیے! میں نے ایک ماہ پہلے ہی نیا باغیچہ لگایا ہے۔ مالٹے کے پودے تو ابھی کافی چھوٹے ہیں اور گلاب کی قلموں نے بھی ابھی پھوٹنا شروع کیا ہے۔"

"لیکن اس سے ہمارا کیا تعلق؟"

"جی! اس میں کچھ پودے تو خاصے نایاب ہیں۔ جو میں نے بڑی مشکلوں سے حاصل کیے ہیں۔"

"ارے بھئی! یہ کوئی نرسری نہیں ہے۔ فائر اسٹیشن ہے۔"

"جی ہاں! مجھے معلوم ہے۔ دراصل میرے پڑوس میں آگ لگ گئی ہے اور میں نہیں چاہتا کہ جب آپ لوگ آگ بجھانے آئیں تو میرے باغیچے کو خراب کر دیں۔"

نسرین اختر، میسٹرو ول

رضیہ جمیل

خط آئے

خط بھجوانے کے لیے پتا
ماہنامہ شعاع - 37 - اردو بازار، کراچی۔
Email: info@khawateendigest.com
shuaamonthly@yahoo.com

آپ کے خط اور ان کے جوابات لیے حاضر ہیں۔
آپ کی عافیت، سلامتی اور خوشیوں کے لیے دعائیں۔ اللہ تعالیٰ آپ کو، ہم کو اور ہمارے پیارے ملک کو دہشت گردوں، قاتلوں اور بھتہ خوروں سے محفوظ رکھے اور جو لوگ ان کی دامے، درمے، سخنے مدد کر رہے ہیں، ان سے بھی نجات دے۔ آمین۔

پہلا خط کوئٹہ کینٹ سے شازیہ نیاز احمد ملغانی کا ہے، لکھتی ہیں۔

سب سے پہلے میری طرف سے شعاع اور تمام قارئین کو نئے سال کی مبارک باد۔ دعا ہے نیا سال سب کے لیے خوشیاں لے کر آئے۔ (آمین)
آمنہ ریاض کو شادی کی بہت مبارک باد۔ خدا کرے وہ سدا اپنے گھر خوش رہیں (آمین) عامر سلیم اور آسیہ سلیم سے ملاقات اچھی لگی عالیہ بخاری کا دیوار شب ٹاپ پر جا رہا ہے ناول میں سب سے بیسٹ آسیہ رزاقی کا انجام بخیر تھا بہت خوب آسیہ جی۔ افسانوں میں صائمہ اکرم چوہدری کا تھا۔ باقی تمام سلسلے بھی بہترین ہیں۔ میری فیورٹ رائٹر فائزہ افتخار کو اتنا اچھا ناول لکھنے پر مبارک باد۔ فائزہ جی اسی طرح آتی رہا کریں۔

شازیہ! طویل غیر حاضری کے بعد آپ نے خط لکھا۔ اچھا لگا۔ کہاں غائب تھیں آپ؟ اتنا وقفہ نہ دیا کریں۔
شاعری سچ بولتی ہے کا سلسلہ جب شروع کیا گیا تھا تو مرد حضرات بھی اس میں شرکت کرتے تھے، اب کافی عرصہ سے کوئی اچھا انتخاب موصول نہ ہونے کی بنا پر شامل نہیں کیا گیا۔ اگر آپ کے شوہر شاعری کا اچھا ذوق رکھتے ہیں تو اپنا انتخاب ضرور بھجوائیں۔ ان شاء اللہ شامل اشاعت ہو گا۔
تمام سلسلوں میں شرکت کے لیے آپ ایک ہی لفافہ استعمال کر سکتی ہیں۔
آمنہ ریاض تک شادی کی مبارک باد ان سطور کے ذریعے پہنچائی جا رہی ہے۔

للیانی ضلع سرگودھا سے ثانیہ عبدالغفور نے شرکت کی ہے، لکھتی ہیں

اس ماہ کا شعاع اتنا زبردست تھا کہ بے ساختہ خط لکھنے پر مجبور ہو گئے۔ ٹائٹل گرل کے سوٹ کی تو کیا بات تھی مگر دوپٹہ شاید بوتیک والے دینا بھول گئے۔
"مان جاؤ" نے ہنسنے پر مجبور کر دیا کیونکہ ہمارے امتحان ہو رہے ہیں تو ہنسنے کی نوبت کم ہی آتی ہے۔ "وہ اک پل" میں میزاب رحمت کا کردار بہت اچھا لگا اور اس کا فیصلہ بھی پسند آیا۔ اس کے علاوہ "انجام بخیر" میں سب کا انجام بخیر ہی ہوا۔ عاشی جیسی لڑکیاں مجھے بہت پسند ہیں۔ چلبلی سی۔ میں نے چند ماہ پہلے ایک افسانہ بھیجا تھا "گھر والا" پلیز اس کے بارے میں بتائیں۔
پیاری ثانیہ شعاع کی محفل میں خوش آمدید اور دعائیں۔ اللہ تعالیٰ آپ کو ہمیشہ ہنستا رکھے اور تمام امتحانات میں کامیابی عطا کرے۔ افسانہ موصول ہو گیا ہے۔ ابھی پڑھا نہیں ہم اطمینان رکھیں قابل اشاعت ہوا تو ضرور شائع ہو گا۔ اچھی تحریروں کے تو ہم ہمیشہ منتظر رہتے ہیں۔

مسرت الطاف احمد نے کراچی سے لکھا ہے

اس ماہ کا شمارہ بہت پسند آیا۔ آمنہ ریاض کی شادی کی خبر پڑھ کر بہت خوشی ہوئی آمنہ ریاض کو شادی کی خوشیاں بہت بہت مبارک ہوں۔ "دیوار شب" کی یہ قسط بھی بہت زبردست تھی لیکن معاذ کا شادی کے لیے مان جانا کچھ اچھا نہیں لگا اور زری کے ارادے بھی خطرناک لگ رہے ہیں۔ عالیہ کا قلم ہی جویا کی تقدیر بدل سکتا ہے سو عالیہ جی! جویا کے لیے اچھا ہی لکھنا۔ تین تین مکمل ناول دیکھ کر دل خوش ہو گیا۔ مکمل ناول میں رمشا خالد کا ناول "وہ اک پل" ٹاپ پر رہا بہت ہی خوب صورت تحریر تھی۔ میزاب اور ارمان کا کردار بہت پسند آیا "مان جاؤ" کی آخری قسط دیکھ کر بہت حیرت ہوئی سوچا تھا شاید اس کی چھ سات قسطیں اور ہوں گی خیر..... فائزہ جی نے اس ناول کا بہت ہی خوب صورت اینڈ کیا۔ دادا جی کے ایئرپورٹ کے واش روم میں بند ہونے کی کیفیت پڑھ کر بہت ہنسی آئی۔ اور خاص طور پر ارم کا اویس کے ڈانٹنے پر شرمانا تو بہت ہی مزا دے گیا۔ آسیہ رزاقی کا ناول "انجام بخیر" بھی پڑھ کر اچھا لگا۔ "زندگی تو پیاری ہے" عائشہ فیاض کا ناول بہت زبردست تھا اس میں دادا اور دادی کی نوک جھونک پسند آئی اور ہادی اور مائرہ کی گیدر رنگ بھی اچھی لگی۔ برہان کا سوبر کردار پسند آیا تحریر دل کو چھو لینے والی تھی۔ افسانے بھی سب ایک سے بڑھ کر ایک تھے افسانوں میں "کرچیاں" متاثر کن تحریر تھی "پھر ہوائیں" دلچسپ تحریر تھی اور دلشاد نسیم کا افسانہ "غیرت" طرز تحریر تو بہت زبردست تھی پر موضوع پسند نہیں آیا اور نہ ہی اختتام ..... اور باقی سارے سلسلے ہی زبردست تھے جنوری کے شمارے میں نبیلہ عزیز کے ناول کا انتظار رہے گا۔

پیاری مسرت! شعاع کی پسندیدگی کے لیے شکریہ۔ نبیلہ عزیز کا ناول اس ماہ خواتین میں شامل ہے۔ ان شاء اللہ آئندہ ماہ آپ شعاع میں ان کا ناول پڑھ سکیں گی۔

عارفہ نے فیصل آباد سے ای میل کی ہے

میں نہ تو چودہ سال سے شعاع کی خاموش قاری ہوں نہ بیس سال سے، بلکہ میں پانچ سال سے شعاع کی بولتی قاری ہوں۔ ایسی بولتی قاری، جس کی صدا کوئی نہیں سنتا، وہ ایسے کہ میں ہر ماہ میل کرتی رہتی ہوں۔ مگر آپ شامل ہی نہیں کرتیں۔ اس دفعہ، دیکھتے ہیں کیا سلوک کرتی ہیں۔ اس دفعہ شعاع میں سب سے اعلا "مان جاؤ" تھا مان گئے بھئی "غیرت" میں شیرو نے کام تو بے غیرتوں والا کیا ہے۔ عائشہ فیاض نے بہت اچھا لکھا تھا "وہ اک پل" عام سی کہانی تھی مگر بہت خاص سبق دے گئی۔ سب سے فیورٹ تو "دیوار شب" ہے۔ عالیہ بہت پیار سے، بہت دھیرے دھیرے کہانی سمیٹ رہی ہیں۔ پلیز احسان قادر کا فیملی کے ساتھ انٹرویو شائع کریں۔ آپ کو تنقید والی میل پسند نہیں آتی ناں، اس لیے میں نے کوئی تنقید نہیں کی۔

پیاری عارفہ! یہ آپ سے کس نے کہا کہ ہمیں تنقید والی میل پسند نہیں آتی۔ ایسا ہرگز نہیں ہے۔ شاید آپ خطوط توجہ سے نہیں پڑھتیں ورنہ آپ کو اندازہ ہوتا کہ اس سلسلے میں تعریف کے ساتھ ساتھ تنقیدی خطوط بھی شامل ہوتے ہیں۔ آپ ہمیں ہر ماہ میل کرتی رہیں۔ پوری سچائی کے ساتھ۔ تعریف کے ساتھ تنقید بھی کریں آپ کی میل شائع ہوں یا نہ ہوں ہم آپ کی رائے سے آگاہ ہو جائیں۔ یہ کافی نہیں ہے؟
فرمائش نوٹ کر لی ہے۔ شعاع کی پسندیدگی کے لیے تہہ دل سے شکریہ۔

سحر خان نے کوئٹہ سے لکھا ہے

بعض اوقات مصنفین حقیقت میں کچھ ایسا لکھ جاتی ہیں کہ خط لکھنا ہی پڑتا ہے ورنہ بہت ممکن تھا بذریعہ خط میں اب بھی شامل نہ ہوتی لیکن کچھ حقیقت زندگی مصنفین کے قلم سے لکھی جانے لگی ہے سو شرکت ناگزیر ٹھہری!
"دیوار شب" جب جب اس کہانی کو پڑھا، ہر بار گویا یوں محسوس ہوا جیسے کسی نے میرے خاندان کو حرف بہ حرف پڑھ کر لکھ ڈالا ہو، میرے والدین نے بھی اسلام صاحب اور شائستہ بیگم جیسی زندگی گزاری ہے اور ستم یہ ہے ہمارے پاس تو ربیعہ اور معاذ کی جیسی شفیق اور محبت سے بنی دادی بھی نہیں، عالیہ بخاری صاحبہ مجھے یوں ہی تو اپنی پسند پر فخر نہیں، آپ کا بے حد شکریہ۔
"رفعت ناہید سجاد" حالانکہ آپ کی کوئی بھی تحریر اور خاص طور سے "چراغ آخر شب" میری تعریف کی محتاج تو نہیں لیکن کیا ہی اچھا ہو آپ کا ایک مکمل ناول شعاع کی شان بھی ہو جائے، سعدیٰ حمید چوہدری صاحبہ آپ کی اس

www.Paksociety.com

www.Paksociety.com

قدر طویل خاموشی آخر قارئین کو کس بات کی سزا دی جا رہی ہے' آپ کی کہانیوں کا وہ بے ساختہ اور گہرا فلسفیانہ انداز بے حد یاد آتا ہے۔ نجانے کیا وجہ ہے کہ بہت بڑی بڑی اور بے حد اچھا سبق آموز لکھنے والی مصنفین ٹیلی وژن کو ہی پیاری ہو کر رہ گئی ہیں' خواتین کے پرچوں کا ایک اور بہت معزز اور قابل نام محترمہ فریدہ اشفاق صاحبہ! چاہے میں عمر اور یادداشت کے آخری حصے کو ہی کیوں نا پہنچ جاؤں میری یادداشت سے شائلہ 'عیاض اور رضی'' کا کردار کبھی محو نہیں ہو سکتا' شاید آٹھویں جماعت میں پڑھا جانے والا ''موسم تھا بے قرار'' آج ایم اے میں پہنچنے کے بعد بھی پوری آب و تاب کے ساتھ زندہ ہے اور یہ کمال یقیناً'' فریدہ اشفاق صاحبہ ہی کا ہو سکتا ہے۔ عنیزہ سید' تنزیلہ ریاض' رفعت سراج اور وہ سب ہی نام جو یقیناً''

پرچوں کی شان رہے نجانے کیوں اور کہاں گم ہوئے شعاع کا معیار بے شک اپنی جگہ قائم ہے لیکن معیار میں ہلکی سی دڑار آیا ہی چاہتی ہے اور وجہ آپ خود بھی جانتے ہیں' وقت کے ساتھ انسان بدل جایا کرتے ہیں تو کہانی کیا چیز ہے لیکن تحریر کا معیار بدلے تو کہانی کی پوری ہیئت تبدیل ہو جاتی ہے اور پڑھنے کا لطف بھی نہیں رہتا۔ اگرچہ میں کیا اور میری رائے کیا لیکن پھر بھی یہ ضرور کہوں گی آپ کی مصنفین کی ہر تحریر سوچ کو پختگی اور روشنی مہیا کیا کرتی ہے تو کیا ہی اچھا ہو کہ معیار پر کسی بھی قسم کا سمجھوتا کرنے سے قطعی گریز کیا جائے!

پیاری سحر شعاع کی بزم میں خوش آمدید آپ نے یہ کیسے سوچ لیا کہ لازمی آپ کا خط اور آپ کی رائے رد ہوگی؟ اتنی مایوسی کیوں؟ ایک بار اگر خط شائع نہ بھی ہوا تو اگلی بار سہی۔ بار بار دستک سے تو بند دروازے کھل ہی جایا کرتے ہیں۔ معیار پر سمجھوتے کا سوال ہی نہیں ہو سکتا ہے کچھ نئی مصنفین کی تحریروں میں آپ کو ناپختگی محسوس ہوئی ہو' بہرحال ہم خیال رکھیں گے۔ آپ نے شعاع کی اس ماہ کی تحریروں پر کوئی تبصرہ نہیں کیا۔ آئندہ تفصیلی تبصرہ کے ساتھ شرکت کیجیے گا۔

اسماء سعید نے پشاور سے اپنی رائے کا اظہار کیا ہے۔ لکھتی ہیں

میں 1992ء سے شعاع کی قاری ہوں لیکن صرف دو بار خط لکھے۔ میں نے اپنی شادی شدہ اور غیر شادی شدہ زندگی میں شعاع اور خواتین کو اپنا بہترین ہم سفر اور رہنما پایا ہے۔ یہ رسالے ہر لحاظ سے مکمل ہیں۔ شعاع دو سے تین دن میں پڑھ کر ختم کر لیتی ہوں پھر خواتین کا انتظار شروع کر دیتی ہوں' پھر تین' چار دن میں وہ بھی ختم تو پھر پرانے رسائل کھنگالتی ہوں۔ جو اپنے ساتھ جہیز میں لائی تھی۔

اسماء خواتین کی محفل میں خوش آمدید اور دعائیں۔ شعاع کی پسندیدگی کے لیے تہہ دل سے شکریہ۔ ہماری کوشش یہی ہوتی ہے کہ ہم مثبت سمت کی جانب رہنمائی کریں۔ قارئین ہمارے ساتھ ہیں' یہ جان کر ہمارا حوصلہ بڑھ جاتا ہے بلکہ ہمیں شعاع کو مزید بہتر بنانے میں بھی مدد ملتی ہے۔

امید ہے آئندہ بھی خط لکھ کر اپنی رائے کا اظہار کرتی رہیں گی۔

مریم کاشف نے گلستان جوہر کراچی سے ای میل کی ہے' لکھتی ہیں

پورے دس سال بعد کاغذ قلم سنبھالے آپ کو خط لکھنے بیٹھی ہوں۔ کئی بار ایسا ہوا کوئی کہانی پڑھتے ہوئے سوچی کہ آپ کو مفصل تبصرہ بھیجوں لیکن یہ خیال ہمیشہ خیال ہی رہا۔ خواتین اور شعاع ہمارے لیے جزو زندگی ہیں۔ خوراک' پانی اور ہوا کی طرح ان کے بغیر بھی گزر نہیں ہے۔ یہ بھی سچ ہے کہ ہمیں ان ڈائجسٹوں سے بہت کچھ سیکھنے کا موقع ملا ہے۔ جان سے پیارے مصنفین کی سبق آموز تحریروں نے زندگی گزارنے کا ڈھنگ سکھایا۔ میں تو کہتی ہوں تمام نوجوان لڑکیوں کو یہ ڈائجسٹ ضرور پڑھنے چاہئیں۔

سرورق سو سو تھا۔ لیکن پیاری نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی پیاری باتیں ہمیشہ کی طرح دل میں اتر گئیں۔ لوگوں تک دین اور پیاری نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی مستند باتیں پہنچا کر آپ بڑی نیکی کما رہے ہیں۔ ستارہ شام بہت اچھی جا رہی ہے لیکن ہمیں انبیا کے نام پر اعتراض ہے کیونکہ کہانی میں یہ نام پڑھتے ہوئے ذہن میں کچھ اور خیالات آتے ہیں۔ ہم آمنہ ریاض کا نام پڑھیں اور ہمیں تنزیلہ ریاض یاد نہ آئیں' یہ کیسے ہو سکتا ہے؟ ان کی مرگ برگ اور من شرما خلق آج بھی ذہن کے گوشوں میں محفوظ ہیں۔ کمال کا

لکھتی ہیں ہماری گزارش ہے کہ انہیں واپس لایا جائے۔ پھر دیوار شب کی طرف بڑھے۔ عالیہ بخاری کا طرز تحریر بہت پر کشش اور توجہ کھینچنے والا ہے۔ میں انہیں شوق سے پڑھتی ہوں۔

عائشہ فیاض اچھا لکھتی ہیں لیکن اس بار ان کی کہانی نے متاثر نہیں کیا۔ نفیسہ بیگم یقیناً'' نئی لکھنے والی ہیں لیکن بہت اچھا اور سبق آموز لکھتی ہیں۔۔۔۔ آپ سے دو گزارشیں ہیں ایک اور یا مقبول جان کا تفصیلی انٹرویو شائع کریں اور دوسری گزارش ہے کہ عنیزہ سید' نگہت سیما' رفعت سراج' رخسانہ نگار اور تنزیلہ ریاض کو آواز دیں ہم ان کی خوب صورت تحریریں پڑھنے کے لیے بے تاب ہیں۔

آخر میں نئی رائٹرز سے کچھ کہنا چاہوں گی کہ پلیز کہانی لکھتے وقت ذہن میں کوئی مقصد ضرور رکھا کریں اور نام مانوس رکھا کریں ورنہ کہانی کی طرف کم اور ناموں کی طرف دھیان زیادہ رہتا ہے۔ اپنی کہانی کا مصنف نہیں بلکہ قاری کی نظر سے جائزہ لیں۔ چند الفاظ جو دوسروں کی زندگی بدل دیں آپ کے لیے صدقہ جاریہ بن سکتے ہیں۔

پیاری مریم! دس سال تک آپ ارادے باندھتی رہیں۔ توڑتی رہیں شکر ہے کہ اس بار آپ کو کامیابی ہوئی۔ تفصیلی تبصرے کے لیے تہہ دل سے شکریہ۔ اب دوبارہ دس سال تک کے لیے غائب نہ ہو جائیے گا۔

ایمن تحریم نے سرگودھا سے لکھا ہے

ٹائٹل میں ماڈل کی ہیئر کٹنگ اور ایئر رنگز بہت اچھے تھے اور اب آتے ہیں آمنہ جی کی شادی کی طرف تو بہت بہت مبارک ہو۔ شاہد آفریدی کا انٹرویو شائع کریں پلیز۔ مڈٹرم امتحانوں کی وجہ سے مختصر خط لکھا ہے۔

پیاری ایمن! اللہ تعالیٰ اس امتحان میں ہی نہیں ہر امتحان میں آپ کو کامیابی دے آمین۔ شاہد آفریدی کا انٹرویو ضرور دیں گے۔ تھوڑا انتظار کرلیں۔

فرح اسلم نے گرین ٹاؤن لاہور سے شرکت کی ہے' لکھتی ہیں

ٹائٹل میں لڑکی کی فل آستین بہت اچھی لگیں۔ اس بار کے تینوں ناولز بہت زبردست تھے۔ ''وہ اک پل'' ناول میں بھائی کا کردار بہت ہی اچھا لگا۔ آسیہ رزاقی کا ناول بھی ہمیں بہت پسند آیا اور افسانوں کی تو کیا ہی بات تھی۔ فرحت اشتیاق' عمیرہ احمد اور رخسانہ نگار سے درخواست ہے کہ کوئی قسط وار ناول شروع کریں پلیز.....

بیوٹی ٹپس میں چھائیوں کے لیے گھریلو ٹوٹکہ بتا دیں۔

نیوز کاسٹر رضوان رونق' رمیز راجہ اور اداکار سمیع خان کا بمعہ فیملی انٹرویو دیں۔ رضوان رونق کا لازمی پلیز پلیز.....

پیاری فرح! شعاع کی پسندیدگی کے لیے شکریہ انٹرویو کی فرمائش نوٹ کر لی گئی ہے۔ جلد پوری کرنے کی کوشش کریں گے۔

احمد پور شرقیہ ضلع بہاولپور سے رمیصاء خان بلوچ نے شرکت کی ہے' لکھتی ہیں

ہمیں دوبارہ خط لکھنے پر مجبور کر دیا ہے اکتوبر اور دسمبر کے ڈائجسٹ نے کہ دونوں ہی مکمل تھے۔ ہر کہانی چاہے وہ ناول ہو ناولٹ یا افسانہ اپنی اپنی جگہ ہی مکمل تھے۔ اس کے علاوہ ماہ دسمبر کے ڈائجسٹ پہ صفحہ نمبر 171 پر رمشا خالد کے ناول ''وہ اک پل'' کے اس شعر سے ہمیں ڈھارس ہوئی اور ہم نے خط لکھ دیا۔

اک طرز تغافل' سو وہ ان کو مبارک ہو
اک عرض تمنا ہے سو ہم کرتے رہیں گے

ہم شعاع کو مسلسل 16 سال سے پڑھتے آرہے ہیں۔ سرورق دیکھ کر خوشی ہوئی (علاوہ دوپٹے کے) کہانیاں تو سب ہی اچھی تھیں پر جو پیٹ پکڑ پکڑ کر فائزہ جی نے ہنسایا تو گھر والوں کو ہم پر پاگل کا گمان ہونے لگا۔ عالیہ جی آپ اور کتنا ظلم کریں گی بے چارے خیام پر۔ آپ نے پہلی قسط سے لے کر 46 قسطوں تک اس پر مسلسل ظلم کیے اور ابھی تک بھی آپ کا دل نہیں بھرا ظلم کرنے سے اور بے چارا معاذ اور جویا وہ تو خوامخواہ ہی پھنسے ہوئے ہیں حالانکہ ان کی شادی تو اب ہو جانی چاہیے۔ ایسے ہی دونوں کو لٹکا رکھا ہے پر ناول ہے زبردست اور تین ماہ سے کہانی آگے بڑھ رہی ہے اور جہاں آمنہ ریاض صاحبہ کی شادی کی خوشی ہوئی وہی ''ستارۂ شام'' نہ پا کر غصہ بھی بہت آیا۔ عائشہ فیاض کا ''زندگی تو پیاری ہے'' زبردست۔ عائشہ جی نے واقعی بہت اہم موضوع پر لکھا کہ کتنے ہی لوگ جو بے نام زندگی بسر کر رہے ہیں اور ہمیں ان کے بارے میں خبر نہیں

www.Paksociety.com

ہوتی اور حکومت ان کو شناختی کارڈ نہیں دیتی۔ یہ بات پڑھ کر بہت دکھ ہوا کیونکہ اس میں ان کا تو کوئی قصور نہیں تھا' نفیسہ بیگم کا افسانہ "دل بیدار پیدا کر" اگرچہ پرانی کہانی تھی پر انداز اچھا تھا اس طرح سدرہ سحر عمران کا "اپنا گھر" بھی کچھ ایسا ہی تھا یعنی تھیم ایک ہی تھی اور افسانے دو تھے۔ صبا نور نے ساڑھے چھ صفحات کے افسانے میں عورت کی ذات کو بند کر دیا۔

پیاری رمیصا! بے حد افسوس ہے کہ آپ کے پچھلے خط شامل نہ ہو سکے۔ لیکن سچ یہ ہے کہ وہ ردی کی ٹوکری میں بھی نہیں گئے کیونکہ وہ ہمیں موصول ہی نہیں ہوئے' ہو سکتا ہے' آپ نے کافی عرصہ پہلے لکھے ہوں۔

شعاع کی پسندیدگی کے لیے شکریہ۔ ہمارے اطمینان کے لیے یہی کافی ہے کہ آپ سولہ سال سے شعاع کی قاری ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ شعاع کا معیار برقرار ہے اور آپ اس کی تحریروں سے مطمئن ہیں۔

فرحت اور سدرہ تلہ گنگ سے شریک محفل ہیں

شعاع سے میری وابستگی بیس سالہ پرانی ہے' ہمارے محلے میں ایک باجی شعاع پڑھتی تھیں تو ہم ان سے دس روپے کا خرید کر پڑھتے تھے پھر شعاع سے ہماری محبت بڑھتی گئی جو آج تک قائم ہے' اس میں کہانیاں بہت اچھی ہوتی ہیں اور ناول بھی۔ سلسلہ پیارے نبی کی پیاری باتیں بہت اچھا لگتا ہے اور شعاع کی تمام رائٹرز اپنی مثال آپ ہیں۔

پیاری فرحت اور سدرہ! شعاع کی بزم میں خوش آمدید۔ اتنے طویل عرصہ میں پہلی بار شرکت کی اور اتنا سرسری تبصرہ۔ آئندہ تفصیلی تبصرہ کے ساتھ شرکت کیجئے گا صرف "سب اچھا ہے" سے بات نہیں بنتی۔

آمنہ اجالا نے ڈہرکی سے لکھا ہے

دعا ہے نیا آنے والا سال وہ تمام خوشیاں لوٹا دے جو ہم سے چھن گئی ہیں۔ خاص طور پر سندھ کے باسی جو اب کے ہونے والی بارشوں سے مصیبتوں کے ایک نہ ختم ہونے والے گھیرے میں قید ہیں۔ دعا ہے کہ نیا آنے والا سال امت مسلمہ اور سندھ کے باسیوں کے لیے آسانیاں لائے۔ آمین۔

نئے سال کے موقع پر یہ شعر۔

یہ کچھ دن ہیں کہ تیور آسمان کے ناموافق ہیں
گلابی موسموں کو آ کے پھر انعام کرنا ہے

اس بار ٹائٹل کچھ خاص پسند نہیں آیا۔ مکمل ناولز میں آسیہ رزاقی صاحبہ کے نام پر نگاہ پڑی تو جیسے دل میں ٹھنڈ پڑ گئی اور ہم خوش ہو گئے عداوتوں' نفرتوں' بغض و بدگمانیوں و تعصبات کی دھند میں پھنسی تحریر بہت سی سفاک حقیقتوں کا پردہ چاک کر گئی۔

آغاز تا اختتام تک دلچسپی برقرار رہی۔ ویلڈن آسیہ رزاقی صاحبہ ہماری دلی دعا ہے کہ آپ اسی طرح لکھتی رہیں۔ دوسرا مکمل ناول رمشہ خالد کا وہ ایک پل' ہمارے خیال میں ایک نئی رائٹر ہونے کے ناتے ان کی کافی اچھی تحریر تھی۔ ہاں البتہ کہانی کی غیر ضروری طوالت نے بیچ میں کچھ بور سا ضرور کر دیا۔ اگر ہماری بھتیجی ہوئی تو اس کا نام میزاب رحمت رکھیں گے۔ افسانوں میں اس بار سدرہ سحر کا افسانہ "اپنا گھر" اس ماہ کی بہترین تحریر تھی۔ ثریا انجم کا افسانہ کرچیاں اس لڑکی کی کہانی جس کا دل بیک وقت دو کشتیوں پر سوار تھا۔ مونا سید کا "ابھی اک خواب باقی ہے" کافی اچھی تحریر تھی۔ "پھر یوں ہوا" صائمہ اکرم کی یوں تو ایک شگفتہ تحریر تھی لیکن پڑھتے ہوئے مزہ نہیں آیا "دل بیدار پیدا کر" نفیسہ بیگم کا افسانہ ایک اثر انگیز اور سبق آموز تحریر تھی۔ بہت پسند آئی۔ اس بار شعاع سونا سونا لگا۔ کیونکہ اس بار اشعار نہیں تھے۔

پیاری آمنہ! اللہ تعالیٰ آپ کی دعائیں قبول فرمائے۔ آمین۔

حالیہ بارشوں میں سندھ کے باسیوں پر جو گزری ہے اور جو گزر رہی ہے اور وہ ابھی تک جس عذاب میں مبتلا ہیں اس پر ہر حساس دل خون کے آنسو روتا ہے۔ افسوس ناک بات یہ ہے کہ وہ لوگ جو اہل اقتدار ہیں یا جو ان کے لیے بہت کچھ کر سکتے ہیں۔ انہیں ان کا احساس تک نہیں ہے' مشکلات حل تو کیا کرتے اضافہ ہی کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ سے ہی امید ہے وہ ہی دعائیں قبول کرنے والا ہے۔ شعاع کی پسندیدگی کے لیے شکریہ اشعار کا سلسلہ پچھلے ماہ شامل نہ ہو سکا' اس بار شامل ہے۔

پوٹھہ ٹلہ جوگیاں سے نازیہ اشتیاق چوہدری نے لکھا ہے

چار پانچ دن پہلے شعاع ملا' ٹائٹل پیارا تھا۔ میں نے

پہلے بھی آپ سے یہ بات کی تھی پلیز ناولٹ یا افسانوں میں کوئی ناول' ناولٹ یا افسانہ ایسا ہو جیسے پڑھ کر بے ساختہ ہنسنے مسکرانے کو جی چاہے۔ زندگی میں آج کل تھوڑا سا مسکرانے کی بھی بڑی قیمت ہے۔ فائزہ افتخار صاحبہ تھینک یو سو مچ بہت خوب صورت ناول تھا آپ کا۔ پڑھ کے فریش ہو گئے۔

اس کے بعد آئے رمشا جی کے ناول کی طرف۔ بہت زبردست ناول تھا۔

افسانے بھی اچھے تھے سارے۔ نمبرون پر سدرہ سحر عمران صاحبہ کا اپنا گھر تھا اور غیرت مند کو پڑھ کر بس یہی سوچ ذہن میں آئی کہ کیا بھائی ایسے بھی ہوتے ہیں اف اتنا دہشت ناک سا افسانہ پلیز تھوڑا ہلکا پھلکا رکھا کریں ہاتھ اور کیا؟

مجموعی طور پہ پورا ڈائجسٹ اس بار زبردست تھا۔

پیاری نازیہ! شعاع کی پسندیدگی کے لیے تہہ دل سے شکریہ۔ امید ہے آئندہ بھی خط لکھ کر اپنی رائے کا اظہار کرتی رہیں گی۔

نبیلہ اسلم نے اٹک (گاؤں باسیہ) سے لکھا ہے

نومبر کا شعاع ملا' ٹائٹل بہت پسند آیا۔ "مان جاؤ" فائزہ افتخار کی بہت ہی اچھی کاوش تھی میری زندگی ہے تو بس ٹھیک ہی تھا۔ باقی ناولٹ بھی بس ٹھیک ہی تھے۔ پلیز ماہا ملک سے کہیں وہ کچھ اچھا سا لکھیں۔ نمرہ احمد' ثمرہ بخاری' عمیرہ احمد کہاں گم ہیں اور فرحت اشتیاق پلیز پلیز کچھ لکھیں نیا سا۔ آپ کی تحریروں کا ہمیں بہت شدت سے انتظار رہتا ہے۔ میں کہانی لکھنا چاہتی ہوں پلیز طریقہ بتا دیں۔

نبیلہ جس طرح آپ نے خط لکھا ہے۔ اسی طرح کہانی بھی لکھی جاتی ہے۔ کہانی لکھنے کا کوئی خاص طریقہ نہیں ہے۔ اگر آپ میں صلاحیت ہے تو ضرور لکھیں۔ نوک پلک سنوار لیں گے۔ شعاع کی پسندیدگی کے لیے شکریہ۔

زینب مختیار نے ملتان سے لکھا ہے

ٹائٹل کچھ خاص نہیں تھا۔ آمنہ ریاض کی شادی کی خبر پڑھ کر ستارہ شام نہ ہونے کا افسوس خوشی میں تبدیل ہو گیا۔ آمنہ ریاض کو شادی کی مبارک باد۔

نعت اور احمد دونوں ہمیشہ کی طرح زبردست تھیں۔ پھر "پیارے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیاری باتیں" پڑھیں۔ جو انسان کی زندگی میں اہم کردار ادا کرتی ہیں۔ افسانوں میں "غیرت" بازی لے گیا۔

عائشہ فیاض کے ناولٹ میں ہادی اور برہان کا کردار اچھا لگا۔ مکمل ناول میں "اک پل" بہت زبردست تھا۔ "میزاب رحمت" نام بہت اچھا تھا اور پلیز "میزاب" کا مطلب بتا دیں اور عبد کو اس کے غرور کی اچھی سزا ملی میزاب نے اس کو ٹھکرا دیا۔

رائمہ خان اور صبا قمر کے انٹرویو کی فرمائش ہے۔

پیاری زینب! شعاع کی بزم میں خوش آمدید رائمہ خان اور صبا قمر کے انٹرویو کی فرمائش نوٹ کر لی ہے۔ جلد پوری کرنے کی کوشش کریں گے۔

میزاب کے لفظی معنی پرنالہ کے ہیں لیکن اس کو آبشار یا جھرنا کے معنی میں بھی استعمال کیا جا سکتا ہے۔ شعاع کی پسندیدگی کے لیے تہہ دل سے شکریہ۔

زوباریہ خالد نے لاہور سے لکھا ہے

سب سے پہلے تو آمنہ ریاض کو شادی بہت بہت مبارک ہو۔ ٹائٹل اچھا لگا لیکن ماڈل کا نام ضرور اندر دے دیا کریں۔ فائزہ افتخار کے ناول "مان جاؤ" نے خوب ہنسایا اور اختتام بھی اچھا تھا ہر شمارے میں کوئی نہ کوئی مزاحیہ تحریر ضرور شامل ہونی چاہیے آسیہ رزاقی کا "انجام بخیر" اور رمشا خالد کا "وہ اک پل" بھی پسند آئے۔ "صبح کا ستارہ" ناولٹ کی کتنی اقساط باقی رہ گئی ہیں؟ ناولٹ "زندگی تو پیاری ہے" میں مجھے سب سے اچھا کردار ہادی کا لگا۔ افسانوں میں سب سے زیادہ اچھے "چھید" اور "پھر یوں ہوا" لگے۔ مجھے اور میری بہن (بشریٰ خالد) کو نمرا' اقراء کا انتخاب سب سے زیادہ اچھا لگتا ہے اور ہم رسالہ آتے ہی سب سے پہلے ان کا انتخاب پڑھتے ہیں۔ آپ نے مستقل سلسلہ شعاع کے ساتھ ساتھ کیوں ختم کر دیا ہے؟ پلیز اس کو دوبارہ شروع کریں۔ یہ میرا پسندیدہ سلسلہ ہے اور یہ بھی بتائیں کہ عمیرہ احمد کب تشریف لائیں گی۔

پیاری زوبارہ عمیرہ احمد کب تشریف لائیں گی۔ یہ تو وہی بتا سکتی ہیں ہم آپ کا سوال ان تک پہنچا رہے ہیں۔ شعاع کے ساتھ ساتھ سلسلہ ختم نہیں کیا گیا ہے۔ ہم مختلف مواقع پر قارئین سے سروے کرتے ہیں تو اس بنا پر یہ سلسلہ شامل نہیں ہو پاتا ہے۔ مزاحیہ تحریریں ہمیں بھی

www.Paksociety.com

www.Paksociety.com

بہت اچھی لگتی ہیں۔ اگر مصنفین لکھیں تو ہم ضرور شامل کریں گے۔

عائشہ فیاض اور دیگر مصنفین تک آپ کی تعریف ان سطور کے ذریعے پہنچائی جا رہی ہے۔

ثوبیہ نصیر نے سیالکوٹ سے شرکت کی ہے' لکھتی ہیں

پڑھائی کے ساتھ ساتھ شعاع' خواتین اور کرن بھی باقاعدگی سے پڑھتی ہوں۔ میری کزن اور چچی جان بھی باقاعدگی سے پڑھتی ہیں اور چچی جان کی وجہ سے ہی ہم لوگ ریگولر پڑھتی ہیں۔

اب آتے ہیں شعاع کی طرف۔ ٹائٹل کچھ خاص پسند نہیں آیا اور حمد و نعت تو ہمیشہ کی طرح زبردست پھر پیارے نبی کی پیاری باتیں پڑھیں۔ عالیہ بخاری کا "دیوار شب" اچھا جا رہا ہے۔ پلیز جویا اور معاذ کو ملا دیں۔

رمشا خالد نے بہت ہی زبردست لکھا۔ وہ اک پل پڑھ کے بہت اچھا لگا کاش کہ سارے بھائی میزاب کے بھائی جیسے ہوں۔ خیال رکھنے والے۔ مگر ایسا ہوتا نہیں ہے اور آخر میں میزاب کا فیصلہ بہت اچھا لگا۔

شاعری سچ بولتی ہے میں کرن کا انتخاب اچھا تھا اور وینا ملک کا تو اللہ ہی حافظ ہے۔ اللہ اسے تھوڑی سی عقل دے (آمین)

اور آخر میں آمنہ ریاض کو بہت بہت مبارک باد اور میری ایک دوست اور پیاری سی کزن ثناء اسلام بھی شادی کے بندھن میں بندھ کے ہمیں بھول چکی ہیں۔ اللہ تعالیٰ انہیں دنیا جہان کی خوشیاں عطا فرمائے۔ آمین۔ شعاع کو باقاعدگی سے پڑھنے والی کزنز ثناء' انعم ارسہ اور چچی جان (شائستہ) ہیں۔

فائزہ افتخار کا ناول بہت ہی زبردست رہا۔ پڑھ کے ہنستے ہی رہے۔ زبردست لکھا آپ نے۔

ثوبیہ! شعاع کی بزم میں خوش آمدید۔ بہت خوشی ہوئی آپ نے خط لکھا۔ اپنی شائستہ چچی کو بھی ہمارا اسلام اور شکریہ پہنچا دیں اور ثناء' انعم' ارسہ سے کہیں کہ وہ بھی ہمیں خط لکھ کر شعاع کے بارے میں اپنی رائے کا اظہار کریں۔ عقل کی ضرورت وینا ملک کو نہیں ہمارے میڈیا کو ہے۔ وینا اپنی پبلسٹی کے لیے بہت سوچ سمجھ کر یہ حربے اختیار کر رہی ہے۔ میڈیا اسے شہرت دے رہا ہے۔

آمنہ ریاض تک آپ کی مبارک باد پہنچائی جا رہی ہے۔

سائرہ منیر احمد لاہور سے تشریف لائی ہیں' لکھا ہے

ٹائٹل پر سرسری سی نگاہ ڈالی اور آگے بڑھ گئے' آپ سے ریکویسٹ ہے کہ پلیز نیچرل نظاروں کو بھی مد نظر رکھا کریں۔ سب سے پہلے وہ ہی ناول پڑھا جس کا انتظار تھا' جی ہاں' فائزہ افتخار کا مکمل ناول "مان جاؤ" بہت ہی عمدہ لکھا رائٹر نے' فائزہ جی کا تو انداز ہی نرالا ہے۔

عالیہ جی! آپ سے تہہ دل سے درخواست ہے کہ جس طرح نیتی سالار کو ملوایا آپ نے' اسی طرح اب جویا معاذ کا امتحان بھی اب بس کریں اور انہیں ملوا دیں! "زندگی پیاری ہے" عائشہ فیاض کا سپرہٹ + زبردست ناولٹ' بہت خوب صورتی سے اپنا ایک پیغام وہ ہم تک' ہمارے دلوں تک پہنچا گئیں۔

103 FM کے آر جے اظہر حسین اور علی ظفر کے انٹرویو کی فرمائش کی تھی۔ کچھ مہینے پہلے' وہ کب تک شائع ہو جائے گا' تصویر کے ساتھ اور پکوان میں پزا اور چاکلیٹ لاوا کیک کی ترکیب بتا دیں۔ پلیز اوون میں' اوون کے بغیر' جیسے بھی......

بندھن میں آمنہ جی اور ان کے شریک حیات کا انٹرویو شامل کریں شادی کی تصویر کے ساتھ!

پیاری سائرہ! آپ کی تمام فرمائشیں نوٹ کر لی گئی ہیں۔ جلد پوری کرنے کی کوشش کریں گے۔ شعاع کی پسندیدگی کے لیے شکریہ۔

ماہنامہ خواتین ڈائجسٹ اور ادارہ خواتین ڈائجسٹ کے تحت شائع ہونے والے پرچوں ماہنامہ شعاع اور ماہنامہ کرن میں شائع ہونے والی ہر تحریر کے حقوق طبع و نقل بحق ادارہ محفوظ ہیں۔ کسی بھی فرد یا ادارے کے لیے اس کے کسی بھی حصے کی اشاعت یا کسی بھی ٹی وی چینل پہ ڈراما' ڈرامائی تشکیل اور سلسلہ وار قسط کے کسی بھی طرح کے استعمال سے پہلے پبلشر سے تحریری اجازت لینا ضروری ہے۔ بہ صورت دیگر ادارہ قانونی چارہ جوئی کا حق رکھتا ہے۔

موسم کے پکوان

خالدہ جیلانی

پلین فروٹی کیک

اجزا :

میدہ	2 کپ
بیکنگ پاؤڈر	2 کھانے کے چمچے
مکھن	1 کپ
انڈے	2 عدد
چینی	ڈیڑھ کپ
کریم	ڈیڑھ کپ
ونیلا ایسنس	1 کھانے کا چمچہ
فوڈ کلر (پیلا)	1 چٹکی
اشرفی اور کشمش	آدھا کپ

ترکیب :

ایک بڑے پیالے میں میدہ' بیکنگ پاؤڈر اور چینی ملا لیں۔ الگ سے کریم اور فوڈ کلر مکس کر لیں۔ انڈے الگ پھینٹ کر اس میں مکھن مکس کر لیں۔ ان تمام آمیزوں کو الگ الگ اچھی طرح مکس کرنے کے بعد آپس میں ملا دیں۔ (میدہ' انڈے اور مکھن سہولت سے یکجان نہیں ہوتے' اس لیے انہیں پہلے علیحدہ مکس کریں پھر سب کو ملا کر) پھر ونیلا ایسنس بھی ملا دیں۔ اب اشرفیاں اور کشمش بھی مکس کر دیں۔ سانچے میں ڈالنے سے قبل برتن پر ایک چمچہ گھی مل دیں اور براؤن کاغذ سیٹ کر کے آمیزہ ڈال دیں۔ تھوڑی سی اشرفیاں اور کشمش آمیزے کے اوپر بھی ڈال دیں۔

بیک کرنے کے لیے بہت سارے چکنے پتھر ایک بڑے پتیلے میں ڈال کر چولہے پر گرم ہونے کے لیے رکھ دیں۔ تقریباً" ایک گھنٹے میں وہ صحیح طور پر دہک

www.Paksociety.com

www.Paksociety.com

سکیں گے۔ پھر کیک کا سانچہ اس پتیلے میں پتھروں پر رکھ کر ڈھکن بند کر دیں۔ کم از کم آدھے گھنٹے بعد چھری سے چیک کریں۔ اگر سخت محسوس ہو تو سمجھیں کیک تیار ہے ورنہ مزید آدھے گھنٹے کے لیے بیک کریں۔ ایک گھنٹے کے اندر کیک اچھی طرح بیک ہو جاتا ہے۔ لیجیے مزیدار پلین فروٹ کیک بغیر اوون کے تیار ہے۔

چکن تندوری پزا

اجزا:

میدہ	3 کپ
چینی	2 کھانے کے چمچے
نمک	حسب ذائقہ
خمیر	1 کھانے کا چمچہ
انڈا	1 عدد
پسی سیاہ مرچ	ایک چائے کا چمچہ
پسا گرم مسالا	1 چائے کا چمچہ
لہسن ادرک پیسٹ	1 کھانے کا چمچہ
چکن	ڈیڑھ پاؤ
کٹی سرخ مرچ	حسب ذائقہ
لیموں کا رس	1 کھانے کا چمچہ
فوڈ کلر (سرخ)	1 چٹکی
موزریلا چیز	آدھا کپ
ٹماٹو پیسٹ	ڈیڑھ کپ
چائنیز نمک	1 چائے کا چمچہ
سرکہ	1 کھانے کا چمچہ
تیل	4 کھانے کے چمچے

ترکیب:

میدہ چھان کر اس میں نمک، چینی، خمیر اور انڈا ڈال کر مکس کریں اور نیم گرم پانی سے گوندھ کر ململ کا کپڑا ڈھک کر ایسی جگہ پر رکھیں، جس کا درجہ حرارت زیادہ ہو (چولہے کے پاس مناسب رہے گا)۔

فرائنگ پان میں تیل گرم کر کے ادرک لہسن کا پیسٹ سنہرا کریں۔ چکن کیوبز (بغیر ہڈیوں کا چکن ابال کر کیوبز میں کاٹ لیں) کٹی ہوئی سرخ مرچ، نمک، چینی، سرکہ، پسی سیاہ مرچ، چائنیز نمک، ٹماٹو پیسٹ (ٹماٹر کو بھاپ سے گلا کر اس کا چھلکا اور بیج نکال کر باریک پیس لیں اور تھوڑا سا الگ رکھ لیں اور فوڈ کلر (سرخ کیونکہ چکن تندوری سرخ ہوتا ہے) ڈال کر سنہرا کر لیں۔

گوندھے ہوئے آٹے کی موٹی سی روٹی بیل لیں، پھر اسے ٹرے میں رکھیں۔ اس پر تھوڑا سا ٹماٹو پیسٹ لگائیں اور فرائی کیا ہوا آمیزہ اس پر اچھی طرح پھیلا دیں۔ اس کے اوپر موزریلا چیز بھی کدوکش کر کے چھڑک دیں۔

ایک بڑا توا لے کر اسے چولہے پر خوب گرم کریں۔ اس پر پزا والی ٹرے (مناسب ہو گا کہ توے سے چھوٹی کوئی ٹرے ہو یا فرائنگ پان بھی مناسب رہے گا) رکھیں۔ کسی ٹائٹ ڈھکن سے اچھی طرح بند کر دیں تاکہ ہوا وغیرہ نہ جاسکے۔ ہلکی آنچ پر بیک ہونے کے لیے چھوڑ دیں۔ 45 منٹ بعد بیک ہو جائے گا۔ اس دوران ڈھکن ہٹا کر دیکھنے سے گریز کریں۔

بغیر اوون کے مزیدار چکن تندوری پزا تیار ہے۔

چکن ویجی ٹیبل سوپ

اجزاء:

مرغی کا گوشت	1 پاؤ
پانی	3 گلاس
مٹر	آدھا کپ
مکئی کے دانے	آدھا کپ
نمک	حسب ذائقہ
چائنیز نمک	حسب ذائقہ
پسی کالی مرچ	ایک چائے کا چمچہ
سویا سوس	ایک کھانے کا چمچہ
باریک کٹا ہوا ہرا دھنیا	ایک کھانے کا چمچہ
کارن فلور	2 کھانے کے چمچے
انڈا	1 عدد

ترکیب:

چکن کو پانی میں ڈال کر ابالیں مٹر کے دانے بھی ساتھ ہی شامل کر دیں۔ چکن گل جائے تو نکال کر ریشہ کر لیں اور دوبارہ اس یخنی میں شامل کر دیں۔ گاجر، ابلے ہوئے مکئی کے دانے، نمک، کالی مرچ، سویا ساس اور چائنیز نمک بھی یخنی میں شامل کر دیں۔ جب سبزیاں گل جائیں تو آدھے کپ پانی میں کارن فلور گھول کر شامل کریں اور چمچہ چلاتی رہیں۔ جب سوپ گاڑھا ہونے لگے تو انڈا پھینٹ کر شامل کر کے تیزی سے چمچہ گھمائیں۔ مزے دار سوپ تیار ہے۔ سویا سوس کے ساتھ پیش کریں۔

شلجم کے کباب

اجزا:

سفید شلجم	1 کلو
چنے کی دال	آدھی پیالی
لہسن کے جوے	6 عدد
ادرک	چھوٹا سا ٹکڑا
ثابت لال مرچ	6 عدد
کالی مرچ	8 عدد
دھنیا	2 کھانے کے چمچے
کارن فلور	2 کھانے کے چمچے
ڈبل روٹی	2 سلائس
انڈا	1 عدد
ہرا دھنیا	1 گٹھی
ہری مرچ	2 عدد
پیاز	1 عدد
نمک	حسب ذائقہ
تیل	1 پیالی

ترکیب:

شلجم کو چھیل کر دھولیں، پھر ابال لیں۔ جب شلجم گل جائیں تو پانی سے نکال کر کانٹے سے بھرتہ بنالیں۔ پھر چھلنی میں رکھ کر دبا کر شلجم کا اضافی پانی نکال کر بالکل خشک کر لیں۔ چنے کی دال میں چھلے ہوئے لہسن کے جوے، ادرک، ثابت لال مرچ، نمک اور کالی مرچ ڈال کر ابال لیں۔ جب دال گل جائے تو باریک پیس لیں، پھر شلجم اور دال کو مکس کر لیں۔ ساتھ ہی سلائس، کارن فلور اور انڈا بھی ملا دیں، پھر گیلے ہاتھ کر کے کباب بنالیں۔ پیاز اور ہرا مسالا بھی ساتھ ملا دیں یا اندر بھر کر کباب بنائیں۔ ہلکی آنچ پر ہلکے تیل میں تل لیں۔

مصری پلاؤ

قیمہ	آدھا کلو
چاول	آدھا کلو
نمک	1 چائے کا چمچہ
ادرک لہسن پیسٹ	1 کھانے کا چمچہ
پسا گرم مسالا	1 چائے کا چمچہ
ہرا دھنیا	آدھی گٹھی
ہری مرچ	6 عدد
نمک	حسب ذائقہ
تیل	آدھی پیالی

ایک کڑاہی میں تیل گرم کریں۔ اس میں ادرک، لہسن پیسٹ، نمک اور مرچ ڈال کر بھونیں۔ پھر قیمہ دھو کر ڈال دیں اور آدھا کپ پانی شامل کر کے اسے گل جانے تک پکائیں پھر بھون کر اس پر ہرا مسالا چھڑک دیں۔

چاولوں میں نمک ڈال کر ایک کنی ابال لیں اور اس میں پکا ہوا قیمہ مکس کر لیں اور آدھا کپ تیل ڈال دیں۔

بند گوبھی گرم پانی میں ڈال کر چھوڑ دیں، پھر 5 منٹ بعد نکال لیں اور اس کے پتے الگ کر لیں۔ پھر بند گوبھی کے پتوں پر تھوڑے سے چاول رکھیں اور فولڈ کر دیں۔ (چاہیں تو دھاگے سے بند کر دیں) پھر پتیلی میں ڈال کر اسے دم دے دیں، ڈش میں چاول نکال کر فولڈ کیے ہوئے بند گوبھی بند چاول بھی ایک طرف سجا دیں۔ رائیتے کے ساتھ پیش کریں۔

www.Paksociety.com

غزل ثوبان

خوشی کا سماں

"مبارک تمہیں خوشی کا یہ سماں......"

یہ مبارک باد آپ کے لیے نہیں ہے بھئی! بلکہ ٹینس کے شہزادے اعصام الحق کے لیے ہے جو خیر سے 17 دسمبر 2011ء کو اپنی شہزادی فاہا اکمل کے ساتھ رشتہ ازدواج میں منسلک ہوگئے۔ واضح رہے کہ ان دونوں کی منگنی جولائی 2011ء میں ہوئی تھی۔

اعصام الحق کی زندگی کا سب سے بڑا یہ مکسڈ ڈبلز میچ گولف کلب' لاہور میں منعقد ہوا جو دس لاکھ روپے کے مہر کے عوض انہوں نے جیت لیا۔ اس موقع پر سرخ اور گولڈن لہنگا زیب تن کیے شرمائی شرمائی فاہا جہاں پریوں جیسے حسن کی مالک دکھائی دے رہی تھیں تو وہیں گولڈن شیروانی اور سرخ کلاہ میں ملبوس اعصام الحق بھی کسی یونانی شہزادے سے کم نظر نہیں آرہے تھے۔ خوشیوں کی ومبلڈن ٹرافی اٹھائے دونوں بے حد مسرور نظر آرہے تھے۔

ٹینس میں اعصام کے شریک کھیل' بھارتی کھلاڑی روہن بوپنا خاص طور پر لاہور پہنچے اور اعصام اور ان کی شریک حیات کو اپنی دعاؤں کا تحفہ دیا۔ روہن کی شرکت سے اعصام اور روہن کے درمیان شدید نوعیت کے اختلافات کی وہ تمام افواہیں بھی دم توڑ گئیں' جو چند ماہ قبل اعصام اور روہن کی جوڑی ٹوٹنے پر پھیل گئی تھیں۔

بھارتی کھلاڑی کے ساتھ کامیاب جوڑی بنا کر امن کی آشا کو تقویت دینے والے اعصام لاتعداد پرستار خواتین کی موجودگی میں اپنی گھریلو زندگی میں امن برقرار رکھنے میں کہاں تک کامیاب ہوتے ہیں' یہ تو آنے والا وقت ہی بتائے گا' تاہم فی الحال تو اعلیٰ تعلیم یافتہ اور خوب صورت شخصیت کی مالک فاہا بھی عوامی پسندیدگی کی سند حاصل کرچکی ہیں' اسی لیے وہ "بیوٹی فل بھابھی" کے لقب سے نوازی گئی ہیں۔

زندگی کا یہ خوشگوار سفر شروع کرنے پر اعصام' فاہا اور ان دونوں کے اہل خانہ بے حد خوش ہیں۔ دلی دعا ہے کہ ان کی یہ خوشیاں سدا قائم رہیں۔ (آمین)

جان

معروف اداکارہ لیلیٰ ایک عرصہ سے اداکاری سے دور ہیں (یہاں مراد اسکرین پر اداکاری سے ہے' آف دی اسکرین سے نہیں۔) لیلیٰ اپنی گھریلو زندگی میں گم تھیں' لیکن بھلا ہو معروف فلم ساز و ہدایت کار پرویز رانا کا کہ وہ لیلیٰ کو گھر سے نکال ہی لائے۔ (اپنے گھر سے نہیں' لیلیٰ کے گھر سے۔) پرویز رانا نے لیلیٰ کو ایک فلم کی پیش کش کی ہے۔ فلم کا نام بھی انہوں نے لیلیٰ کے نام پر رکھا ہے' یعنی "لیلیٰ میری جان" (اف!) فلم کی ابتدائی کارروائی مکمل ہوچکی ہے۔ امید ہے کہ اس کی شوٹنگ کا آغاز بھی جلد ہی ہوجائے گا۔

لیلیٰ کو شوبز میں قدم رکھے ایک طویل عرصہ بیت چلا ہے' مگر ان کے کریڈٹ پر اب تک کوئی کامیاب فلم یا خاص قابل ذکر کام نہیں ہے' سو ان کی سابقہ کارکردگی کو مدنظر رکھتے ہوئے فلمی حلقے لیلیٰ کو ٹائٹل رول دینے کو خاصا بڑا رسک قرار دے رہے ہیں' تاہم پرویز رانا کا کہنا ہے کہ "لیلیٰ تو میری جان ہے' اسی لیے فلم کا ٹائٹل بھی "لیلیٰ' میری جان" رکھا گیا ہے۔" (آپ کو پسند ہیں پرویز جی! تو اس کی سزا بے چارے ناظرین کیوں بھگتیں؟)

شکوہ

معروف اداکارہ و ماڈل آمنہ شیخ کو شکوہ ہے کہ ہمارے ہاں بھارتی فنکاروں کو بلاوجہ فوکس کیا جاتا ہے جبکہ بھارت میں ہمارے چینلز دکھائے تک نہیں جاتے۔ ہمارے ہاں بھارتی فنکاروں کے بل بورڈز نظر آتے ہیں لیکن وہاں کے بل بورڈز پر کہیں بھی ایمان علی' وینزہ احمد یا اریج منظور نظر نہیں آتیں۔ (ان ہی کی تصویریں دیکھنی ہیں' جی یا آمنہ شیخ کی بھی؟)

آمنہ کا کہنا ہے کہ ایسے قوانین بنائے جائیں کہ اگر کوئی ملٹی نیشنل کمپنی یا برانڈ ہماری مارکیٹ میں آنا چاہے تو اس کے لیے ہمارا ٹیلنٹ استعمال کرنا لازمی قرار دیا جائے۔ (اور اگر آپ کو بھارتی فلم کی پیش کش ہوئی تو انکار کردیں گی کیا؟)

گمشدہ

خبر کی ڈھیروں تعریفوں میں سے ایک خاصی معروف تعریف ہے کہ "کتا آدمی کو کاٹ لے تو خبر نہیں بنتی' لیکن اگر آدمی کتے کو کاٹ لے' تب خبر بنتی ہے۔"

لیکن جناب! یہ تو گئے وقتوں کی بات ٹھہری کہ اب تو اس میں تبدیلی آچکی ہے۔ اب تو وینا ملک کچھ کریں' تو خبر نہیں بنتی...... وہ کچھ نہ کریں تو خبر بنتی ہے۔ وینا ملک کو خبروں میں رہنے کا فن آتا ہے۔ جب ہی تو وہ

آئے دن کچھ نہ کچھ ایسا کرتی رہتی ہیں۔ اب یہی دیکھ لیجیے! کہ ان کے پاس کچھ کرنے کو نہ رہا تو وہ "غائب" ہو گئیں۔ بھارتی میڈیا میں شور مچ گیا اور یوں وینا بھارتی میڈیا پر چھا گئیں۔ بھارتی میڈیا کا کہنا تھا کہ "وینا کے ویزے کی مدت ختم ہو گئی ہے' لہٰذا وہ واہگہ بارڈر کے راستے پاکستان چلی گئی ہیں۔"

لوگ انہیں ڈھونڈتے رہے اور وہ بمبئی کے آک وڈ ہوٹل کے ایک پر سکون کمرے میں مقیم یہ تماشا دیکھتی رہیں۔ جب اس تماشے سے جی بھر گیا تو وینا اچانک منظر عام پر آ گئیں اور کہا۔

"میں کہیں گم نہیں ہوئی تھی۔ اٹھارہ اٹھارہ گھنٹے کام کر کے تھک گئی تھی تو آرام کی نیت سے فون بند کر دیا تھا۔ میں نے اپنی والدہ کو بتا دیا تھا۔ انہیں پتا تھا کہ میں کہاں ہوں۔" (لو! کر لو گل)

اس بیان سے لوگوں کی تسلی تو کیا ہوتی' خود وینا کی بھی نہیں ہوئی' جب ہی تو انہوں نے اگلے ہی دن دوسرا بیان داغ دیا کہ۔

"مجھے اشمیت سے تعلقات ٹوٹنے کا صدمہ پہنچا تھا لہٰذا اس کا غم منا رہی تھی۔ سو خود کو کمرے میں بند کر لیا تھا۔" (لوگ تو خوشیاں ہی مناتے ہیں' مگر وینا تو غم بھی مناتی ہیں۔)

وینا نے مزید بتایا کہ گو وہ مضبوط اعصاب کی مالک ہیں' لیکن اس غم کو بھولنے کے لیے انہیں ادویات کا سہارا لینا پڑا۔ (ببرک شاہ' محمد آصف اور اب اشمیت ..... کیا ابھی تک عادی نہیں ہوئیں بی بی!)

وینا نے مزید کہا کہ "اشمیت سے میل جول' کچے دھاگے کا رشتہ ثابت ہوا۔ اسے توڑنا آسان نہیں تھا' مگر یہ کڑوا گھونٹ پینا ہی پڑا۔" (اور کون جانے! یہ گھونٹ ابھی اور کتنی مرتبہ پینا ہے۔)

وینا اس بات پر خوش ہیں کہ لوگوں نے انہیں ڈھونڈا تو اس کا مطلب ہے کہ لوگوں کو ان کی پروا ہے' ورنہ وہ تو سمجھتی تھیں کہ کسی کو بھی ان کی پروا نہیں ہے۔

(لوگ تو بہت سادہ ہیں وینا جی! ہر بار آپ کی چال میں آ جاتے ہیں اور آپ بھی اتنی سادہ ہیں کہ کبھی چال بدلتی ہی نہیں۔ وہی جھوٹ' وہی ڈرامے)

یہ بیان کا لمانہ

شاعری' افسانہ' ناول' مزاح' تحقیق' انشائیہ اور تنقید جس صنف کو لے لیا جائے سیکڑوں قد آور شخصیات نظر آئیں گی جنہوں نے مادری زبان اردو نہ ہونے کے باوجود اپنی پوری زندگی اس کی ترویج و اشاعت میں لگا دی۔

(زنگار ..... عامر خاکوانی)

امریکا کی اب افغانستان میں بھی وہی پوزیشن ہے جو اس کی ویت نام میں تھی اس کے فوجی اور سول حکام اقرار کر رہے ہیں کہ وہ جنگ ہار رہے ہیں اور اس کا ذمہ دار پاکستان کو ٹھہرا رہے ہیں۔

(ذاکر حسین)

تاریخ کے جھروکوں سے

امت الصبور

خلیفہ ہارون الرشید

ہارون رشید کو مہدی نے ہادی کے بعد جانشین مقرر کیا تھا۔ موصلی سے روایت ہے کہ اسی رات ہارون رشید کے ہاں اس کا بیٹا عبداللہ مامون پیدا ہوا۔ اس معاملے کے علاوہ دنیا میں ایسا کبھی نہیں ہوا کہ ایک ہی رات میں ایک خلیفہ کی وفات ہو' دوسرا تخت خلافت پر بیٹھے اور تیسرا پیدا ہوا ہو۔ ہارون رشید کی کنیت پہلے ابو موسیٰ تھی لیکن بعد میں ابو جعفر کی کنیت سے پہچانا گیا۔ ہارون رشید بہت ہی بلند پایہ اور عظیم خلیفہ ہونے کے ساتھ ساتھ دنیا کے بادشاہوں میں بھی بلند مرتبت تھا' وہ اہل علم کا دوست اور قدر شناس تھا۔ جو لوگ اس کی تعریف کرتے ان کو بہت سا انعام عطا کرتا وہ خود بھی اعلا مرتبہ کا شاعر تھا۔

ابو معاویہ کا کہنا ہے کہ "ایک دن میں ہارون کے ساتھ کھانا کھانے کے لیے بیٹھا تو کسی آدمی نے میرے ہاتھ دھلائے' ابو معاویہ نابینا تھے مجھ سے ہارون نے پوچھا۔

"کیا آپ اس آدمی کو جانتے ہیں جس نے آپ کے ہاتھ دھلائے؟" میں نے نفی میں جواب دیا تو ہارون نے کہا۔

"میں نے آپ کے علمی مرتبہ کی تعظیم کے لیے بذات خود آپ کے ہاتھ دھلوائے ہیں۔"

ہارون الرشید نے اپنے دربار میں ایسے مشاہیر اور عالم جمع کیے جو بنو عباس میں کسی کو بھی میسر نہ آ سکے' آل برمک اس کے وزیر تھے' امام ابو یوسف قاضی تھے' شاعر دربار مروان بن ابی حفصہ تھا' فضل بن ربیع جیسا عظیم اور مشہور زمانہ شخص اس کا وزیر دربار تھا۔ عالم ابراہیم موصلی اس کے دربار میں گانے والا تھا اور ملکہ زبیدہ اس کی بیوی تھی۔ اس طرح ہارون الرشید کا دور حکومت بنو عباس میں بے مثال دور تھا۔ اس کے دور حکومت کو عروس حسینہ سے تشبیہ دی جاتی ہے۔

الصباح طبری کا کہنا ہے۔

"ایک دفعہ سفر کے دوران ہارون نے مجھ سے مخاطب ہو کر کہا کہ "اے صباح! شاید آج کے بعد تم مجھے نہ دیکھ سکو۔"

میں نے کہا' امیر المومنین! ان شاء اللہ آئندہ بھی ملاقات ہو گی اور اللہ تعالیٰ آپ کو بخیریت و عافیت واپس کر دے گا۔"

یہ سن کر وہ مجھے اس راستے سے ہٹ کر ایک طرف لے گیا جہاں کوئی بھی نہ تھا پھر مجھ سے مخاطب ہو کر کہا۔

"اے صباح! یہ ایک راز کی بات ہے' اسے پوشیدہ رکھنا۔"

اتنا کہہ کر ہارون نے اپنے پیٹ سے کپڑا اٹھا کر مجھے دکھایا' اس کے شکم پر ریشم کی پٹی لپٹی ہوئی تھی۔ اس نے مجھ سے کہا۔

"یہ دیکھو' یہ میرا مرض ہے۔ جس کو میں نے لوگوں سے چھپایا ہوا ہے اس کے باوجود میرے فرزندوں کا یہ حال ہے کہ انہوں نے اپنے الگ الگ محافظ میرے ساتھ لگا رکھے ہیں۔ میرے بیٹے ان کے ذریعے میری ایک' ایک سانس کو شمار کروا رہے ہیں لیکن میری عمر کا دور بڑھتا جا رہا ہے' میں نے اپنا سارا حال تمہیں بتا دیا ہے۔"

پھر اسی وقت برذون نسل کا گھوڑا جو بہت ہی کمزور و لاغر تھا منگوایا اور اس پر سوار ہو کر اسے حسرت بھری نگاہوں سے دیکھتے ہوئے مرجان کی طرف چل دیا اور اسی بیماری کی حالت میں طوس پہنچ کر 193ھ میں فوت ہو گیا۔"

ایک دفعہ ایک زندیق کو گرفتار کر کے ہارون الرشید کے سامنے لایا گیا ہارون نے اس کا سر قلم کرنے کا حکم صادر کیا' اس پر زندیق نے پوچھا۔

"آپ نے مجھے قتل کرنے کا حکم دیا ہے؟"

www.Paksociety.com

ہارون نے کہا "تاکہ خلق خدا تیرے فتنے سے بچی رہے۔"

اس پر زندیق نے کہا۔ "آپ مجھے قتل تو کروادیں گے مگران ایک ہزار احادیث کا کیا بنے گا جن کو میں نے خود وضع کرکے ہر طرف پھیلادیا ہے اور وہ سب من گھڑت ہیں ان میں ایک لفظ بھی رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا موجود نہیں۔"

ہارون نے کہا۔ "اے خدا کے دشمن تو کس خیال میں ہے۔ یہ ابو اسحاق فزاری اور عبداللہ بن مبارک ان احادیث کو ایک ایک کرکے اصول احادیث پر پرکھیں گے اور وہ اصول حدیث سے اس کا موزوں ہونا ثابت کریں گے۔"

اسحاق موصلی نے ایک بار ہارون الرشید کے سامنے قصیدہ گایا جس کا ترجمہ درج ذیل ہے۔

"جو عورتیں کنجوسی کرتی تھیں تو میں نے ان کو نصیحت کی کہ کنجوسی کی عادت کو چھوڑو۔ مال تو آنی جانی چیز ہے لوگ تو سخاوت کو پسند کرتے ہیں اور کنجوس کو دنیا میں کوئی بھی دوست نہیں رکھتا۔

دولت تو عارضی شے ہے بخیل کو بخل کی عادت ہوتی ہے لیکن میرا نفس ایسا نہیں کہ مجھے کوئی کنجوس کہے میں مفلسی سے کیوں خوف کھاؤں اور دولت مندی کی عظمت کو کیوں نہ بیان کروں جب کہ میرے بارے میں امیرالمومنین کی اچھی رائے ہے۔"

ہارون الرشید نے یہ باتیں سن کر کہا "ڈرنے کی کوئی بات نہیں اے فضل! اس کو ایک لاکھ درہم عطا کردو۔ اللہ کی قسم! کیا خوب اشعار کہے ہیں سب باتیں بہت خوب ہیں۔"

میں نے یہ سن کر عرض کی۔

"امیرالمومنین! آپ کا یہ فرمان تو میرے اشعار سے بھی زیادہ بلند مقام رکھتا ہے۔"

یہ سن کر ہارون نے فضل سے کہا "اس کو ایک لاکھ درہم اور دے دو۔"

ہارون ہی سب سے پہلے گھڑ دوڑ کے کھیل میں حصہ لینے والا تھا اور اس نے ہی نشانہ بازی کے کھیل کا آغاز کیا۔ خلفاء بنی عباس میں وہ پہلا آدمی ہے۔ جس نے گویوں کے مدارج مقرر کیے اور طبقات میں ان کو تقسیم کیا ہارون کی شاعری میں اس کا وہ مرثیہ بڑا زبردست ہے جو اس نے اپنی لونڈی "ھیلانہ" کی وفات پر لکھا۔ مرثیہ کے چند اشعار کا ترجمہ یہ ہے۔

"جب ھیلانہ نے وفات پائی تو مجھے شدید دکھ ہوا اور میں بہت دکھی ہوا جب ھیلانہ نے وفات پائی اور وہ مجھ سے جدا ہوگئی تو میری زندگی کا لطف ختم ہوگیا۔ جیسا میں تھا ویسا نہ رہا میرے لیے وہ ایک کائنات تھی جب وہ قبر میں گئی تو میرے لیے دنیا باقی نہ رہی بلکہ جدا ہوگئی اس دنیا میں بہت سے انسان ہیں لیکن تیری وفات کے بعد میں نے کوئی انسان نہیں دیکھا جب تک دنیا میں ہوا شاخوں کو ہلاتی رہے گی۔ اللہ کی قسم! اے ھیلانہ میں تجھے نہیں بھول سکتا۔"

ہارون الرشید کی موت کی وجہ درباری طبیب بنا جس کا نام جبرئیل ابن بختیشوع تھا۔ اس نے ہارون کا ایک عضو کاٹنا چاہا پھر اس نے فیصلہ کیا کل صبح تک انتظار کیا جائے شاید یہ صبح تندرست اٹھے لیکن وہ اسی روز مرگیا۔ وفات سے پہلے ہارون نے خواب دیکھا تھا کہ میں طوس کا حکمران بن گیا ہوں۔

صبح اٹھ کر وہ بہت رویا اور کہا "میری قبر تیار کرو جب قبر تیار ہوگئی تو اونٹ پر سوار ہوکر قبر پر گیا۔ قبر کی طرف دیکھ کر کہا اے ابن آدم اب اس کو اختیار کر۔"

پھر کچھ لوگ اس کے حکم سے قبر میں اترے اور اندر بیٹھ کر قرآن پاک کا ختم کیا اور خود اتنی دیر قبر پر بیٹھ کر سنتا رہا۔

ابولشیص نے ہارون کے انتقال پر جو مرثیہ لکھا وہ تمام مرثیوں میں اعلا مقام رکھتا ہے۔ مشہور شاعر ابونواس کی نظم کا آخری شعر اس طرح ہے۔

"دو چاند تھے ان میں سے ایک چاند بغداد میں طلوع ہوا (امین الرشید اس وقت بغداد میں تھا) اور دوسرا طوس کی سرزمین میں غروب ہوگیا۔

(الیس عطاریہ۔سپارہ قطعہ)

ادارہ

خوبصورت سنہرے

موسم سرما کو تمام موسموں میں سب سے خوب صورت اور خوش گوار موسم تصور کیا جاتا ہے، لیکن اکثر لوگوں کے لیے یہی خوش گوار موسم جلد اور بالوں سے متعلق بے شمار مسائل پیدا کرنے کا سبب بھی بنتا ہے۔

موسم سرما میں خواتین کی ایک کثیر تعداد بالوں میں خشکی، بالوں کے سروں کا پھٹنا، بالوں کا گرنا، وغیرہ وغیرہ جیسے مسائل سے دوچار رہتی ہے۔

اس لیے ضروری ہے کہ اس موسم میں بالوں کی دیکھ بھال اور نگہداشت کا خاص خیال رکھا جائے تاکہ بالوں کی چمک دمک اور صحت برقرار رہ سکے۔ بالوں کی دیکھ بھال کے لیے ویسے تو کئی مصنوعات مارکیٹ میں دستیاب ہوتی ہیں، لیکن چونکہ یہ پروڈکٹ مصنوعی ہوتی ہیں لہٰذا ان میں شامل کیمیکلز بالوں کو نقصان پہنچا سکتے ہیں۔ اس لیے مناسب ہوگا کہ بالوں کی نگہداشت کے لیے قدرتی اشیاء کا استعمال کیا جائے کیونکہ قدرتی طریقوں سے بالوں کا علاج اور دیکھ بھال کمرشل مصنوعات کے مقابلے میں زیادہ سستا، محفوظ اور قابل اعتماد طریقہ ہے، جس کے بالوں پر کسی بھی قسم کے منفی اثرات مرتب نہیں ہوتے۔

موسم سرما میں اگر ان چیدہ چیدہ باتوں کو دھیان میں رکھا جائے تو کافی حد تک ان مسائل سے چھٹکارا پایا جا سکتا ہے۔

بالوں کے لیے قدرتی اشیاء سے بنے کنڈیشنر

1 خشکی کے لیے ادرک کا کنڈیشنر :

سردیوں میں سر کی کھوپڑی پر خارش اور خشکی بڑھ جاتی ہے جو سر کی خشکی کو مزید بڑھا دیتا ہے۔ اس کنڈیشنر کو ہفتے میں دو مرتبہ استعمال کرنے سے سر کی خارش اور خشکی میں حیرت انگیز طور پر کمی واقع ہوگی۔

ادرک کا کنڈیشنر بنانے کے لیے ایک پیالے میں ایک چائے کا چمچہ ادرک کا جوس، ایک چائے کا چمچہ کھانے کا تیل اور ایک چائے کا چمچہ لیموں کا رس شامل کریں اور اسے اچھی طرح مکس کرلیں۔ اب اس محلول کو سر کی کھوپڑی پر لگائیں اور 20 منٹ تک خشک ہونے کے لیے چھوڑ دیں، پھر کسی بھی معیاری شیمپو سے بال دھولیں۔

2 ایلو ویرا کا کنڈیشنر :

بالوں میں نمی کے تناسب کو برقرار رکھنے کے لیے یہ کنڈیشنر نہایت مفید ہے۔ ایلوویرا کا ایک بڑا پتہ لیں اور اس میں سے جیل نکال لیں۔ اس جیل کو یا تو پانی میں اچھی طرح مکس کرکے سر دھونے کے بعد آخر میں استعمال کریں یا پھر سر دھونے سے پہلے بالوں کی جڑوں میں اس کا مساج بھی کرسکتے ہیں۔

3 چائے اور لیموں کا کنڈیشنر :

چائے کی پتیوں کو ایک گلاس پانی میں ابال کر چھان لیں، اب اس میں ایک عدد لیموں کا رس شامل کرکے اچھی طرح مکس کرلیں اور بالوں کو شیمپو کرنے کے بعد اس محلول سے سر کو اچھی طرح کھنگال لیں۔

4 لیموں اور شہد کا کنڈیشنر :

آدھا چائے کا چمچ شہد میں ایک عدد لیموں کا رس شامل کرکے اچھی طرح مکس کرلیں۔ اب اس محلول کو

If you want to download Monthly Digests like Khwateen Digest,Kiran,Shuaa,Suspense ,Pakeeza,Rida,Imran series by ibn-e-safi or mazhar kaleem,funny books poetry please visit www.paksociety.com for direct download link and with 21 supporting mirros in case of any help send mail at admin@paksociey.com

www.Paksociety.com

تھوڑے سے پانی میں ڈال کر بالوں پہ لگائیں اور تھوڑی دیر بعد سادہ پانی سے بالوں کو اچھی طرح کھنگال لیں۔

کنڈیشنر لگاتے وقت اس بات کا دھیان ضرور رکھیں کہ یہ سر کی کھوپڑی اور بالوں کی جڑوں میں نہ جا سکے۔ بالوں میں اضافی چمک پیدا کرنے کے لیے سرکے کو پانی میں ملا کر سر دھولیں۔

5 انڈے کا کنڈیشنر :

4 چائے کے چمچے بے بی آئل '2 عدد انڈے کی زردی اور 2 کپ پانی' انڈے کی زردی کو اچھی طرح پھینٹیں 'حتی کہ وہ جھاگ بن جائے۔ اب اس میں بے بی آئل شامل کرکے دوبارہ پھینٹیں۔ اب اس میں پانی شامل کرکے اپنے سر کی کھوپڑی اور سارے بالوں پہ اچھی طرح لگائیں۔ تھوڑی دیر تک لگا رہنے دیں 'پھر کسی اچھے شیمپو سے بالوں کو دھولیں۔

خشک اور بے جان بالوں کے لیے ماسک :

خشک' بے جان اور کمزور بال موجودہ دور میں ایک اہم مسئلہ بنتے جارہے ہیں جس کا اکثر خواتین کو سامنا کرنا پڑتا ہے۔

بالوں کو صحت مند اور زندگی سے بھرپور بنانے کے لیے قدرتی اشیاء سے بنے گھریلو ماسک کا استعمال بالوں کے لیے مفید ثابت ہوگا۔

1 کیلے کا ماسک : 2 پکے ہوئے کیلے' 2 چمچ شہد اور آدھا کپ دودھ۔

کیلے کو اچھی طرح کانٹے کی مدد سے پیسٹ بنالیں۔ اب اس میں دودھ شامل کرکے اچھی طرح مکس کریں اور اپنے بالوں کی جڑوں سے لے کر آخری سروں تک لگائیں 'تقریباً" 20 منٹ تک لگا رہنے دیں پھر دھولیں۔

2 زیتون کے تیل کا ماسک :

5 چائے کے چمچ نیم گرم تیل میں دو انڈے شامل کرکے اچھی طرح پھینٹ لیں۔ اب اس مکسچر کو برش کی مدد سے بالوں پر لگائیں۔ اس کے بعد سر کو شاور کیپ یا پلاسٹک کی تھیلی سے ڈھانپ دیں۔ تقریباً" 20 منٹ تک اس ماسک کو لگا رہنے دیں پھر کسی نرم شیمپو سے بالوں کو دھولیں۔ یہ خراب اور روکھے بالوں کے لیے بہترین ماسک ہے۔

3 انڈے کا ماسک :

انڈے کا ماسک خراب' روکھے اور خشک بالوں میں نمی کو برقرار رکھنے اور ان کی نشوونما کو بڑھانے کے لیے بہترین سمجھا جاتا ہے۔ ایک پیالے میں دو چائے کے چمچ زیتون کا تیل 'ایک چائے کا چمچ سرکہ اور ایک عدد انڈا ملا کر اچھی طرح مکس کرلیں۔ اب اسے کسی برش یا کنگھی کی مدد سے بالوں پر لگائیں تاکہ سارے بالوں پر برابر مقدار میں لگ جائے۔ تھوڑی دیر تک لگا رہنے دیں۔ پھر شیمپو سے سر دھولیں۔

4 دہی کا ماسک :

انڈے کی سفیدی کو اچھی طرح پھینٹ لیں 'جب تک کہ یہ جھاگ نہ بن جائے۔ اب اس میں 6 چمچ دہی شامل کرکے بالوں کا مساج کریں۔ تقریباً" پندرہ سے بیس منٹ تک لگا کر رکھیں 'پھر کسی اچھے شیمپو سے سر دھولیں۔

5 ناریل کا ماسک :

تازہ ناریل کا ایک ٹکڑا لیں اور اسے اچھی طرح پیس کر کریم بنالیں۔ اب اس کریم سے بالوں کا مساج کریں اور گرم تولیے سے سر کو اچھی طرح لپیٹ لیں۔ تقریباً" ایک گھنٹے کے بعد شیمپو سے سر دھولیں۔

6 میتھی کا ماسک :

مٹھی بھر میتھی کو رات بھر کے لیے پانی میں بھگو کر رکھیں۔ صبح ان بیجوں کو پانی میں پیس کر پیسٹ بنالیں۔ اب اسے بالوں پر لگائیں اور تقریباً" 20 منٹ تک لگائے رکھیں 'پھر شیمپو سے بالوں کو دھولیں۔

☼

www.Paksociety.com